خطباء و دعاۃ اور مبلغین حضرات کے لیے ایک علمی تحفہ

زاد الخطیب

جلد سوم

تالیف

(ڈاکٹر) حافظ محمد اسحاق زاہد

مرکز الفلاح الخیری - لاہور

خطباء، دعاۃ اور مبلغین حضرات کے لیے ایک علمی تحفہ
زادُ الخطیب
جلد سوم
تالیف
(ڈاکٹر) حافظ محمد اسحاق زاہد
مرکز الفلاح الخیری۔ لاہور

نام کتاب:

زادالخطیب (جلد سوم)

نام مؤلف:

ڈاکٹر حافظ محمد اسحٰق زاہد

اشاعت اول:

رمضان المبارک 1433ھ اگست 2012

مرکز الفلاح الخیری۔ لاہور

0333-4237720

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

محمد اسحاق بھٹی

ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد اور ان کی تدریسی و تصنیفی خدمات

ملتان اور اس کے قرب و جوار کو علم و عمل کے اعتبار سے خاص شہرت حاصل ہے۔ اس علاقے میں بہت سے دینی مدارس قائم ہیں اور بے شمار علمائے کرام طالبانِ علم کو تعلیم سے بہرہ ور کرنے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ ہمارے عزیز دوست ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد کے آباء واجداد اسی سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں۔ ضلع ملتان کی تحصیل شجاع آباد کا ایک گاؤں ان کا مسکن ہے۔ حافظ صاحب اسی گاؤں کے دینی تعلیم کا پس منظر رکھنے والے ایک خاندان میں 10 مارچ 1968ء کو پیدا ہوئے۔ والد کا نام نامی مولانا غلام مرتضیٰ اور چچا کا مولانا غلام مصطفیٰ ہے۔

حافظ محمد اسحاق زاہد نے حصول تعلیم کا آغاز اپنے گاؤں کی مسجد میں قاری محمد طاہر سے کیا اور انھی سے قرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ پڑھنے میں تیز تھے۔ حفظ قرآن کے بعد صرف چھ مہینے میں پرائمری کا امتحان دیا اور بہتر پوزیشن حاصل کی۔ پرائمری پاس کرنے کے بعد اپنے والد گرامی اور عم محترم سے فارسی اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر عمر کی کچھ منزلیں طے کیں تو شجاع آباد کے مدرسہ اشرف العلوم میں داخلہ لیا۔ ایک سال وہاں رہے اور درس نظامی کی بعض کتابیں پڑھیں۔

1982ء میں جب کہ وہ چودہ پندرہ سال کی عمر کو پہنچ گئے تھے، لاہور آئے اور مولانا حافظ عبدالرحمن مدنی کے جاری کردہ دار العلوم رحمانیہ (ماڈل ٹاؤن) میں داخلہ لیا۔ پھر اس کے نصاب کے مطابق 1986ء تک مسلسل چار سال وہاں تعلیم حاصل کی۔ اس دار العلوم میں ان کے اساتذہ تھے مفتی حافظ ثناء اللہ مدنی، حافظ عبدالرحمن مدنی، پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی، مولانا عبدالحی انصاری، مولانا عبدالرحمن عظیمی، قاری نعیم الحق نعیم، حافظ عبدالرشید اظہر، مولانا محمد رمضان سلفی، حافظ عبدالرشید خلیق اور مولانا خلیق الرحمن لکھوی۔ یہاں کے فاضل اساتذہ سے انھوں نے خوب استفادہ کیا۔ اسی دوران 1985ء میں لاہور بورڈ سے میٹرک کا امتحان دیا اور فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوئے۔

رابعہ ثانوی کے امتحان میں وہ دار العلوم میں اول آئے تو اربابِ اہتمام نے ان کے کاغذات مدینہ یونیورسٹی میں

بھیج دیے۔ اللہ نے مہربانی فرمائی اور انھیں 1986ء میں یونیورسٹی میں داخل مل گیا۔ پھر 1986ء سے 1990ء تک چار سال وہ مدینہ یونیورسٹی کے کلیۃ الحدیث میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس اثنا میں انھوں نے جن اساتذہ سے حصول فیض کیا، ان میں مندرجہ ذیل حضرات شامل ہیں۔

① شیخ عمر حسن فلاتہ: یہ مسجد نبوی میں مدرس تھے۔ ان سے حافظ محمد اسحاق زاہد نے تدریب الراوی جز ثانی پڑھی۔

② ڈاکٹر انیس الرحمن: ان کا اصل وطن انڈونیشیا تھا۔ ان سے انھوں نے تدریب الراوی جز اول پڑھی۔

③ ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی: ان سے نیل الاوطار کا ایک حصہ پڑھا۔

④ ڈاکٹر عبد الصمد بکر: ان سے ''الوضع فی الحدیث'' کا مضمون پڑھا۔

⑤ قاری محمد ایوب: یہ مسجد نبوی کے سابق امام تھے۔ ان سے تفسیر فتح القدیر کا درس لیا۔

⑥ شیخ عبد العزیز عبد اللطیف: ان سے جرح وتعدیل کے موضوع میں استفادہ کیا۔

ان حضرات کے علاوہ مدینہ یونیورسٹی کے محدث شیخ حماد انصاری کے گھر جا کر ان کے مکتبے میں حصول فیض کرتے رہے۔

مدینہ یونیورسٹی کا چار سالہ نصاب مکمل کر کے واپس وطن آئے تو 1991ء میں دار العلوم رحمانیہ (ماڈل ٹاؤن لاہور) میں خدمتِ تدریس انجام دینا شروع کی۔ 1994ء تک چار سال یہ سلسلہ جاری رہا۔

اب ان کا کاروانِ حیات ایک اور موڑ کاٹتا اور نئی منزل میں داخل ہوتا ہے۔ اس متن کی تشریح یہ ہے کہ مئی 1994ء میں کویت کی وزارتِ اوقاف نے انھیں کویت کا ویزا بھیجا اور یہ کویت پہنچے۔ وہاں انھیں تحفیظ القرآن کی ذمہ داری سونپی گئی۔ یعنی یہ طلباء کو قرآن حفظ کرانے اور اللہ کا کلام ان کے سینوں میں محفوظ کرانے کی بابرکت ذمہ داری تھی جو حافظ محمد اسحاق زاہد کے سپرد کی گئی۔ چھ سال وہ یہ پاکیزہ ترین خدمت سرانجام دیتے رہے۔ پھر انھیں سرکاری طور پر امامت وخطابت کا فریضہ انجام دینے پر مامور کر دیا گیا، جسے وہ اب تک نہایت حسن وخوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں کویت کی وزارتِ اوقاف کے ادارہ ''دار القرآن'' کے شعبہ اردو میں درس وتدریس کا سلسلہ بھی ان کے سپرد ہے۔

حافظ صاحب ماشاء اللہ باہمت اور مستعد اہل علم ہیں۔ قیامِ کویت کے دوران میں انھوں نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے 1994ء میں ایم اے اسلامیات کا امتحان پاس کیا۔ پھر اس سے ایک سال بعد 1995ء میں بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان سے ایم اے عربی کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔

2003ء میں حافظ صاحب ممدوح نے جامعہ کراچی کے کلیہ معارف اسلامیہ شعبۃ القرآن والسنۃ میں پی ایچ ڈی کے طالب علم کی حیثیت سے رجسٹریشن کرائی۔ جامعہ کراچی کی طرف سے انھیں پی ایچ ڈی کے لیے جو تحقیقی مقالہ لکھنے کے لیے دیا گیا، اس کا عنوان تھا:

''حدیثِ موضوع، تاریخ، اسباب، علامت اور مشہور موضوع احادیث کا تحقیقی جائزہ۔''

جنوری 2006ء میں انھوں نے مقالہ مکمل کر کے جامعہ کراچی میں جمع کرایا، اپریل 2007ء میں انھیں جامعہ کی طرف سے پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی اور یہ ڈاکٹر محمد اسحاق زاہد بن گئے۔

بہت سی مصروفیات کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد نے تصنیفی و تالیفی خدمات بھی سرانجام دیں اور بعض عربی کتابوں کا اردو ترجمہ کیا۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

- شیخ وحید عبد السلام کی کتاب ''الصارم البقاء'' کا ترجمہ ''جادو کا علاج قرآن و حدیث کی روشنی میں'' کے نام سے کیا۔
- شیخ وہف القحطانی کی کتاب ''صلوٰة التطوع'' کا اردو ترجمہ ہے ''نماز نفل''۔ مطبوعہ کتاب کے صفحات ہیں 190۔
- رابعہ الطویل کی عربی کتاب کا نام ہے ''حقیقة الشہادتین'' اس کے اردو ترجمے کا نام رکھا گیا ہے: ''حقیقت شہادتین۔ یعنی أشهد ان لا اله الا الله وأشهد ان محمد ا رسول الله'' صفحات 284۔
- شیخ خالد الحسینان کی ایک جیبی قسم کی تصنیف ہے ''الـ سنة في اليوم والليلة.'' حافظ صاحب ممدوح نے '''دن اور رات میں ایک ہزار سے زیادہ سنتیں'' کے نام سے اس کا اردو ترجمہ کیا۔
- اسلام میں خواتین کا مقام اور پردہ: یہ صرف پچاس صفحات کی کتاب ہے اور اپنے موضوع کی اہم کتاب ہے۔
- فضائل درود شریف: 64 صفحات پر مشتمل بڑی عمدہ کتاب ہے۔
- ارکان ایمان: ایک سو بارہ صفحات کی اس کتاب میں ایمان کے چھ ارکان کا تعارف کرایا گیا ہے۔ وہ ہیں: ① ایمان باللہ ② ایمان بالملائکہ ③ ایمان بالکتب ④ ایمان بالرسل ⑤ ایمان بالیوم الآخر ⑥ ایمان بالقدر۔
- خوش گوار زندگی کے رہنما اصول: 48 صفحات کا بہترین رسالہ۔
- زاد الخطیب: اب آیے ان کی ایک نہایت اہم کتاب کی طرف جس کا نام ''زاد الخطیب'' ہے۔ یہ بڑے سائز کی ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس کی پہلی جلد 552 صفحات پر مشتمل ہے اور دوسری جلد 515 صفحات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ دونوں جلدیں پہلی دفعہ 2008ء میں جمعیت احیاء التراث الاسلامی کی طرف سے چھپیں۔ اس کے بعد بھی چھپیں۔ لوگوں نے ان سے بے حد استفادہ کیا اور کر رہے ہیں۔ اب اس سلسلے کی تیسری جلد اشاعت کے مرحلے سے گزر رہی ہے۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، یہ سلسلہ دراصل مساجد کے خطیب حضرات کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ اپنی نوعیت کا یہ بالکل منفرد سلسلہ ہے۔

خطیب کے معنی ہیں: خطاب کرنے والا۔ یعنی لوگوں کو وعظ سنانے اور نصیحت کرنے والا۔ عام طور سے اس کا اطلاق جمعۃ المبارک اور عیدین کے خطبے پر ہوتا ہے۔

حافظ ڈاکٹر محمد اسحاق زاہد کی یہ بہت بڑی دینی خدمت ہے جو انھوں نے خطیب حضرات کے لیے انجام دی۔

کتاب کی پہلی جلد میں انھوں نے قمری مہینوں کے لیے خطبات مرتب کیے ہیں۔ وہ قمری مہینے ہیں: محرم، صفر، ربیع الاول، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ۔ ان میں سے ماہِ محرم کے تین، صفر کا ایک، ربیع الاول کے چار، رجب کے تین، شعبان کے دو، رمضان کے چار، شوال کا یک، ذوالقعدہ کے تین اور ذوالحجہ کے چار خطبات ہیں۔ یہ کل پچیس خطبات ہوئے جو صحیح احادیث اور مستند واقعات کی روشنی میں تحریر کیے گئے ہیں۔ فاضل مرتب نے ہر خطبے کی ترتیب میں بے حد محنت اور بہ درجہ غایت احتیاط سے کام لیا ہے۔ ان کی زبان صاف اور عام فہم ہے۔ یعنی ان کے ذہن میں یہ بات سما گئی ہے کہ خطیب کے سامنے ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، ان پڑھ بھی اور پڑھے لکھے بھی۔ وہ ان سب سے مخاطب ہے اور سب کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے اس مقصد میں وہ اسی وقت کامیاب ہو سکے گا، جب کہ اپنے تمام مخاطبین کے ذہن وفکر کی سطح کے مطابق بات کرے گا۔ آسان زبان کا فائدہ یہ ہے کہ اسے بڑے سے بڑا تعلیم یافتہ بھی بخوبی سمجھ لیتا ہے اور ان پڑھ بھی۔ لیکن مشکل زبان اور دقیق الفاظ ان پڑھ نہیں سمجھ سکتا، لہٰذا دونوں طبقوں کو سمجھانے کے لیے آسان اندازِ بیان اختیار کرنا چاہیے اور حافظ محمد اسحاق زاہد نے یہی انداز اختیار کیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو حضرات ان خطبات کی روشنی میں خطبہ دینا چاہتے ہیں، وہ اسی قسم کی عام فہم اور آسان زبان استعمال کریں۔ یہی ابلاغ کا صحیح ترین طریقہ ہے۔ قادر الکلام خطیب اسی کو سمجھا جاتا ہے جو اپنے سامنے بیٹھے ہوئے مجمعے کے ہر فرد کی ترجمانی کرے اور اس کا ہر سامع یہ خیال کرے کہ مقرر اور خطیب نے اس کے دل کی بات کی ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

بسا اوقات بڑے بڑے خطیب اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ عام مجمعوں میں اسی لیے مار کھا جاتے ہیں کہ وہ اپنے سامعین کی علمی سطح اور ذہنی کیفیت کا لحاظ نہیں رکھتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح میں عالم ہوں، اسی طرح میرے سامعین بھی عالم ہیں، جب کہ سامعین سمجھنے کے لیے آئے ہیں اور خطیب کا کام ان کے فہم کے مطابق انھیں سمجھانا ہے۔

زاد الخطیب کی دوسری جلد بھی جو بڑے سائز کے 515 صفحات پر محیط ہے، پچیس خطبات کا روح پرور مجموعہ ہے جو قرآن مجید اور صحیح احادیث کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہے۔ اس کا اسلوبِ بیان اور طریق تفہیم وہی ہے جو پہلی جلد کے خطبات کا ہے۔ مختلف خطبات کے چند عنوانات یہ ہیں: توحید باری تعالیٰ، شرک سب سے بڑا گناہ، اسلامی بھائی چارہ،

سچ کے فوائد اور جھوٹ کے نقصانات، حقوق الزوجین، تربیتِ اولاد، شکر کے فضائل و فوائد، صبر کے فوائد و ثمرات۔

کتاب کے تمام عنوانات پر ''زاد الخطیب'' کے لائق مصنف نے خوب صورت انداز میں بحث کی ہے اور ہر عنوان کو مناسب تفصیل سے بیان کیا ہے۔ توحید، اسلام کا اولین رُکن ہے۔ نزولِ قرآن اور نبی ﷺ کی بعثت کے وقت ملک عرب سمیت پوری دنیا کے لوگ اس سے ناآشنا تھے۔ کعبۃ اللہ میں کفار نے سیکڑوں بت تراش کر رکھے تھے، جن کی وہ باقاعدہ پوجا کرتے تھے۔ اس لیے اسلام نے مسئلۂ توحید خاص طور سے وضاحت کے ساتھ بیان کیا اور شرک کی زوردار الفاظ میں مذمت کی اور اسے سب سے بڑا گناہ قرار دیا۔ اسی طرح دیگر مسائل بھی جو انسانی معاشرے کے لیے بے حد اہمیت رکھتے ہیں، اس مجموعۂ خطبات میں پوری صراحت کے ساتھ ضبطِ تحریر میں لائے گئے ہیں۔ قارئین کرام اس مجموعے کا مطالعہ کریں اور اس کے مندرجات سے مستفید ہوں۔ مقدمۂ کتاب میں اس کے مشمولات کی طرف صرف اشارے کیے جاتے ہیں، تفصیلات سے آگاہی کتاب پڑھ کر ہوگی اور وہ قارئین کو پڑھنی چاہیے۔

اب آیئے زاد الخطیب کی تیسری جلد کی طرف!

اس جلد کا بھی پہلی دو جلدوں کی طرح بڑا سائز ہے اور یہ 538 صفحات میں پھیلی ہوئی ہے۔ پہلی اور دوسری جلدیں پچیس پچیس خطبات پر مشتمل ہیں۔ یہ بھی پچیس خطبات کو اپنے دامنِ صفحات میں سمیٹے ہوئے ہے۔ یعنی تینوں جلدوں میں پچھتر (75) خطبات مرقوم ہیں۔ پہلی دونوں جلدیں چھپ کر خوانندگانِ محترم کے مطالعہ میں آچکی ہیں اور مضامین و مشتملات کی رو سے بے حد مقبولیت حاصل کر چکی ہیں، لیکن تیسری جلد چھپنے کے لیے پریس جا رہی ہے۔ اس جلد کے پچیس خطبات میں سے چند خطبات کے عنوان یہ ہیں: اسلام کا عام فہم تعارف، اسلام دینِ رحمت ہے، شروط لا الہ الا انت، عبادت کا مفہوم اور اس کے ثمرات، کتاب و سنت کی اتباع کیوں ضروری ہے؟ دعا اور اس کے آداب، مسجد کے آداب، ایمان کے فضائل اور ارکان۔ اس طرح یہ سلسلہ آگے پچیس خطبات تک چلتا ہے۔

اب کچھ عرصے سے خطبات لکھنے اور چھاپنے کا کچھ زیادہ رواج ہو گیا ہے، جس کتب فروش کے پاس جاؤ، وہاں کسی نہ کسی خطیب کے خطبات پڑے ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض خطبات میں ایسے پنجابی اشعار بھی ملتے ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس فقیر کو تقسیم ملک سے قبل کے بھی متعدد خطبات پڑھنے کا موقع ملا، جن میں سے بعض خطبات کے مصنفین علمی اعتبار سے خاص شہرت کے مالک تھے، لیکن ان میں بھی بعض ایسے واقعات مرقوم ہیں، جن کی صحت بہر حال مشکوک ہے۔ البتہ حافظ محمد اسحاق زاہد کے خطبات غیر صحیح اور غیر مستند واقعات سے پاک ہیں۔ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، تحقیق سے لکھا اور لکھتے وقت واقعات کی صحت و استناد کا پورا خیال رکھا۔ اِدھر اُدھر کی کوئی غیر ثقہ بات ان کے قلم سے نہیں نکلی۔

واقعہ یہ ہے کہ "زاد الخطیب" ایک بہت بڑی سوغات ہے جو انھوں نے خوب صورت انداز میں ترتیب دے کر خطیبوں اور واعظوں کی خدمت میں پیش کی ہے۔ وہ چوں کہ ایک دینی پس منظر رکھنے والے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، پھر ان کی تربیت بھی خالص دینی ماحول اور بہترین اساتذہ کی نگرانی میں ہوئی، اس لیے انھوں نے قلم کو حرکت دیتے وقت بے حد احتیاط کا ثبوت بہم پہنچایا۔ زاد الخطیب کی تینوں ضخیم جلدوں میں ثقاہت ان کے ہم عنان اور صداقت ان کے ہم رکاب رہی۔ سولہ سو سے زائد صفحات کی اس تحریر میں عام واعظوں کی سی قصہ گوئی والی کوئی بات کہیں نظر نہیں آتی۔

کتاب کا مطالعہ خطباء ومقررین کے علاوہ دیگر حضرات کے لیے بھی نہایت فائدہ مند ثابت ہوگا۔ اس کے پڑھنے سے بہت سے مسائل اور صحیح ترین تاریخی واقعات نظر و بصر کے زاویوں میں آجاتے ہیں۔ اسلام کے داعیوں، واعظوں اور عام تعلیم یافتہ حضرات کو اس کتاب کے موضوعاتی مندرجات سے مستفید ہونا چاہیے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مصنف اور اس کی طباعت میں تعاون کرنے والے تمام دوستوں کو اجر جزیل سے نوازے۔

محمد اسحاق بھٹی

اسلامیہ کالونی، ساندہ، لاہور

27 جون 2012ء 6 شعبان 1433ھ

حرفِ چند

اللہ رب العزت نے مجھ ناچیز پر بے شمار انعامات کیے ہیں، اس پر میں اس کا جتنا شکر ادا کروں اتنا ہی کم ہے۔ ان گنت انعامات میں سے ایک بہت بڑی نعمت زاد الخطیب کی پہلی دو جلدوں کی پزیرائی اور مقبولیت ہے۔ باری تعالی کا فضل وکرم ہے کہ اِس کتاب کی پہلی دونوں جلدوں کو علماء، خطباء اور واعظین ومبلغین کے ہاں قابل تحسین نظروں سے دیکھا گیا اور اس کے مؤلف کی کاوش کو سراہا گیا۔ پاکستان اور ہندوستان کے علاوہ دیگر کئی ممالک میں جہاں جہاں یہ کتاب پہنچی، اسے مفید جانا گیا اور میدان دعوت وتبلیغ سے تعلق رکھنے والے بے شمار حضرات نے اس سے بھر پور استفادہ کیا۔

یہ دونوں جلدیں جمعیہ احیاء التراث الاسلامی کویت کی جانب سے سب سے پہلے پاکستان میں طبع ہوئیں، پھر انھیں ہندوستان میں چھپوایا گیا، نیز پاکستان کے علاوہ پورے ہند اور نیپال میں بھی ہزاروں خطباء اور واعظین حضرات میں اسے مفت تقسیم کیا گیا۔ بعد ازاں جمعیہ احیاء التراث الاسلامی کی طرف سے اردو زبان میں اہم ترین کتب کا ایک مجموعہ منتخب کیا گیا جس میں 'زاد الخطیب' کی دونوں جلدوں کو بھی شامل کیا گیا۔ پھر یہ سیٹ پاکستان، ہندوستان اور نیپال میں مصروف کار ہزاروں دعاۃ حضرات کو دیا گیا۔ بعض مکتبات نے پاکستان میں اور بعض نے ہندوستان میں، بعض نے اجازت کے ساتھ اور بعض نے ہماری اجازت کے بغیر اس کتاب کو پرنٹ کیا اور فروخت کیا۔ یوں یہ کتاب غیر معمولی طور پر مقبول ہوئی۔ اس کے خطبات کو بے شمار مساجد میں خطباتِ جمعہ اور دروس کے ذریعے بیان کیا گیا۔ فللہ الحمد والمنۃ

مجھے یاد ہے کہ جب یہ کتاب ہندوستان میں منتشر ہوئی تو ہند کی مرکزی جمعیت اہل حدیث کے ناظم اعلی جو پچھلے کئی سالوں سے کویت تشریف لاتے ہیں، انھوں نے مجھے مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ" آپ نے تو ما شاء اللہ زاد الخطیب کے ذریعے پورا ہندوستان فتح کر لیا ہے۔" پاکستان، ہندوستان اور نیپال کے جیّد علمائے کرام اور دعاۃ نے بھی اس کتاب کی افادیت کا تذکرہ فرمایا، اس پر میں اللہ تعالی کا شکر گزار ہوں۔ یہ سب اسی کی توفیق سے ہوا، میرا کوئی کمال نہیں۔

یہاں میں اپنے ان محسنین کا تذکرہ بھی کرتا چلوں جنھوں نے پہلی دو جلدوں میں پائی جانے والی بعض اخطاء کی نشاندہی کر کے مجھے آگاہ کیا۔ خاص طور پر استاذ محترم حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ، جنھوں نے 'بیعت عقبہ' کے بارے میں ایک علمی غلطی کی نشاندہی فرمائی۔ اسی طرح پاکستان کے شمالی علاقہ 'بلتستان' سے تعلق رکھنے والے جناب عبد الوہاب خان نے پہلی جلد کو حرفاً حرفاً پڑھا اور بڑی محنت کر کے اخطاء کو مدون کیا، میں ان کا اور دیگر سب حضرات کا شکر گزار ہوں جنھوں نے کسی بھی طباعتی غلطی بارے مجھے مطلع کیا۔ اللہ تعالی انھیں صحت وعافیت سے نوازے اور علم وعمل میں برکت دے۔

الحمد للہ پہلی دو جلدوں کا سندھی زبان میں ترجمہ مکمل ہو چکا ہے۔ فارسی اور پشتو زبان میں ترجمہ ہو رہا ہے۔ اسی طرح

ہندوستان کی بعض علاقائی زبانوں اور بنگالی زبان میں بھی ان کا ترجمہ کروانے کا منصوبہ ہے۔ اللہ تعالی اِس کتاب کو مؤلف اور ان تمام حضرات کے لیے صدقہ جاریہ بنائے جنھوں نے اس کی تیاری میں کسی بھی طرح سے تعاون کیا۔

قارئین کرام ! اب ' زاد الخطیب ' کی تیسری جلد حاضر خدمت ہے۔ اس میں بھی پہلی دو جلدوں کی طرح پچیس موضوعات پر خطباتِ جمعہ ہیں، مثلاً اسلام دین رحمت ہے * گناہوں کے خطرناک نتائج * دعا اور اس کے آداب * ارکان ایمان * جہنم سے آزادی کے اسباب * امن وامان کی اہمیت اور اس کے اسباب * رزق حلال ہی آخر کیوں؟ * اپنے دشمن کو پہچانئے ! * طلاق کے اسباب اور اس کا حل * نفاق اور منافق کی نشانیاں * حدیث (لا ضرر ولا ضرار) کی تشریح * نماز میں نمازیوں کی اخطاء * آلات موسیقی اور گانا بجانا۔۔۔ ایک بہت بڑی لعنت * خرید وفروخت کے آداب واحکام * عبادت کا مفہوم اور اس کے ثمرات * کتاب وسنت ہی کی اتباع کیوں ضروری ہے؟ ۔۔۔ وغیرہ

امید ہے خطباء اور مبلغین حضرات پہلی دو جلدوں کی طرح اِس جلد سے بھی خوب استفادہ کریں گے۔ ان شاء اللہ۔ اگر کسی صاحب کو اِس سے کوئی فائدہ ہو تو ان سے بس اتنی گزارش ہے کہ وہ مجھے، میرے والدین اور میرے بیوی بچوں کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔ اسی طرح لجنۃ القارۃ الہندیۃ کے ذمہ دار جناب فلاح خالد المطیری کو بھی، جن کا بھرپور اعتماد اور تعاون مجھے حاصل رہا۔ اور انھی کے خصوصی اہتمام سے تیسری جلد پہلی دو جلدوں کی طرح زیور طباعت سے آراستہ ہو سکی۔ اللہ تعالی انھیں جزائے خیر دے۔

محترم مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب میرے مہربان ہیں۔ میں ان سے ملاقات کے لیے گھر پر حاضر ہوا۔ حسب معمول بڑی اپنائیت سے پیش آئے۔ باتوں باتوں میں انھوں نے زاد الخطیب اور اس کی افادیت کا بھی تذکرہ فرمایا۔ میں نے انھیں عرض کیا کہ اس کی تیسری جلد بھی تیار ہو چکی ہے۔ ان سے گزارش کی کہ اگر آپ اس پر چند کلمات لکھ دیں تو میری خوش نصیبی ہوگی۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھے مسودہ بھیج دیں میں ان شاء اللہ کچھ لکھ دوں گا۔ چند دنوں بعد انھوں نے مجھے کویت میں فون پر بتایا کہ وہ زاد الخطیب کے متعلق چھ صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ تیار کر چکے ہیں۔ میں اس عنایت پر بزرگوار جناب بھٹی صاحب کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالی انھیں صحت وعافیت دے۔ ان کے ذریعے عالم اسلام کو مزید فائدہ پہنچائے۔ ان کی تالیفات کو ذخیرۂ آخرت بنائے۔ علاوہ ازیں اپنے بھائی حافظ عبد العظیم (ڈائریکٹر دار السلام، لاہور) کا بھی شکر گزار ہوں جن کی ذاتی دلچسپی اور خصوصی تعاون سے تیسری جلد کی شایانِ شان طباعت ممکن ہوئی۔ اللہ تعالی انھیں جزائے خیر دے اور علم وعمل میں برکت دے۔ آمین یا رب العلمین !

حافظ محمد اسحاق زاہد۔ کویت

مورخہ 10 شعبان 1433ھ/30 جون 2012

برائے رابطہ: hmishq68@gmail.com

اسلام کا عام فہم تعارف

اہم عناصرِ خطبہ

1. اسلام ہی اللہ تعالیٰ کا دینِ برحق ہے
2. اسلام ہی تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین تھا
3. اسلام کسے کہتے ہیں؟
4. اسلام کی بعض خصوصیات
5. اسلام کی اہم تعلیمات

پہلا خطبہ

محترم حضرات ! اللہ تعالیٰ کا بے انتہاء شکر ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا اور دینِ برحق (دین اسلام) کو قبول کرنے کی توفیق دی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے ! کیونکہ دینِ اسلام ہی اللہ تعالیٰ کا دینِ برحق ہے۔اس کے علاوہ جتنے دین ہیں وہ سب کے سب باطل ہیں اور جو لوگ دین اسلام کے علاوہ کسی اور دین کے پیروکار ہیں وہ یقینا دنیا میں بھی خسارے میں ہیں اور آخرت میں بھی وہ یقینا خسارہ ہی پائیں گے اور انھیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔

آج کے خطبۂ جمعہ میں ہم اسی دینِ برحق (یعنی اسلام) کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ اسلام کی حقانیت کو واضح کرتے ہوئے اس کا حقیقی مفہوم بیان کریں گے۔اس کی بعض خصوصیات کی طرف اشارہ کریں گے اور اسلام کی اہم تعلیمات اور احکام وآداب پر روشنی ڈالیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

1 اللہ تعالیٰ کے نزدیک سچا اور برحق دین 'اسلام' ہے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ﴾

''بے شک دین (برحق) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔''[1]

'اسلام' اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے جیسا کہ اس کا فرمان ہے: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔ اور اسلام کو بحیثیت دین تمھارے لیے پسند کر لیا۔''[2]

اس لیے جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا پیروکار ہو اس کا دین اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝﴾

''اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طلبگار ہو تو اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔''[3]

2 اسلام تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین ہے

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک تمام انبیائے کرام علیہم السلام ایک ہی دین کے ساتھ مبعوث کیے گئے اور وہ ہے دین اسلام۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾

''اس نے تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح علیہ السلام کو دیا تھا اور جو ہم نے آپ کو بذریعۂ وحی دیا ہے اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا۔ اور سب سے کہا تھا کہ تم دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔''[4]

اِس آیت کریمہ میں الوالعزم پیغمبروں کا ذکر کیا گیا ہے اور سب سے افضل پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو آگاہ کیا گیا ہے کہ جو دین آپ پر بذریعۂ وحی اتارا گیا ہے اُسی دین کا حکم ان پیغمبروں کو بھی دیا گیا۔ اور سب کو یہی کہا گیا کہ دینِ اسلام کو قائم رکھنا اور اس میں گروہ بندی اور فرقہ بازی سے بچنا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ملتِ ابراہیمی کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ

[1] آل عمرٰن 19:3۔ [2] المائدۃ 3:5۔ [3] آل عمرٰن 85:3۔ [4] الشورٰی 13:42۔

اللہ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○﴾

''اور ابراہیم علیہ السلام کے دین سے تو وہی نفرت کر سکتا ہے جس نے خود اپنے آپ کو احمق بنا لیا ہو۔ بے شک ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں چن لیا اور آخرت میں بھی وہ صالح لوگوں میں سے ہوں گے۔ جب انھیں ان کے رب نے فرمایا: فرمانبردار ہو جاؤ تو انھوں نے فورا کہا: میں جہانوں کے رب کا فرمانبردار بن گیا ہوں۔ اور ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو بھی اسی دین کی وصیت کی تھی۔ (انھوں نے کہا) میرے بیٹو! اللہ نے تمھارے لیے یہی دین پسند کیا ہے۔ لہٰذا تم مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا۔''[1]

اِس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے انبیائے کرام علیہم السلام جو کہ ان کی اولاد سے ہی تھے، سب کا دین اسلام تھا۔ اور اسی پر قائم رہنے کی وصیت ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو بھی کی تھی۔

اور حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○﴾

''اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہو جاؤں۔''[2]

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ قَالَ مُوْسٰی یٰقَوْمِ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰہِ فَعَلَیْہِ تَوَکَّلُوْٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ ○﴾

''اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! اگر تم واقعتا اللہ پر ایمان لے آئے ہو تو پھر اسی پر توکل کرو اگر تم مسلمان ہو تو۔''[3]

اسی طرح بلقیس نے کہا تھا:

﴿قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○﴾

''اس نے کہا: اے میرے رب! میں نے یقینا اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ اور اب میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اُس اللہ کے لیے مسلمان ہو چکی ہوں جو کہ تمام جہانوں کا رب ہے۔''[4]

ان تمام آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا دین ایک ہی تھا اور وہ ہے دین اسلام۔

تاہم یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ دین سے مراد وہ اصول ومبادی ہیں جو کبھی تبدیل نہیں ہوئے۔ مثلا توحیدِ باری تعالیٰ پر ایمان لانا، شرک کی حرمت، قیامت کا دن اور اس میں لوگوں کا حساب وکتاب، قتلِ ناحق،

[1] البقرۃ2:130-132. [2] یونس10:72. [3] یونس10:84. [4] النمل27:44.

چوری اور بے حیائی وغیرہ کی حرمت۔ اِس طرح کے بنیادی احکام تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل کیے گئے اور ان میں کبھی تبدیلی نہیں کی گئی۔ ہاں دین کی جزئیات میں حالات کے مطابق تبدیلی ہوتی رہی ہے مثلاً آدم علیہ السلام کی اولاد میں بہن بھائی کا نکاح جائز تھا جو بعد میں آنے والے انبیاء علیہم السلام کے ادوار میں حرام قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح اُس دور میں سجدۂ تعظیمی جائز تھا جو بعد میں حرام کر دیا گیا۔ سابقہ انبیاء کی شریعتوں میں اموالِ غنیمت سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں تھا جبکہ آخر الزمان نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں انھیں حلال قرار دیا گیا۔ اسی طرح نمازوں کی تعداد اور طریقۂ ادائیگی، زکاۃ کی مقدار اور روزوں کی تعداد وغیرہ میں بھی مختلف انبیاء کی شریعتوں میں فرق رہا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اصول، مبادی اور بنیادی احکام کے لحاظ سے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین ایک ہی تھا۔ جبکہ ان میں سے بعض کی شریعتیں ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

((اَلْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ))

''تمام انبیاء علاتی بھائی ہیں، ان کی مائیں (شریعتیں) الگ الگ تھیں لیکن سب کا دین ایک تھا۔''[1]

خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر ایمان لانا فرض ہے

خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ کی شریعت پر ایمان لانا قیامت تک آنے والے تمام لوگوں پر فرض ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت قیامت تک آنے والے تمام عرب وعجم کے لیے ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا﴾

''کہہ دیجیے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''[2]

نیز فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

''ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوشبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ مگر لوگوں کی اکثریت بے علم ہے۔''[3]

اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

((وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً))

''ہر نبی کو اس کی قوم کی طرف ہی بھیجا جاتا تھا جبکہ مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔''[4]

[1] صحيح البخاري: 3443، و صحيح مسلم: 2365. [2] الأعراف 7:158. [3] سبأ 34:28. [4] صحيح البخاري: 438، واللفظ له، صحيح مسلم: 521.

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو' چاہے وہ یہودی ہوں یا نصرانی، مجوسی ہوں یا بت پرست' سب کے سب کو حکم دیا ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ پر ایمان لے آئیں۔ اور انھیں خبردار کیا ہے کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو یہی ان کے لیے بہتر ہے ورنہ انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا سامنا کرنا ہوگا کیونکہ کائنات کی ہر چیز پر اس کو مکمل اختیار اور قبضہ حاصل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ ٱلرَّسُولُ بِٱلْحَقِّ مِن رَّبِّكُمْ فَـَٔامِنُوا۟ خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَإِن تَكْفُرُوا۟ فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ﴾

"اے لوگو! رسول تمھارے پاس تمھارے رب کی جانب سے (دین) حق لے کر آ چکا، لہٰذا تم ایمان لے آؤ، یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور اگر تم انکار کرو گے (تو پھر یاد رکھو کہ) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کے لیے ہے۔"[1]

انھی آیات کے پیش نظر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور یہ ان کے نزدیک ثابت شدہ اور یقینی عقائد میں سے ہے کہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے کے سوا اب کوئی چارۂ کار نہیں۔ ہر حال میں ان پر اور ان کی شریعت پر ایمان لانا لازم ہے۔ اور حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بعد شریعت محمدیہ کو چھوڑ کر کسی اور نبی کی شریعت کی پیروی کرنا قطعا درست نہیں ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ہر ایسے شخص کو جہنمی قرار دیا جو آپ ﷺ کی شریعت کے علاوہ کسی اور شریعت کا پیروکار ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَسْمَعُ بِيْ أَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُوْدِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ ، ثُمَّ يَمُوْتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِيْ أُرْسِلْتُ بِهِ ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ))

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اس امت کا کوئی شخص خواہ یہودی ہو یا نصرانی میرے بارے میں سنے، پھر اس حالت میں اس کی موت آجائے کہ وہ اس شریعت پر ایمان نہیں لایا جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے تو وہ یقینی طور پر جہنم والوں میں سے ہوگا۔"[2]

اس لیے جو لوگ آج اسلام کے علاوہ کسی اور دین پر قائم ہیں یا وہ حضرت محمد ﷺ کی شریعت کے علاوہ کسی اور نبی کی شریعت پر قائم ہونے کے دعویدار ہیں تو ان کے بارے میں ہم مسلمانوں کا یہ پختہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ وہ کافر ہیں اور اگر اسی پر ان کی موت آتی ہے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہیں۔

کیونکہ جو شخص مشرکوں اور کافروں کے بارے میں یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ کافر ہیں مثلاً وہ یہود و نصاریٰ یا مجوسیوں یا

① النساء 4:170. ② صحیح مسلم:153.

بت پرستوں یا کیمونسٹوں کو کافر نہ کہے تو وہ بھی انھی کی طرح کافر ہو جاتا ہے۔ یا وہ ان کے کفر میں شک کا اظہار کرے مثلا وہ یوں کہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہودی حق پر ہوں! یا معلوم نہیں کہ وہ کافر ہیں یا نہیں! یا وہ یہ کہے کہ ہر انسان کو اس بات کی آزادی ہے کہ وہ یہودیت، نصرانیت اور اسلام میں سے جونسا دین چاہے اختیار کرلے کیونکہ یہ سب کے سب آسمانی دین ہیں! جیسا کہ بعض لوگ ان تینوں ادیان کو ایک دوسرے کے قریب کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ تو جو آدمی اس طرح کا اعتقاد رکھے وہ یقینا کافر ہے۔ لہٰذا اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہود ونصاری، مجوس، بت پرستوں اور ان کے علاوہ دیگر تمام کفار کے بارے میں پختہ اعتقاد رکھے کہ وہ یقینا کافر ہیں اور دین باطل پر قائم ہیں۔ اور وہ ان سے اور ان کے دین سے براءت کا اظہار کرے اور اللہ کی رضا کی خاطر ان سے بغض اور عداوت رکھے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ﴾

”تمہارے لیے ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔ ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں اور جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہیں لاتے ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لیے بغض وعداوت ظاہر ہوگئی۔“[1]

اسلام کسے کہتے ہیں؟

’اسلام‘ کا معنی ہے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دینا، اس کے احکامات پر سر تسلیم خم کر دینا اور اس کی فرمانبرداری کرنا۔

کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تابع فرمان ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝﴾

”کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب چار وناچار اسی کے تابع فرمان ہیں اور سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔“[2]

مسلمانو! جب کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تابع فرمان ہے تو انسان اس کا تابع فرمان کیوں نہیں بنتا؟ انسان کو یہ سوچنا چاہیے کہ اس کو کس نے پیدا کیا؟ کس نے اسے دیکھنے کے لیے آنکھیں دیں؟ کس نے سننے کے لیے کان

[1] الممتحنة 4:60. [2] آل عمرٰن 83:3.

دیے؟ کس نے سوچنے کے لیے دماغ عطا کیا؟ کس نے بولنے کے لیے زبان دی؟ کس نے پکڑنے کے لیے ہاتھ اور چلنے کے لیے پاؤں دیے؟ وہ کون ہے جس نے اسے بے شمار نعمتوں سے نوازا؟ وہ کون ہے جس نے اسے رزق عطا کیا؟ وہ کون ہے جس نے اس انسان کے لیے شمس وقمر، زمین وآسمان، باغات ودرخت اور کائنات کی ہر چیز پیدا کی؟ جس نے بغیر عوض کے انسان کو سب کچھ عطا کر دیا کیا اس کا یہ حق نہیں کہ اس کی فرمانبرداری کی جائے؟ اس کے احکامات پر عمل کیا جائے؟ اس کی منہیات سے پرہیز کیا جائے؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ۝﴾

”اور تم اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول (ﷺ) کی طاعت کرتے رہو۔ اور (نافرمانی سے) ڈرتے رہو۔ پھر اگر تم نے اعراض کیا تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ تو بس صاف صاف پہنچا دینا ہے۔“[1]

اسی طرح فرمایا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ۝﴾

”اے ایمان والو! اللہ اور رسول (ﷺ) کا حکم مانو جب رسول تمھیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہارے لیے زندگی بخش ہو۔ اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اور اسی کے حضور تم جمع کیے جاؤ گے۔“[2]

ان آیات میں اور اِس طرح کی دیگر بے شمار آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی فرمانبرداری اور اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کی اطاعت گذاری کا واضح حکم دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان بحیثیت مسلمان آزاد نہیں کہ جو چاہے اور جیسے چاہے کرتا رہے بلکہ وہ اِس بات کا پابند ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو اور جس حال میں بھی ہو ہر صورت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات پر عمل درآمد کرے اور ان کی نافرمانی سے بچے۔ اسی کو 'اسلام' کہتے ہیں۔ ورنہ اگر وہ من مانی کرتا رہے اور جو جی میں آئے اسے پورا کرنے پر تل جائے، یہ نہ دیکھے کہ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گا یا ناراض تو ایسا انسان اپنی خواہشات کا پجاری ہوتا ہے اور وہ اس طرح کا طرزِ عمل اختیار کرکے جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا۝ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا۝﴾

[1] المائدۃ 92:5. [2] الأنفال 24:8.

''بھلا آپ نے اس پر غور کیا جس نے اپنی خواہش کو ہی معبود بنا رکھا ہے؟ کیا (اس کو راہِ راست پر لانے کے) ذمہ دار آپ بن سکتے ہیں؟ یا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے اور سمجھتے ہیں؟ یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔''[1]

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ خواہشاتِ نفس کا پیروکار انسان جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر ہے۔ لہٰذا اگر اسے صحیح معنوں میں 'مسلمان' بننا ہے تو نفسانی خواہشات کی پیروی کی بجائے اللہ تعالیٰ کی مکمل فرمانبرداری کرنا ہوگی اور اس کی رضامندی کے حصول کے لیے اپنی خواہشات کو قربان کرنا ہوگا۔

اسی طرح ارشاد فرمایا: ﴿ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

''بھلا آپ نے اس کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو معبود بنایا ہے اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور آنکھ پر پردہ ڈال دیا؟ اللہ کے بعد اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟''[2]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے آپ کو کسی اسلامی ضابطے کا پابند نہیں سمجھتا اور زندگی من مانی کرتے ہوئے گذارتا ہے اور اپنی خواہشات کو ہی رہبر و مرشد اور معبود بنا لیتا ہے تو اس کے کانوں اور دل پر پردہ پڑ جاتا ہے اور وہ آنکھیں ہونے کے باوجود اندھوں جیسا ہو جاتا ہے! والعیاذ باللہ

لہٰذا مسلمان کو ایسا طرزِ عمل نہیں اختیار کرنا چاہیے اور صدق دل سے اللہ تعالیٰ کا تابع فرمان بننا چاہیے۔ اسی کو مسلمانی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَخْشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ ﴾

''مومنوں کی تو بات ہی یہ ہے کہ جب انھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جائے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو کہتے ہیں کہ 'ہم نے سنا اور اطاعت کی'۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے، اللہ سے ڈرتا رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہے تو ایسے ہی لوگ کامیابی سے ہمکنار ہونے والے ہیں۔''[3]

اور جہاں تک خواہشات نفس کی پیروی کا تعلق ہے تو یہ مسلمان کے لیے انتہائی تباہ کن ہے۔

① الفرقان 25:43,44. ② الجاثیة 45:23. ③ النور 24:51,52.

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ وَثَلَاثٌ مُنْجِيَاتٌ : فَأَمَّا الْمُهْلِكَاتُ فَشُحٌّ مُطَاعٌ وَهَوًى مُتَّبَعٌ وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ . وَأَمَّا الْمُنْجِيَاتُ فَالْعَدْلُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا وَالْقَصْدُ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنٰى وَخَشْيَةُ اللّٰهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ))

''تین چیزیں ہلاک کرنے والی اور تین چیزیں نجات دینے والی ہیں۔ ہلاک کرنے والی چیزیں یہ ہیں: لالچ جس کو پورا کرنے پر تل جائے، خواہش نفس جس کی پیروی کی جائے اور آدمی کی من پسندی۔ اور نجات دینے والی تین چیزیں یہ ہیں: ناراضگی اور رضا مندی دونوں حالتوں میں انصاف کرنا، تنگ حالی وخوشحالی دونوں میں میانہ روی اختیار کرنا اور خفیہ اور ظاہری دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔''[1]

اسلام کی بعض خصوصیات

محترم حضرات! 'اسلام' اور 'مسلمان' کی حقیقت کو بیان کرنے کے بعد اب ہم 'اسلام' کی بعض خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

1 دینِ اسلام آسان دین ہے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ﴾

''اور اس نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ یہ تمھارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔''[2]

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ بِالْيَهُودِيَّةِ وَلَا بِالنَّصْرَانِيَّةِ ، وَلٰكِنِّي بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ))

''مجھے یہودیت یا نصرانیت کے ساتھ نہیں بلکہ اس دین کے ساتھ بھیجا گیا ہے جو باطل کی آمیزش سے پاک اور نہایت آسان ہے۔''[3]

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ((أَحَبُّ الْأَدْيَانِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ))

''اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب دین' دین حنفی ہے جو کہ آسان ہے۔''[4]

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ((إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ . وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ ، فَسَدِّدُوا

[1] صحيح الجامع للألباني: 3045. [2] الحج 22:78. [3] السلسلة الصحيحة 2924. [4] صحيح الجامع 160.

وَقَارِبُوْا وَأَبْشِرُوْا ، وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْئٍ مِّنَ الدُّلْجَةِ»

''بے شک دین آسان ہے اور جو آدمی دین میں تکلف کرے گا اور اپنی طاقت سے بڑھ کر عبادت کرنے کی کوشش کرے گا دین اس پر غالب آ جائے گا۔ لہٰذا تم اعتدال کی راہ اپناؤ۔ اور اگر کوئی عبادت مکمل طور پر نہ کر سکو تو قریب قریب ضرور کرو۔ اور عبادت کے اجر وثواب پر خوش ہو جاؤ۔ اور صبح کے وقت، شام کے وقت اور رات کے آخری حصہ میں عبادت کر کے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کیا کرو۔''[1]

اور رسول اکرم ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ فرمایا تو آپ نے انھیں حکم دیا کہ «يَسِّرَا وَلاَ تُعَسِّرَا ، وَبَشِّرَا وَلاَ تُنَفِّرَا ، وَتَطَاوَعَا وَلاَ تَخْتَلِفَا»

''لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا اور انھیں سختی اور پریشانی میں نہ ڈالنا۔ اور ان کو خوشخبری دینا، دین سے نفرت نہ دلانا۔ اور دونوں مل جل کر کام کرنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا۔''[2]

دین میں آسانی کی چند مثالیں

(1) پانی کی عدم موجودگی میں اللہ تعالیٰ نے تیمم کے ذریعے طہارت حاصل کرنے کی رخصت دی۔ اور ارشاد فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝﴾

''اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو۔ اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو۔ اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کر لو۔ ہاں اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی حاجت ضروریہ سے فارغ ہو کر آیا ہو، یا تم عورتوں سے ملے ہو اور تمھیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لو۔ اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کر لو۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے۔ بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے اور اپنی نعمت کو تم پر مکمل کرے تاکہ تم شکر ادا کرو۔''[3]

(2) رمضان المبارک کے مہینے میں مسافر اور مریض کو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ وہ اپنے سفر یا مرض کے دنوں

(1) صحیح البخاري، کتاب الإیمان: 39. (2) صحیح البخاري، الجهاد والسیر باب ما یکره من التنازع والاختلاف في الحرب: 3038. (3) المائدة 5:6.

میں روزہ چھوڑ دیں اور دیگر دنوں میں ان ایام کے روزے قضا کر لیں۔ پھر ارشاد فرمایا:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾

''اللہ تعالیٰ تمھارے لیے آسانی چاہتا ہے، وہ تمھارے لیے تنگی نہیں چاہتا۔''[1]

③ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ ﷺ باہر تشریف لائے، آپ کے سر سے وضو یا غسل کا پانی گر رہا تھا۔ آپ نے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد لوگوں نے آپ سے سوالات کرنا شروع کر دیے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! کیا ہم پر اس چیز میں کوئی حرج ہے؟ تو آپ ﷺ نے تین بار فرمایا: ((لَا يَا أَيُّهَا النَّاسُ ! إِنَّ دِينَ اللهِ فِي يُسْرٍ)) ''نہیں کوئی حرج نہیں ہے، لوگو! اللہ کے دین میں یقیناً آسانی ہے۔''[2]

④ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ منیٰ میں کھڑے ہوئے تو لوگوں نے آپ ﷺ سے سوالات کرنا شروع کر دیے۔ چنانچہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے پتہ نہیں چلا اور میں نے حلق قربانی کرنے سے پہلے کر لیا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اِذْبَحْ وَلَا حَرَجَ)) ''جاؤ قربانی کر لو اور اس میں کوئی حرج نہیں''

پھر ایک اور شخص آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! مجھے بھی پتہ نہیں چلا اور میں نے قربانی رمی کرنے سے پہلے کر لی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اِرْمِ وَلَا حَرَجَ)) ''جاؤ رمی کر لو اور اس میں کوئی حرج نہیں''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ سے ان امور کی تقدیم وتاخیر کے بارے میں جو سوال کیا گیا آپ ﷺ نے فرمایا: ((اِفْعَلْ وَلَا حَرَجَ)) ''جاؤ کرو اور کوئی حرج نہیں''[3]

⑤ شدید بارش کے دوران مقیمین کو دو نمازیں جمع تقدیم کے ساتھ پڑھنے کی اجازت، دورانِ سفر نماز قصر کرنے اور دو نمازوں کو جمع کرنے کی رخصت، دورانِ حیض ونفاس خواتین کو نمازوں کی معافی اور روزے قضا کرنے کی اجازت وغیرہ .... یہ سب رخصتیں دین میں آسانی کی دلیل ہیں۔

2 اسلام ایک مکمل دین ہے

اسلام کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک مکمل دین ہے اور اس میں زندگی کے تمام شعبوں میں پیش آنے والے مسائل کے متعلق واضح تعلیمات موجود ہیں۔ اور یہ اللہ رب العزت کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمارا دین ہمارے لیے مکمل کر دیا، ورنہ اگر اسے نامکمل چھوڑ دیا جاتا تو ہر شخص جیسے چاہتا اس میں کمی بیشی کر لیتا اور

① البقرة 185:2. ② مسند أحمد: 20688. وقال محققه الأرناؤط: حسن لغيره. ③ صحيح البخاري: 1736، وصحيح مسلم: 1306.

یوں یہ دین لوگوں کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بن کر رہ جاتا۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے دین کو مکمل کرنے کا اعلان یوں فرمایا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔ اور اسلام کو بحیثیت دین تمھارے لیے پسند کر لیا۔''[1]

اس مکمل دین کو رسول اکرم ﷺ نے امت تک پہنچا دیا تھا اور امت کی خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((مَا تَرَكْتُ شَيْئًا يُقَرِّبُكُمْ إِلَى اللهِ وَيُبْعِدُكُمْ عَنِ النَّارِ إِلَّا أَمَرْتُكُمْ بِهِ . وَمَا تَرَكْتُ شَيْئًا يُقَرِّبُكُمْ إِلَى النَّارِ وَيُبْعِدُكُمْ عَنِ اللهِ إِلَّا وَنَهَيْتُكُمْ عَنْهُ))

''میں نے تمھیں ہر اس بات کا حکم دے دیا ہے جو تمھیں اللہ کے قریب اور جہنم سے دور کر دے۔ اور تمھیں ہر اس بات سے روک دیا ہے جو تمھیں جہنم کے قریب اور اللہ سے دور کر دے۔''[2]

نیز فرمایا: ((مَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِمَّا أَمَرَكُمُ اللهُ بِهِ إِلَّا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ ، وَمَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِمَّا نَهَاكُمْ عَنْهُ إِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ))

''اللہ تعالیٰ نے تمھیں جن کاموں کا حکم دیا ہے میں نے بھی ان سب کا تمھیں حکم دے دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں جن کاموں سے منع کیا ہے میں نے بھی ان سب سے تمھیں منع کر دیا ہے۔''[3]

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خیر وبھلائی کا کوئی ایسا کام نہیں چھوڑا جس کا آپ نے امت کو حکم نہ دیا ہو۔ اور شر اور برائی کا کوئی عمل ایسا نہیں چھوڑا جس سے آپ نے امت کو روک نہ دیا ہو۔ لہٰذا اس دین میں کمی بیشی کی کوئی گنجائش باقی نہیں ہے اور دین میں ہر نیا کام اور ہر نیا طریقہ مردود اور ناقابل قبول ہے۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

((مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ))

''جس شخص نے ہمارے اس دین میں نیا کام ایجاد کیا جو اس سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''[4]

مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ))

''جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں تو وہ مردود ہے۔''

[1] المائدة 5:3. [2] حجة النبي ﷺ للألباني، ص: 103. [3] المرجع السابق. [4] صحيح البخاري: 2697، و صحيح مسلم: 1718.

اوراسی لیے امام مالک رحمہ اللہ فرماتے تھے :

((مَنِ ابْتَدَعَ فِي الإِسْلاَمِ بِدْعَةً يَرَاهَا حَسَنَةً فَقَدْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ خَانَ الرِّسَالَةَ ، اِقْرَؤُا قَوْلَ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ وَلاَ يَصْلُحُ آخِرُ هَذِهِ الأُمَّةِ إِلاَّ بِمَا صَلَحَ بِهِ أَوَّلُهَا . فَمَا لَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ دِيْنًا لاَ يَكُوْنُ الْيَوْمَ دِيْنًا))

”جس نے اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کی ، پھر یہ خیال کیا کہ یہ اچھائی کا کام ہے تو اس نے گویا یہ دعویٰ کیا کہ محمد ﷺ نے رسالت (اللہ کا دین پہنچانے) میں خیانت کی تھی (یعنی پورا دین نہیں پہنچایا تھا۔) تم اللہ کا یہ فرمان پڑھ لو: (ترجمہ)” آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔ اور اسلام کو بحیثیت دین تمھارے لیے پسند کرلیا“...... پھر امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: اس امت کے آخری لوگ بھی اسی چیز کے ساتھ درست ہو سکتے ہیں جس کے ساتھ اس امت کے پہلے لوگ درست ہوئے تھے۔ اور جو عمل اُس وقت دین نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں ہوسکتا۔“

محترم حضرات ! دین اسلام کس طرح مکمل دین ہے ! آیئے اِس کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

اسلام کی اہم تعلیمات

دین اسلام کی تعلیمات کو ہم چار حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔ ایک حصہ عقائد سے متعلق ہے جسے ہم ایمانیات بھی کہہ سکتے ہیں۔ دوسرا حصہ اہم عبادات پر مشتمل ہے جیسے نماز ، زکاۃ ، روزہ اور حج بیت اللہ۔ تیسرا حصہ اخلاقیات اور چوتھا حصہ معاملات سے متعلق ہے۔ ہماری آئندہ گفتگو بھی قدرے تفصیل کے ساتھ انھی چار حصوں کے بارے میں ہوگی۔

(1) دین اسلام کی بنیاد اِس بات پر ہے کہ معبود حقیقی اکیلا اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ ربوبیت میں اس کا کوئی شریک ہے، نہ الوہیت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ اس کے اسماء وصفات میں اس کا کوئی شریک ہے۔ وہ اکیلا پوری کائنات کا خالق و مالک ، رزاق اور مدبر الامور ہے۔ اور نظامِ کائنات کے چلانے میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی اکیلا تمام عبادات کا مستحق ہے۔ دعا ہو، نذر و نیاز ہو، رکوع وسجود ہو، خوف ورجاء ہو، استغاثہ واستعانت ہو، توکل وبھروسہ ہو، محبت وعقیدت ہو، تعظیم ہو .... الغرض یہ کہ ہر عبادت اُس کے لیے خاص ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح وہ اپنے اسماء وصفات میں بھی وحدہ لاشریک ہے اور تمام عیبوں سے پاک ہے۔

دینِ اسلام میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کو شریک بنانا سب سے بڑا گناہ ہے اور جو شخص شرک کرتا ہو اور توبہ کیے

بغیر اسی شرک پر اس کی موت واقع ہو تو اسلام اس کے بارے میں یہ فیصلہ کرتا ہے کہ

﴿ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ ﴾

''یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کردی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے۔''[1]

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ مَّاتَ وَهُوَ يَدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ نِدًّا دَخَلَ النَّارَ))

''جس شخص کی موت اس حالت میں آئی کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی اور شریک کو پکارتا تھا تو وہ جہنم میں جائے گا۔''[2]

معبود برحق (اللہ تعالیٰ) کے بارے میں یہ تو ہے مسلمانوں کا عقیدہ' جبکہ نصاری کے ہاں عقیدۂ تثلیث پایا جاتا ہے یعنی ان کے نزدیک اللہ تین ہیں: اللہ، عیسیٰ اور روح القدس۔ پھر یہ تینوں مل کر ایک الٰہ ہی بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَ اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾

''وہ لوگ یقیناً کفر کر چکے جنھوں نے یہ کہا کہ اللہ تین کا تیسرا ہے حالانکہ الٰہ تو بس ایک ہی ہے۔ اور اگر وہ اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو ان میں سے جنھوں نے کفر کا ارتکاب کیا انھیں المناک عذاب ہوگا۔''[3]

جبکہ بعض نصاری نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے!

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَ قَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ﴾

''بلا شبہ ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے یہ کہا کہ 'مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے' حالانکہ مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ 'اے بنو اسرائیل! تم اللہ کی ہی عبادت کرو جو میرا اور تمھارا رب ہے۔''[4]

(2) اللہ رب العزت کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے، کہ نہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے اور نہ اس کے ماں باپ ہیں۔ سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کو بیان کیا ہے۔

جبکہ نصاری نے عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہود نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔

﴿ وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ

(1) المائدة 5:72. (2) صحيح البخاري: 4497. (3) المائدة 5:73. (4) المائدة 5:72.

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝﴾

''اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ تو ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ وہ ان کافروں کے قول کی تشبیہ کر رہے ہیں جو ان سے پہلے تھے۔ اللہ انھیں غارت کرے یہ کہاں بہکے جا رہے ہیں۔!''[1]

بلکہ یہود ونصاریٰ نے خود اپنے آپ کو بھی اللہ کے بیٹے اور چہیتے قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ﴾

''یہود ونصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔ آپ کہیے کہ (اگر ایسی بات ہے تو) پھر وہ تمھیں تمھارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم ویسے ہی انسان ہو جیسے دوسری خلقت۔''[2]

اور مشرکین نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝﴾

''مشرکین کہتے ہیں کہ رحمن کی اولاد ہے! وہ اس سے پاک ہے۔ وہ (فرشتے) تو اس کے مکرم بندے ہیں۔''[3]

(3) مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام نقائص وعیوب سے پاک ہے۔ جبکہ یہود اللہ تعالیٰ کے عیوب بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ان کا کہنا ہے کہ

﴿وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَ لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ﴾

''اور یہود کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا (بخیل) ہے! بندھے ہوئے تو انھی کے ہاتھ ہیں۔ یہ کہنے کی وجہ سے ان پر پھٹکار پڑ گئی۔ بلکہ اللہ کے ہاتھ کھلے ہیں، وہ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔''[4]

(4) دین اسلام میں یہ بات لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اس کے فرشتوں، اس کے تمام رسولوں، اس کی تمام کتابوں، روزِ آخرت اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لایا جائے۔ یہ ایمان کے ارکان ہیں جن کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

(5) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے میں یہ بھی شامل ہے کہ ان کی اطاعت وفرمانبرداری کی

[1] التوبة 30:9. [2] المائدة 18:5. [3] الأنبياء 26:21. [4] المائدة 64:5.

جائے اور ان کی نافرمانی سے اجتناب کیا جائے۔ نیز ہر عبادت اللہ کی رضا کے لیے ہو اور حضرت محمد ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو کیونکہ جو عبادت اللہ کی رضا کے لیے انجام نہ دی جائے اس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں، اسی طرح جو عبادت رسول اکرم ﷺ کے طریقے کے مطابق نہ ہو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناقابل قبول ہے۔ یہ دین اسلام میں عبادت کی قبولیت کے لیے ایک بنیادی اصول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۝﴾

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کہا مانو اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو۔''[1]

[6] اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کا برحق کلام مانا جائے۔ اسے پڑھا جائے، اس میں غور وفکر کر کے اس کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اسے اپنا دستور حیات بنا کر اس پر عمل کیا جائے۔ یہ دین اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول بھی ہے اور یہ اس دین کی بہت بڑی خصوصیت بھی ہے کہ اس کا جو اصل ماخذ ومنبع ہے (یعنی قرآن مجید) وہ ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے اور جب تک یہ محفوظ رہے گا دین اسلام بھی محفوظ رہے گا۔

[7] دین اسلام مسلمان کو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ دنیا میں اس کی زندگی عارضی ہے، اسے یقینی طور پر موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور مرنے کے بعد اسے قیامت تک یا جنت کی نعمتوں میں یا عذاب قبر میں رہنا ہے اور پھر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ یہ دین اسلام کی بہت بڑی خصوصیت ہے کہ وہ مسلمان کو دنیا کی رنگینیوں سے دل لگانے سے منع کرتا اور آخرت کے لیے عمل کرنے کی ترغیب دلاتا ہے۔

[8] دینِ اسلام مسلمان کو یہ بھی بتاتا ہے کہ اچھی اور بری (ہر قسم کی) تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ اور جو کچھ ہو چکا ہے، نیز جو کچھ ہونے والا ہے اور جو نہیں ہوا اگر ہوتا تو کیسے ہوتا؟ سب کچھ اسے معلوم ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہی واقع ہوتی ہے۔

دین اسلام مسلمان کو تعلیم دیتا ہے کہ وہ اللہ کی تقدیر پر رضی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ ہر قسم کی بھلائی، عدل اور حکمت سے پُر ہے۔ جو شخص اس پر مطمئن ہو جاتا ہے وہ حیرت، تردد اور پریشانی سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی میں بے قراری اور اضطراب کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر وہ کسی چیز کے چھن جانے سے غمزدہ نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اپنے مستقبل کے بارے میں خوفزدہ رہتا ہے۔ بلکہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ سعادت مند، خوشگوار اور آسودہ حال ہوتا

[1] محمد 33:47.

ہے۔اور جس شخص کو اس بات پر یقین کامل ہو کہ اس کی زندگی محدود ہے اور اس کا رزق متعین اور معدود ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ بزدلی اس کی عمر میں اور بخیلی اس کے رزق میں کبھی اضافے کا باعث نہ بنے گی۔ ہر چیز لکھی ہوئی ہے۔

مسلمان پر لازم ہے کہ وہ تقدیر میں لکھی ہوئی چیز پر جزع وفزع کا اظہار نہ کرے بلکہ صبر کا مظاہرہ کرے۔ اور وہ اس بات پر یقین کر لے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جس پر اسے ہر حال میں راضی ہی رہنا اور اسے تسلیم کرنا ہے۔ اور اسے اس بات پر بھی یقین ہونا چاہیے کہ جو چیز اس کے مقدر میں لکھی جا چکی ہے وہ اس سے چوکنے والی نہیں، بلکہ اسے مل کر رہے گی۔ اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں نہیں لکھی وہ اسے ملنے والی نہیں، چاہے وہ جتنی محنت کر لے اور چاہے وہ جتنے جتن کر لے۔

تقدیر پر ایمان لانا دینِ اسلام کا وہ بنیادی اصول ہے کہ اگر صحیح معنوں میں اس پر یقین آجائے تو انسان بہت ساری ذہنی پریشانیوں سے نجات حاصل کر لیتا ہے اور یہ وہ چیز ہے جو صرف دین اسلام کے پیروکار (سچے مسلمان) کو ہی نصیب ہوسکتی ہے کسی اور کو نہیں۔

(9) دین اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔

پہلی بنیاد: دل کی گہرائیوں سے اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

دوسری بنیاد: دن اور رات میں پانچ نمازیں پابندی کے ساتھ ادا کرنا۔

نماز دین کا ستون ہے جو ہر مکلف پر فرض ہے اور اسے ہر حال میں ادا کرنا ضروری ہے۔ نماز اسلام کا سب سے اہم فریضہ ہے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نمازوں کو پابندی سے پڑھنے کا بار بار حکم دیا ہے۔ دین اسلام کی بنیادوں میں 'نماز' وہ عمل ہے کہ جس کے بارے میں قیامت کے روز سب سے پہلے پوچھ گچھ کی جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الصَّلَاةُ ، فَإِنْ صَلُحَتْ صَلُحَ سَائِرُ عَمَلِه ، وَإِنْ فَسَدَتْ فَسَدَ سَائِرُ عَمَلِهِ))

"قیامت کے روز بندے سے سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا، اگر نماز درست نکلی تو باقی تمام اعمال بھی درست نکلیں گے۔ اور اگر نماز فاسد نکلی تو باقی تمام اعمال بھی فاسد نکلیں گے۔"

دوسری روایت میں فرمایا: ((يُنظَرُ فِيْ صَلَاتِهِ ، فَإِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ ، وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ))

"اس کی نماز میں دیکھا جائے گا، اگر وہ ٹھیک ہوئی تو وہ کامیاب ہو جائے گا۔ اور اگر وہ درست نہ ہوئی تو وہ

ذلیل وخوار اور خسارے والا ہوگا۔''[1]

مسلمان کو نہ صرف خود نماز قائم کرنی چاہیے بلکہ اپنے اہل وعیال کو بھی نماز پڑھنے کا حکم دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝﴾

''اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اس پر ڈٹ جایئے۔ ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے، وہ تو ہم خود آپ کو دیتے ہیں۔ اور انجام (اہلِ) تقوی ہی کے لیے ہے۔''[2]

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ))

''تمھارے بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو انھیں نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں (اور نماز نہ پڑھیں) تو انھیں اس پر سزا دو۔''[3]

دین اسلام کی یہ بہت بڑی خصوصیت ہے کہ مسلمان اپنے دن کا آغاز بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہو کر کرتا ہے اور دن کا اختتام بھی اس کے سامنے جھک کر اور اس سے دعا مانگ کر کرتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ اس کے سوا اس کے لیے اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ اسی لیے وہ اپنی محتاجی اور عاجزی وانکساری کا اظہار دن اور رات میں پانچ مرتبہ اس کے سامنے جھک کر کرتا ہے۔

اسی طرح نماز کے حوالے سے اسلام کی ایک اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ نماز کے لیے چوبیس گھنٹوں میں پانچ مرتبہ مساجد سے اذان کہی جاتی ہے اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعلان اور رسول اکرم ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتے ہوئے مسلمانوں کو اللہ کے گھروں میں جمع ہونے کی دعوت دی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ باجماعت نمازیں ادا کر کے اپنے دلوں کو سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں۔ یہ وہ عظیم ترین عبادت ہے جو بندوں کو اللہ تعالیٰ سے جوڑتی ہے اور ان کے دلوں میں اس کی محبت کو اجاگر کرتی ہے۔ یقینا اس طرح کی عبادت کا وجود کسی اور دین میں نہیں ہے۔

تیسری بنیاد: زکاۃ ادا کرنا۔ یعنی مسلمانوں میں جو مالدار لوگ ہوں وہ اپنے اموال کی ایک خاص مقدار اپنے ان بھائیوں اور بہنوں کو دیں جو غریب اور محتاج ہوں۔ یہ بھی دین اسلام کی ایک بہت بڑی خصوصیت ہے کہ مال ودولت کا ارتکاز اس کے ماننے والوں میں سے ایک خاص طبقہ میں ہی نہیں ہوتا، بلکہ اسلامی معاشرہ میں بسنے والے وہ محتاج

[1] رواه الطبراني في الأوسط۔ السلسلة الصحيحة: 1358. [2] طٰہٰ 20:132. [3] مسند أحمد، وسنن أبي داود، وصحيح الجامع للألباني: 5868.

اور ضرورت مند افراد بھی جن کے پاس مال و دولت کی اس قدر کمی ہوتی ہے کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات کے حصول پر بھی قادر نہیں ہوتے ، وہ اس مال سے مستفید ہوتے اور اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

اسلام کا نظامِ زکاۃ اگر پورے اخلاص اور مکمل دیانتداری کے ساتھ نافذ کیا جائے تو

- اس سے غربت کا خاتمہ ہوتا ہے۔
- مختلف طبقوں میں مالیاتی توازن قائم ہوتا ہے۔
- غریب لوگ احساس کمتری کا شکار ہونے اور اپنی ضرورتوں کی خاطر مختلف معاشرتی جرائم کا ارتکاب کرنے سے بچ جاتے ہیں۔
- معاشی ظلم کا سد باب ہوتا ہے۔
- مالداروں اور فقیروں کے درمیان محبت پیدا ہوتی ہے۔
- اخلاقی جرائم کا خاتمہ ہوتا ہے اور معاشرہ امن وامان کا گہوارہ بن جاتا ہے۔
- مال پاک ہوتا ہے اور زکاۃ دینے والوں کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

چوتھی بنیاد : رمضان المبارک کے روزے۔ دین اسلام کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں مسلمان کو سال بھر کے بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ کے روزے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس میں یقیناً کئی حکمتیں اور متعدد فوائد و ثمرات پنہاں ہیں۔

- اللہ تعالیٰ نے روزے اس لیے فرض کیے کہ ان کے ذریعے مسلمان متقی اور پرہیز گار بن جائیں ، گناہوں اور نافرمانیوں سے اپنے دامن کو بچانے کی تربیت حاصل کریں ، نہ صرف پیٹ کا روزہ رکھیں بلکہ اپنے پورے اعضائے جسم کا برائیوں سے روزہ رکھیں۔
- اس طرح انھیں روزے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب نصیب ہوتا ہے اور وہ اس کی خوشنودی حاصل کر کے اپنی گردنوں کو جہنم کی آگ سے آزاد کرانے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔
- روزے رکھنے سے مسلمان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔
- اس کے علاوہ روزہ رکھنے سے اس کی جسمانی صحت بھی بہتر سے بہتر ہوتی ہے کیونکہ روزے کے دوران معدہ خالی رہتا ہے، روزہ دار بھوک محسوس کرتا ہے تو اس سے وہ کئی بیماریوں سے شفایاب ہو جاتا ہے۔

پانچویں بنیاد : حج بیت اللہ۔ مسلمان پر فرض ہے کہ اگر وہ صاحبِ استطاعت ہو تو زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ وہ حج بیت اللہ کی سعادت ضرور حاصل کرے۔ یقیناً اس میں بھی کئی حکمتیں ہیں۔

- سفرِ حج، جس میں حاجی اپنے تمام اہل وعیال کو الوداع کہہ کر میقات سے احرام کی دو چادریں پہنتا اور پھر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوتا ہے، یہ مبارک سفر اسے سفرِ آخرت کی یاد دلاتا ہے کہ اُس کے لیے بھی انسان کو اپنے تمام اہل وعیال اور دوست احباب کو چھوڑ کر اور سفید چادروں میں ملبوس ہو کر جانا ہوتا ہے۔
- حج بیت اللہ مسلمان کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اور اس کی جزاء اللہ تعالیٰ کے ہاں جنت ہی ہے۔
- حج کے دوران دنیا بھر کے لاکھوں حجاج کرام ایک ہی جگہ پر، ایک ہی لباس میں ملبوس، ایک ہی تلبیہ پڑھتے، ایک ہی بیت اللہ کا طواف کرتے اور مقدس مقامات پر مناسک حج کی ادائیگی کرتے ہیں جس سے وحدتِ امت کا تصور ابھر کر سامنے آتا ہے۔
- اس کے علاوہ مسلمانانِ عالم ایک ہی مقام پر اکٹھے ہو کر اخوت وبھائی چارے کا مظاہرہ کرتے ہیں جو کہ دینِ اسلام کی ایک اہم خصوصیت ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سچا مسلمان بنائے اور اسلام پر ہی ہمیں ثابت قدم رکھے۔

دوسرا خطبہ

محترم حضرات! آپ نے دین اسلام کی تعلیمات کے دو اہم حصوں (ایمانیات وعبادات) پر ہماری گذارشات سن لیں۔ اب اس کے مزید دو حصوں پر بھی ہماری کچھ گذارشات سماعت کر لیں۔

[10] دین اسلام دلوں کی اصلاح کا حکم دیتا ہے کیونکہ جب دل کی اصلاح ہو جائے تو باقی اعضاء کی اصلاح خود بخود ہو جاتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((أَلاَ وَإِنَّ فِيْ الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ لَہا سَائِرُ الْجَسدِ ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ ، أَلاَ وَهِيَ الْقَلْبُ))

''خبردار! جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ایسا ہے کہ جب وہ ٹھیک ہو جائے تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اور جب خراب وہ ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے اور وہ ہے دل۔''[1]

[11] دین اسلام مسلمان کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے دل کو حسد، بغض، کینہ اور نفرت جیسی امراض سے پاک رکھے۔ اور اپنے دل میں تمام مسلمانوں کے لیے خیر خواہی، محبت وپیار اور ہمدردی کے جذبات پیدا کرے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((لاَ تَحَاسَدُوْا وَلاَ تَبَاغَضُوْا ، وَلاَ تَجَسَّسُوْا وَلاَ تَحَسَّسُوْا وَلاَ تَنَاجَشُوْا، كُوْنُوْا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا))

[1] صحيح البخاري: 52، وصحيح مسلم: 1599.

''تم ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ باہم حسد کرو۔ نہ جاسوسی کیا کرو اور نہ ہی چوری چھپے کسی کی گفتگو سنا کرو۔ اور کسی چیز کی قیمت بڑھانے کے لیے بولی مت لگایا کرو۔ اور تم سب اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہو۔''[1]

[12] دین اسلام تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیتا ہے۔ کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ظلم کرنے سے منع کرتا ہے۔ اور اپنے بھائی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لاَ يَظْلِمُهُ وَلاَ يُسْلِمُهُ ، وَمَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ أَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهِ))

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، (چنانچہ) وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے ظالموں کے سپرد کرتا ہے۔ اور جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت کو پورا کرنے میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت کو پورا کرتا رہتا ہے۔''[2]

دین اسلام ہر مسلمان کے خون، مال اور اس کی عزت کو حرمت والا قرار دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ . لاَ يَظْلِمُهُ وَلاَ يَخْذُلُهُ وَلاَ يَحْقِرُهُ، اَلتَّقْوىٰ هٰهُنَا ، وَيُشِيْرُ إِلٰى صَدْرِهِ ثَلاَثَ مَرَّاتٍ . بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَّحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ . كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ : دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ))

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے رسوا کرتا ہے اور نہ اسے حقیر سمجھتا ہے۔ اور آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ کر کے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے۔ پھر فرمایا: آدمی کی برائی کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان کا خون، مال اور اس کی عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔''[3]

[13] دین اسلام تمام مسلمانوں کو نیکی اور تقویٰ کی بنیاد پر ایک دوسرے سے تعاون کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کا تعاون کرنے سے منع کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

''تم نیکی اور تقویٰ کی بنیاد پر ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے تعاون نہ کرو۔''[4]

[1] صحيح مسلم: 2563. [2] صحيح البخاري: 2442، و صحيح مسلم: 2580. [3] صحيح مسلم: 2564.
[4] المائدة 2:5.

اور نبی کریم ﷺ نے تمام مومنوں کو ایک دیوار کی مانند قرار دیا ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت پہنچاتا ہے: ((اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ ، يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا))

''ایک مومن دوسرے مومن کے لیے دیوار کی مانند ہے جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط بناتی ہے۔''[1]

(14) دین اسلام تمام مسلمانوں کو ایک ہی امت قرار دیتا ہے۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ﴾

''اور یہ تمھاری امت ایک ہی امت ہے اور میں تمھارا رب ہوں۔ لہٰذا مجھ سے ڈرو۔''[2]

اس لیے گروہوں اور فرقوں میں مسلمانوں کا تقسیم ہونا درست نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾

''تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں مت بٹو۔''[3]

(15) دین اسلام کا ایک اہم حصہ حقوق سے متعلق ہے جن کی ادائیگی کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے۔ مثلاً والدین کے حقوق، اولاد کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، میاں بیوی کے حقوق، عام مسلمانوں کے حقوق وغیرہ۔ لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان تمام حقوق کو ادا کرے اور کسی کی حق تلفی نہ کرے۔

(16) اسلام تمام معاملات میں عدل وانصاف کرنے کا حق دیتا ہے اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ﴾

''اے ایمان والو! تم انصاف پر سختی سے قائم رہو۔''[4]

(17) اسلام رزق کے حصول کے لیے جدوجہد کرنے کا حکم دیتا ہے اور رہبانیت سے منع کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَ اِلَيْهِ النُّشُوْرُ﴾

''وہی تو ہے جس نے زمین کو تمھارے تابع کر رکھا ہے۔ لہٰذا تم اس کے اطراف میں چلو پھرو اور اللہ کا رزق کھاؤ۔ اور اسی کی طرف تمھیں زندہ ہو کر جانا ہے۔''[5]

[1] صحيح البخاري: 481، و صحيح مسلم: 2585. [2] المؤمنون 23:52. [3] آل عمرٰن: 3:103. [4] النساء 4:135. [5] الملك 67:15.

اور رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللهِ دَاوُدَ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ))

''کسی شخص نے کبھی اُس کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا جو وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتا ہو۔ اور اللہ کے نبی حضرت داود علیہ السلام (باوجود بادشاہ ہونے کے) اپنے ہاتھ کی کمائی سے ہی کھایا کرتے تھے۔''[1]

[18] اسلام حلال کمانے کا حکم دیتا اور ہر ناجائز طریقے سے مال کھانے سے روکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ﴾

''اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ، ہاں تمھاری آپس کی رضامندی سے خرید وفروخت ہو (تو ٹھیک ہے)''[2]

اس آیت کریمہ میں ﴿ بِالْبَاطِلِ ﴾ یعنی ناجائز طریقے سے مال کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ اور اس میں ہر ناجائز اور ناحق طریقہ شامل ہے مثلاً چوری کرنا، کسی کا مال غصب کرنا، خرید وفروخت میں دھوکہ اور فریب کرنا، ڈاکہ زنی کرنا، سودی لین دین کرنا، امانت میں خیانت کرنا، جوے بازی کرنا اور حرام چیزوں کی تجارت کرنا وغیرہ۔

[19] اسلام جہاں مال کمانے کے اصول متعین کرتا ہے وہاں سے خرچ کرنے کے قواعد وضوابط سے بھی آگاہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ ﴾

''اور نہ تو آپ اپنا ہاتھ گردن سے باندھ کر رکھیں اور نہ ہی اسے پوری طرح کھلا چھوڑ دیں، ورنہ خود ملامت زدہ اور درماندہ بن جائیں گے۔''[3]

یعنی نہ تو کنجوسی کریں اور نہ ہی فضول خرچی کریں بلکہ میانہ روی اختیار کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ عباد الرحمن کی ایک صفت یوں بیان کرتے ہیں:

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ ﴾

''اور وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ہی بخل کرتے ہیں۔ بلکہ ان کا خرچ ان دونوں کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔''[4]

[1] صحيح البخاري، البيوع باب كسب الرجل وعمله بيده: 2072. [2] النساء 4:29. [3] الإسراء 17:29. [4] الفرقان 25:67.

اور اسلام فضول خرچی کرنے والوں، خاص طور پر نا جائز کاموں پر پیسہ خرچ کرنے والے لوگوں کو شیطان کے بھائی قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾

''اور اسراف اور بے جا اسراف سے بچو۔ بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔''[1]

[20] اسلام طرزِ حکمرانی کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ چنانچہ مسلم حکمرانوں پر لازم ہے کہ وہ عدل وانصاف کریں اور رعایا پر ظلم کرنے سے پرہیز کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾

''اللہ تعالیٰ تمھیں یقینا یہ حکم دیتا ہے کہ جو لوگ امانتوں کے حقدار ہیں انھیں وہ ادا کردو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔''[2]

[21] دینِ اسلام، اسلامی معاشرے میں ان افراد کو کڑی سزائیں دینے کا حکم دیتا ہے جو اس کا امن خراب کرتے، اس میں فساد پھیلاتے اور لوگوں کے جان ومال اور ان کی عزتوں سے کھیلتے ہوں۔ چنانچہ اسلام میں چور کی سزا یہ ہے کہ اس کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں۔ شادی شدہ زانی کی سزا یہ ہے کہ اسے پتھر مار مار کر ختم کر دیا جائے اور غیر شادی شدہ زانی کی سزا یہ ہے کہ اسے سو کوڑے مارے جائیں۔ قاتل کی سزا یہ ہے کہ اسے بدلے میں قتل کر دیا جائے۔ اسی طرح باقی اسلامی سزائیں ہیں جو مسلم معاشرے میں قیامِ امن کی ضمانت دیتی ہیں۔

محترم حضرات! ہم نے قرآن وحدیث کی روشنی میں دینِ اسلام کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان پر یہ بات لازم ہے کہ وہ اس سچے دین کو دل کی گہرائیوں سے قبول کر کے اس میں پورے کا پورا داخل ہو جائے اور پورے دین کو عملی جامہ پہنائے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝﴾

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کی اتباع نہ کرو کیونکہ وہ تمھارا واضح دشمن ہے۔''[3]

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اسلام کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے اور آخری دم تک اسلام پر ثابت رہنے کی توفیق دے۔

[1] الإسراء 17:26,27. [2] النسآء 4:58. [3] البقرة 2:208.

اسلام دینِ رحمت ہے

اہم عناصرِ خطبہ

1. اسلام دینِ رحمت کیوں ہے؟
2. اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے
3. رحمتِ باری تعالیٰ کا مستحق کون ہے؟
4. دینِ اسلام میں رحمتِ باری تعالیٰ کی مختلف شکلیں

پہلا خطبہ

محترم حضرات! 'اسلام' دینِ برحق ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی دین ہی قابلِ قبول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾

''بے شک دین (برحق) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین 'اسلام' ہی ہے۔ اس لیے جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا پیروکار ہوگا اس کا وہ دین اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ○﴾

''اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کو اختیار کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔''[2]

لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ کچھ عرصہ سے بعض لوگ شدّ ومدّ سے یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ 'اسلام' وہ دین ہے جو انتہا پسندی، تشدد اور دہشت گردی کی تعلیم دیتا ہے اور اپنے پیروکاروں کو دہشت گرد بناتا ہے۔ اسی لیے وہ مسلمانوں کو دہشت گرد تصور کرتے ہیں اور ان پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ محض ایک جھوٹ

[1] آل عمرٰن 19:3. [2] آل عمرٰن 85:3.

اور اسلام پر بہت بڑا بہتان ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام دینِ رحمت ہے۔ اور یہ وہ دین ہے جو پورے عالم کو امن و سلامتی کا پیغام دیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ 'جس نے یہ دین عطا کیا ہے' وہ 'ارحم الراحمین' ہے اور جس کے ذریعے عطا کیا ہے وہ 'رحمۃ للعالمین' ہیں۔ آج کے خطبۂ جمعہ اور آئندہ خطبۂ جمعہ میں ہم یہ ثابت کریں گے (ان شاء اللہ) کہ اسلام کے خلاف لگایا جانے والا یہ الزام بالکل بے جا اور غلط ہے۔ اور ''اسلام'' پورے کا پورا دینِ رحمت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ پر رحمت کو لکھ دیا ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمیں آگاہ کیا ہے کہ اس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر دیا ہے۔

اس کا فرمان ہے: ﴿وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝﴾

''اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ کہیے: تم پر سلامتی ہو۔ تمھارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔ اگر تم میں سے کوئی شخص لاعلمی سے کوئی برا کام کر بیٹھے، پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح کر لے تو یقینا وہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''[1]

'رحمت' اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے

اس کا فرمان ہے: ﴿وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ﴾

''اور آپ کا رب بہت بخشنے والا اور 'رحمت والا' ہے، ورنہ جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اگر ان پر مواخذہ کرتا تو جلد ہی ان پر عذاب لے آتا۔''[2]

اِس آیت کریمہ میں رحمت کا لفظ (أل) کے ساتھ آیا ہے، جو اِس بات کی دلیل ہے کہ پوری کی پوری رحمت کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور اس کے خزانے سوائے اس کے کسی کے پاس نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ۝﴾

''یا ان کے پاس آپ کے رب کی رحمت کے خزانے ہیں جو ہر چیز پر غالب اور بہت عطا کرنے والا ہے۔''[3]

اور چونکہ وہ رحمت کا مالک ہے اسی لیے وہ جس کو چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرے۔ اور جس پر چاہے رحم کرے، اور جس کو چاہے عذاب میں مبتلا کرے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝﴾

[1] الأنعام 6:54. [2] الكهف 18:58. [3] ص 38:9.

"اور اللہ تو جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔"[1]

اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ﴾

"وہ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس پر چاہے رحمت کرتا ہے۔"[2]

اللہ تعالیٰ جس شخص کو اپنی رحمت سے نوازنا چاہے تو اسے کوئی محروم نہیں کر سکتا اور جسے وہ اپنی رحمت سے محروم کرنا چاہے تو اسے کوئی رحمت سے ہمکنار نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾

"اللہ اگر لوگوں کے لیے اپنی رحمت کا (دروازہ) کھول دے تو اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جسے وہ بند کر دے تو اس کے بعد اسے کوئی کھولنے والا نہیں۔"[3]

گویا باری تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت سے نواز دے اور جسے چاہے اس سے محروم کر دے، اس کا پورا اختیار اسی کے پاس ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی میں سے 'الرحمن' اور 'الرحیم' بھی ہیں۔ یعنی بہت ہی مہربان اور نہایت ہی رحم کرنے والا

اس کا فرمان ہے: ﴿وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝﴾

"اور تمھارا الہ ایک ہی الہ ہے۔ اس کے سوا کوئی اور الہ نہیں ہے۔ وہ بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔"[4]

اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝﴾

"وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ غائب اور حاضر ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ وہ نہایت مہربان اور بہت رحم کرنے والا ہے۔"[5]

اللہ تعالیٰ کے یہ دونوں اسمائے گرامی (الرحمن الرحیم) ایک ساتھ قرآن مجید میں سوائے سورۃ التوبۃ کے باقی ہر سورت کے شروع میں (یعنی 113 مرتبہ) ذکر کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ مزید پانچ مقامات پر بھی یہ دونوں ایک ساتھ ذکر کیے گئے ہیں۔ جبکہ اسم گرامی 'الرحمن' اکیلا 57 مرتبہ اور 'الرحیم' اکیلا 95 مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ اور (رحیما) 20 مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ رب العزت کس قدر مہربان اور کتنا رحم کرنے والا ہے!

[1] البقرۃ 2:105۔ [2] العنکبوت 29:21۔ [3] فاطر 35:2۔ [4] البقرۃ 2:163۔ [5] الحشر 59:22۔

❀ اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے اور اس سے بڑا رحم کرنے والا کوئی نہیں

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۖ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾

''اللہ ہی بہتر محافظ ہے اور وہی سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''[1]

اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ﴾

''اور آپ اللہ سے دعا کیجیے کہ اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔ اور تو ہی سب رحم کرنے والوں سے اچھا رحم کرنے والا ہے۔''[2]

اور حدیثِ شفاعت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((فَيَقُولُ اللّٰهُ : شَفَعَتِ الْمَلَائِكَةُ ، وَشَفَعَ النَّبِيُّونَ ، وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُونَ ، وَلَمْ يَبْقَ إِلَّا أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ---))

''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: فرشتوں نے بھی سفارش کر لی ، انبیاء نے بھی شفاعت کر لی اور مومن بھی سفارش کر کے فارغ ہو گئے ، اب صرف ارحم الراحمین باقی ہے.........'

''پھر اللہ تعالیٰ جہنم سے ایک مٹھی بھرے گا اور ان لوگوں کو جہنم سے نکال لے گا جنھوں نے کبھی خیر کا کام نہ کیا تھا۔ وہ جل کر کوئلے بن چکے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جنت کے سرے پر واقع ایک نہر میں پھینک دے گا جسے نہر الحیاۃ کہا جائے گا۔ پھر وہ اس سے ایسے نکلیں گے جیسے ایک دانہ گذرگاہِ آب میں نکلتا ہے......... پھر وہ ایک موتی کی طرح نکلیں گے۔ ان کی گردنوں پر مہریں لگی ہونگی جن کی وجہ سے انھیں اہلِ جنت پہچان لیں گے اور کہیں گے: یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ جنہیں اس نے کسی نیک عمل اور کسی خیر کے بغیر جنت میں داخل فرمایا ہے.........''[3]

اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کے پاس کچھ قیدی آئے۔ ان میں سے ایک عورت اپنے بیٹے کی تلاش میں نکلی ،تو اسے اس کا بیٹا قیدیوں میں مل گیا ، اس نے اسے اٹھایا اور اپنے پیٹ سے چپکا کر اسے دودھ پلانے لگی۔ تو رسول اکرم ﷺ نے ہم سے کہا:

((أَتَرَوْنَ هٰذِهِ الْمَرْأَةَ طَارِحَةً وَّلَدَهَا فِي النَّارِ ؟))

''کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ عورت اپنے اس بیٹے کو آگ میں پھینکے گی ؟''

ہم نے کہا: اللہ کی قسم! نہیں ، ہم نہیں سمجھتے کہ وہ ایسا کر سکتی ہے۔

تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ((لَلّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا))

''جس قدر یہ عورت اپنے بیٹے پر مہربان ہے ، اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ اپنے بندوں پر رحم کرنے

[1] یوسف 64:12. [2] المؤمنون 118:23. [3] صحیح البخاري: 7439، صحیح مسلم: 183 واللفظ له.

والا ہے۔''[1]

اِس حدیث میں ((بِعِبَادِهٖ)) سے مراد اللہ کے مومن بندے ہیں۔ جیسا کہ اسی حدیث کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ((وَلَا اللّٰهُ بِطَارِحٍ حَبِيبَهٗ فِي النَّارِ))'' جس طرح یہ عورت اپنے بیٹے کو آگ میں پھینکنے والی نہیں، اسی طرح اللہ بھی اپنے پیارے بندے کو جہنم میں پھینکنے والا نہیں۔''[2]

''پیارے بندے'' سے مراد مومن ہی ہوسکتا ہے۔ کافر نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ کافر اللہ تعالیٰ کو محبوب نہیں بلکہ نہایت ہی ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ ﴿ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ○ ﴾[3]

✿ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے اور ہر چیز کو شامل ہے۔ عاقل کو بھی اور غیر عاقل کو بھی، حیوان کو بھی اور انسان کو بھی، فرشتوں کو بھی اور جنوں کو بھی

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ ..... ﴾

''اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ لہٰذا میں اُن کے لیے رحمت ہی لکھوں گا جو متقی ہیں، زکاۃ دیتے ہیں اور ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ اور اس رسول کی اتباع کرتے ہیں جو نبیٔ اُمی ہے..........''[4]

اِس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ویسے تو دنیا میں ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، لیکن قیامت کے روز اس کی رحمت کے مستحق بس وہ لوگ ہوں گے جو متقی ہوں گے، زکاۃ ادا کریں گے، اللہ کی آیات پر ایمان لائیں گے اور رسول اکرم ﷺ کی اتباع کریں گے۔

اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ○ ﴾

''پھر اگر یہ آپ کو جھٹلائیں تو ان سے کہیے کہ تمھارا رب بہت وسیع رحمت والا ہے۔ اور مجرموں سے اس کا عذاب ٹالا نہیں جا سکتا۔''[5]

یعنی ان کے جھٹلانے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر نازل نہیں ہو رہا کیونکہ وہ بہت ہی وسیع رحمت والا ہے۔ البتہ قیامت کے روز ان مجرموں کو اس کا عذاب ضرور ملے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ

① صحيح البخاري: 5999، و صحيح مسلم: 2754. ② رواه أحمد وغيره و صححه الحاكم و أقره الذهبي. ③ الروم 45:30. ④ الأعراف 156:7. ⑤ الأنعام 147:6.

وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَ قِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴾

''جو (فرشتے) عرش اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں اور (کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے اپنی رحمت اور علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔ لہٰذا جنھوں نے توبہ کی اور تیری راہ کی اتباع کی انھیں بخش دے اور انھیں جہنم کے عذاب سے بچا لے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کن لوگوں پر رحم کرتا ہے؟

ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت ان لوگوں کے لیے لکھ دی ہے جو متقی ہوں، زکاۃ دینے والے ہوں، اللہ کی آیات پر ایمان رکھنے والے ہوں اور رسول اکرم ﷺ کی اتباع کرنے والے ہوں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرتا ہے جو لوگوں پر رحم کرتے ہیں۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ ان کا ایک بچہ قریب المرگ ہے۔ لہٰذا آپ ان کے گھر تشریف لائیں۔ آپ نے پیغامبر کو کہا کہ انھیں میری طرف سے سلام کہو اور آگاہ کرو کہ ((إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى ، وَكُلُّ شَيْئٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى، فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ)) ''اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے جو کچھ اس نے لیا اور جو کچھ اس نے عطا کیا۔ اور ہر ایک کی موت کا وقت متعین ہے۔ لہٰذا تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب طلب کرو۔''

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے پیغامبر کو دوبارہ بھیجا اور آپ کو قسم دے کر ضرور بالضرور آنے کی درخواست کی۔ چنانچہ آپ ﷺ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور چند دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ اپنی صاحبزادی کے گھر میں پہنچے۔

اُس بچے کو اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی گود میں رکھ دیا گیا، اُس وقت وہ موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھا اور اِس طرح حرکت کر رہا تھا جیسے ایک پرانے مشکیزے میں حرکت ہوتی ہے۔ بچے کی یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بہہ نکلے۔ تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((هٰذِهِ رَحْمَةٌ وَّضَعَهَا اللّٰهُ فِي قُلُوبِ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادِهِ ، وَلَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ

[1] المؤمن 40:7.

إِلَّا الرُّحَمَاءَ))

''یہ وہ رحمت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہا رکھ دیا۔اور وہ اپنے بندوں میں سے صرف ان لوگوں پر رحم کرتا ہے جو رحم دل ہوتے ہیں۔''[1]

اسی طرح فرمایا:((اَلرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ ، اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ))

''رحم کرنے والوں پر ہی اللہ رحم کرتا ہے۔تم زمین والوں پر رحم کرو،تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان پر ہے۔''[2]

کن اعمال پر باری تعالیٰ کی رحمت نصیب ہوتی ہے؟

وہ کونسے اعمال ہیں کہ جن کے کرنے پر باری تعالیٰ کی رحمت نصیب ہوتی ہے اور ان لوگوں کے اوصاف کیا ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے مستحق بنتے ہیں؟ آیئے قرآن مجید سے ان کی بعض انواع واقسام معلوم کرتے ہیں:

1 ایمان اور تقویٰ والے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اللہ تمھیں اپنی رحمت سے دوگنا اجر عطا کرے گا اور ایسا نور بخشے گا جس کی روشنی میں تم چلو گے اور تمھیں معاف کردے گا۔ اور اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''[3]

2 اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ ﴾

''اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''[4]

3 قرآن مجید کی اتباع کرنے والے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ ﴾

''اور یہ کتاب' جسے ہم نے اتارا ہے' بابرکت ہے، لہٰذا اس کی اتباع کرو اور ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''[5]

[1] صحيح البخاري: 5655. [2] جامع الترمذي: 1924. وصححه الألباني. [3] الحديد 28:57. [4] آل عمران 132:3.
[5] الأنعام 155:6.

4 اچھے کردار والے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ○ ﴾

’’بے شک اللہ کی رحمت اچھے کردار والے لوگوں کے قریب ہے۔‘‘[1]

5 نماز پڑھنے، زکاۃ دینے اور اطاعتِ رسول ﷺ کرنے والے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَ اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ○ ﴾

’’اور تم نماز قائم کرو اور زکاۃ دیتے رہو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔‘‘[2]

6 عمل صالح کرنے والے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَاَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ○ ﴾

’’رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو اللہ انھیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یہی واضح کامیابی ہے۔‘‘[3]

7 استغفار کرنے والے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُونَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ○ ﴾

’’تم اللہ سے بخشش کیوں نہیں طلب کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔‘‘[4]

8 مومنوں کے درمیان صلح کرانے اور اللہ سے ڈرنے والے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ○ ﴾

’’مومن تو سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔‘‘[5]

9 مصیبت کے وقت صبر کرنے والے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِينَ ○ الَّذِينَ إِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيبَةٌ ۙ قَالُوا إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رٰجِعُونَ ○

[1] الأعراف 7:56. [2] النور 24:56. [3] الجاثیۃ 45:30. [4] النمل 27:46. [5] الحجرات 49:10.

﴿ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝ ﴾

''اور آپ (اے محمد ﷺ!) صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے جنھیں جب کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم یقیناً اللہ ہی کے لیے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ایسے ہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی نوازشیں اور رحمت ہوتی ہے۔ اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔''[1]

10 امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ ﴾

''مومن مرد اور مومنہ عورتیں ایک دوسرے کے (مددگار، معاون اور) دوست ہوتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے ہیں۔ نماز قائم کرتے، زکاۃ ادا کرتے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ رحم کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ غالب، حکمتوں والا ہے۔''[2]

عزیز بھائیو! ہم نے جو آیات ذکر کی ہیں ان سے پتہ چلتا کہ رحمتِ باری تعالی کے مستحق کون لوگ ہیں اور ان کے اوصاف کیا ہیں۔ لہٰذا ہمیں بھی وہی اوصاف اختیار کرنے چاہئیں تاکہ ہم بھی انھی خوش نصیب لوگوں میں شامل ہو جائیں جنھیں اللہ رب العزت کی رحمت نصیب ہوتی ہے۔ ورنہ جو شخص رحمتِ باری تعالی سے محروم ہوتا ہے وہ یقیناً خسارہ پانے والا ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حواء علیہا السلام نے دعا کرتے ہوئے کہا تھا:

﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ ﴾

''اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم یقیناً خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''[3]

اور حضرت نوح علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۖ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُن مِّنَ الْخَاسِرِينَ ۝ ﴾

''اے میرے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ میں تجھ سے اس چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں۔ اور اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا اور مجھے آغوشِ رحمت میں نہ لیا تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔''[4]

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ ۝ ﴾

[1] البقرۃ 2:155-157. [2] التوبۃ 9:71. [3] الأعراف 7:23. [4] ھود 11:47.

"پھر اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاتے۔"[1]

بلکہ اگر اللہ کی رحمت نہ ہو تو کوئی بھی انسان شیطان سے ہی نہیں بچ سکتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَ لَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَ رَحۡمَتُہٗ لَاتَّبَعۡتُمُ الشَّیۡطٰنَ اِلَّا قَلِیۡلًا﴾

"اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم سب سوائے چند لوگوں کے شیطان کی پیروی کرتے۔"[2]

دین اسلام میں رحمتِ باری تعالیٰ کی مختلف شکلیں

عزیز بھائیو! دین اسلام میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہمیں مختلف صورتوں میں نظر آتی ہے مثلاً:

1. اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک اس کی طرف پیغمبر بھیج کر اسے اس کے فرائض کی یاد دہانی نہ کرا دے۔

اس کا فرمان ہے: ﴿وَ مَا کُنَّا مُعَذِّبِیۡنَ حَتّٰی نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا﴾

"اور ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیا کرتے جب تک رسول نہ بھیجیں۔"[3]

اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿وَ مَا کَانَ رَبُّکَ مُہۡلِکَ الۡقُرٰی حَتّٰی یَبۡعَثَ فِیۡۤ اُمِّہَا رَسُوۡلًا یَّتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِنَا ۚ وَ مَا کُنَّا مُہۡلِکِی الۡقُرٰۤی اِلَّا وَ اَہۡلُہَا ظٰلِمُوۡنَ﴾

"اور آپ کا رب کسی آبادی کو ہلاک نہیں کرتا حتی کہ کسی مرکزی بستی میں رسول نہ بھیج لے جو انھیں ہماری آیات پڑھ کر سنائے۔ نیز ہم صرف ایسی بستی کو ہی ہلاک کرتے ہیں جس کے رہنے والے ظالم ہوں۔"[4]

2. اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی بناء پر کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔

اس کا فرمان ہے: ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا﴾

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے بقدر ہی پابند بناتا ہے۔"[5]

یہی وجہ ہے کہ

- جب پانی موجود نہ ہو یا موجود ہو لیکن (بیماری وغیرہ کی وجہ سے) اسے استعمال کرنے کی قدرت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کرنے کی اجازت دی ہے۔
- اگر کوئی شخص کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو اسے بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے۔ اور اگر وہ بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکتا ہو تو اسے لیٹ کر پڑھنے کی اجازت ہے۔

[1] البقرۃ 64:2۔ [2] النساء 83:4۔ [3] الإسراء 15:17۔ [4] القصص 59:28۔ [5] البقرۃ 286:2۔

* حیض ونفاس کی حالت میں خواتینِ اسلام کو نمازیں معاف ہیں۔
* حجِ بیت اللہ زندگی میں ایک بار فرض ہے اور وہ بھی صرف اس آدمی پر جو اس کی استطاعت رکھتا ہو۔
* مریض اور مسافر کو مرض اور سفر کے ایام میں روزے چھوڑنے کی اجازت ہے۔ تاہم عذر زائل ہونے پر انھیں قضا کرنا لازم ہے۔

یہ تمام باتیں اس کی دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کی طاقت کے مطابق ہی اپنے احکامات کا پابند بناتا ہے۔ اور انھیں ان کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا پورا دین ہی آسان ہے اور اس میں انسان پر کوئی مشقت وغیرہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾

''اس نے تمھیں چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔''[1]

③ اللہ تعالیٰ نے کئی چیزوں کا کھانا حرام قرار دیا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص نہایت ہی مجبور ہو جائے تو اس نے اپنی رحمت کی بناء پر اسے بقدرِ مجبوری حرام چیز کو کھانے کی اجازت دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

''اس نے بلا شبہ تم پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا ہے اور وہ چیز بھی جو غیر اللہ کے نام سے مشہور ہو، پھر جو مجبور ہو، تاہم قانون شکنی کرنے والا اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ اللہ یقیناً بڑا بخشنے والا اور بے حد رحم کرنے والا ہے۔''[2]

④ اللہ تعالیٰ نے اپنی 'رحمت' کی بناء پر لوگوں کی بھول چوک، دل کے خیالات ووساوس اور جبر واکراہ کو معاف کر دیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ))

''بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دل کے خیالات اور وسوسوں کو معاف کر دیا ہے جب تک وہ عمل نہ کرے یا گفتگو نہ کرے۔''[3]

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ((إِنَّ اللّٰهَ قَدْ تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ))

① الحج 78:22. ② البقرة 173:2. ③ صحيح البخاري: 5269.

"بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے میری امت کی غلطی، بھول اور جس چیز پر وہ مجبور کردیے جائیں اسے معاف کردیا ہے۔"[1]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کی بناء پر تین قسم کے لوگوں کو مرفوع القلم قرار دیا ہے۔ اور وہ رسول اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہ ہیں:

فرمایا: ((رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ : عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ ، وَعَنِ الصَّغِيرِ حَتّٰى يَكْبُرَ ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يَعْقِلَ أَوْ يُفِيقَ))

"تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے: سویا ہوا انسان جب تک وہ بیدار نہ ہو۔ چھوٹا بچہ جب تک وہ بالغ نہ ہو۔ اور مجنون جب تک وہ دماغی طور پر ٹھیک نہ ہو۔"[2]

(5) اللہ تعالیٰ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ وہ خود ہی اپنے گناہ گار بندوں کو پیار بھرے انداز میں اپنی رحمت ومغفرت کی امید دلاتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝﴾

"آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے وہ بندو جنھوں نے (گناہوں کا ارتکاب کرکے) اپنے اوپر زیادتی کی ہے! تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کردیتا ہے۔ یقینا وہی تو ہے جو بڑا معاف کرنے والا اور بے حد مہربان ہے۔"[3]

اور وہ خود ہی ہر صبح وشام اپنا دستِ مبارک پھیلا کر اپنے بندوں کو پیش کش کرتا ہے کہ تم توبہ کرلو میں تمھیں معاف کردوں گا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ صَاحِبَ الشِّمَالِ لَيَرْفَعُ الْقَلَمَ سِتَّ سَاعَاتٍ عَنِ الْعَبْدِ الْمُسْلِمِ الْمُخْطِئِ ، فَإِنْ نَدِمَ وَاسْتَغْفَرَ اللّٰهَ مِنْهَا أَلْقَاهَا ، وَإِلَّا كُتِبَتْ وَاحِدَةً))

"بے شک اللہ تعالیٰ اپنا دستِ رحمت رات کے وقت پھیلاتا ہے تاکہ دن میں گناہ کرنے والا شخص توبہ کرلے۔ اسی طرح دن کے وقت بھی اپنا دستِ رحمت پھیلاتا ہے تاکہ رات میں گناہ کرنے والا آدمی توبہ کرلے یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہوجائے۔"[4]

اور جو شخص بھی کسی برائی کے بعد اخلاص دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لے تو وہ اسے اپنی رحمت کی بناء

(1) سنن ابن ماجه: 2043. وصححه الألباني. (2) سنن ابن ماجه: 2041. وصححه الألباني. (3) الزمر 53:39.
(4) صحيح مسلم: 2759.

پر معاف کر دیتا ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ سُوٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُۥ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ يَجِدِ ٱللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝﴾

"جو شخص کوئی برائی کرے یا (گناہ کا ارتکاب کر کے) اپنی جان پر ظلم کرے، پھر اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کر لے تو وہ اللہ تعالیٰ کو انتہائی بخشنے والا، بے حد مہربان پائے گا۔"[1]

بلکہ اللہ رب العزت اتنا رحیم ہے کہ اس نے اپنے فرشتوں کو حکم دے رکھا ہے کہ اس کا کوئی بندہ جب کسی گناہ کا ارتکاب کرے تو وہ فوری طور پر اسے نہ لکھیں، بلکہ کچھ وقت کے لیے اسے مہلت دیں، شاید کہ وہ معافی مانگ لے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّ صَاحِبَ الشِّمَالِ لَيَرْفَعُ الْقَلَمَ سِتَّ سَاعَاتٍ عَنِ الْعَبْدِ الْمُسْلِمِ الْمُخْطِئِ ، فَإِنْ نَدِمَ وَاسْتَغْفَرَ اللهَ مِنْهَا أَلْقَاهَا ، وَإِلَّا كُتِبَتْ وَاحِدَةً»

"بے شک بائیں طرف والا فرشتہ اپنا قلم خطا کار بندۂ مسلمان سے چھ گھڑیوں تک اٹھائے رکھتا ہے، پھر اگر وہ شرمندہ ہو کر معافی مانگ لے تو وہ اس کی خطا کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ورنہ ایک ہی خطا لکھ لی جاتی ہے۔"[2]

6 اللہ رب العزت اتنا رحیم وکریم ہے کہ وہ کسی بھی انسان کے لیے توبہ کا دروازہ بند نہیں کرتا یہاں تک کہ اس کی موت کا وقت قریب آجائے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّ اللهَ لَيَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ»

"جب تک بندے پر نزع کی کیفیت طاری نہ ہو اس وقت تک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا رہتا ہے۔"[3]

7 اللہ رب العزت اپنے بندوں پر اتنا مہربان ہے کہ اگر وہ ایک نیکی کریں تو اس کا ثواب کئی گنا بڑھا دیتا ہے، حتی کہ ایک نیکی سات سو نیکیوں کے برابر ہو جاتی ہے۔ اور اس کے برعکس اگر وہ ایک برائی کریں اور اس سے توبہ نہ کریں تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ۝﴾

"اللہ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور کسی نے کوئی نیکی کی ہو تو اللہ اسے دو چند کر دے گا اور اپنے ہاں سے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔"[4]

1 النساء 4:110. 2 صحيح الجامع الصغير: 2097. 3 جامع الترمذي: 3537. صححه الألباني. 4 النساء 4:40.

اور نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

((وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةٌ، فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ عَشْرًا، وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ شَيْئًا، فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ سَيِّئَةً وَاحِدَةً))

''نمازوں کی فرضیت کے علاوہ یہ بات بھی میری طرف وحی کی گئی کہ جو نیکی کا ارادہ کرے، پھر اسے عملی طور پر انجام نہ دے تو وہ اس کے لیے ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ اور اگر وہ اسے عملی طور پر کر لے تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اور جو شخص برائی کا ارادہ کرے، پھر اس پر عمل نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا۔ اور اگر وہ اس پر عمل کر لے تو ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے۔''[1]

اسی طرح نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ اللهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ، ثُمَّ بَيَّنَ ذٰلِكَ، فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللهُ لَهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ إِلٰى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ، وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللهُ لَهُ سَيِّئَةً وَاحِدَةً))

''بے شک اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھ دی ہیں۔ پھر اس نے (انھیں لکھنے کا نظام) واضح فرمایا۔ چنانچہ جو شخص کسی نیک کام کا ارادہ کرے پھر اس پر عمل نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک کامل نیکی لکھ دیتا ہے۔ اور اگر وہ اس کا ارادہ کرنے کے بعد اس پر عمل بھی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اپنے پاس دس نیکیاں لکھ دیتا ہے حتی کہ یہ سات سو گنا اور اس سے بھی زیادہ تک چلی جاتی ہیں۔ اور اگر وہ کسی برائی کا ارادہ کرے پھر اس پر عمل نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی اپنے پاس ایک کامل نیکی لکھ دیتا ہے۔ اور اگر وہ برائی کا ارادہ کرنے کے بعد اس پر عمل بھی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ایک ہی برائی لکھتا ہے۔''[2]

(8) اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب سے سبقت لے جا چکی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((إِنَّ اللهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ: إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي، فَهُوَ مَكْتُوبٌ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ))

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل ایک تحریر لکھ دی تھی کہ میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے جا چکی ہے۔ یہ عرش کے اوپر اس کے پاس لکھا ہوا ہے۔''[3]

(9) اللہ تعالیٰ اس قدر رحمان ورحیم ہے کہ اس نے اپنی رحمت کو سو حصوں میں تقسیم کر کے اس کا ایک ہی حصہ زمین پر

[1] صحيح مسلم: 162. [2] صحيح البخاري: 6491، صحيح مسلم: 131. [3] صحيح البخاري: 7554.

اتارا اور باقی تمام حصے اس نے اپنے پاس روک لیے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((جَعَلَ اللّٰهُ الرَّحْمَةَ فِي مِائَةِ جُزْءٍ ، فَأَمْسَكَ عِنْدَهُ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ جُزْءًا ، وَأَنْزَلَ فِي الْأَرْضِ جُزْءًا وَّاحِدًا ، فَمِنْ ذٰلِكَ الْجُزْءِ تَتَرَاحَمُ الْخَلْقُ ، حَتّٰى تَرْفَعَ الْفَرَسُ حَافِرَهَا عَنْ وَّلَدِهَا خَشْيَةَ أَنْ تُصِيْبَهُ))

''اللہ تعالیٰ نے رحمت کو سو حصوں میں تقسیم کیا، پھر 99 حصے اپنے پاس روک لیے اور ایک حصہ زمین پر اتار دیا۔ اسی ایک حصے سے مخلوق آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے۔ یہاں تک کہ گھوڑی اپنے بچے سے اپنا کھر اٹھا لیتی ہے کہ کہیں اسے تکلیف نہ پہنچے۔''[1]

(10) اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسم گرامی (الرؤف) ہے، جو قرآن مجید میں گیارہ مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس کا معنی ہے: ترس کھانے والا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ترس کھاتے ہوئے انھیں اپنا تقرب حاصل کرنے کی ترغیب دلاتا ہے۔ اور جب کوئی بندہ تھوڑا سا اس کی طرف بڑھتا ہے تو وہ اس سے کہیں زیادہ اس کی طرف بڑھتا ہے اور اسے اپنا قرب نصیب کرتا اور اسے اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى : أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ ، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِيْ ، فَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهُ فِيْ نَفْسِيْ ، وَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِيْ مَلَإٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ ، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا ، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا ، وَإِنْ أَتَانِيْ يَمْشِيْ أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً))

''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اس سے سلوک کرتا ہوں اور جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اور اگر وہ کسی جماعت میں مجھے یاد کرے، تو میں اس سے بہتر جماعت میں اسے یاد کرتا ہوں۔ اور اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے نزدیک ہوتا ہوں۔ اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے نزدیک ہوتا ہے تو میں ایک کلا (دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے) اس کے قریب ہوتا ہوں۔ اور اگر وہ چلتا ہوا میرے پاس آئے تو میں دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں۔''[2]

بلکہ اللہ تعالیٰ تو جانوروں پر بھی ترس کھاتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((وَلَمْ يَمْنَعُوا الزَّكَاةَ إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ ، وَلَوْ لَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوْا))

(1) صحيح البخاري: 6000. (2) صحيح البخاري: 4705، صحيح مسلم: 2675.

”لوگ جب زکاۃ روک لیں گے تو ان پر بارش نازل نہیں ہوگی۔ اور اگر چوپائے جانور نہ ہوتے تو ان پر بارش بالکل ہی بند ہوجاتی۔“[1]

یعنی لوگوں کی طرف سے زکاۃ کی عدم ادائیگی کے باوجود اللہ تعالیٰ چوپائے جانوروں پر ترس کھاتے ہوئے بارش کا نزول بند نہیں کرے گا۔

عزیز بھائیو! اللہ تعالیٰ جانوروں پر اس قدر ترس کھاتا ہے کہ اگر کوئی بدکار انسان جانور پر ترس کھاتے ہوئے اسے پانی پلا دے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی معاف کر دیتا ہے۔

صحیحین میں ہے کہ ایک بدکار عورت نے ایک کتے کو دیکھا جو سخت گرم دن میں ایک کنویں کے اردگرد چکر لگا رہا تھا اور شدید پیاس کے عالم میں ہانپ رہا تھا۔ اس نے اپنا موزا اتارا اور اس کے ذریعے کنویں سے پانی کھینچا، پھر اسے پانی پلایا۔ چنانچہ اُس کے اسی عمل کی وجہ سے اسے معاف کر دیا گیا۔[2]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”ایک شخص ایک راستے پر چل کر جا رہا تھا کہ اسے شدید پیاس محسوس ہوئی، اسے ایک کنواں ملا، وہ اس میں اترا اور پانی نوش کر لیا۔ باہر نکلا تو اس نے ایک کتے کو ہانپتے ہوئے دیکھا جو شدید پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی کھا رہا تھا، وہ (اپنے دل میں) کہنے لگا: پیاس نے اس کتے کا برا حال کر رکھا ہے جیسا کہ میرا برا حال تھا۔

پھر وہ دوبارہ کنویں میں اترا، اپنے موزے میں پانی بھر، اسے اپنے منہ کے ساتھ پکڑ کر اوپر کو چڑھا اور باہر آ کر کتے کو پانی پلایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((فَشَكَرَ اللهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ)) ”اللہ تعالیٰ نے اس کی قدر کی اور اسے معاف کر دیا۔“[3]

اس سے معلوم ہوا کہ ہمارا دین دینِ رحمت ہے کہ جو کتے جیسے جانور پر بھی ترس کھانے کی دعوت دیتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ انسانوں کو خوفزدہ کرنے یا انھیں دہشت گردی کا نشانہ بنانے یا انھیں ناجائز طور پر قتل کرنے کی ترغیب دے! دینِ اسلام اس طرح کی چیزوں سے بالکل پاک ہے۔

سامعین کرام! ہم نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے چند نمونے پیش کیے ہیں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ جو اللہ اپنے بندوں کے لیے اس قدر رحمان ورحیم ہے اور اس سے بڑا رحم کرنے والا کوئی نہیں تو کیا اُس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے جو دین بھیجا وہ دینِ رحمت نہیں، بلکہ ایسا دین ہے کہ جس میں خوف ودہشت ہے اور جس میں مار دھاڑ اور جنگ وجدال کے سوا کچھ نہیں؟ ہرگز نہیں۔ اللہ ارحم الراحمین کا بھیجا ہوا دین، دینِ رحمت ہے اور اس میں تمام انسانوں

[1] رواہ الحاکم وصححہ ووافقہ الذہبي. [2] صحیح البخاري: 3467، وصحیح مسلم: 2244. [3] صحیح البخاري: 2363، وصحیح مسلم: 2244.

کے لیے امن وسلامتی کا پیغام ہے۔

ہم باری تعالی سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی رحمتوں سے نوازے اور ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

دوسرا خطبہ

عزیز بھائیو!

ہمارا دین دینِ اسلام ہے جو کہ سلامتی کا سبق دیتا ہے۔ اور ہمارا خالق و مالک اور معبودِ برحق اللہ تعالیٰ ہے جس کے اسمائے گرامی میں سے ایک اسم گرامی (السلام) ہے۔ اور س کا معنی بھی یہی ہے: سراسر سلامتی والا، یعنی وہ جس کے ظلم سے مخلوق سلامتی میں ہو۔ اسی طرح اس کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک (المؤمن) بھی ہے جس کا معنی ہے: امن دینے والا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے مسلمان بندوں کو وقت ملاقات ایک دوسرے کو جو تحفہ پیش کرنے کی تعلیم دی ہے وہ ہے: (السلام علیکم) یعنی 'تم پر سلامتی ہو'۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ جو سلامتی والا اور امن دینے والا ہے اس نے اپنے ماننے والوں کو بھی یہی تعلیم دی ہے کہ وہ امن وسلامتی کے پیغام کو عام کریں اور دنیا بھر کے لوگوں کو باور کرائیں کہ ہم امن وسلامتی کو پسند کرتے ہیں اور خود بھی امن وسلامتی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں اور دوسروں کی بھی سلامتی کے خواہشمند ہیں۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا جو ابدی ٹھکانا بنایا ہے اور جس میں وہ نعمتیں ہیں کہ جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ ان کے بارے میں کسی کان نے سنا ہے اور نہ ہی کوئی شخص ان کا تصور کر سکتا ہے، وہ ہے: (دار السلام) یعنی سلامتی کا گھر۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو امن وسلامتی بہت پسند ہے۔

لہٰذا جو اللہ تعالیٰ خود سلامتی والا ہے، امن دینے والا ہے، مسلمانوں کو آپس میں پیغامِ امن دینے کی تعلیم دیتا ہے اور اس نے ان کے لیے سلامتی والا گھر تیار کر رکھا ہے، کیا اس کا دین دینِ خوف ودہشت ہو سکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ یقینی طور پر اس کا بھیجا ہوا دین دینِ رحمت ہے اور دینِ امن وسلامتی ہے۔ جو ساری دنیا کو یہ پیغام دیتا ہے کہ اس سچے دین کو قبول کر لو، تمھارے لیے دنیا وآخرت میں سلامتی ہی سلامتی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو مرتے دم تک اس سلامتی والے دینِ اسلام پر قائم ودائم رہنے کی توفیق دے۔ اور ہمارا خاتمہ ایمان وعمل کی سلامتی کے ساتھ فرمائے۔

اسلام دینِ رحمت ہے 2

اہم عناصرِ خطبہ

1. رسول اکرم ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں
2. رحمتِ عالم ﷺ کی رحمت کے متعدد پہلو
3. رسول اکرم ﷺ سب کے لیے رحمت بنے
4. رحمتِ عالم ﷺ اور جہاد بالسیف!

پہلا خطبہ

محترم حضرات! پچھلے خطبۂ جمعہ میں ہم نے عرض کیا تھا کہ اسلام دینِ رحمت ہے۔ کیونکہ ایک تو اس دین کو بھیجنے والا وہ ہے، جو ارحم الراحمین ہے اور اس سے بڑا رحم کرنے والا کوئی نہیں۔ دوسرا اس لیے کہ اس نے یہ دین جس شخصیت کے ذریعے ہماری طرف بھیجا ہے وہ رحمۃ للعالمین ہیں۔ ہم نے 'ارحم الراحمین' کے حوالے سے چند گزارشات قرآن وحدیث کی روشنی میں عرض کی تھیں۔ آج کے خطبۂ جمعہ میں اس موضوع کے دوسرے پہلو، یعنی رحمۃ للعالمین ﷺ کے بارے میں چند گزارشات پیش خدمت ہیں۔

رسول اکرم ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں

اللہ تعالیٰ 'ارحم الراحمین' ہے تو اس نے جس شخصیت کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا اسے اس نے 'رحمۃ للعالمین' بنایا اور اس کے ذریعے دنیا بھر کو پیغامِ رحمت دیا۔ لہٰذا آپ ﷺ کی ذات گرامی سراپا رحمت ہے، آپ ﷺ دین رحمت کے ساتھ مبعوث کیے گئے ہیں، آپ ((رؤفٌ رَّحیم)) ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوری دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

''اور ہم نے آپ کو تمام دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''[1]

عزیز بھائیو! ذرا غور فرمائیے، اس آیتِ مبارکہ میں لفظ ((رَحْمَةً)) نکرہ ہے اور یہ نفی ((وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ)) کے بعد آیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ صرف انسانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کی تمام مخلوقات کے لیے رحمت ہیں، کیونکہ جو اسم نکرہ نفی کے بعد آتا ہے وہ عموم وشمول کے لیے ہوتا ہے۔ آپ انسانوں کے لیے بھی رحمت ہیں اور جنوں کے لیے بھی۔ مومنوں کے لیے بھی اور کافروں کے لیے بھی۔ چھوٹوں کے لیے بھی اور بڑوں کے لیے بھی۔ نیکوں کے لیے بھی اور بروں کے لیے بھی۔ مردوں کے لیے بھی اور عورتوں کے لیے بھی۔ حیوانات کے لیے بھی اور جمادات کے لیے بھی۔ اور آپ ﷺ ایسی رحمت ہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ نے دین ودنیا اور دارین کی سعادت کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ چنانچہ آپ ﷺ پر ایمان لانے کے بعد آپ کی اطاعت وفرمانبرداری کی جائے تو دنیا بھی سنور جاتی ہے اور آخرت بھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں ((وَ مَآ)) کے بعد ((اِلَّا)) آیا ہے، یعنی حصر کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت ورسالت اول تا آخر رحمت ہی رحمت ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کا 'رحمۃ للعالمین' ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ کسی انسان کی طرف سے نہیں۔ آپ ﷺ کو 'رحمۃ للعالمین' کا مقام ومرتبہ کسی جد وجہد یا ٹریننگ کے نتیجے میں نہیں ملا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو ہبہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾

''اللہ کی یہ کتنی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان کے حق میں نرم مزاج واقع ہوئے ہیں۔''[2]

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ ! إِنَّمَا أَنَا رَحْمَةٌ مُهْدَاةٌ))

''اے لوگو! میں تو رحمت ہی ہوں جسے ہدیہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔''[3]

اور حضرت محمد ﷺ خاص طور پر مومنوں کے لیے بڑے ہی مہربان تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

''تمھارے پاس ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمھاری ہی جنس سے ہیں، جن کو تمھارے نقصان کی بات نہایت ہی گراں گزرتی ہے، جو تمھاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں، ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔''[4]

[1] الأنبياء 107:21. [2] آل عمرٰن 159:3. [3] رواه الحاكم وصححه وأقره الذهبي. [4] التوبة 128:9.

اور حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم چند ہم عمر نوجوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے بیس راتیں آپ کے پاس قیام کیا۔ پھر آپ کو یہ گمان ہوا کہ جیسے ہم اپنے گھر والوں سے ملنے کا شوق رکھتے ہیں، چنانچہ آپ نے ہم سے ہمارے گھر والوں کے بارے میں معلومات لیں۔ ہم نے آپ کو سب کچھ بتا دیا۔ اور چونکہ آپ بڑے نرم مزاج اور رحمدل تھے اس لیے آپ نے فرمایا:

((اِرْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ فَعَلِّمُوْهُمْ وَمُرُوْهُمْ ، وَصَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي أُصَلِّيْ ، وَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ))

”تم اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جاؤ، پھر انھیں بھی تعلیم دو اور میرے احکامات ان تک پہنچاؤ۔ اور تم نماز اسی طرح پڑھنا جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی شخص اذان کہے، پھر تم میں جو بڑا ہو وہ امامت کرائے۔“[1]

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو تھے ہی نبیٔ رحمت، جیسا کہ حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعدد نام ذکر فرمائے جن میں سے کچھ تو ہمیں یاد ہیں اور کچھ ہمیں بھول گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أَنَا مُحَمَّدٌ ، وَأَحْمَدُ ، وَالْمُقَفِّيْ ، وَالْحَاشِرُ ، وَنَبِيُّ التَّوْبَةِ ، وَنَبِيُّ الرَّحْمَةِ))

”میں محمد، احمد اور المقفی (یعنی انبیاء علیہم السلام میں سب سے آخر میں آکر ان کی پیروی کرنے والا ہوں)، الحاشر (اکٹھا کرنے والا ہوں)، نبیّ التوبۃ (توبہ کو لانے والا ہوں) اور نبیّ الرحمۃ (رحمت کے ساتھ بھیجا گیا) ہوں۔“[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے کئی پہلو

عزیز بھائیو! نبیٔ رحمت اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے کئی پہلو ہیں۔ ہم ان میں سے چند ایک کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

1 رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے بڑے ہی رحم دل تھے

آپ اس کا اندازہ اس بات سے کر سکتے ہیں کہ پہلے انبیاء علیہم السلام جب اپنی امتوں سے مایوس ہو جاتے تو ان کے خلاف بد دعا کرتے، یا ان سے براءت کا اعلان کر دیتے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام نے بد دعا کرتے ہوئے کہا:

﴿وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝﴾

[1] صحيح البخاري:6008، صحيح مسلم:674. [2] صحيح مسلم:1829، و صحيح مسلم:2355.

"اے میرے رب! کافروں میں سے کوئی بھی گھرانہ اس زمین پر نہ چھوڑ۔ اگر تو نے انھیں چھوڑ دیا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو اولاد ہوگی وہ بھی بد کردار اور سخت کافر ہوگی۔"[1]

جبکہ رحمۃ للعالمین ﷺ سے جب اہل طائف نے بدسلوکی کی تھی اور آپ ﷺ اس کے بعد طائف سے مکہ مکرمہ واپس لوٹ رہے تھے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے انھیں پیش کش کی تھی کہ یہ پہاڑوں کا فرشتہ میرے ساتھ موجود ہے، اسے آپ جو چاہیں حکم دیں، پھر اُس فرشتے نے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو ان لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دوں۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

((بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا))

"نہیں، بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں میں ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اُس اکیلے کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔"[2]

یہ واقعہ اِس بات کی دلیل ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنی امت کے لیے نہایت ہی رحم دل تھے۔

اسی طرح جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کو بیت المقدس میں موجود ظالم قوم کے خلاف جہاد کے لیے آمادہ نہ کر سکے اور انھوں نے سرزمین فلسطین میں داخل ہونے سے انکار کر دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ اے موسیٰ! آپ اور آپ کا رب جائیں اور ظالم قوم سے قتال کریں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بے بسی کا اور اپنی قوم سے براءت کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا:

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ۝﴾

"انھوں نے کہا: اے میرے رب! بلا شبہ میں تو بس اپنے اوپر اور اپنے بھائی پر ہی اختیار رکھتا ہوں، لہٰذا تو ہمارے اور فاسق لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے۔"[3]

اِس دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے سرزمین فلسطین کو بنو اسرائیل پر چالیس سال تک حرام کر دیا۔

جبکہ رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنی قوم کے مظالم کے باوجود ان سے کبھی اپنی براءت کا اعلان نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ بدستور ان کے لیے دعا کرتے رہے کہ ((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ))

"اے اللہ! میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ وہ لاعلم ہے۔"[4]

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم پر لعنت بھیجی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا

[1] نوح 71:26-27. [2] صحيح البخاري: 3231، وصحيح مسلم: 1795. [3] المائدة 5:25. [4] متفق عليه.

﴿يَعْتَدُوْنَ ۝﴾

''بنو اسرائیل میں سے جو لوگ کافر ہو گئے ان پر داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ وہ نافرمان ہو گئے تھے اور حد سے آگے نکل گئے تھے۔''[1]

جبکہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت پر لعنت نہیں بھیجی۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:

((إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا وَّإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً))

''میں لعنت بھیجنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''[2]

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم رو رو کر اپنی امت کے لیے مغفرت کی دعا کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کی:

﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

''اے میرے رب! انھوں نے بہت سے لوگوں کو راہ سے بھٹکا دیا ہے، پس میری تابعداری کرنے والا میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بہت ہی معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ آیت بھی تلاوت کی:

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾

''اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرما دے تو تو سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔''

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور فرمانے لگے:

((اَللّٰهُمَّ أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ)) ''اے اللہ میری امت، میری امت!'' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے جبریل! جاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس۔ اور تیرا رب اگرچہ خوب جانتا ہے لیکن جا کر ان سے پوچھو کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ لہٰذا حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہا تھا وہ انھیں بتایا۔ اور جب حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو بتایا (حالانکہ وہ تو پہلے ہی جانتا تھا) تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دوبارہ بھیجا اور فرمایا:

((إِنَّا سَنُرْضِيْكَ فِيْ أُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُ كَ))

''ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کریں گے اور آپ کو تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔''[3]

[1] المائدۃ 5:78۔ [2] صحیح مسلم: 2599۔ [3] صحیح مسلم: 346۔

اور نبی کریم ﷺ دیگر انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں اپنی امت کے کتنے خیر خواہ اور اس کے لیے کتنے مہربان تھے اس کا اندازہ آپ اس بات سے بھی کر سکتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ ، وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَهِيَ نَائِلَةٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مَنْ مَّاتَ مِنْ أُمَّتِي لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا))

''ہر نبی کی ایک دعا (اس کی امت کے حق میں) قبول کی جاتی ہے۔ چنانچہ ہر نبی نے وہ دعا دنیا میں ہی کر لی۔ جبکہ میں نے اپنی دعا کو مؤخر کر دیا ہے اور وہ میں قیامت کے دن اپنی امت کے حق میں شفاعت کی صورت میں کروں گا۔ اور میری شفاعت ہر اس شخص کو نصیب ہوگی جو اس حالت میں مر جائے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا ہو۔''[1]

رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنی امت کے لیے ہر چیز کو بیان کر دیا اور امت کی خیر خواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((مَا بَقِيَ شَيْءٌ يُقَرِّبُ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُ مِنَ النَّارِ إِلَّا وَقَدْ بُيِّنَ لَكُمْ))

''ہر وہ چیز جو جنت کے قریب اور جہنم سے دور کرنے والی ہے اسے تمھارے لیے بیان کر دیا گیا ہے۔''[2]

اسی طرح آپ ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جم غفیر سے یہ سوال کیا تھا کہ تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ تب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا تھا:

((نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ))

''ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے یقینا دین پہنچا دیا۔ (ذمہ داری) ادا کر دی اور امت کی خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔''[3]

اور آپ ﷺ جب فوت ہوئے تو اپنی امت کو ایک واضح شریعت دے کر گئے جس میں کوئی اخفاء یا ابہام نہیں تھا اور جو شبہات سے بالکل خالی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا ، لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ))

''میں نے تمھیں ایک واضح اور صاف ستھری ملت پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی اس کے دن کی طرح روشن ہے۔ صرف ہلاک ہونے والا شخص ہی میرے بعد اس سے انحراف کر سکتا ہے۔''[4]

[1] صحیح مسلم: 199. [2] الصحيحة للألباني: 1803. [3] صحيح مسلم: 1218. [4] سنن ابن ماجه: 43. وصححه الألباني.

3 رحمۃ للعالمین ﷺ اپنی امت کے لیے وہ عمل پسند نہیں کرتے تھے جو اس کی مشقت کا باعث بنتا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ....﴾

”تمھارے پاس ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تم میں سے ہی ہیں، جن کو تمھاری مشقت کی بات نہایت ہی گراں گزرتی ہے۔“[1]

یہی وجہ ہے کہ جب رحمتِ عالم ﷺ نے رمضان المبارک میں تین راتیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز تراویح باجماعت پڑھائی اور چوتھی رات آپ تشریف نہ لائے تو نماز فجر کے بعد آپ ﷺ نے خطبۂ مسنونہ پڑھا اور ارشاد فرمایا: ((أَمَّا بَعْدُ ، فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ ، وَلٰكِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوْا عَنْهَا))

”لوگو! آج رات مسجد میں تمہاری موجودگی مجھ سے مخفی نہیں تھی لیکن (میں مسجد میں اس لیے نہ آیا کہ) مجھے اس بات کا اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض ہی نہ ہو جائے اور پھر تم اس سے عاجز آ جاؤ۔“[2]

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَوْ لَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ))

”اگر مجھے امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اسے ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔“[3]

4 رحمۃ للعالمین ﷺ اپنی امت کے لیے شرعی احکامات میں آسانی کو پسند کرتے تھے اور سختی کو پسند نہیں کرتے تھے

چنانچہ آپ ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کو دعوتِ اسلام کے لیے یمن کی طرف روانہ فرمایا تو آپ نے انھیں حکم دیا کہ

((يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا ، وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا ، وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا))

”لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا اور انھیں سختی اور پریشانی میں نہ ڈالنا۔ اور ان کو خوشخبری دینا، دین سے نفرت نہ دلانا۔ اور دونوں مل جل کر کام کرنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا۔“[4]

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ ، وَلَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ ، فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَأَبْشِرُوْا ، وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغُدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِّنَ الدُّلْجَةِ))

[1] التوبة 9:128. [2] صحيح البخاري: 2012، صحيح مسلم: 761. [3] صحيح مسلم: 252. [4] صحيح البخاري: 3038.

"بے شک دین آسان ہے اور جو آدمی دین میں تکلف کرے گا اور اپنی طاقت سے بڑھ کر عبادت کرنے کی کوشش کرے گا دین اس پر غالب آ جائے گا۔ لہٰذا تم اعتدال کی راہ اپناؤ، اگر کوئی عبادت مکمل طور پر نہ کر سکو تو قریب قریب ضرور کرو، عبادت کے اجر وثواب پر خوش ہو جاؤ اور صبح کے وقت، شام کے وقت اور رات کے آخری حصہ میں عبادت کر کے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔"[1]

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتًا وَّلَا مُتَعَنِّتًا ، وَلٰكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُّيَسِّرًا))

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے مشقت میں ڈالنے والا اور لوگوں کو مشکل اعمال پر مجبور کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا، بلکہ تعلیم دینے والا اور آسانیاں پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔"[2]

5 رحمۃ للعالمین ﷺ مومنوں کی منفعت کے خواہشمند رہتے اور جن لوگوں نے آپ ﷺ کی رسالت کو ماننے سے انکار کر دیا تھا، ان کے بارے میں آپ ﷺ شدید فکر مند اور غمگین رہتے تھے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○﴾

"وہ تمھاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں، مومنوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔"[3]

رحمۃ للعالمین ﷺ امت کی ہدایت کے لیے اور اسے جہنم سے بچانے کے لیے کس قدر حریص تھے، اس کا اندازہ آپ اس بات کر سکتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ النَّاسِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اِسْتَوْقَدَ نَارًا ، فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ جَعَلَ الْفِرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِيْ تَقَعُ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيْهَا ، فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَزَعُهُنَّ وَيَغْلِبْنَهُ ، فَيَقْتَحِمْنَ فِيْهَا، فَأَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَأَنْتُمْ تَقْتَحِمُوْنَ فِيْهَا))

"بے شک میری اور لوگوں کی مثال اُس آدمی کی طرح ہے جو آگ جلائے، پھر جب آگ اپنے ارد گرد کو روشن کر دیتی ہے تو پتنگے اور یہ جانور جو کہ آگ میں کود پڑتے ہیں وہ آگ میں گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ آگ جلانے والا آدمی انھیں آگ سے پرے ہٹاتا ہے لیکن وہ اس پر غالب آ کر آگ میں کود پڑتے ہیں۔ اور میں بھی تمھیں تمھاری کمر سے پکڑ پکڑ کر کھینچتا ہوں تاکہ تم جہنم کی آگ میں نہ چلے جاؤ لیکن (تم مجھ سے دامن چھڑا کر) زبردستی جہنم کی آگ میں داخل ہوتے ہو۔"[4]

① صحيح البخاري، كتاب الإيمان: 39. ② صحيح مسلم: 1478. ③ التوبة 9:128. ④ صحيح البخاري. الرقاق باب الانتهاء عن المعاصي: 6483، صحيح مسلم. الفضائل باب شفقته ﷺ على أمته: 2284.

اور جب رحمۃ للعالمین ﷺ کی کوششوں کے باوجود آپ کی امت کے کئی لوگ اسلام قبول نہ کرتے تو آپ ﷺ کو اس کا کتنا افسوس اور صدمہ ہوتا اُس کی کیفیت اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰٓ اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝﴾

''آپ تو شاید ان (کافروں) کے پیچھے اپنی جان کو کھو دینے والے ہوں گے اس غم سے کہ یہ اس قرآن پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔''[1]

نیز فرمایا: ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝﴾

''لہٰذا آپ ان پر افسوس کے مارے اپنے آپ کو ہلکان نہ کریں۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ یقیناً اسے جانتا ہے۔''[2]

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے غم وافسوس کی جو کیفیت بیان کی ہے، وہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ امت کی ہدایت کے بہت زیادہ خواہشمند تھے۔ ور اسلام قبول نہ کرنے والوں کے بارے میں آپ بے انتہا فکر مند رہتے تھے۔ ورنہ اگر آپ امت کی ہدایت کے بہت زیادہ خواہشمند نہ ہوتے تو آپ کو فکر مند ہونے اور اس قدر غمگین ہونے کی کیا ضرورت تھی!

6 رحمۃ للعالمین ﷺ اپنی امت کے لیے امان تھے

جی ہاں، رحمۃ للعالمین ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی امت کے لیے امان بنایا۔ آپ ﷺ کی امت سے پہلے کئی امتوں کو اللہ تعالیٰ نے جڑ سے اکھاڑ دیا اور ان پر ایسے ایسے عذاب بھیجے کہ جو ان کی مکمل بربادی کا سبب بن گئے۔ جبکہ رحمۃ للعالمین ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے اِس چیز سے محفوظ رکھا۔ چنانچہ جب بد بخت ابو جہل نے رحمۃ للعالمین ﷺ سے دردناک عذاب لانے کا مطالبہ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یوں دیا:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝﴾

''یہ مناسب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں عذاب دے اور آپ ان میں موجود ہوں۔ اور نہ ہی یہ مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں عذاب دے اور وہ استغفار کر رہے ہوں۔''[3]

اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کو بطور امان ذکر کیا ہے۔ ایک رحمۃ للعالمین ﷺ کی ذات گرامی، کہ جب تک آپ ﷺ امت میں موجود ہیں اللہ تعالیٰ انھیں عذاب دینے والا نہیں۔ دوسری امان استغفار ہے۔ یعنی آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی امت جب تک استغفار کرتی رہے گی اللہ تعالیٰ اسے ایسا عذاب نہیں دے گا جو

[1] الکھف 18:6۔ [2] فاطر 35:8۔ [3] الأنفال 8:33۔

اس کا بالکل ہی خاتمہ کر دے۔

معزز سامعین ! رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمت کے مختلف پہلو ہم نے ذکر کیے ہیں۔ اس سے پہلے ہم نے گزشتہ خطبۂ جمعہ میں باری تعالی کی رحمت کے متعدد پہلو ذکر کیے۔ یہ تمام چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ ارحم الراحمین نے رحمۃ للعالمین ﷺ کے ذریعے اس امت کو جو دین دیا ہے وہ پورے کا پورا دینِ رحمت ہے۔ اور اس میں کوئی سختی یا تشدد یا انتہا پسندی یا دہشت گردی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں جو کچھ کہا جا رہا ہے یا جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہ سب جھوٹا پروپیگنڈا ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اس دینِ رحمت پر قائم ودائم رہنے کی توفیق دے۔ اور تمام لوگوں کو اس دین میں داخل ہونے کی توفیق دے۔

عزیز بھائیو اور دوستو ! رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمت کے کچھ مزید پہلوؤں کی طرف بھی ہم اشارہ کرتے چلیں :

ہم عرض کر چکے ہیں کہ آپ ﷺ اپنی پوری امت کے لیے کس طرح رحمت تھے۔ اب امت کے چند مخصوص لوگوں کے ساتھ آپ کی رحمت کا تذکرہ کرتے ہیں۔

- رسول اکرم ﷺ اپنے ساتھیوں (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) کے لیے رحمت تھے۔ چنانچہ

1. آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھل مل کر رہتے تھے۔ آپ ﷺ کا گھر عام لوگوں کے گھروں کی طرح تھا، آپ ﷺ کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا اور آنا جانا عام لوگوں جیسا تھا۔ آپ کے دروازے پر کوئی سیکورٹی وغیرہ نہیں ہوتی تھی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جو جب چاہتا آپ ﷺ سے ملاقات کر لیتا۔ آپ ﷺ انھیں یہی باور کراتے تھے کہ آپ انھی میں سے ایک فرد ہیں۔ اور کبھی یہ احساس نہیں ہونے دیتے تھے کہ آپ ان سے افضل ہیں۔ اسی لیے آپ ﷺ انھیں اپنے آنے پر کھڑا ہونے سے منع کرتے تھے۔ اور اپنی تعریف میں حد سے تجاوز کرنے سے بھی روکتے تھے۔ آپ ان سے مزاح بھی کرتے تھے، ان کے ساتھ کھاتے پیتے بھی تھے اور ہمیشہ اپنے آپ کو ان کے قریب رکھتے تھے۔

2. رحمۃ للعالمین ﷺ اپنے ساتھیوں کا خیال رکھتے تھے۔ ان کے لیے دعا کرتے تھے۔ ان میں سے بیماروں کی عیادت کرتے تھے۔ ان کے فوت شدگان کی نماز جنازہ پڑھتے تھے اور ان کی تدفین میں شریک ہوتے تھے۔

3. رحمۃ للعالمین ﷺ کے پاس جو کچھ آتا آپ اسے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ آپ ان سے ہمدردی کرتے تھے۔ اور خیر کے کاموں میں ان سے تعاون کرتے تھے۔

4. رحمۃ للعالمین ﷺ اپنے ساتھیوں کو دین میں تکلف کرنے سے منع کرتے تھے اور آپ فرماتے تھے :

«عَلَيْكُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ»

''تم وہی عمل کیا کرو جس کی تم طاقت رکھتے ہو۔''[1]

(5) آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جنگوں میں شریک ہوتے تھے اور انھیں اکیلا نہیں چھوڑتے تھے۔ نیز ان کی فتح ونصرت کے لیے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں کرتے تھے۔

(6) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تو آپ ﷺ اسے برا بھلا نہیں کہتے تھے اور نہ ہی اس پر لعنت بھیجتے تھے بلکہ اس کے ساتھ نرمی سے پیش آتے تھے اور اس کے لیے مختلف اعذار ڈھونڈتے تھے۔ اور پیار ومحبت کے ساتھ اس کی راہنمائی کرتے تھے۔ اور اگر کوئی بدو یا دیہاتی شخص آپ ﷺ سے بد اخلاقی کرتا تو آپ ﷺ اسے معاف کر دیتے اور اس سے اچھا سلوک کرتے تھے۔

❁ رسول اکرم ﷺ خواتین اسلام کے لیے بھی رحمت تھے۔ چنانچہ

(1) آپ ﷺ خواتین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتے تھے۔ اور مردوں کو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیتے تھے۔ آپ ﷺ ہر خاتون کے ساتھ چاہے وہ ماں ہو، یا بیٹی ہو، یا بیوی ہو یا بہن ہو سب کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتے تھے۔ خصوصاً 'ماں' کو حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق قرار دیتے تھے۔ بیوی کے حقوق ادا کرنے اور بیٹی کی اچھی تربیت کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ آپ ﷺ ایک دن خواتین کے لیے مختص کرتے تھے جس میں آپ ﷺ انھیں وعظ ونصیحت کرتے تھے۔

(2) خود آپ ﷺ اپنی بیٹیوں پر بڑی شفقت کرتے تھے۔ اور اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بہت پیار ومحبت کرتے تھے۔ گھریلو کام کاج میں اپنے گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اور سفر میں انھیں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

(3) رحمۃ للعالمین ﷺ عورتوں کو غلاموں یا لونڈیوں کی طرح مارنے سے منع کرتے تھے۔ اور بیویوں کے درمیان عدل وانصاف کرنے کا حکم دیتے تھے۔ اور آپ فرماتے تھے کہ ((خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ)) ''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی بیویوں کے حق میں سب سے بہتر ہو۔''[2]

(4) رحمۃ للعالمین ﷺ عورتوں کی فطری مجبوریوں اور کمزوریوں کا خیال رکھتے ہوئے ان سے ہمدردی کرتے تھے اور مخصوص ایام میں بھی اپنے اہل خانہ کے ساتھ میل جول رکھتے تھے۔

❁ رسول اکرم ﷺ بچوں کے لیے بھی رحمت تھے۔ چنانچہ

(1) آپ ﷺ بچوں سے پیار کرتے تھے۔ انھیں بوسہ دیتے تھے۔ اپنی گود میں بٹھاتے تھے۔ اور انھیں اٹھاتے تھے، حتی کہ نماز کی حالت میں بھی انھیں اپنے کندھوں پر بٹھا لیتے تھے۔ اگر کوئی بچہ آپ کی گود میں پیشاب کر دیتا تو آپ

(1) متفق علیہ۔ (2) سنن ابن ماجہ: 1978۔

اسے ڈانٹتے نہیں تھے بلکہ پانی منگوا کر اپنے کپڑوں کو پاک کر لیتے تھے۔ اگر کسی بچے سے کوئی غلطی ہو جاتی تو آپ ﷺ نہایت پیار کے ساتھ اس کی اصلاح کرتے اور اس کی تربیت کرتے تھے۔ آپ ﷺ بچوں کے والدین کو ان کے درمیان عدل کرنے کا حکم دیتے تھے اور ان میں کسی ایک پر ظلم کرنے سے منع کرتے تھے۔

(2) آپ ﷺ بچوں کے لیے دعا کرتے تھے۔ انھیں گھٹی دیتے تھے۔ اگر وہ بیمار ہوتے تو ان کی شفایابی کی دعا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا بچوں کے پاس سے گزر ہوتا تو آپ انھیں سلام کہتے تھے۔

(3) آپ ﷺ بچوں کے حق میں اتنے رحمدل تھے کہ اگر دورانِ نماز ان کے رونے کی آواز سنتے تو نماز میں تخفیف کر دیتے تھے۔

(4) رحمۃ للعالمین ﷺ بچوں کو عقائدِ صحیحہ، احکامِ شرعیہ اور آدابِ اسلامیہ کی تعلیم دیتے تھے۔

* اسی طرح رحمتِ عالم ﷺ یتیموں، بیوہ عورتوں، غلاموں، لونڈیوں اور فقراء و مساکین کے لیے بھی رحمت تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ ان کے حقوق ادا کرنے اور ان پر مال خرچ کرنے کا حکم دیتے تھے اور اس کی بہت زیادہ فضیلت بیان کرتے تھے۔

* حتی کہ رحمت عالم ﷺ جانوروں کے لیے بھی رحمت تھے۔

چنانچہ آپ ﷺ ان پر نرمی کرنے کا حکم دیتے اور انھیں بہت زیادہ مارنے سے منع کرتے تھے۔

آپ ﷺ ان کے مالکان کو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیتے تھے۔ اور ان کی طاقت کے مطابق ان پر بوجھ ڈالنے اور انھیں کھانے پلانے کا حکم دیتے تھے۔[1]

آپ ﷺ نے ایک عورت کے بارے میں آگاہ کیا کہ وہ ایک بلی کی وجہ سے جہنم میں چلی گئی جس کو اس نے باندھ رکھا تھا۔ نہ وہ اسے کھلاتی پلاتی تھی اور نہ ہی اسے چھوڑتی تھی، یہاں تک کہ وہ مرگئی۔[2]

آپ ﷺ نے جانور کو ذبح کرتے وقت اسے تیز دھار آلے کے ساتھ اچھی طرح ذبح کرنے کا حکم دیا۔[3]

اور اس کے سامنے چھری تیز کرنے سے منع فرمایا۔[4]

اس کے علاوہ آپ ﷺ نے پرندوں کو ان کے گھونسلوں سے اڑانے سے بھی منع فرمایا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے جانوروں کا مثلہ کرنے، ان پر لعنت بھیجنے اور انھیں اپنے تیروں کے لیے نشانہ گاہ بنانے سے بھی منع فرمایا۔

* حتی کہ رحمت عالم ﷺ کافروں کے لیے بھی رحمت تھے۔ چنانچہ

[1] مسند أحمد، وسنن أبي داود. [2] متفق عليه. [3] مسلم. [4] الطبراني والحاكم بإسناد صحيح.

(1) آپ ﷺ کو جب یہ پیش کش کی گئی کہ دو پہاڑوں کو ملا کر مکہ کے کافروں کو پیس کر رکھ دیا جائے تو آپ ﷺ نے اس سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ ''مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ ان کی نسلوں سے ان لوگوں کو پیدا کرے گا جو اُس اکیلے کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔''

(2) آپ ﷺ کفار کے خلاف بد دعا نہیں کرتے تھے۔ اور جب آپ کو یہ کہا گیا کہ 'دوس' قبیلے کے لوگ کفر پر اڑے ہوئے ہیں، لہٰذا آپ ان پر بد دعا کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا وَائْتِ بِھِمْ)) ''اے اللہ! دوس قبیلے کو ہدایت دے اور اسے میرے پاس لے آ۔''[1]

(3) جب کافروں نے رحمۃ للعالمین ﷺ کو میدانِ احد میں زخمی کیا تو آپ ﷺ اپنے چہرۂ انور سے خون صاف کرتے ہوئے فرما رہے تھے: ((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ)) ''اے اللہ! میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ انھیں علم نہیں ہے۔''

(4) جب رحمت عالم ﷺ فتح مکہ کے موقعہ پر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں کے قتل عام کا حکم نہیں دیا تھا، بلکہ معافی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا تھا: ((اِذْھَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ)) ''جاؤ تم آزاد ہو۔'' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ ان کے خون کے پیاسے نہ تھے۔ بلکہ آپ ﷺ ان کی ہدایت کے خواہشمند تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے جن چند لوگوں کے نام لے کر ان کی شدید اسلام دشمنی کی بناء پر انھیں قتل کرنے کا حکم دیا تھا ان میں سے صرف چار افراد کو قتل کیا گیا تھا۔ باقی لوگوں کے، اسلام لانے کے اعلان کو آپ ﷺ نے قبول کر لیا تھا۔ مثلاً عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ۔

(5) جن لوگوں نے رحمت عالم ﷺ کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، آپ ﷺ نے ان سے انتقام نہیں لیا، بلکہ انھیں معاف کر دیا۔ جس عورت نے آپ ﷺ کو زہر کھلایا تھا آپ ﷺ نے اسے بھی قتل کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اسی طرح لبید بن اعصم، جس نے آپ ﷺ پر جادو کیا تھا، آپ ﷺ نے اسے بھی قتل نہیں کیا تھا۔

(6) رحمت عالم ﷺ نے جنگوں میں کفار کی عورتوں اور ان کے بچوں کو قتل کرنے سے منع کر دیا تھا، جب تک کہ کوئی عورت خود مسلمانوں کے خلاف قتال شروع نہ کرے۔

(7) رحمت عالم ﷺ اہل الذمہ کے حقوق کا خیال رکھنے کی تلقین کرتے تھے۔ اور 'معاہد' کو قتل کرنے سے منع کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ مسلمانوں کو اپنے کافر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیتے تھے۔ تاکہ وہ ان کے قریب ہوں اور ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیں۔

[1] متفق علیہ۔

عزیزان گرامی ! یہ تمام باتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت محمد ﷺ تمام لوگوں کے لیے باعث رحمت تھے۔حتی کہ کافروں کے لیے بھی آپ ﷺ رحمت ہی رحمت تھے۔ لہٰذا آپ ﷺ کے حوالے سے کفار کی طرف سے جو پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے وہ سراسر غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھنے کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

عزیزان گرامی ! کوئی شخص یہ سوال کر سکتا ہے کہ اگر آپ ﷺ کافروں کے لیے بھی رحمت تھے تو پھر آپ ﷺ کی ان کے خلاف جنگیں کیوں ہوئیں ؟ جن میں ان میں سے کئی لوگ مارے بھی گئے ؟

تو اس سوال کے کئی جوابات ہیں :

[1] رسول اکرم ﷺ رحمۃ للعالمین ہی تھے۔لیکن جو لوگ اسلام قبول کرنے سے انکار کرتے رہے، ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے رہے، کفر اور شرک پر ڈٹے رہے اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار رہے، صرف اُن کے خلاف آپ ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کو جہاد کی اجازت دی گئی۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا کہ

﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝﴾

”اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑائی کرو جو تم سے لڑائی کرتے ہیں۔مگر زیادتی نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“[1]

اور اس کی حکمت بھی بتا دی گئی کہ ﴿ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ فَإِنِ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۝﴾ ”اور ان سے جنگ کرو حتی کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں کے علاوہ کسی پر زیادتی روا نہیں ہے۔“[2]

ان دونوں آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد کی اجازت ایک تو مسلمانوں کو اپنا دفاع کرنے کے لیے دی گئی۔ دوسرا اس لیے کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ فتنہ سے مراد اسلام کی راہ میں رکاوٹ بننے والی ہر طاقت ہے، جس کی سرکوبی کی خاطر جہاد شروع کیا گیا۔

[2] اسلام میں قتال کرنا اصل ہدف نہیں ہے۔ بلکہ اصل ہدف یہ ہے کہ لوگ اسلام قبول کرلیں اور اسے اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں۔ یہی وجہ ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے اپنے مجاہدین کو یہ ہدایت دے رکھی تھی کہ وہ سب سے پہلے کافروں کو اسلام کی طرف دعوت دیں۔ اگر وہ اسے قبول کرلیں تو انھیں کچھ بھی اذیت نہ پہنچائیں۔ اور اگر وہ اسے قبول نہ کریں تو ان سے جزیہ دینے کا مطالبہ کریں۔ اگر وہ اس پر راضی ہو جائیں تو ان سے کوئی تعرض نہ کریں۔ اور اگر وہ اس پر

[1] البقرۃ 2:190۔ [2] البقرۃ 2:193۔

راضی نہ ہوں تو ان سے قتال کریں۔[1]

رسول اکرم ﷺ نے جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو جب خیبر کا قلعہ فتح کرنے کے لیے روانہ کیا تھا تو آپ ﷺ نے انھیں ارشاد فرمایا تھا: ((أُنْفُذْ عَلَى رِسْلِكَ ، حَتَّى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ ، وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللهِ فِيهِ ، فَوَاللهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ))

''اطمینان سے جاؤ اور جلد بازی نہ کرو، یہاں تک کہ تم ان کے علاقے میں پہنچ جاؤ، پھر انھیں اسلام کی طرف دعوت دینا اور انھیں اللہ کے اُس حق کے بارے میں آگاہ کرنا جو ان پر اسلام میں واجب ہوتا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ تمھارے ذریعے ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔''[2]

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قتال مقصود بالذات نہیں ہے۔ بلکہ مقصود بالذات دعوتِ اسلام کو پیش کرنا ہے۔

(3) جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلایا گیا وہ تاریخی حقائق سے ناواقف ہیں۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پورے مکی دور میں اسلحہ نہیں اٹھایا اور نہ ہی اپنے مخالفین کے خلاف تلوار کو اٹھایا۔ بلکہ خود آپ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ہی بدترین ظلم وستم کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔ اس دوران یہ سب حضرات صبر کرتے اور مصیبتیں برداشت کرتے رہے۔ ان کی دعوت صرف اور صرف کلمۂ حق کہنے تک ہی محدود رہی اور اس میں تلوار اور اسلحے کا کوئی عمل دخل نہ تھا۔ مکہ مکرمہ اور اس کے گردونواح میں جو حضرات مشرف بہ اسلام ہوئے انھیں اس کے لیے تلوار کی نوک پر مجبور نہیں کیا گیا تھا بلکہ وہ اپنی خوشی کے ساتھ اور دینِ اسلام کی حقانیت کو دلوں سے تسلیم کرنے کے بعد خود بخود ہی اسلام میں داخل ہوئے۔

پھر یہی دعوت 'یثرب' تک جا پہنچی، جہاں سے بہت سارے لوگوں نے خود ہی مکہ مکرمہ آکر رسول اکرم ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی۔ تو کیا انھیں بھی تلوار کے ذریعے لایا گیا تھا؟ ہرگز نہیں۔ اس لیے یہ دعویٰ ہی سرے سے غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں قائم ہونے والی مملکت دنیا کی واحد اسلامی مملکت ہے جو بغیر اسلحہ اٹھائے اور بغیر کسی کا خون بہائے قائم ہوئی۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ دینِ اسلام دینِ رحمت ہے۔ اور دنیا بھر کو امن وسلامتی کا پیغام دیتا ہے۔

(4) یہ ایک حقیقت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں 27 جنگیں ہوئیں، جن میں سے 9 جنگوں میں آپ ﷺ

(1) صحیح مسلم، کتاب الجهاد باب تأمير الإمام الأمراء على البعوث. (2) متفق عليه.

خود شریک ہوئے، لیکن ان تمام جنگوں میں آپ ﷺ کے ہاتھوں سوائے ایک شخص کے کوئی دوسرا آدمی قتل نہیں ہوا۔ اور جو قتل ہوا وہ بھی اس طرح کہ مکہ مکرمہ میں 'ابی بن خلف' نامی اللہ کے دشمن نے رسول اکرم ﷺ سے کہا تھا: میں اپنا گھوڑا تیار کر رہا ہوں تاکہ اس پر سوار ہو کر آپ کو قتل کروں۔ تب آپ ﷺ نے کہا تھا:

((أَنَا أَقْتُلُكَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ)) ''اگر اللہ نے چاہا تو میں تمھیں قتل کرونگا۔''

پھر جنگ اُحد میں یہ بد بخت رسول اکرم ﷺ کو تلاش کرتے کرتے آیا اور کہنے لگا: محمد کہاں ہے؟ اگر وہ مجھ سے بچ گیا تو میں نہیں بچوں گا۔ تو رسول اکرم ﷺ نے حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ سے برچھی لی اور اسے اس کی گردن پر دے مارا۔ وہ اپنے گھوڑے سے نیچے کو لڑھکنے لگا۔ پھر قریش کے پاس جا کر کہا: مجھے محمد نے قتل کیا ہے۔ اس نے مجھے مکہ میں کہا تھا کہ میں تمھیں قتل کرونگا۔ اللہ کی قسم! اگر وہ مجھ پر تھوکتا بھی تو مجھے قتل کر دیتا۔ اس کے بعد وہ 'سرف' نامی جگہ پر مر گیا۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے ہاتھوں اس بد بخت کا قتل اپنے دفاع میں ہوا۔ اور یہ درحقیقت آپ ﷺ کا معجزہ بھی تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ نے اسے کہا تھا کہ میں تمھیں قتل کروں گا تو وہ آپ ہی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس شخص کے علاوہ آپ ﷺ کے ہاتھوں کوئی دوسرا آدمی قتل نہیں ہوا۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ اپنے مخالفوں کے خون کے پیاسے نہ تھے۔ بلکہ آپ ﷺ ان کے لیے بھی رحمت تھے۔

5 اگر ہم رسول اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہونے والی تمام جنگوں میں کفار کے مقتولین کی تعداد کا جائزہ لیں تو وہ بہت کم نظر آتی ہے۔ جبکہ وہ لوگ جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کر رہے ہیں ان کے ہاتھوں لاکھوں لوگ مختلف جنگوں میں قتل ہو چکے ہیں۔ اور ہم اہل عقل ودانش کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ ذرا غور کریں کہ:

- پہلی عالمی جنگ کس نے شروع کی تھی؟ اور کس نے لوگوں کا قتل عام کیا تھا؟
- دوسری عالمی جنگ کس نے شروع کی تھی؟ اور کس نے لوگوں کو بے دریغ قتل کیا تھا؟
- وہ کون تھا جس نے 'ہیروشیما' اور 'ناگاساکی' پر ایٹم بم گرا کر لاکھوں انسانوں کو قتل کیا؟
- وہ کون لوگ تھے جنھوں نے عراق اور افغانستان پر لاکھوں ٹن بارود گرا کر ہزاروں بے گناہ لوگوں کو قتل کیا اور اب تک کر رہے ہیں؟

ذرا سوچئے! کیا وہ مسلمان تھے جن کے ہاتھوں ان تمام جنگوں میں لاکھوں افراد لقمۂ اجل بن گئے؟ ہرگز نہیں۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جو آج پوری ڈھٹائی کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں پر جھوٹے الزامات لگا کر دین اسلام کو بدنام کرنے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں اور اسے دہشت گردی کی تعلیم دینے والا دین قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ حقیقی دہشت

گردی وہ ہے جس کا ارتکاب ان جنگوں میں کیا گیا۔ اور حقیقی دہشت گردی وہ ہے جو آج بھی مختلف ممالک میں بے گناہ لوگوں کے خلاف کی جارہی ہے۔ واللہ المستعان . ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ !

سب سے بڑے دہشت گرد تو وہ ہیں کہ جو گزشتہ کئی برسوں سے مختلف اسلامی ممالک میں مسلمانوں پر مظالم ڈھا رہے ہیں۔ ان پر بغیر ثبوت کے، جھوٹے الزامات لگا کر ان کا خون پانی کی طرح بہا رہے ہیں، انھیں گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے ہیں اور عام شہریوں کو جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہوتے ہیں، انھیں ڈرون حملوں کے ذریعے یا میزائلوں کے ذریعے یا کسی اور طریقے سے قتل کر رہے ہیں۔

دہشت گرد تو وہ ہیں کہ جو فلسطین کی مبارک سرزمین پر ظالمانہ قبضہ جما کر خود اہل فلسطین کو ہی ظلم وستم کا نشانہ بنا رہے ہیں اور نہتے مسلمانوں کے خلاف خطرناک اور جدید اسلحے کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں۔ اور بے گناہ لوگوں کو قتل کر رہے ہیں۔ اور بے بس خواتینِ اسلام اور کمزور بچوں پر گولیاں برسا رہے ہیں۔ اور ان کے گھروں کو مسمار کر رہے ہیں۔ اور اس بدترین دہشت گردی میں دہشت گردوں کی پشت پناہی کرنے والے عالمی دہشت گرد بھی شامل ہیں جو خطرناک اسلحے کے ساتھ اور خطیر مالی امداد کے ساتھ ان دہشت گردوں کو اور مضبوط کر رہے ہیں!

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو خاص طور پر اور پوری دنیا کو عام طور پر ان لوگوں کے شر سے محفوظ فرمائے۔ اور ان کی تدبیروں کو خود انھی کی تباہی کا ذریعہ بنائے۔

شروط لا إله إلا الله

اہم عناصر خطبہ

(1) لا إله إلا الله کے فضائل (2) لا إله إلا الله کا معنی (3) لا إله إلا الله کی شروط

معزز سامعین ! لاَ إِلٰهَ إِلَّا الله وہ عظیم کلمہ ہے کہ

- جس کی خاطر مخلوق کو پیدا کیا گیا، انبیاء ورسل علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا اور کتابوں کو نازل کیا گیا.........
- اسی کلمہ کی بناء پر لوگ دو قسموں میں تقسیم ہوئے۔ اس کے ماننے والے خوش نصیب مومنین ،جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنّات تیار کر رکھی ہیں۔ اور اس سے انکار کرنے والے بدنصیب کفار، جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہنم کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔
- اسی کلمہ کی وجہ سے روزِ قیامت ترازو نصب کیے جائیں گے اور لوگوں میں نامۂ اعمال تقسیم کیے جائیں گے۔
- یہی کلمہ ((العروۃ الوثقی)) یعنی ''مضبوط کڑا'' اور ''پائیدار سہارا'' ہے۔
- یہی کلمہ جنت کے حصول اور جہنم سے نجات کا راستہ ہے۔
- یہی کلمہ اُس گھر کی چابی ہے کہ جس میں سعادتمندی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔
- یہی کلمہ دین کی جڑ اور اس کی اصل ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا رکن ہے۔

آج کے خطبۂ جمعہ میں ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اسی عظیم کلمہ کے فضائل اور اس پر ایمان لانے کی شرائط کو تفصیل سے بیان کریں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس کلمہ کو سمجھنے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق دے۔ آمین

کتاب وسنت میں کلمۂ طیبہ کے فضائل

برادران اسلام ! کتاب وسنت میں اس کلمۂ طیبہ کے عظیم فضائل ذکر کیے گئے ہیں۔ لیجیے سب سے پہلے وہ فضائل

سماعت کیجیے۔

(1) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ کو کلمہ طیبہ کہا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ ﴾

''کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال دی ہے! وہ اس عمدہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑ زمین میں مضبوط ہو اور جس کی شاخ آسمان میں ہو۔''[1]

الشیخ ابن السعدی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں کہتے ہیں:

''کلمہ طیبہ سے مراد ((لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ)) اور اس کی فروع کی گواہی دینا ہے۔ اور عمدہ درخت سے مراد کھجور ہے جس کی جڑ زمین میں مضبوط اور اس کی شاخیں بلندی میں پھیلی ہوتی ہیں۔ اور یہ ایسا درخت ہے جس سے ہمیشہ بہت منافع کمائے جاتے ہیں۔ اور یہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے۔ اسی طرح ایمان کے درخت کی مثال ہے جس کی جڑ علم اور عقیدے کے اعتبار سے مومن کے دل میں مضبوط ہوتی ہے اور اس کی شاخیں پاکیزہ کلمات، اعمال صالحہ، پسندیدہ اخلاق اور اچھے آداب کی شکل میں ہمیشہ آسمان میں پھیلی رہتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف وہ اعمال واقوال جاتے رہتے ہیں جو ایمان کے درخت سے نکلتے ہیں۔ اور وہ مومن کے لیے نفع بخش ہوتے ہیں۔''

(2) اللہ تعالیٰ نے اسی کلمہ کو تمام رسل علیہم السلام کی دعوت کا خلاصہ قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ ﴾

''اور ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھی بھیجا اس پر یہی وحی نازل کی کہ میرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے، اس لیے تم سب میری ہی عبادت کرو۔''[2]

(3) یہ کلمہ ((العروة الوثقى)) یعنی ''مضبوط کڑا'' اور ''پائیدار سہارا'' ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾

''پس جس شخص نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا، اس نے درحقیقت ایک ایسے مضبوط کڑے کو تھام لیا جو کبھی نہیں ٹوٹے گا۔ اور اللہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔''[3]

یعنی جس شخص نے بتوں کو، اللہ کے دیگر شریکوں کو اور ہر اس چیز کی عبادت کو چھوڑ دیا جس کی عبادت کی طرف

(1) إبراهيم 14:24. (2) الأنبياء 21:25. (3) البقرة 2:256.

شیطان دعوت دیتا ہے اور اس نے اکیلے اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کی اور اس نے دل سے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو اس نے ایک مضبوط سہارا تھام لیا جس پر وہ ثابت قدم اور صراط مستقیم پر گامزن رہے گا...... طاغوت سے مراد ہر وہ شر ہے جس پر جاہلیت کے دور میں لوگ قائم تھے مثلاً بتوں کی پوجا کرنا، ان کو حَکَم (فیصلہ کرنے والا) تسلیم کرنا اور ان سے مدد طلب کرنا۔

((العروۃ الوثقی)) کے بارے میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور الضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد کلمہ طیبہ لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ہے۔[1]

4) یہی کلمہ ((كلمة التقوى)) ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے لیے لازم قرار دیا اور وہ اس کے زیادہ حقدار اور اس کے اہل تھے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾

''جب کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلیت کے تعصب کو جگایا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں پر اپنا سکون اتارا اور انھیں تقوی والے کلمہ پر قائم رکھا۔ اور یہ لوگ اس کے سب سے زیادہ حقدار اور سزاوار تھے۔ اور اللہ ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے۔''[2]

ابو اسحاق السبیعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ عمرو بن میمون رحمہ اللہ نے کہا: ((لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ)) سے بہتر کوئی بات نہیں۔ تو سعد بن عیاض رحمہ اللہ نے کہا: اے ابوعبداللہ! کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ کلمہ کیا ہے؟ یہی تقوی والا کلمہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے لیے لازم قرار دیا، چنانچہ انھوں نے اس پر قائم رہ کر یہ ثابت کر دیا کہ وہ واقعتا اس کے اہل تھے۔

5) کلمہ طیبہ ہی دعوتِ حق ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۖ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُم بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ ۚ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ﴾

''صرف اسی کو پکارنا حق ہے۔ اور جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ ان کی کوئی حاجت پوری نہیں کرتے۔ ان کی حالت اس آدمی کی سی ہے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے تاکہ اس کے منہ تک پہنچ جائے، حالانکہ وہ کبھی بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اور کافروں کا اپنے معبودوں کو پکارنا رائیگاں ہی جاتا ہے۔''[3]

الشیخ ابن السعدی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں کہتے ہیں:

[1] تفسیر ابن کثیر: 319/1. [2] الفتح 26:48. [3] الرعد 14:13.

"دعوۃ الحق سے مقصود اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور پکار اور سوال کو اس کے لیے خالص کرنا ہے، یعنی وہ اکیلا ہے جسے پکارا جا سکتا ہے، صرف وہی ذات ہے جس کا خوف دل میں لایا جا سکتا ہے، جس سے تمام امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں، اسی کی محبت کو دل میں بسایا جا سکتا ہے، رغبت بھی اسی کی طرف کی جا سکتی ہے، ڈر بھی صرف اسی کا ہو سکتا ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کی الوہیت باطل ہے۔"

(6) یہ کلمہ اتنا عظیم ہے کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں، بلکہ یہ تمام پردوں سے تجاوز کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَا قَالَ عَبْدٌ لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ قَطُّ مُخْلِصاً إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ حَتّٰى تُفْضِيَ إِلَى الْعَرْشِ مَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ))

"کوئی بندہ جب پورے اخلاص کے ساتھ اور کبیرہ گناہوں سے بچتے ہوئے لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہتا ہے تو اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں یہاں تک کہ یہ کلمہ عرش تک پہنچ جاتا ہے۔"[1]

یعنی جو شخص یہ کلمہ پڑھتا ہے، اس کے معانی کو اپنے دل کی گہرائیوں میں اتارتا ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے تو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان فاصلے سمٹ جاتے ہیں اور اس کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ سے قائم ہو جاتا ہے۔

(7) یہ کلمہ دنیا و آخرت کی پریشانیوں سے نجات کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اسی لیے حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں اسی کلمہ کے ساتھ دعا کی: ﴿فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾

"پھر انھوں نے اندھیروں میں پکارا: تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے۔ اور میں ہی قصور وار تھا۔"[2]

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾

"تب ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور انھیں اس غم سے نجات دی۔ اور اسی طرح ہم ایمان والوں کو بھی نجات دیا کرتے ہیں۔"[3]

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّهُ لَمْ يَدْعُ بِهَا مُسْلِمٌ فِيْ شَيْئٍ قَطُّ إِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهُ بِهَا))

"جو مسلمان اس دعا کے ساتھ کسی بھی چیز کے بارے میں دعا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے یقینا قبول کرتا ہے۔"[4]

(1) جامع الترمذي: 3590، وحسنه الألباني۔ (2) الأنبياء 87:21۔ (3) الأنبياء 88:21۔ (4) صححه الحاكم في المستدرك: 505/1 ووافقه الذهبي۔

لہٰذا جو شخص اس کلمہ کو پڑھتا ہو اور اس پر ایمان لانے کا دعوی کرتا ہو اس پر یہ لازم ہے کہ وہ مشکلات ومصائب میں، پریشانیوں اور آزمائشوں میں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارے۔ وہ یقیناً اس کی پریشانیوں کو ختم کردے گا اور مشکلات ومصائب کو ٹال دے گا۔

(8) یہی کلمہ وہ عہد ہے کہ جس کے ذریعے شفاعت کی سعادت نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا﴾

''اس دن کوئی بھی کسی کی سفارش نہ کر سکے گا مگر جس نے رحمن سے عہد لیا ہو۔''[1]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا:

''اس عہد سے مقصود لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی گواہی دینا ہے، جس کے ذریعے انسان اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ ہر قسم کی طاقت وقدرت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہی کلمہ ہر تقوی کی جڑ ہے۔''

محترم بھائیو! شفاعت کسی کی ملکیت نہیں اور نہ ہی کوئی شخص اس کا اختیار رکھتا ہے۔ شفاعت کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا﴾

''کہہ دیجیے کہ سفارش پوری کی پوری اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔''[2]

لہٰذا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہیں کر سکے گا۔ حتی کہ امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کو بھی جب اللہ تعالیٰ اجازت دیں گے تو آپ شفاعت کریں گے۔ جب آنحضور ﷺ اللہ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہیں کریں گے تو ان سے کم تر کوئی بھی شخص چاہے وہ کتنا بڑا ولی یا امام کیوں نہ ہو وہ کسی کے حق میں اللہ کی اجازت کے بغیر کیسے شفاعت کر سکے گا!

اور شفاعت صرف انھی لوگوں کو نصیب ہوگی جنھوں نے ایمان باللہ اور اتباعِ رسل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس کا عہد لے رکھا ہے۔ اور وہی لوگ شفاعت کے مستحق ہوں گے جنھیں اللہ تعالیٰ شفاعت کے لیے پسند فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ﴾

''اور وہ صرف اسی کے حق میں سفارش کر سکیں گے جس کے لیے اللہ راضی ہوگا۔''[3]

بلکہ روز قیامت نبی کریم ﷺ کی شفاعت بھی اسی شخص کو نصیب ہوگی جس نے دنیا میں اس کلمہ طیبہ کا اقرار کیا ہوگا۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا: قیامت کے دن لوگوں میں سب سے بڑا خوش نصیب کون ہوگا جس کے حق میں آپ شفاعت کریں گے؟

[1] مریم 87:19۔ [2] الزمر 44:39۔ [3] الأنبياء 28:21۔

تو آپ ﷺ نے جواب دیا: ((لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ ! أَنْ لَّا يَسْأَلَنِي عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ أَحَدٌ أَوَّلَ مِنْكَ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيْثِ ، أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ : مَنْ قَالَ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِّنْ قِبَلِ نَفْسِهِ))

''اے ابو ہریرہ! مجھے یقین تھا کہ اس بارے میں تم ہی سوال کرو گے کیونکہ تمھیں احادیث سننے کا زیادہ شوق رہتا ہے، (تو سنو) قیامت کے دن میری شفاعت کی سعادت اس شخص کو نصیب ہو گی جس نے اپنے دل کی گہرائیوں سے اخلاص کے ساتھ لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہا۔''[1]

(9) کلمہ طیبہ لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ جہنم سے نجات پانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مؤذن کو یہ کہتے ہوئے سنا ((أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ)) تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((خَرَجْتَ مِنَ النَّارِ)) ''تم جہنم کی آگ سے نجات پا گئے۔'' اس حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا تو وہ مؤذن' بکریوں کا چرواہا تھا۔[2]

اور صحیحین میں حضرت عتبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ : لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَبْتَغِيْ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ))

''بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو جہنم پر حرام کر دیتا ہے جو محض اللہ کی رضا کی خاطر لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہتا ہے۔''[3]

(10) کلمہ طیبہ پڑھنے والے شخص کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص مکمل وضو کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے: ((أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ)) تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں، وہ جس سے چاہے اس میں داخل ہو جائے۔''[4]

(11) کلمہ طیبہ اتنا عظیم ہے کہ اگر اس کا ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں سے وزن کیا جائے تو اس کا وزن زیادہ ہو گا۔ جیسا کہ مسند احمد میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب حضرت نوح علیہ السلام کی موت کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے بیٹے کو وصیت کی اور فرمایا:

((آمُرُكَ بِاثْنَتَيْنِ وَأَنْهَاكَ عَنِ اثْنَتَيْنِ ، آمُرُكَ بِلاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَإِنَّ السَّمَاوٰتِ السَّبْعَ وَالْأَرْضِيْنَ

[1] صحيح البخاري: 99 و 6570. [2] صحيح مسلم: 382. [3] صحيح البخاري: 1186، صحيح مسلم: 33.
[4] صحيح مسلم: 234.

السَّبْعَ لَوْ وُضِعَتْ فِيْ كَفَّةٍ ، وَوُضِعَتْ لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فِي كَفَّةٍ ، رَجَحَتْ بِهِنَّ لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَلَوْ أَنَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَالْأَرْضِيْنَ السَّبْعِ كُنَّ حَلَقَةً مُبْهَمَةً إِلَّا قَصَمَتْهُنَّ لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ ، فَإِنَّهَا صَلاَةُ كُلِّ شَيْئٍ وَبِهَا يُرْزَقُ الْخَلْقُ ، وَأَنْهَاكَ عَنِ الشِّرْكِ وَالْكِبْرِ ....))

''میں تمہیں دو باتوں کا حکم دیتا ہوں اور دو باتوں سے منع کرتا ہوں۔ میں تمہیں ((لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ)) کے پڑھنے کا حکم دیتا ہوں کیونکہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ والا پلڑا زیادہ وزنی ہوگا۔ اور اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں کسی بند دائرے میں ہوتے تو لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ انہیں تباہ کردیتا۔ اور میں تمہیں ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ)) کے پڑھنے کا حکم بھی دیتا ہوں کیونکہ یہ ہر چیز کی دعا ہے اور مخلوق کو اسی کے ذریعے رزق دیا جاتا ہے۔ اور میں تمہیں شرک اور تکبر سے منع کرتا ہوں۔''[1]

12 یہ کلمہ سب سے افضل ذکر ہے اور اس کا اجر وثواب سب سے زیادہ بڑھایا جاتا ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص دن میں ((لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ)) سو مرتبہ پڑھے تو یہ اس کے لیے دس گردنوں (غلاموں) کو آزاد کرنے کے برابر ہے، اس کے لیے سو نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور اس کے سو گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔ اور یہ دعا شام ہونے تک اس کے لیے شیطان کے سامنے قلعہ بنی رہتی ہے۔ اور کوئی شخص اس سے افضل عمل نہیں کرسکتا الا یہ کہ وہ اس سے زیادہ عمل کرے۔''[2]

13 یہی کلمہ وہ حقیقی رابطہ ہے جس پر تمام صحیح مسلمان اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ اسی کلمہ کی بناء پر وہ دوستی اور دشمنی کرتے ہیں اور اسی کے ساتھ وہ محبت کرتے ہیں اور اسی کے انکار کی وجہ سے وہ انکار کرنے والوں سے بغض رکھتے ہیں۔ اور اسی کی وجہ سے اسلامی معاشرہ ایک جسم کی طرح اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہوتا ہے کہ جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط بناتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ الْوَاحِدِ إِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى))

1 الصحيحة للألباني: 134. 2 صحيح البخاري، وصحيح مسلم.

’’آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے ، ایک دوسرے پر ترس کھانے اور شفقت کرنے میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی ہے کہ جب اس کا ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو اس کے لیے باقی تمام اعضاء بھی بیمار اور بیدار رہتے ہیں‘‘[1]

تو مومنوں کے درمیان ایک دوسرے سے اتنا اچھا سلوک اور اتنی ہمدردی صرف کلمہ طیبہ ((لا إله إلا الله)) کی بناء پر ہی ہوتی ہے۔

14 کلمہ طیبہ ایمان کے شعبوں میں سب سے اعلی شعبہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشادگرامی ہے :

((اَلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ۔ أَوْ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ۔ شُعْبَةً : فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ : لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيْمَانِ))

’’ایمان کے ستر (یا ساٹھ) سے زیادہ شعبے ہیں۔ سب سے افضل شعبہ ((لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ)) کہنا ہے۔ اور سب سے کم تر شعبہ راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو دور کرنا ہے۔‘‘[2]

15 یہی وہ عظیم کلمہ ہے کہ جس کے ساتھ اسلام کی طرف دعوت کا آغاز ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو رسول اکرم ﷺ اس کے پاس آئے۔ اور آپ ﷺ نے دیکھا کہ ابوجہل اور عبد اللہ بن ابو امیہ بھی اس کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا :

((يَا عَمِّ ! قُلْ : لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، كَلِمَةٌ أَشْهَدُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ))

’’اے چچا جان ! آپ ’’لا إله إلا الله‘‘ کا اقرار کرلیں کیونکہ یہ ایسا کلمہ ہے کہ جس کی بنا پر میں اللہ کے ہاں آپ کے حق میں گواہی دوں گا۔‘‘

اس پر ابوجہل اور عبد اللہ بن ابو امیہ کہنے لگے : اے ابو طالب ! کیا تم عبد المطلب کے دین کو چھوڑ دو گے ؟ تو رسولِ اکرم ﷺ بار بار اسے ’’لا إله إلا الله‘‘ پیش کرتے رہے اور ہر مرتبہ اپنی پہلی بات دہراتے رہے ، لیکن ابو طالب نے کہا : وہ دین عبد المطلب پر قائم ہے اور اس نے ’’لا إله إلا الله‘‘ کا اقرار کرنے سے انکار کردیا۔[3]

سامعین کرام ! یہ اس کلمہ طیبہ کے بعض فضائل تھے جو ہم نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ذکر کیے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنے عظیم کلمہ کا مفہوم کیا ہے؟ آیئے اس کا معنی ومفہوم معلوم کرتے ہیں۔

لا إله إلا الله کا معنی

((لا إله إلا الله)) کا اقرار کرنے والے شخص پر لازم ہے کہ وہ اس کے مطلب کو خوب اچھی طرح سمجھتا ہو جیسا کہ

[1] صحيح مسلم:4685. [2] صحيح مسلم:35. [3] صحيح البخاري:3884،2884، صحيح مسلم:24.

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾

''خوب اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔''[1]

لہٰذا اس کا معنی جاننا واجب ہے اور تمام ارکانِ اسلام پر مقدم ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((مَنْ قَالَ لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ))

''جو شخص پورے اخلاص کے ساتھ لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔''[2]

اور مخلص وہ ہوتا ہے جو کلمہ طیبہ کو سمجھے، اس پر عمل کرے، اور سب سے پہلے اسی کی دعوت دے کیونکہ اس میں توحید کو بیان کیا گیا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے پورے عالم کو پیدا کیا ہے۔

''اِلٰہ'' کا مفہوم

''اِلٰہ'' کا معنی معبود ہے یعنی جو عبادت کا استحقاق رکھتا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ مستحقِ عبادت کیوں ہے؟ اس لیے کہ وہ ایسے اوصاف سے متصف ہے جن کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ آخری درجہ کی محبت کا حقدار، وہی محبوب اور انتہائی اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار اسی کے لیے روا ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی وہ محبوب اور معبود ہے کہ دل محبت سے جس کی عبادت کریں، اس کی اطاعت بجا لائیں، اس کے لیے عجز و نیازمندی کا اظہار کریں، اس سے خوفزدہ ہوں، اس سے امیدیں وابستہ رکھیں، دشواریوں میں اس کی طرف رجوع کریں، مشکلات میں اسی کو پکاریں، اپنے مفادات میں اسی پر بھروسہ کریں، اسی کے پاس جائے پناہ تلاش کریں، اسی کی محبت میں سکون پائیں۔

اور جہاں تک لفظ جلالہ ''اللہ'' کا تعلق ہے تو یہ خالقِ کائنات کا اسمِ اعظم ہے اور یہ لفظ اس کے تمام اسمائے حسنیٰ کے معانی اور صفاتِ علیا کو شامل ہے۔ اور یہ صرف ذاتِ الٰہی کا اسم مبارک ہے، اسے اس کے علاوہ کسی اور کے لیے بولنا حرام ہے۔

- لفظ ''اللہ'' جب کبھی تنگی کی حالت میں ذکر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ ذکر کرنے والے کو خیرِ کثیر سے نوازتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۝﴾

''بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں پوری بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''[3]

- لفظ ''اللہ'' جب کبھی خوف کی حالت میں پکارا جائے تو اللہ تعالیٰ پکارنے والے کا خوف اور اس کی پریشانی کا ازالہ کرتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾

[1] محمد 47:19. [2] رواه أحمد وهو صحيح. [3] الملك 67:1.

'' بھلا کون ہے جو لاچار کی فریاد رسی کرتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے! اور اس کی تکلیف کو دور کر دیتا ہے!''[1]

❁ لفظ'' اللہ'' جب کبھی تنگ حالی میں ذکر کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ذکر کرنے والے کو خوشحال بنا دیتا ہے۔ اور جب بھی کوئی کمزور اس سے تعلق جوڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے طاقتور بنا دیتا ہے۔ اور جب بھی کوئی ذلیل اس کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے عزت والا بنا دیتا ہے۔ اور جب بھی کوئی فقیر اسے نداء دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مالدار بنا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ﴾

'' کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے؟''[2]

لا إله إلا اللہ کے دو رکن

کلمہ طیبہ ((لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ)) کے دو رکن ہیں: ((لا إله)) جس میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ باقی تمام معبودانِ باطلہ کی نفی ہے۔ اور دوسرا رکن ((إلا الله)) ہے جس میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اثبات ہے۔

پہلا رکن: نفی ((لا إله))

کلمہ طیبہ کے پہلے رکن میں اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام معبودان کی نفی کی گئی ہے۔ اور ان میں (آلھة ، انداد، طواغیت اور أرباب) شامل ہیں:

(1) آلھۃ سے مقصود وہ ہیں جن کا اللہ کے علاوہ قصد کیا جائے، حصولِ منفعت کے لیے یا کسی نقصان سے بچنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۭ وَ كَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ۝ ﴾

'' اور یہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو انھیں نہ فائدہ پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان۔ اور کافر اپنے رب کے مقابلہ پر (باغی کا) مددگار بنا ہوا ہے۔''[3]

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا: ﴿ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾

'' پھر کیا تم ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمھیں کچھ فائدہ دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں؟ افسوس ہے تم پر اور ان پر بھی جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ کیا تم ذرا بھی نہیں سوچتے؟''[4]

(2) طواغیت: یہ طاغوت کی جمع ہے اور اس سے مراد ہر وہ چیز یا ہر وہ شخصیت ہے جس کی اللہ کے سوا پوجا کی جائے۔

(1) النمل 62:27۔ (2) الزمر 36:39۔ (3) الفرقان 55:25۔ (4) الأنبیاء 21:66-67۔

مثلاً بت ، نجومی ، جادوگر ، علمائے سوء وغیرہ۔ اسی طرح اس سے مراد وہ باطل حکمران بھی ہیں جن کی اطاعت پر لوگ مجبور ہوں اور جنہیں لوگ اس حیثیت سے تسلیم کرتے ہوں کہ اگر وہ اللہ کی طرف سے حلال کی ہوئی چیز کو حرام قرار دے دیں تو وہ بھی اسے حرام تصور کریں۔ اور اگر وہ اللہ کی طرف ۔ سے حرام کی ہوئی چیز کو حلال قرار دیں تو وہ بھی اسے حلال تصور کریں۔ اس طرح کے حکمران بھی طاغوت اور ان کی پیروی کرنے والے ان کے تابع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ ﴾

''کیا آپ نے ان لوگوں پر غور کیا جنہیں کتاب کا کچھ علم دیا گیا ہے اور وہ بتوں اور معبودان باطلہ پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔''[1]

[3] أنداد: انداد (ند) کی جمع ہے اور اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے انسان کا اتنا قلبی تعلق ہو کہ وہ اس کی بناء پر دین سے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جائے ، چاہے وہ چیز مال ہو یا منصب ہو یا اپنے گھر والے ہوں یا گھر ہو یا قبیلہ ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہو۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾

''اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو دوسروں کو اللہ کا شریک بنا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے ، جبکہ ایمان والے اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔''[2]

نیز فرمایا: ﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰي يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾

''(اے میرے حبیب ﷺ !) فرما دیجئے ! اگر تمہارے آباء واجداد ، اولاد واحفاد ، برادران ، بیویاں ، قبیلہ وخاندان ، کمایا ہوا مال ومنال اور تجارتی کاروبار جس میں تمہیں نقصان کا اندیشہ ہے ، تمہارے پسندیدہ قصور ومحلات (یہ سب) تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہیں تو پھر حکمِ الٰہی (عذاب) کا انتظار کرو اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''[3]

[4] أرباب: ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو آپ کو حق کے خلاف فتویٰ دیں اور آپ یہ جان کر کہ وہ حق پر نہیں ہیں پھر بھی ان کی اتباع کریں۔ یا اگر آپ جاہل بھی ہوں تو طلب حق میں کوتاہی کرتے ہوئے آپ حق کے خلاف فتویٰ دینے

[1] النساء 4:51. [2] البقرة 2:165. [3] التوبة 9:24.

والوں کی پیروی کریں!

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾

''انھوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے۔''[1]

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''انھوں نے ان کی عبادت نہیں کی تھی بلکہ وہ جب حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہتے تھے تو یہ ان کی اتباع کرتے تھے۔ اور یہی ان کی طرف سے ان کی عبادت تھی۔''[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہی تفسیر حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کے پہلے رکن ((لا إله)) کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ تمام معبودانِ باطلہ، تمام شریکوں، طاغوتوں اور جن کو لوگوں نے اللہ کے علاوہ رب کی حیثیت دے رکھی ہے ان کی نفی کی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان تمام کا انکار کیا جائے جن کی لوگ عبادت کرتے ہیں، جن سے مانگتے ہیں، جن کو حاجت روا اور مشکل کشا تصور کرتے ہیں، جن سے امیدیں وابستہ کرتے ہیں، جن کو نفع ونقصان کے اختیارات کا مالک سمجھتے ہیں اور جن کو بگڑی بنانے والا، داتا، دستگیر اور غوث مانتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نبوت ملنے کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ سال رہے۔ اس دوران لوگوں کو اسی بات کی طرف دعوت دیتے رہے کہ ((قُوْلُوْا لاَ إِلٰه إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا)) یعنی تم سب اللہ تعالیٰ کو ہی معبود مان لو، کامیاب ہو جاؤ گے۔ تو وہ کہنے لگے: ایک ہی معبود کی بات ہم نے پہلے کبھی نہیں سنی! انھوں نے یہ اس لیے کہا کہ وہ ''لا إله إلا الله'' کا معنی سمجھتے تھے اور انھیں معلوم تھا کہ جو شخص یہ کلمہ پڑھ لے وہ غیر اللہ کو نہیں پکارتا۔ اس لیے انھوں نے اسے پڑھنے سے انکار کر دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾

''انھیں جب یہ کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ تکبر کرتے۔''[3]

جبکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ قَالَ لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَكَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَرُمَ مَالُهُ وَدَمُهُ وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ))

''جو آدمی لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہے اور اللہ کے علاوہ جس کی عبادت کی جاتی ہے اس کا انکار کر دے تو اس کا مال اور خون دونوں حرمت والے ہو جاتے ہیں۔ اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔''[4]

[1] التوبة 9:31. [2] مسند أحمد، جامع الترمذي: 3095. وصححه الألباني. [3] الصافات 37:35. [4] صحيح مسلم: 23.

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کی شہادت دینے سے غیر اللہ کی عبادت کا انکار لازم آتا ہے، جیسے فوت شدگان کو پکارنا وغیرہ۔ بڑے ہی تعجب کی بات ہے کہ کئی مسلمان اس کلمہ کو اپنی زبانوں سے پڑھتے تو ہیں لیکن ان کے افعال اس کے معنی کے خلاف ہوتے ہیں۔

دوسرا رکن: اثبات (إلا الله)

کلمہ طیبہ کا دوسرا رکن ان امور کو شامل ہے:

1 صرف اللہ تعالیٰ کا قصد کرنا اور بس اسی سے مانگنا

یعنی بندہ اپنی عبادت میں اکیلے اللہ تعالیٰ کا قصد کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائے۔ اور جب مانگے تو صرف اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّآ أَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ بِٱلۡحَقِّ فَٱعۡبُدِ ٱللَّهَ مُخۡلِصٗا لَّهُ ٱلدِّينَ ۝ أَلَا لِلَّهِ ٱلدِّينُ ٱلۡخَالِصُۚ وَٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُواْ مِن دُونِهِۦٓ أَوۡلِيَآءَ مَا نَعۡبُدُهُمۡ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى ٱللَّهِ زُلۡفَىٰٓ إِنَّ ٱللَّهَ يَحۡكُمُ بَيۡنَهُمۡ فِي مَا هُمۡ فِيهِ يَخۡتَلِفُونَۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهۡدِي مَنۡ هُوَ كَٰذِبٞ كَفَّارٞ ۝﴾

"ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ لہٰذا آپ خالص اس کی حاکمیت تسلیم کرتے ہوئے اسی کی عبادت کریں۔ یاد رکھیے! بندگی خالصتاً اللہ ہی کے لیے ہے۔ اور جن لوگوں نے اللہ کے علاوہ ولی بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔ جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں یقیناً اللہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا، اللہ ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور منکر حق ہو۔"[1]

نیز فرمایا: ﴿قُلۡ إِنِّيٓ أُمِرۡتُ أَنۡ أَعۡبُدَ ٱللَّهَ مُخۡلِصٗا لَّهُ ٱلدِّينَ ۝﴾

"کہہ دیجیے: مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں خالصتاً اسی کی حاکمیت تسلیم کرتے ہوئے اس کی عبادت کروں۔"[2]

اور حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً أَشْرَكَ فِيهِ مَعِيَ غَيْرِيْ تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ))

"جو شخص ایسا عمل کرے کہ اس میں میرے ساتھ میرے علاوہ کسی اور کو بھی شریک کرے تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔"[3]

[1] الزمر 39:2-3۔ [2] الزمر 39:11۔ [3] صحیح مسلم: 2985۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۝﴾

''اور تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری پکار کو سنتا ہوں۔ بیشک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب رسوا ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔''

لہٰذا کلمہ طیبہ کے دوسرے رکن ((إلا الله)) کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ صرف اسی کو پکارا جائے ، بس اسی سے سوال کیا جائے اور اس کے سوا کسی کے سامنے جھولی نہ پھیلائی جائے۔

اور وہ لوگ جو بتوں کی پوجا کرتے ہیں یا اولیائے کرام سے اس قدر عقیدت رکھتے ہیں کہ انھی کو نفع ونقصان کا مالک سمجھتے ہیں ، انھی کو رازق اور داتا تصور کرتے ہیں۔ انھیں دل میں اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ یہ بت اور اسی طرح یہ بزرگانِ دین کسی چیز کے مالک نہیں ہیں اور نہ ہی وہ کسی طرح کا تصرف کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت ہے ، لیکن ان کے دلوں میں ایک وہم پایا جاتا ہے۔ اور قرآن مجید ان کے اسی وہم کو جڑ سے نکال پھینکنا چاہتا ہے تاکہ عقیدۂ توحید ہر قسم کے شبہات سے پاک ہو جائے۔ ان کے دلوں میں وہم یہ ہوتا ہے کہ وہ ان اولیاء کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ یہ انھیں اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں! بالفاظ دیگر وہ گویا یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے حال سے واقف نہیں ہے۔ لہٰذا وہ اپنے بزرگوں سے یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ ان کا حال اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیں!

یا پھر وہ (اپنے گناہوں کی بناء پر) اللہ تعالیٰ سے اتنے خائف ہوتے ہیں کہ وہ خود براہِ راست اللہ تعالیٰ سے معافی نہیں مانگ سکتے اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پناہ طلب کر سکتے ہیں۔ لہٰذا وہ اپنے اولیاء سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچائیں!

یا پھر وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحیم نہیں ہے۔ لہٰذا وہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کے اور اللہ کے درمیان کوئی ایسا واسطہ ضرور ہو جو انھیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے .... !

یہ سب اعتقادات بالکل باطل ہیں ، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں ایسے اعتقادات رکھنے سے ناراض ہوتا ہے اور وہ تو یہ چاہتا ہے کہ اس کے اور اس کے بندوں کے درمیان بالکل کوئی واسطہ نہ ہو۔ نہ دعا میں ، نہ خوف میں اور نہ امید میں۔ اور وہ یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے براہِ راست اسے پکاریں کیونکہ وہ ان کے انتہائی قریب ہے :

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝﴾

''اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں قریب ہوں۔ جب دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں دعا قبول کرتا ہوں۔ لہٰذا انھیں چاہیے کہ میرے احکام بجا لائیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پا جائیں۔''[1]

جب کسی شخص کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ ولی کا بھی ایک مقام ہے (اور وہ بھی کچھ نہ کچھ کرسکتا ہے) تو اسے یقین کر لینا چاہیے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا (ند) یعنی شریک بنا لیا ہے اور اسے اللہ کے برابر قرار دے دیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○﴾

''اللہ کی قسم! ہم تو واضح گمراہی میں مبتلا تھے جب ہم نے تمھیں رب العالمین کے برابر سمجھ رکھا تھا۔''[2]

2 صرف اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اسی سے محبت کرنا

یہ اس طرح ممکن ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی قدر، اس کی عظمت، اس کے جلال اور اس کے حق کو پہچانے۔ اور اس کے اسماء وصفات اور کائنات میں اس کی قدرت کے آثار میں غور وفکر کرتے ہوئے اس سے محبت کرے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○﴾

''ان لوگوں نے اللہ کی قدر پہچانی ہی نہیں جیسا کہ پہچاننے کا حق تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور اور ہر چیز پر غالب ہے۔''[3]

نیز فرمایا: ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ○ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○﴾

''ان لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک بنا دیا حالانکہ اللہ نے ہی انھیں پیدا کیا ہے۔ پھر انھوں نے بغیر علم کے اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ ڈالیں۔ جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں اللہ اس سے پاک اور بلند وبالا ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کو ایجاد کرنے والا ہے۔ اس کے اولاد کیسے ہوسکتی ہے جبکہ اس کی بیوی ہی نہیں! اسی نے تو ہر چیز بنائی ہے اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ یہ ہے تمھارا رب، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ ہر شے کا خالق ہے۔ لہٰذا اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر نگران ہے۔ نظریں اسے پا نہیں سکتیں جبکہ وہ نظروں کو پا لیتا ہے۔ وہ بڑا باریک بین اور باخبر ہے۔''[4]

[1] البقرة 2:168. [2] الشعراء 26:97-98. [3] الحج 22:74. [4] الأنعام 6:100-103.

3 صرف اللہ تعالیٰ کا خوف اور بس اسی سے امید رکھنا

یعنی مسلمان صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور صرف اسی سے امید رکھے کیونکہ وہی تو ہے کہ جس کے ہاتھ میں ہر قسم کا نفع ونقصان ہے۔ اور وہی دیتا اور روکتا ہے۔ اور وہی عزت وذلت کا مالک ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلْ أَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ أَوْ أَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ۚ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○ ﴾

''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو یقیناً کہیں گے: اللہ نے۔ آپ انھیں کہیے: بھلا دیکھو، جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو تمہارے معبود اس کی پہنچائی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں؟ یا اگر وہ مجھ پر رحمت کرنا چاہے تو یہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟ آپ ان سے کہیے: مجھے تو اللہ ہی کافی ہے۔ اور توکل کرنے والے اسی پر ہی توکل کرتے ہیں۔''[1]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ أَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِإِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ ﴾

''کیا تم ایسے لوگوں سے نہ لڑو گے جنھوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور انھوں نے ہی رسول کو (مکہ سے) نکال دینے کا قصد کر رکھا تھا اور لڑائی کی ابتداء بھی انھوں نے ہی کی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔''[2]

نیز فرمایا: ﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ○ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ○ ﴾

''آپ کہیے کہ اللہ کو چھوڑ کر جنھیں تم پکارتے ہو وہ تم سے نہ تو تکلیف کو ہٹا سکتے ہیں اور نہ اسے بدل سکتے ہیں۔ جنھیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ کون اس سے قریب تر ہو جائے۔ وہ اس کی رحمت کے امیدوار رہتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔''[3]

سنن ابن ماجہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان کے پاس گئے جب وہ

[1] الزمر 38:39. [2] التوبة 13:9. [3] الإسراء 17:56-57.

موت وحیات کی کشمکش میں تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا: تم کیا محسوس کرتے ہو؟ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اللہ کی رحمت کا امید وار بھی ہوں اور اپنے گناہوں پر اس کے عذاب سے خائف بھی ہوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا:

((لَا يَجْتَمِعَانِ فِيْ قَلْبِ عَبْدٍ فِيْ مِثْلِ هٰذَا الْمَوْطِنِ إِلَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ مَا يَرْجُوْ، وَآمَنَهُ مِمَّا يَخَافُ))

''اس جیسے موقعہ پر یہ دونوں چیزیں جس بندے میں جمع ہو جائیں تو اسے اللہ تعالیٰ وہ چیز عطا کر دیتا ہے جس کی وہ امید رکھتا ہو اور اسے اس چیز سے محفوظ رکھتا ہے جس کا اسے خوف ہو۔''[1]

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اس عظیم کلمہ کے تقاضوں کو پورا کرنے اور زندگی کے آخری سانس تک اس پر قائم رہنے کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

برادران اسلام! پہلے خطبہ میں آپ نے کلمہ طیبہ کے فضائل اور اس کے مفہوم کے متعلق ہماری چند گذارشات سماعت کیں، اور اب اس کی شروط بھی سماعت کر لیجیے۔ اور شروط سے مراد وہ امور ہیں جن کے بغیر اس پر ایمان درست نہیں ہوتا۔

لا إله إلا الله کی شروط

پہلی شرط: علم

یعنی کلمۂ طیبہ کے معنی ومفہوم سے آگاہی اور واقفیت حاصل کرنا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾

''اچھی طرح جان لو! کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔''[2]

ابن السعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ علم میں دل کا اقرار ضروری ہے، یعنی اس سے جس چیز کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ اسے جانتا اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرتا ہو۔ اور یہ علم جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یعنی علمِ توحید' ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور کوئی شخص اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾

''مگر وہ جو حق کے ساتھ گواہی دیں اور انھیں علم بھی ہو۔''[3]

[1] سنن ابن ماجه: 983. وحسنه الألباني. [2] محمد 19:47. [3] الزخرف 86:43.

اس آیت میں (الحق) سے مراد کلمہ طیبہ لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ اور مفہوم یہ ہے کہ مستحق شفاعت صرف وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اس کلمہ کی گواہی دی اور گواہی بھی علم وبصیرت کی بنیاد پر دی اور اس کے تقاضوں کو پورا کیا۔ [1]

الشیخ عبد الرحمن بن السعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یعنی جس شخص نے زبان سے گواہی دی، دل سے اقرار کیا اور اس کے معنی ومفہوم کا علم حاصل کیا، وہ شفاعت کا مستحق ہوگا۔ اور (الحق) سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور انبیاء ورسل علیہم السلام کی نبوت ورسالت اور ان کی شریعت ہے۔'' [2]

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ مَّاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ))

''جس شخص کی موت اس حالت میں آئی کہ اسے یقین تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں تو وہ جنت میں داخل ہوگا''۔ [3]

دوسری شرط: یقین

یقین شک کی ضد ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ لا اِلٰہ اِلا اللہ کا پڑھنے والا یہ اعتقاد رکھے کہ صفاتِ الوہیت کا حق دار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور اسے اس کی الوہیت پر ایسا یقین جازم ہو کہ جس میں شک کی کوئی گنجائش نہ ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○ ﴾

''مومن تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں پھر شک وشبہ نہیں کرتے اور اپنے مال اور جان کے ذریعے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں' یہی لوگ سچے ہیں۔'' [4]

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کے سچے ہونے کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ مومن کا ایمان ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہو، کیونکہ شک کرنا منافق کی صفت ہے نہ کہ مومن کی۔

لفظ (إنما) حصر کا فائدہ دیتا ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ سچے مومن بس وہی لوگ ہیں جن کا قول وفعل اور اعتقاد ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کے آخر میں فرمایا:

﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○ ﴾ ''یہی لوگ سچے ہیں''

① تفسیر ابن کثیر: 147/4. ② تفسیر ابن السعدی: 461/4. ③ صحیح مسلم۔ کتاب الإیمان باب الدلیل علی أن من مات علی التوحید دخل الجنة قطعا۔26. ④ الحجرات 15:49.

اورحضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا يَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرُ شَاكٍّ فِيْهِمَا إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ))

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کا رسول ہوں۔ یہ دو گواہیاں ایسی ہیں کہ جو بندہ ان گواہیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملتا ہے کہ اسے ان کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوتا تو وہ سیدھا جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔''[1]

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ((لَا يَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرُ شَاكٍّ فِيْهِمَا فَيُحْجَبُ عَنِ الْجَنَّةِ))

''جو بندہ بھی ان دو گواہیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ اسے ان میں کوئی شک نہیں تھا تو اسے جنت میں داخل ہونے سے کوئی چیز روک نہیں سکے گی۔''

تیسری شرط: اخلاص

یعنی لا إله إلا الله کا پڑھنے والا جس طرح اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا اقرار کرتا ہے اسی طرح غیر اللہ سے براءت کا اظہار بھی کرے۔ اسی لیے اس کلمۂ طیبہ کو کلمۂ اخلاص بھی کہا جاتا ہے۔

عربی زبان میں اخلاص کا معنی ہے: پاک صاف کرنا۔ اور شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد ہے عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرنا اور اسے شرک اور ریاکاری سے پاک صاف کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَآ أُمِرُوْٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝﴾

''انھیں محض اسی بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اور (شرک وغیرہ سے) منہ موڑتے ہوئے اس کے لیے دین کو خالص رکھیں۔ اور نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں۔ اور یہی ہے دین سیدھی ملت کا۔''[2]

چوتھی شرط: صدق

صدق کذب کی ضد ہے یعنی کلمہ گو صرف زبانی اقرار پر اکتفا نہ کرے بلکہ صدقِ دل سے اس کا اقرار کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُّتْرَكُوْٓا أَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

[1] صحيح مسلم:27. [2] البينة 98:5.

فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ○﴾

''کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کے صرف اتنا کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لے آئے ، انھیں چھوڑ دیا جائے گا اور وہ آزمائش میں نہیں ڈالے جائیں گے؟ اور ہم نے ان لوگوں کو بھی آزمائش میں ڈالا تھا جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں۔ یقینا اللہ تعالیٰ انھیں بھی جان لے گا جو سچے ایمان والے ہیں اور انھیں بھی معلوم کر لے گا جو جھوٹے ہیں۔''[1]

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر آپ کے پیچھے سوار تھے، آپ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل ! انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ! میں حاضر ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا: اے معاذ ! انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ! میں حاضر ہوں۔ (پھر تیسری بار بھی انھیں مخاطب کیا) اور فرمایا:

((مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِّنْ قَلْبِهِ إِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ)) ''جو شخص سچے دل سے یہ گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ پر حرام کر دے گا۔''

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ! کیا میں اس کی لوگوں کو خبر نہ دوں تاکہ وہ بھی خوش ہو جائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تب تو وہ اسی پر بھروسہ کر لیں گے۔'' اس کے بعد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی موت کے وقت یہ حدیث بیان کی تاکہ وہ گناہ سے بچ جائیں۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اس حدیث میں ((صدق من قلبه)) ''سچے دل سے'' کی جو شرط لگائی گئی ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ منافق کا شہادتین کی گواہی دینا قابلِ قبول نہیں ہے۔''[3]

اور اگر شہادتین کا اقرار صرف زبانی ہو اور پوری سچائی کے ساتھ دل کا اعتقاد شامل نہ ہو تو یہ کافی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو جھوٹا قرار دیا جب انھوں نے یہ کہا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ○﴾

''جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ کو معلوم ہے کہ آپ یقینا اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق جھوٹے ہیں۔''[4]

[1] العنکبوت 29:2-3. [2] صحيح البخاري: كتاب العلم- باب من خص بالعلم قوما دون قوم كراهية أن لا يفهموا. [3] فتح الباري: 222/1. [4] المنافقون 63:1.

پانچویں شرط: محبت

محبت سے مراد یہ ہے کہ آدمی کو کلمۂ توحید اور اس کے تقاضوں سے محبت اور الفت ہو اور اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہر چیز سے حتی کہ اپنی جان سے بھی زیادہ ہو۔ اسی طرح اسے ان مؤمنوں سے بھی محبت ہو جو لا إلہ إلا اللہ پر کاربند اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے والے ہوں۔ اور ان لوگوں سے دل میں نفرت ہو جو اسکے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے۔

اس کلمہ سے سچی محبت دو امور سے ثابت ہوتی ہے:

1. تمام عبادات کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرنے سے جو کہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔
2. شرک سے اپنا دامن پاک رکھنے سے۔ یہی دو امور دین کی بنیاد ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾

''بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا کر ان سے بھی ویسی ہی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہیے۔ جبکہ ایمان والے اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ اپنی قدرت کی نشانیوں اور اپنی نعمتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد ذکر کی ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ جس اللہ تعالیٰ نے انھیں اتنی نعمتوں سے نوازا ہے، ان کے دلوں میں اسی اللہ تعالیٰ کی محبت سب سے زیادہ ہونی چاہیے تھی، لیکن اس کے برعکس انھوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنا لیے اور ان سے ایسی محبت کی جو کہ اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہیے تھی۔ جبکہ ایمان والوں کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کرنے والے ہیں۔

اس آیتِ کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ شرکِ محبت حرام ہے اور وہ شرکِ اکبر کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ اور شرکِ محبت سے مراد ہے مشرکوں کی اپنے شریکوں سے اس طرح محبت کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونی چاہیے تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ : أَنْ يَكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا ،

[1] البقرة 165:2۔

وَأَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لاَ يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُوْدَ فِيْ الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ ، كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُلْقٰى فِيْ النَّارِ»

''تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جو کسی شخص میں موجود ہوں تو وہ ان کے ذریعے ایمان کی لذت اور اس کے مٹھاس کو پا لیتا ہے۔ ایک یہ کہ اسے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ سب سے زیادہ محبت ہو۔ دوسری یہ کہ اسے کسی شخص سے محبت ہو تو محض اللہ کی رضا کی خاطر ہو۔ اور تیسری یہ کہ اسے کفر کی طرف لوٹنا اسی طرح ناپسند ہو جیسا کہ اسے جہنم میں ڈالا جانا ناپسند ہے۔''[1]

چھٹی شرط : انقیاد

انقیاد' خضوع' تابعداری اور سر تسلیم خم کر دینے کو کہتے ہیں۔ اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ لا إلہ إلا اللہ اور اس کے تقاضوں کا ظاہری و باطنی طور پر تابع ہو جائے۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب انسان اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض پر عمل پیرا ہو اور اسکی حرام کردہ چیزوں کو ترک کر دے۔ ارشاد ربانی ہے :

﴿وَ اَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ﴾

''اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرمانبردار بن جاؤ اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ جائے اور پھر تمہاری مدد نہ کی جا سکے۔''[2]

اور الشیخ ابن السعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف جلدی رجوع کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَ اَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ﴾ یعنی تم اپنے دلوں کے ساتھ اور اسی طرح ﴿وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ﴾ یعنی اپنے اعضاء کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرو۔ اور یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ جب صرف انابت کا حکم دیا جائے تو اس میں دل اور اعضاء کے تمام اعمال شامل ہوتے ہیں۔ اور جب انابت کے ساتھ اسلام ﴿وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ﴾ کا حکم بھی ہو تو انابت سے مراد دل کے ساتھ، اور اسلام سے مراد اعضاء کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے۔

ساتویں شرط : قبول

قبول کا مطلب ہے : کسی چیز کو دل کی خوشی سے لے لینا۔ اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ کلمہ توحید اور اسکے تقاضوں کو بسر و چشم قبول کر لینا اور ان میں سے کسی چیز کا انکار نہ کرنا۔ اور اس کے مقصود و مراد پر عمل پیرا ہونے کو خود پر جبر یا زبردستی نہ سمجھنا بلکہ بتسلیم و رضا قبول کرنا۔ ارشاد ربانی ہے :

[1] صحيح البخاري:16، صحيح مسلم:43. [2] الزمر 54:39.

﴿وَ كَذٰلِكَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ○ قٰلَ اَوَ لَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ○﴾

”اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے جب بھی کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا (نبی) بھیجا تو اس میں عیش پرست لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر چلتے دیکھا ہے اور ہم بھی یقیناً انھی کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے۔ پیغمبر نے کہا: اگر میں تمھارے پاس ایسا دین لے آؤں جو تمھارے باپ دادا کے طریقے سے زیادہ صحیح ہو (تو تم تب بھی اسی طریقے سے چمٹے رہو گے؟) انھوں نے کہا: ہم اس دین کا قطعی انکار کرتے ہیں جس کے ساتھ تمھیں بھیجا گیا ہے۔ پس ہم نے ان سے انتقام لے لیا۔ تو آپ دیکھ لیجیے کہ (اللہ اور رسول کو) جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا!“[1]

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ قریش اور ان کے ہمنواؤں نے جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور اس دین حق سے اعراض کر لیا جو آپ لے کر آئے ہیں تو یہ دراصل سابقہ امتوں کے طرز عمل سے ملتا جلتا ہے جو انھوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اختیار کیا تھا۔ اور اس طرزِ عمل پر جس چیز نے ان تمام لوگوں کو آمادہ کیا وہ تھی اپنے آباء و اجداد کی تقلید۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ○ وَ يَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ○ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَ صَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ○﴾

”بلاشبہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو وہ تکبر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اس شاعر اور دیوانے کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ حالانکہ (ہمارا نبی) حق لیکر آیا تھا اور اس نے رسولوں کی تصدیق کی تھی۔“[2]

الشیخ ابن السعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”جب مشرکین کو دعوت دی جاتی کہ تم کلمہ طیبہ کا اقرار کرو اور اللہ تعالیٰ کے سوا باقی سب معبودان باطلہ کی لوہیت کا انکار کر دو تو وہ کلمہ توحید پر اور اس کے لانے والے نبی پر اپنی بڑائی کا اظہار کرتے اور اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہتے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر کی خاطر اپنے ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء و اجداد اور ہم پوجا کرتے رہے اور ابھی تک کر رہے ہیں؟ دیوانے شاعر سے ان کی مراد حضرت محمد ﷺ ہوتے! اللہ تعالیٰ ان ظالموں سے

[1] الزخرف 43:23-25۔ [2] الصافات 37:35-37

براسلوک کرے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کی دعوت سے منہ موڑنے پر اور نہیں جھٹلانے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ظالمانہ طور پر انھیں دیوانہ شاعر بھی قرار دے دیا، حالانکہ انھیں یہ معلوم تھا کہ آپ ﷺ شعر اور شعراء کے بارے میں تو کچھ بھی نہیں جانتے۔ اور آپ ﷺ پوری مخلوق میں سب سے زیادہ عقلمند اور سب سے زیادہ درست بات کرنے والے انسان ہیں،،[1]

اور حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

'' اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے اس کی مثال یوں ہے جیسے موسلا دھار بارش ہو، جو زمین پر برستی ہے تو اس کا ایک ٹکڑا ایسا ہوتا ہے جو بارش کے پانی کو جذب کر لیتا ہے، پھر اس سے پودے اور گھاس وغیرہ اگتے ہیں۔ اور اس کا ایک ٹکڑا انتہائی سخت ہوتا ہے اور اس پر پانی رک جاتا ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے، چنانچہ وہ اس سے پیتے، پلاتے اور کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ اور یہی بارش ایسی زمین پر بھی برستی ہے جو سپاٹ اور چکنی ہوتی ہے اور جس پر نہ پانی رکتا ہے اور نہ ہی اس سے کوئی چیز اگتی ہے۔ تو یہ مثال ہے اس شخص کی جس نے اللہ کے دین کی سمجھ حاصل کی اور اسے اللہ تعالیٰ نے اس چیز کے ذریعے نفع پہنچایا جس کے ساتھ مجھے اس نے مبعوث کیا ہے، چنانچہ وہ خود بھی علم حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ مثال ہے اس آدمی کی جو اس علم کے ذریعے اونچا مقام حاصل نہیں کرتا اور اللہ کی اس ہدایت کو قبول نہیں کرتا جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے۔،،[2]

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

'' حدیث سے مقصود یہ ہے کہ جو ہدایت نبی کریم ﷺ لے کر آئے اسے بارش سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ زمین تین قسم کی ہوتی ہے۔ اسی طرح لوگ بھی تین قسم کے ہوتے ہیں:

پہلی قسم: ایک تو وہ زمین ہوتی ہے جو بارش سے فائدہ اٹھاتی ہے، چنانچہ وہ بارش کے آنے سے پہلے مردہ ہوتی ہے لیکن اس کے بعد وہ زندہ ہو جاتی ہے اور سبزہ وغیرہ اگاتی ہے جس سے لوگ اور جانور وغیرہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے پاس علم پہنچتا ہے تو وہ اسے یاد کر لیتے ہیں جس سے ان کا دل زندہ ہو جاتا ہے اور وہ اس پر عمل کر کے خود بھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اسے لوگوں تک پہنچا کر دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتے ہیں۔

دوسری قسم: ایک زمین ایسی ہوتی ہے جو خود تو بارش کے پانی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتی، لیکن پانی اپنے اوپر روک کر دوسروں کو فائدہ پہنچاتی ہے، چنانچہ اس سے لوگ اور حیوانات وغیرہ مستفید ہوتے ہیں۔ اسی طرح کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس حفظ کرنے والے دل تو ہوتے ہیں لیکن ان کے پاس ایسی سمجھ نہیں ہوتی کہ جس کی بناء پر وہ علم سے

[1] تفسیر ابن السعدی: 256/4. [2] صحيح البخاري: 79، صحيح مسلم: 2282.

معانی اور احکام کا استنباط کر سکیں اور نہ ہی وہ علم پر عمل کرنے کی بہت زیادہ کوشش کرتے ہیں۔ اور وہ علم کو محفوظ کرتے ہیں تا کہ کوئی ضرورتمند طالب علم اور ان کے علم کا پیاسا جو اس سے نفع حاصل کرنے اور دوسروں کو نفع پہنچانے کا اہل ہو تو وہ ان سے اسے حاصل کر کے فائدہ اٹھائے۔ سو یہ لوگ اگرچہ اپنے آپ کو اس علم سے کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچاتے لیکن دوسروں کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں۔

تیسری قسم : ایک زمین وہ ہوتی ہے جو نہ خود بارش کے پانی سے فائدہ اٹھاتی ہے اور نہ ہی دوسروں کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس نہ تو حفظ کرنے والے دل ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کے پاس سمجھ ہوتی ہے تو وہ نہ خود اس علم سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔''[1]

آخر میں ایک بار پھر اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس عظیم کلمہ کو سمجھنے، اس کی شروط کو پورا کرنے اور اس پر ہمیشہ قائم رہنے کی توفیق دے۔ اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔

[1] شرح مسلم للنووي: 39/15.

عبادت .... مفہوم اور ثمرات

اہم عناصرِ خطبہ

(1) تخلیقِ انسان کا مقصد کیا ہے؟

(2) 'عبادت' کسے کہتے ہیں؟

(3) تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کا خلاصہ: اللہ کی عبادت وبندگی

(4) بندگی رحمان کی یا شیطان کی؟

(5) رحمان کی بندگی کرنے والوں کی بعض صفات

(6) عبادت وبندگی کے چند اصول وضوابط

(7) عبادت وبندگی کے ثمرات

پہلا خطبہ

محترم حضرات! اللہ تعالیٰ نے ہمیں کس لیے پیدا کیا ہے؟ کیا اس لیے پیدا کیا ہے کہ ہم دنیا میں زیادہ سے زیادہ مال ودولت جمع کرلیں؟ یا اپنے کاروبار کو خوب چمکا لیں؟ یا اس لیے کہ بڑے سے بڑے عہدے پر فائز ہو جائیں؟ یا اس لیے کہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے دنیا بھر کی آسائشیں اکٹھی کرلیں؟ یا اس لیے کہ شیطان اور نفس کے پیچھے لگ کر من مانی زندگی گزاریں اور جس نے ہمیں پیدا کیا اور ہمیں بے شمار نعمتوں سے نوازا اس کے احکامات کی کوئی پروانہ کریں؟ اور اس کے دین کو پس پشت ڈال دیں؟

ہمیں سنجیدگی سے سوچنا چاہیے کہ آخر اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیوں پیدا کیا ہے؟ ہمارا مقصدِ تخلیق کیا ہے؟ اور ہماری زندگی کا ہدف کیا ہے؟

ہمارے خالق ومالک اور ہمارے رازق اللہ تعالیٰ نے ہمارا مقصدِ تخلیق ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔''[1]

گویا تمام جنوں اور انسانوں کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی عبادت کرنا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ 'عبادت' کسے کہتے ہیں؟

بعض اہل علم نے 'عبادت' کی تعریف یوں کی ہے:

((طَاعَةُ اللهِ بِفِعْلِ أَوَامِرِهِ وَاجْتِنَابُ نَوَاهِيهِ مَعَ مَحَبَّةِ اللهِ وَخَوْفِهِ وَرَجَائِهِ))

''اللہ کے احکام پر عمل کرتے ہوئے اور جن چیزوں سے اس نے منع کیا ہے ان سے اجتناب کرتے ہوئے اُس کی اس طرح فرمانبرداری کرنا کہ دل میں اس کی محبت ، اس کے عذاب کا خوف اور اس کی رحمت کی امید ہو۔''

اور بعض اہل علم نے 'عبادت' کی تعریف یوں کی ہے:

((اِسْمٌ لِكُلِّ مَا يُحِبُّهُ اللهُ وَيَرْضَاهُ مِنَ الْأَقْوَالِ وَالْأَعْمَالِ الظَّاهِرَةِ وَالْبَاطِنَةِ))

''عبادت ہر اُس ظاہری و باطنی قول وعمل کا نام ہے جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا اور اسے پسند کرتا ہو۔''

ان دونوں تعریفوں سے یہ واضح ہو گیا کہ 'عبادت' اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ اس کی فرمانبرداری کرنے کا نام ہے۔ یعنی اس کی رحمت کی امید رکھتے ہوئے اس کے احکام پر عمل کرنا اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے نواہی ومحرمات (جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے ان) سے بچنا اور پرہیز کرنا۔ اور اپنے تمام اقوال وافعال کو اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق بنانا 'عبادت' ہے۔

اس جامع تعریف سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عبادت صرف چند شعائر ہی کا نام نہیں ہے مثلا نماز ، روزہ اور حج وغیرہ۔ بلکہ ہر وہ عمل جو اللہ کی منشا کے مطابق ہو ، اُس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہو اور اس کا تقرب حاصل ہوتا ہو وہ 'عبادت' ہے۔

- لہٰذا چلتے پھرتے اور اُٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر کرنا 'عبادت' ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ○ الَّذِينَ يَذْكُرُوْنَ اللهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○﴾

''بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور لیل ونہار کی گردش میں ان عقل والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں

[1] الذاریات 56:51۔

جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں کے بل لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے انھیں بے کار نہیں پیدا کیا ہے، تو ہر عیب سے پاک ہے، پس تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔''[1]

* اسی طرح رزق حلال کی تلاش کے لیے زمین پر چلنا پھرنا اور جد وجہد کرنا بھی 'عبادت' ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ ۝﴾

''وہی تو ہے جس نے زمین کو تمھارے تابع کر رکھا ہے۔ لہٰذا تم اس کے اطراف میں چلو پھرو اور اللہ کا رزق کھاؤ۔ اور اسی کی طرف تمھیں زندہ ہو کر جانا ہے۔''[2]

اسی طرح اس کا فرمان ہے:

﴿فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝﴾

''پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے رزق کو تلاش کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''[3]

* اسی طرح اپنے جسم کو نیند کے ذریعے راحت پہنچانا تاکہ یہ جسم اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کے لیے چست اور صحت مند رہے بھی 'عبادت' ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ أَتٰى فِرَاشَهُ وَهُوَ يَنْوِي أَنْ يَّقُوْمَ يُصَلِّيَ مِنَ اللَّيْلِ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ حَتّٰى أَصْبَحَ ، كُتِبَ لَهُ مَا نَوٰى ، وَكَانَ نَوْمُهُ صَدَقَةً عَلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ))

''جو شخص اپنے بستر پر اس نیت کے ساتھ آئے کہ وہ رات کو اٹھ کر نماز پڑھے گا، پھر اس پر نیند غالب آگئی یہاں تک کہ اس نے صبح کر لی تو اس کے لیے اس کی نیت کے مطابق اجر لکھ دیا جاتا ہے اور اس کی نیند اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے صدقہ ہوتی ہے۔''[4]

اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: ((أَمَّا أَنَا فَأَنَامُ وَأَقُوْمُ ، فَأَحْتَسِبُ نَوْمَتِي كَمَا أَحْتَسِبُ قَوْمَتِي))

''میں رات کو سوتا بھی ہوں اور اٹھ بھی جاتا ہوں۔ چنانچہ میں سو کر بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کا طلبگار رہتا ہوں جیسا کہ اٹھ کر میں اس سے اجر وثواب کا طلبگار رہتا ہوں۔''[5]

[1] آل عمرٰن 3:190-191. [2] الملك 67:15. [3] الجمعة 62:10. [4] سنن النسائي: 687. وصححه الألباني. [5] صحيح البخاري: 4344.

* اسی طرح اپنے پیٹ کی بھوک اور پیاس کو ختم کرنا تا کہ اُس کا جسم مضبوط ہو اور وہ تسلسل کے ساتھ اللہ کے فرائض کو ادا کرتا رہے بھی 'عبادت' ہے۔
* حتی کہ حلال طریقے سے اپنی شہوت کو پورا کرنا بھی 'عبادت' ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((وَفِي بُضْعِ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ)) ''اور تم میں سے ایک کے جماع میں بھی صدقہ ہے۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: ہم میں سے کوئی شخص اگر اپنی شہوت کو پورا کرے تو کیا اس میں بھی اسے اجر ملتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارا کیا خیال ہے، اگر کوئی شخص اپنی شہوت کو حرام طریقے سے پورا کرے تو کیا اسے گناہ ہو گا؟'' پھر آپ نے فرمایا: ''اسی طرح اگر وہ حلال طریقے سے اسے پورا کرے تو اسے یقیناً ثواب ہوگا۔''[1]

* اسی طرح لین دین اور کاروبار کے معاملات میں جھوٹ، دھوکہ، فراڈ اور خیانت وغیرہ سے بچنا بھی 'عبادت' ہے۔
* اسی طرح والدین سے حسن سلوک کرنا، رشتہ داروں سے خوشگوار تعلقات قائم کرنا، بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنا اور عام مسلمانوں سے محبت اور ہمدردی کرنا بھی 'عبادت' ہے۔
* اسی طرح اچھی عادات کو اپنانا، لوگوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا، حُسنِ خُلق کا مظاہرہ کرنا اور اچھی اور پاکیزہ گفتگو کرنا بھی 'عبادت' ہے۔

عزیزانِ گرامی! اِس پوری تمہید سے ثابت ہوا کہ 'عبادت' اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے کا نام ہے۔ بندگی کس طرح؟ اِس طرح کہ بندہ اُس کی فرمانبرواری کرے اور اس کی نافرمانی نہ کرے۔ صرف وہ عمل سرانجام دے جو اُس کی منشاء کے مطابق ہو، جس کو وہ پسند کرتا ہو اور جس سے اس کی رضا حاصل ہوتی ہو۔ اور اُس عمل سے اجتناب کرے جو اس کی منشاء کے مطابق نہ ہو، جس کو وہ پسند نہ کرتا ہو اور جس سے وہ ناراض ہوتا ہو۔

یہ سب کچھ وہ اس طرح کرے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی سچی محبت ہو، اس کی رحمت کی امید رکھتے ہوئے اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس کی نافرمانی سے اجتناب کرے۔ ہر قسم کی عاجزی وانکساری کا اظہار صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کرے۔ اور اپنی تمام تر امیدوں کا مرکز اسی کو بنائے۔

* یہی وہ بندگی ہے کہ جس کو تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کا خلاصہ کہا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اِس کا تذکرہ یوں فرماتا ہے:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۝ ﴾

[1] صحیح مسلم:1006.

''اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ (لوگو) صرف اللہ کی عبادت کرو اور غیر اللہ کی پوجا کرنے سے پرہیز کرو۔''[1]

نیز فرمایا: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ ﴾

''اور ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھی بھیجا اس پر یہی وحی نازل کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس لیے تم سب میری ہی عبادت کرو۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے متعدد انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿ اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾

''تم اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمھارا کوئی معبود نہیں۔''[3]

'اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنا' اِس قدر عظیم وصف ہے کہ اللہ نے یہ وصف اپنے برگزیدہ حضرات کے لیے بیان کیا۔

❁ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام اور مقرب فرشتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝ ﴾

''مسیح اس بات پر عار نہیں سمجھتا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو کر رہے اور نہ ہی مقرب فرشتے عار سمجھتے ہیں۔ اور جو شخص اس کی بندگی میں عار سمجھے اور تکبر کرے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو عنقریب اپنے ہاں اکٹھا کرے گا۔''[4]

اسی طرح فرمایا: ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ ﴾

''وہ (عیسیٰ علیہ السلام) تو بندے ہی تھے، جن پر ہم نے انعام کیا اور انھیں بنی اسرائیل کے لیے ایک مثال بنا دیا۔''[5]

اور ان کی دعوت بھی یہی تھی کہ

﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ ﴾

''یقیناً اللہ ہی میرا اور تم سب کا رب ہے، لہٰذا تم اسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔''[6]

'مسیح' یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حیثیت کا تعین کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ تو محض اللہ کے بندے ہیں، اسی کی بندگی کرتے اور اس کے احکام بجا لاتے ہیں۔ نیز

[1] النحل 36:16. [2] الأنبياء 25:21. [3] الأعراف 59:7، 65، 73، 85. [4] النساء 171:4. [5] الزخرف 59:43. [6] الزخرف 64:43.

وہ لوگوں کو بھی اسی بات کا حکم دیتے تھے کہ وہ سب اللہ ہی کی بندگی وعبادت کریں۔ اور انھوں نے اسی راستے کو صراط مستقیم قرار دیا۔

❁ یہی وہ بندگی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک اچھے وصف ، کے طور پر اپنے کئی انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے ذکر کیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے داود علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ○﴾[1]

اور ایوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ ۘ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ○﴾[2]

اسی طرح ابراہیم ، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ ○﴾[3]

❁ بندگی کا یہی وہ وصف ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے امام الانبیاء جناب محمد ﷺ کا بھی بیان فرمایا:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ○﴾[4]

اسی طرح فرمایا: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنزَلَ عَلَىٰ عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَل لَّهُ عِوَجًا ○﴾[5]

اسی طرح فرمایا: ﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ○﴾[6]

اور خود رسول اکرم ﷺ نے بھی اپنا یہ عظیم وصف یوں بیان کیا:

((لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُولُوا عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ))

''تم مجھے (میرے مقام ومرتبہ سے) اس طرح نہ بڑھاؤ جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بڑھایا۔ بے شک میں اللہ کا ایک بندہ ہوں ، اس لیے تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔''[7]

❁ اسی طرح فرشتوں کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے یہی وصف یوں بیان کیا:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ○ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ○﴾

''(مشرک لوگ) کہتے ہیں کہ رحمن اولاد والا ہے۔ اس کی ذات پاک ہے، بلکہ وہ سب (فرشتے) اس کے معزز بندے ہیں، کسی بات میں اللہ تعالیٰ پر سبقت نہیں لے جاتے، بلکہ اس کے فرمان پر کار بند ہیں۔''[8]

نیز فرمایا: ﴿وَمَنْ عِندَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ○ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا

[1] ص 38:17. [2] ص 38:41. [3] ص 38:45. [4] الفرقان 25:1. [5] الكهف 18:1. [6] الإسراء 17:1. [7] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: واذكر في الكتاب مريم: 3454. [8] الأنبياء 21:26-27.

يَفْتُرُوْنَ ۝﴾

''اور جو (فرشتے) اس کے پاس ہیں وہ نہ اس کی بندگی سے تکبر کرتے ہیں اور نہ ہی وہ اکتاتے ہیں۔ وہ دن رات اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، سستی اور کمی نہیں کرتے۔''[1]

معزز سامعین! جہاں اللہ تعالیٰ نے بندگی کا یہ وصف انبیائے کرام علیہم السلام اور فرشتوں کے لیے بیان کیا ہے وہاں اس نے اپنے دیگر بندوں کے لیے بھی یہی وصف بیان کرکے انھیں کئی بشارتیں سنائی ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝﴾

''اے میرے بندو! آج تمھیں کوئی خوف نہیں ہے اور نہ (آئندہ) تمھیں کوئی غم لاحق ہوگا۔''[2]

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے علاوہ کسی اور کی بندگی سے اجتناب کرنے والے اپنے بندوں کو یوں بشارت دی: ﴿وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝﴾

''اور جو لوگ غیر اللہ کی بندگی کرنے سے اجتناب کرتے اور اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں انھی کے لیے خوشخبری ہے۔ لہٰذا آپ میرے بندوں کو خوشخبری دے دیجیے، جو قرآن کو غور سے سنتے ہیں، پھر اس کی بہترین باتوں کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے حق کی راہ دکھا دی ہے اور یہی لوگ عقل وخرد والے ہیں۔''[3]

اِس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی کرنے والے لوگ ہی ہدایت یافتہ ہیں اور انھی کے لیے دنیا وآخرت میں خوشخبریاں ہیں۔

بندگی رحمان کی یا شیطان کی؟

اب تک ہم نے جو گفتگو کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام لوگوں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی بندگی کرنی چاہیے اور اسے چھوڑ کر کسی اور کی بندگی نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ بندگی یا اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے یا پھر شیطان کی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝﴾

''اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی بندگی نہ کرنا! کیونکہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ اور تم صرف میری بندگی کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے۔''[4]

[1] الأنبیاء 21:19-20. [2] الزخرف 43:68. [3] الزمر 39:17-18. [4] یٰس 36:60-61.

شیطان کی بندگی کس طرح ؟

اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں شیطان کی بندگی ہوتی ہے۔ کیونکہ شیطان ہی انسان کے لیے گناہوں اور نافرمانیوں کو انتہائی خوبصورت شکل میں پیش کرتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی سے انحراف کرنے اور اپنی اطاعت کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

- وہ شیطان ہی تو ہے جو لوگوں کو اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت سے دور ہٹاتا اور انھیں مزاروں، درباروں اور خانقاہوں میں لے جاتا اور ان سے شرکیہ اعمال کرواتا ہے۔
- وہ شیطان ہی تو ہے جو لوگوں کو رسول اکرم ﷺ کی صحیح / ثابت شدہ سنتوں سے دور کرتا اور کارِ خیر کے نام پر دین میں نئی نئی بدعات ایجاد کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔
- وہ شیطان ہی تو ہے جو لوگوں کو حلال وجائز طریقے سے اپنی شہوت کو پورا کرنے کی بجائے اسے حرام اور ناجائز طریقے سے پورا کرنے اور بدکاری پر اکساتا ہے اور لوگوں کی عزتیں لوٹنے پر آمادہ کرتا ہے۔
- وہ شیطان ہی تو ہے جو لوگوں کو ان کی نفسانی خواہشات کا پجاری بنادیتا اور انھیں دین کے احکامات سے غافل کردیتا ہے۔
- وہ شیطان ہی تو ہے جو انسان کو حرام اور ناجائز طریقوں سے مال کمانے کی ترغیب دیتا اور سودی لین دین، جوا بازی، رشوت اور خیانت وغیرہ پر آمادہ کرتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ دینار ودرہم کا بندہ بن جاتا ہے اور پیسے کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے۔ نہ حلال وحرام کی تمیز رہتی ہے اور نہ جائز وناجائز کا فرق رہتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ وَعَبْدُ الْخَمِيصَةِ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ وَإِنْ لَّمْ يُعْطَ سَخِطَ، تَعِسَ وَانتَكَسَ))

''ہلاک ہوگیا دینار کا بندہ، درہم کا بندہ اور لباس کا بندہ! اگر اسے دیا جائے تو راضی رہتا ہے اور اگر نہ دیا جائے تو ناراض ہوجاتا ہے۔ وہ ہلاک ہوگیا اور سر کے بل گر کر برباد ہوگیا۔''[1]

دینار ودرہم اور لباس کی بندگی کا مطلب ان چیزوں کے سامنے سجدہ کرنا نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان ان چیزوں کی طلب میں دین سے بالکل غافل ہوجائے اور اللہ کے احکامات کی کوئی پروا نہ کرے۔ وہ ایسے ہی ہے جیسے وہ ان چیزوں کی عبادت اور بندگی کرتا ہے۔

[1] صحيح البخاري: 2887.

عزیزانِ گرامی! کسی شخص کو یہ کیسے پتہ چلے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتا ہے یا شیطان کی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ جس حالت میں ہے اپنی اُس حالت کا جائزہ لے۔ اگر وہ ایسی حالت میں ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے، یعنی وہ اللہ ہی کی عبادت کرتا ہے اور اُس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، اس کی فرمانبرداری کرتا ہے، اس کے فرائض کو ادا کرتا ہے اور اس کے رسول جناب محمد ﷺ کے احکامات کا پیروکار ہے تو یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کر رہا ہے۔ لیکن اگر اُس کی موجودہ حالت اِس کے برعکس ہے، یعنی وہ اللہ کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک بناتا ہے، درباروں اور مزاروں کے چکر لگاتا ہے، اللہ کے فرائض کی ادائیگی میں غفلت برتتا ہے اور جناب محمد ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے تو یقیناً وہ شیطان کی بندگی کر رہا ہے۔

اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ایک انسان اللہ کی بندگی بھی کرتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ شیطان کی بندگی بھی کرتا ہو۔ وہ جس قدر اللہ کا فرمانبردار ہوگا اسی قدر وہ اس کی بندگی کرنے والا ہوگا اور جس قدر وہ اس کا نافرمان ہوگا اسی قدر وہ شیطان کی بندگی کرنے والا ہوگا۔

رحمان کی بندگی کرنے والوں کی بعض صفات

اللہ تعالیٰ نے اپنی بندگی کرنے والوں کی بعض صفات سورۃ الفرقان کے آخر میں ذکر کی ہیں۔ ہم آپ کے سامنے ان صفات کا تذکرہ اختصار کے ساتھ کرتے ہیں، جس کا مقصد یہ ہے کہ ہم بھی انھیں اختیار کر کے رحمان کے بندوں میں شامل ہونے کی کوشش کریں۔

1) ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾

''اور رحمن کے حقیقی بندے وہ ہیں جو زمین پر انکساری سے چلتے ہیں۔''

2) ﴿وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ○﴾

''اور اگر جاہل ان سے مخاطب ہوں تو سلام کہہ کر (کنارہ کش) ہو جاتے ہیں۔''

3) ﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا ○﴾

''اور جو اپنے رب کے حضور سجدہ اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔''

4) ﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ○ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ○﴾

''اور جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! جہنم کے عذاب سے ہمیں بچائے رکھنا کیونکہ اس کا عذاب ٹلنے والا نہیں۔ بلاشبہ وہ بری جائے قرار ہے اور مقام بھی برا ہے۔''

5) ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ○﴾ ''اور وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ

فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل، بلکہ ان کا خرچ ان دونوں کے درمیان ہوتا ہے۔''

(6) ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ ''اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے۔''

(7) ﴿وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ ''اور نہ ہی وہ اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق قتل کرتے ہیں۔''

(8) ﴿وَلَا يَزْنُوْنَ﴾ ''اور نہ وہ زنا کرتے ہیں۔''

ان آخری تین گناہوں کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝﴾

''اور جو شخص ایسے کرے گا وہ ان کی سزا پا کے رہے گا۔ قیامت کے دن اس کا عذاب دگنا کر دیا جائے گا اور وہ ذلیل ہو کر اس میں ہمیشہ کے لیے پڑا رہے گا۔ ہاں جو شخص توبہ کر لے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔ اور جو توبہ کرے اور نیک عمل کرے تو وہ اللہ کی طرف یوں رجوع کرتا ہے جیسا کہ رجوع کا حق ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں سے اگر اس قسم کے گناہ سرزد ہو جائیں تو انھیں فوراً توبہ اور اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ ورنہ ان گناہوں کی وجہ سے انھیں قیامت کے روز ذلت ورسوائی کے ساتھ جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ والعیاذ باللہ۔

(9) ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ﴾ ''اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔''

(10) ﴿وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝﴾ ''اور جب کسی لغو کام پر گزر ہو تو وہ وقار سے گزر جاتے ہیں۔''

(11) ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝﴾ ''اور جب انھیں ان کے رب کی آیات کے ساتھ نصیحت کی جائے تو ان پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ اثر قبول کرتے ہیں۔)''

(12) ﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝﴾

''اور جو یوں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔''

سامعین گرامی! رحمن کے حقیقی بندوں کی صف میں شامل ہونے کے لیے ہمیں بھی ان تمام صفات کو اختیار کرنا

چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان صفات کے حاملین کو بہت ہی عظیم خوشخبری دی ہے اور وہ یہ ہے:

﴿أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ۝ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝﴾

''یہی وہ لوگ ہیں جنھیں ان کے صبر کے بدلے جنت کے بلند بالا خانے دیے جائیں گے، جہاں انھیں دعا سلام پہنچایا جائے گا۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے، وہ بہت ہی اچھی جگہ اور عمدہ مقام ہے۔''[1]

عبادت و بندگی کے چند اصول وضوابط

اب ہم اللہ رب العزت کی عبادت و بندگی کے چند اصول وضوابط ذکر کرتے ہیں۔ یہ وہ اصول وضوابط ہیں کہ اگر ان کی پابندی کی جائے تو عبادت میں حسن پیدا ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول ہوتی ہے۔

پہلا اصول

عبادت میں اخلاص لازم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝﴾

''انھیں محض اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور شرک وغیرہ سے منہ موڑتے ہوئے اس کے لیے دین کو خالص رکھیں۔ اور نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں۔ اور یہی ہے دین سیدھی ملت کا۔''[2]

'اخلاص' کا معنی ہے: پاک صاف کرنا۔ یعنی عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرنا اور اسے شرک اور ریا کاری سے پاک صاف کرنا۔ عبادت میں کسی کو شریک کرنے یا دکھلاوے کی نیت کرنے سے عبادت ضائع ہو جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِيَ غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ))

''میں تمام شریکوں میں سب سے زیادہ شرک سے بے نیاز ہوں۔ اور جو شخص ایسا عمل کرے کہ اس میں میرے ساتھ میرے علاوہ کسی اور کو بھی شریک کرے تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔''[3]

یاد رہے کہ 'عبادت' میں اخلاص کا ایک لازمی تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی بندگی کرنے والے اللہ ہی سے مدد طلب کریں اور اسی پر توکل اور بھروسہ کریں۔ یہ وہ بات ہے کہ جس کا اقرار ہر مسلمان ہر نماز کی ہر رکعت میں کرتے ہوئے کہتا

[1] الفرقان 25:63-76. [2] البینۃ 98:5. [3] صحیح مسلم: 2985.

ہے: ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔''
یہ بات نہایت ہی نامعقول ہے کہ ہم زبان سے تو اقرار کریں کہ اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں، لیکن عملی طور پر اس کی بندگی نہ کریں! غیر اللہ کے سامنے عاجزی وانکساری کا اظہار کریں! غیر اللہ کو مدد کے لیے پکاریں! غیر اللہ کو اپنی امیدوں کا مرکز بنائیں! غیر اللہ کے لیے نذر ونیاز پیش کریں! غیر اللہ سے خوف کھائیں! غیر اللہ کو اختیارات اور نفع ونقصان کا مالک تصور کریں! غیر اللہ پر بھروسہ کریں!

حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ ﴾
''آسمانوں اور زمین کا علم غیب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور تمام امور اسی کی طرف لوٹا دیے جاتے ہیں۔ لہٰذا اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر بھروسہ کیجئے۔''[1]

اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دوٹوک انداز میں واضح کر دیا ہے کہ تمام امور اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں اور وہی ان کے متعلق فیصلے فرماتا ہے۔ اور جب سارے اختیارات اسی کے پاس ہیں تو پھر اسی کی بندگی کرنی چاہیے اور اسی پر مکمل بھروسہ کرنا چاہیے۔

دوسرا اصول

'عبادت' وہ ہے جو کلام الٰہی یا حدیثِ رسول ﷺ سے ثابت ہو۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ))

''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی کام ایجاد کیا جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''[2]

ایک اور روایت میں ارشاد فرمایا: ((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ))

''جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کے متعلق ہمارا کوئی حکم نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''[3]

لہٰذا کوئی ایسا کام جس کا ثبوت قرآن وحدیث میں موجود نہ ہو تو وہ 'عبادت' نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس سے اللہ کا تقرب حاصل ہوسکتا ہے۔ اس کی ایک مثال اذان سے پہلے رسول اکرم ﷺ پر صلاۃ وسلام پڑھنا ہے، جس کا ثبوت قرآن وحدیث میں نہیں ہے۔ اسی طرح دعا میں رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی کا وسیلہ بنانا بھی وہ عمل ہے کہ جس کا قرآن وحدیث میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ سو قرآن وحدیث سے ثابت شدہ امور پر ہی اکتفا کرنا چاہیے۔ پوری کی پوری خیر وبھلائی اسی میں ہے۔

[1] هود 11:123. [2] صحيح البخاري: 2697، صحيح مسلم: 1718. [3] صحيح مسلم: 1718.

تیسرا اصول

’عبادت‘ کی مقدار اور کیفیت دونوں میں رسول اکرم ﷺ کی اتباع لازم ہے۔ یعنی ’عبادت‘ اُتنی ہی ہو جتنی رسول اکرم ﷺ نے کی ہو اور اس کا طریقہ بھی وہی ہو جو رسول اکرم ﷺ سے ثابت ہو۔ ان دونوں چیزوں میں اتباعِ سنتِ رسول ضروری ہے۔

مقدار کا مطلب یہ ہے کہ جتنی عبادت رسول اکرم ﷺ نے کی اتنی ہی کی جائے اور اس میں کمی بیشی نہ کی جائے۔ اس کی مثال نمازِ جنازہ ہے، جس میں رسول اکرم ﷺ نے رکوع وسجود نہیں کیا۔ اگر کوئی شخص نماز جنازہ میں رکوع وسجود بھی کرے تو اس کی یہ نماز قابلِ قبول نہیں ہے۔

کیفیت سے مراد یہ ہے کہ ’عبادت‘ اُس طرح کی جائے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کی۔ اگر کوئی شخص کسی عبادت کا طریقہ اپنی طرف سے ایجاد کر لے تو اس کی وہ عبادت قبول نہیں کی جائے گی۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي))

”تم نماز اُس طرح پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔“[1]

اسی طرح آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ارشاد فرمایا تھا:

((لِتَأْخُذُوا مَنَاسِكَكُمْ ، فَإِنِّيْ لَا أَدْرِيْ لَعَلِّيْ لَا أَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِيْ هٰذِهِ))

”تم حج کے احکام سیکھ لو کیونکہ مجھے معلوم نہیں، شاید میں اس حج کے بعد دوسرا حج نہ کر سکوں۔“[2]

چوتھا اصول

’عبادت‘ اللہ رب العزت کی محبت، خشیت اور تعظیم کے ساتھ اور پوری توجہ کے ساتھ کرنی چاہیے۔ لہٰذا ایسی عبادت کہ جس میں نہ اللہ کی محبت ہو، نہ اس کے لیے عاجزی وانکساری کے جذبات ہوں اور نہ اس کی طرف توجہ ہو تو وہ اُس جسم کی مانند ہے جس میں روح نہ ہو۔

اسی لیے جب حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اکرم ﷺ سے ’احسان‘ کے متعلق سوال کیا تھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: ((أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ))

”احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اِس طرح کرو کہ جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو، پس اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ یقیناً تمھیں دیکھ رہا ہے۔“

[1] صحيح البخاري: 631. [2] صحيح مسلم: 1297.

ہر عبادت کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ مکمل کرنا چاہیے۔ اور وہ اس طرح کہ بندے کا مطمعِ نظر عبادت و بندگی میں اخلاص ومحبت اور اتباعِ سنتِ رسول کے ذریعے ایسا حسن پیدا کرنا ہو کہ جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾

''وہ جس نے موت وحیاۃ کو پیدا کیا تا کہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے۔''[1]

اسی طرح فرمایا: ﴿ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾

''زمین پر جو کچھ ہے اسے ہم نے اس کی زینت بنا دیا ہے تا کہ ہم لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے۔''[2]

ان دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے ''أَكْثَرُ عَمَلًا'' نہیں فرمایا بلکہ ﴿ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ اہمیت عمل کی خوبصورتی اور اس کے حسن کی ہے، نہ کہ تعداد ومقدار کی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کے اعمالِ صالحہ کا اجر وثواب ضائع نہ کرنے کا وعدہ فرمایا ہے جو نہایت خوبصورتی کے ساتھ اعمال صالحہ انجام دے۔ اس کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴾

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے رہے، تو ہم اچھی طرح نیک عمل کرنے والے کا اجر ضائع نہیں ہونے دیں گے۔''[3]

اسی طرح فرمایا: ﴿ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴾

''سنو! جو بھی اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جھکا دے اور وہ (اخلاص و اتباعِ سنت کے ساتھ) اچھی طرح عمل کرنے والا بھی ہو تو اس کے لیے اس کے رب کے ہاں اجر ہے اور ایسے لوگوں پر کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔''[4]

اور اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے اپنے محبوب صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھنے کی تلقین کی تھی: ((اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ))

''اے اللہ! اپنا ذکر کرنے، شکر بجالانے اور اپنی عبادت میں حسن پیدا کرنے پر میری مدد فرما۔''[5]

گویا اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبولیتِ عمل کا معیار اس کا حُسن ہے اور 'حسن' اس کی محبت، خشیت اور تعظیم کے ساتھ اور

[1] الملك 2:67. [2] الكهف 7:18. [3] الكهف 30:18. [4] البقرة 112:2. [5] سنن أبي داود: 1522. وصححه الألباني.

سنتِ رسول کی اتباع کے ساتھ ہی آتا ہے ، نہ کہ کثرتِ تعداد ومقدار کے ساتھ۔ یہ وہ حسن ہے کہ جس کے ساتھ بندے کو اطمینانِ قلب نصیب ہوتا اور راحت وسکون اور لذت ومٹھاس کا احساس ہوتا ہے۔

پانچواں اصول

ہم شروع میں عرض کر چکے ہیں کہ 'عبادت' انسان کا مقصدِ تخلیق ہے ، لہٰذا اسے پوری زندگی اِس طرح گزارنی چاہیے کہ وہ عبادت بن جائے۔ وہ ہر لحہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا طلبگار رہو۔ اور جہاں کہیں بھی ہو اور جو بھی کام کرے اس کی منشاء کے مطابق کرے۔ ایسا نہ ہو کہ بعض مواقع پر تو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر لے ، پھر دیگر اوقات میں وہ اس کی عبادت کو بھول جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ○ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ○﴾

'' پس اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے اور اس کے حضور سجدہ کرتے رہیے۔ اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے یہاں تک کہ آپ کو موت آ جائے۔''[1]

جبکہ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت اپنے دنیاوی مفادات کی خاطر کرتے ہیں ، اگر انھیں وہ مفادات حاصل ہوتے رہیں تو عبادت کرتے رہتے ہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہو ، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائشیں آنا شروع ہو جائیں تو پھر وہ عبادت کو ترک کر دیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اِطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ○﴾

'' اور بعض لوگ اللہ کی عبادت کنارے پر رہ کر کرتے ہیں۔ اگر انھیں دنیاوی بھلائی ملتی ہے تو اطمینان کی سانس لیتے ہیں اور اگر کوئی آزمائش انھیں آ لیتی ہے تو (کفر کی طرف) پلٹ جاتے ہیں۔ اپنی دنیا اور آخرت دونوں گنوا دیتے ہیں۔ یہی واضح نقصان ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو ہر حال میں اپنی عبادت پر قائم رہنے کی توفیق دے۔ اور عبادت کے متعلق ان پانچوں اصولوں کی پابندی کرنے کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

سامعین گرامی ! آپ نے پہلے خطبہ میں عبادت وبندگی کے متعلق ہماری گزارشات قرآن وحدیث کی روشنی میں

[1] الحجر 15:98-99. [2] الحج 22:11.

سماعت کیں۔ آیئے اب عبادت کے ثمرات بھی سن لیجیے۔

اللہ تعالیٰ کی بندگی کے ثمرات

1 جو شخص اللہ ہی کی بندگی کرتا ہے اس پر شیطان غالب نہیں آ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ ﴾

''میرے بندوں پر (اے ابلیس!) تمھیں کوئی غلبہ نہیں ہے سوائے ان گمراہ لوگوں کے جو تیری پیروی کریں گے۔''[1]

2 عذابِ الٰہی کے نازل ہونے کی صورت میں وہی لوگ اُس سے بچ جاتے ہیں جو اس کے مخلص بندے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پچھلی قوموں کے واقعات بیان کیے ہیں۔ اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کا بھی ذکر کیا ہے۔ اسی ضمن میں اس نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اس کے عذاب سے نجات پانے والے صرف وہ لوگ تھے جو انتہائی اخلاص کے ساتھ اس کی بندگی کرتے تھے۔

ارشاد باری ہے: ﴿ وَ لَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ○ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ○ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ○ ﴾

''ان سے پہلے بھی بہت سے لوگ بہک چکے ہیں۔ جن میں ہم نے ڈرانے والے رسول بھیجے تھے۔ لہٰذا آپ دیکھ لیں کہ جنھیں ڈرایا گیا تھا ان کا انجام کیا ہوا! سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے۔''[2]

اسی طرح حضرت الیاس علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَ اِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ ○ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّ تَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ○ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَ رَبَّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ○ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ○ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ○ ﴾

''بے شک الیاس علیہ السلام بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اللہ سے ڈرتے نہیں! کیا تم 'بعل' نامی بت کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو؟ اللہ جو کہ تمھارا رب ہے اور تمھارے پہلے آباء واجداد کا بھی رب ہے۔ لیکن انھوں نے جھٹلا دیا، لہٰذا وہ عذاب میں ضرور گرفتار کیے جائیں گے۔ سوائے ان کے جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے تھے۔''[3]

اسی طرح مشرکین مکہ اور ان کی طرف سے انکارِ عبودیت کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

1 الحجر 42:15. 2 الصافات 37:71-74. 3 الصافات 37:123-128.

﴿ اِنَّكُمْ لَذَآىِٕقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۝ وَ مَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ فَوَاكِهُ ۚ وَ هُمْ مُّكْرَمُوْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّ لَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۝ وَ عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ۝ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ۝ ﴾

’’یقیناً تمھیں دردناک عذاب چکھنا ہے۔ اور تمھیں تمھارے اعمال کا ہی بدلہ دیا جائے گا۔ سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے۔ انھی کے لیے ہمیشہ باقی رہنے والی روزی مقرر ہے، انواع واقسام کے پھل۔ اور وہ نعمتوں والی جنت میں معزز ومکرم ہوں گے۔ آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ انھیں بہتی ہوئی شراب کا جام پیش کیا جائے گا۔ وہ شراب سفید اور پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی۔ نہ اس سے سر چکرائے گا اور نہ ہی اس سے ان کی عقل ماری جائے گی۔ اور ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی بڑی آنکھوں والی حوریں ہونگی۔ جو چھپائے ہوئے انڈوں کی مانند نہایت خوبصورت ہونگی۔‘‘ [1]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دردناک عذاب سے مستثنیٰ صرف ان لوگوں کو قرار دیا ہے جو نہایت ہی اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت وبندگی کرتے ہیں۔ انھی لوگوں کے لیے جنت کی نعمتیں ہونگی جن میں وہ نہایت معزز ومکرم ہوں گے۔ اللھم اجعلنا منھم

اسی طرح ایک حدیث قدسی میں ہے کہ

((قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : أَعْدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِيْنَ مَا لاَ عَيْنٌ رَأَتْ وَلاَ أُذُنٌ سَمِعَتْ ، وَلاَ خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ))

’’اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے (جو صرف اور صرف میری بندگی کرتے ہیں) ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے ان کے بارے میں کچھ سنا ہے اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کے متعلق کوئی تصور پیدا ہوا ہے۔‘‘ [2]

(3) اللہ ہی کی بندگی کرنے والا شخص بے حیائی کے کاموں سے بچ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿ وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَ هَمَّ بِهَا لَوْ لَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝ ﴾

’’چنانچہ اس عورت نے یوسف کا قصد کیا اور وہ بھی اس کا قصد کر لیتے اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے۔

(1) الصافات 37:38-49. (2) صحيح البخاري: 3244، صحيح مسلم: 2823.

اِس طرح ہم نے انھیں اس برائی اور بے حیائی سے بچا لیا کیونکہ وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے۔''[1]

آخری بات !

سامعین کرام ! دنیا میں آپ جس کے محتاج ہوتے ہیں اس کے آپ غلام بن جاتے ہیں۔اور جس سے آپ بے نیاز ہوتے ہیں اس کے آپ ہم پلہ ہوجاتے ہیں۔ اور جس پر آپ احسان کرتے ہیں اس کے آپ امیر بن جاتے ہیں ....لیکن یہ مخلوق کی نسبت سے ہے۔ خالق کی نسبت سے ایسا ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ آپ خالق کے جس قدر محتاج ہوں گے ،جس قدر آپ اس کے سامنے عاجزی وانکساری کا اظہار کریں گے ،جس قدر اس کے سامنے خشوع وخضوع کے ساتھ دامن پھیلائیں گے اسی قدر آپ اس کے قریب ہو جائیں گے اور اسی قدر آپ کی عزت اس کے ہاں بڑھتی چلی جائے گی۔ پھر جب آپ اس کے مقرب بندے بن جائیں گے تو وہ آپ کے لیے کافی ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ تمام خزانوں کا مالک ہے اور ہر خزانے کی چابی اسی کے پاس ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : ﴿ أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ﴾

''کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے؟''[2]

یعنی جو شخص اللہ کا 'بندہ' بن جاتا ہے تو اللہ اس کا مددگار بن جاتا ہے۔ اور جب اللہ کسی کا مددگار بن جاتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہوجاتا ہے۔ پھر اسے کسی اور کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے کا بہت بڑا ثمرہ ہے ، جس پر افسوس کے ساتھ آج بہت سارے مسلمانوں کو یقین نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنا ہی بندہ بنائے اور اپنی ہی بندگی کرنے کی توفیق دے۔ اور وہ اپنے فضل وکرم سے ہمیں اپنے علاوہ دیگر تمام سے بے نیاز کردے۔ آمین

① یوسف 42:12. ② الزمر 36:39.

کتاب وسنت کی اتباع کیوں ضروری ہے؟

اہم عناصرِ خطبہ

1. بنو آدم کو اللہ کی 'ہدایت' پر عمل پیرا ہونے کا حکم
2. 'ہدایت' کیا ہے؟
3. صرف قرآن وسنت ہی کی اتباع کیوں؟
4. فہمِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اہمیت
5. کتاب وسنت کو پڑھنا اور ان میں غور وفکر کرنا
6. بعض غلط نظریات اور ان کا رد

پہلا خطبہ

محترم حضرات!

اللہ رب العزت نے جب حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حواء علیہا السلام کو جنت سے زمین پر اتارا تو ان کے لیے اور قیامت تک آنے والی ان کی اولاد کے لیے ایک نظام زندگی متعین کر دیا۔ اور یہ فیصلہ کر دیا کہ بنو آدم میں سے جو اس کے وضع کردہ نظام کی پابندی کرے گا وہ کامران وکامیاب ہوگا اور جو اس کی خلاف ورزی کرے گا وہ جہنم میں جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝﴾

''پھر اگر میری طرف سے تمھارے پاس ہدایت آئے تو جو کوئی میری ہدایت کی اتباع کرے گا تو ایسے لوگوں کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جو انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے تو وہی اہلِ جہنم ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''[1]

[1] البقرة2:93.

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى ۙ۬ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَ لَا یَشْقٰى ○ وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى ○ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ○ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ۚ وَ كَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰى ○ ﴾

''پھر اگر تمھارے پاس میری ہدایت آئے تو جو کوئی میری ہدایت کی اتباع کرے گا وہ نہ تو گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف اٹھائے گا۔ اور جو شخص میری یاد سے منہ موڑے گا تو اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور ہم اسے قیامت کے روز اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ پوچھے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے نابینا بنا کر کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو بینا تھا؟ اللہ تعالیٰ جواب دے گا: اسی طرح ہونا چاہیے تھا کیونکہ تمہارے پاس ہماری آیات آئی تھیں لیکن تم نے انھیں بھلا دیا تھا۔ اسی طرح آج تمہیں بھی بھلا دیا جائے گا۔''[1]

ان دونوں مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اِس بات سے آگاہ کیا ہے کہ اُس نے ابتدائے آفرینش سے ہی تمام انسانوں کے لیے یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ اگر وہ اس کی طرف سے آنے والی 'ہدایت' کی اتباع کریں گے تو بے خوف وخطر زندگی گزاریں گے اور گمراہی اور بدبختی سے بچ جائیں گے۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کریں گے .... یعنی اللہ کی طرف سے آنے والی 'ہدایت' کا انکار کریں گے تو دنیا میں ان کی زندگی تنگ ہوجائے گی، مشکلات اور مصیبتیں انھیں چاروں طرف سے گھیر لیں گی اور انھیں چین وسکون نصیب نہیں ہو گا۔ اور جب قیامت کا دن قائم ہوگا تو انھیں اندھا کر کے اٹھایا جائے گا۔ وہ پوچھیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیوں جا رہا ہے؟ ہم دنیا میں تو دیکھتے تھے، آج کیوں اندھا کر دیا گیا؟ تو اللہ تعالیٰ جواب دیں گے کہ تمھارے پاس ہمارا دین آیا تھا لیکن تم نے اسے پس پشت ڈال دیا اور اس سے روگردانی کرتے ہوئے من مانی زندگی گزاری! تم نے ہماری طرف سے آنے والی 'ہدایت' اور ہمارے احکامات کی کوئی پروا نہ کی، اس لیے آج ہمیں بھی تمھاری کوئی پروا نہیں ہے۔ پھر انھیں جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ والعیاذ باللہ

اب سوال یہ ہے کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی وہ 'ہدایت' کونسی ہے جس کی ہمیں پیروی کرنی ہے؟ آیئے اِس کا جواب قرآن مجید سے ہی ڈھونڈتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖۗ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

[1] طٰہٰ 20:123-126.

مِنْ هَادٍ ○﴾

''اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل کیا جو ایسی کتاب ہے کہ اس کے مضامین ملتے جلتے اور بار بار دہرائے جاتے ہیں۔ اس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کی جلد اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ یہی اللہ کی 'ہدایت' ہے جس کے ذریعے اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور جس کو اللہ گمراہ کرے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔''[1]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بہترین کلام کو جس کو سن کر اس سے ڈرنے والے لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ہدایت قرار دیا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی 'ہدایت' ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ واضح طور پر ارشاد فرماتا ہے کہ ﴿ إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ وَ إِنَّهٗ لَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○﴾

''بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر وہ باتیں بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں۔ اور بلا شبہ یہ مومنوں کے لیے 'ہدایت' اور رحمت ہے۔''[2]

ایک اور آیت میں قرآن مجید کو متقین کے لیے 'ہدایت' قرار دیا گیا ہے:

﴿ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ○﴾

''یہ کتاب ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس میں متقین کے لیے 'ہدایت' ہے۔''[3]

ایک اور مقام پر قرآن مجید کو تمام لوگوں کے لیے ہدایت قرار دیا:

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ﴾

''رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ جو تمام لوگوں کے لیے 'ہدایت' ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والے واضح دلائل ہیں۔''[4]

قرآن مجید کیسے کتابِ ہدایت ہے؟ اس کی مزید وضاحت اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے:

﴿ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ○ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ بِإِذْنِهٖ وَ يَهْدِيْهِمْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○﴾

''تمھارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور (ایسی) واضح کتاب آ چکی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سلامتی کی راہوں کی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس کی رضا کی اتباع کرتے ہیں۔ اور اپنے حکم سے اندھیروں

[1] الزمر 23:39۔ [2] النمل 27:76-77۔ [3] البقرۃ 2:2۔ [4] البقرۃ 2:185۔

سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔ اور صراط مستقیم کی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے۔''[1]

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے طلبگاروں کو سلامتی کے راستے دکھلاتا اور انھیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا اور صراط مستقیم کی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَھْتَدُوْنَ ○﴾

''تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں مت بٹو۔ اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمھارے دلوں میں الفت پیدا کردی اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔ اور (یاد کرو جب) تم جہنم کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے تو اس نے تمھیں اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔''[2]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ سب مل کر اس کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں اور فرقوں میں مت تقسیم ہوں۔ پھر اس آیت کے آخر میں فرمایا کہ وہ اپنی آیات کو کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم 'ہدایت' پا جاؤ۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کی آیات ہی دراصل اللہ کی رسی ہیں جو اہل ایمان کے لیے باعث ہدایت ہیں۔

'اللہ کی رسی' کی مزید وضاحت نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث سے ہوتی ہے، جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أَلَا أَيُّهَا النَّاسُ ! فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ رَسُولُ رَبِّي فَأُجِيبَ ، وَأَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ، أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللهِ فِيهِ الْهُدٰى وَالنُّورُ ، فَخُذُوا بِكِتَابِ اللهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ ----))

''خبردار لوگو! میں ایک انسان ہوں اور عین ممکن ہے کہ میرے پاس میرے رب کا پیغمبر (موت کا فرشتہ) آجائے اور میں قبول کرلوں۔ اور میں تم میں دو بہت ہی بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ان میں سے پہلی اللہ کی کتاب ہے جس میں 'ہدایت' اور روشنی ہے۔ لہٰذا تم اللہ کی کتاب کو پکڑ لو اور اسے مضبوطی سے تھام لو......''

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ((أَلَا وَإِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ ، أَحَدُهُمَا كِتَابُ اللهِ عَزَّوَجَلَّ هُوَ حَبْلُ اللهِ ، مَنِ اتَّبَعَهُ كَانَ عَلَى الْهُدٰى وَمَنْ تَرَكَهُ كَانَ عَلٰى ضَلَالَةٍ))[3]

''خبردار! میں تم میں دو بہت ہی بھاری چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ان میں سے پہلی کتاب اللہ ہے جو اللہ کی رسی ہے۔ جو اس کی اتباع کرے گا وہ 'ہدایت' پر رہے گا اور جو اسے چھوڑ دے گا وہ گمراہی پر ہوگا۔''

[1] المائدۃ 5:15-16. [2] آل عمرٰن 3:103. [3] صحیح مسلم: 2408.

اور یہ بات تمام اہلِ ایمان جانتے ہیں کہ سنتِ رسول قرآن سے جدا نہیں ہو سکتی اور قرآن مجید کو سنت کے بغیر سمجھا نہیں جا سکتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی اسی کتاب میں ہی واضح طور پر حکم دے دیا کہ

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾

''اور جو کچھ تمھیں رسول دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔''[1]

نیز فرمایا: ﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝﴾

''کہہ دیجیے کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ پس اگر تم لوگ روگردانی کرو گے تو رسول کی ذمہ داری تو وہی ہے جو ان پر ڈالی گئی ہے (یعنی تبلیغ کرنا) اور تمھارے اوپر وہ چیز لازم ہے جو تمھاری ذمہ داری ہے (یعنی قبول کرنا)۔ اور اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو 'ہدایت' پا جاؤ گے۔ اور رسول کے ذمے تو واضح طور پر پہنچا دینا ہی ہے۔''[2]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بالکل واضح کر دیا کہ رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کرنے سے اہل ایمان 'ہدایت' پا سکتے ہیں۔

سامعین کرام! اب تک ہم نے جو گفتگو کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ 'ہدایت' جس کی اتباع کرنے کا اللہ تعالیٰ نے بنوآدم کو حکم دیا، وہ ہمارے لیے قرآن وسنت ہی ہے۔ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے بھی 'ہدایت' قرار دیا اور رسول اکرم ﷺ نے بھی 'ہدایت' قرار دیا۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ کے احکامات کی فرمانبرداری کو بھی اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے باعث ہدایت قرار دیا۔ لہٰذا اہل ایمان کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ قرآن وسنت ہی کی اتباع کریں ...... قرآن وسنت ہی کو اپنے گلے کا ہار بنائیں .... قرآن وسنت ہی کو اپنا دستورِ حیات سمجھیں ...... اور قرآن وسنت ہی میں زندگی میں پیش آنے والے تمام امور اور مسائل کا حل ڈھونڈیں۔

صرف کتاب وسنت ہی کی اتباع کیوں؟

مسلمانو! صرف کتاب وسنت کی اتباع کی کئی وجوہات ہیں:

(1) پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں صرف اپنی 'وحی' کی اتباع کرنے اور اس کے علاوہ باقی تمام چیزوں کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے۔ اس کا فرمان ہے:

﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾

[1] الحشر 7:59۔ [2] النور 45:24۔

’’تم صرف اُس چیز کی پیروی کرو جو تمھاری طرف تمھارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ اور اس کو چھوڑ کر دیگر دوستوں کی پیروی مت کرو۔ تم کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو۔‘‘[1]

اسی طرح فرمایا: ﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ ۚ وَ سَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ○﴾

’’لہٰذا آپ اسے مضبوطی سے تھام لیجیے جس کی آپ کو وحی کی گئی ہے، آپ یقیناً راہِ راست پر ہیں۔ اور بلا شبہ وہ آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے نصیحت ہے۔ اور عنقریب تم لوگوں سے پوچھ گچھ کی جائے گی۔‘‘[2]

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ چیز ایک تو قرآن مجید ہے اور دوسری نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث مبارکہ ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰي ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰي ○﴾

’’اور وہ (رسول ﷺ) اپنی خواہش نفس کی پیروی میں بات نہیں کرتے بلکہ وہ تو وحی ہوتی ہے جو ان پر اتاری جاتی ہے۔‘‘[3]

(2) دوسری وجہ یہ ہے کہ صرف قرآن وسنت ہی معصوم (یعنی غلطی سے پاک) ہیں۔ کسی اور کا کلام غلطی سے بالکل پاک نہیں ہوسکتا۔ اس لیے قرآن وسنت ہی واجب الاتباع ہیں۔

قرآن مجید کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ○ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ۚ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ○﴾

’’یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے پاس ذکر (قرآن) آیا تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا حالانکہ یہ ایک زبردست کتاب ہے۔ جس میں باطل نہ آگے سے راہ پا سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔ یہ حکمت والے اور لائقِ ستائش اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔‘‘[4]

اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے جو حدیث بھی سنتا اسے حفظ کرنے کی نیت سے لکھ لیا کرتا تھا، لیکن قریش نے مجھے اس سے منع کیا اور انھوں نے کہا: تم جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنتے ہو اسے لکھ لیتے ہو حالانکہ آپ ﷺ تو ایک انسان ہیں۔ اور کبھی آپ خوشی میں بات کرتے ہیں اور کبھی غصے میں! تو میں نے لکھنا بند کر دیا، پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے انگشت مبارک

(1) الأعراف 7:3. (2) الزخرف 43:43-44. (3) النجم 53:3-4. (4) حم السجدة 41:41-42.

سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

«اُكْتُبْ . فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ» ''تم لکھتے رہو کیونکہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس منہ سے حق بات کے علاوہ کوئی اور بات نہیں نکلتی۔''[1]

[3] تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صرف اپنی اطاعت اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اِس سلسلے میں قرآن مجید میں متعدد آیات موجود ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۝﴾

''اور تم اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول (ﷺ) کی طاعت کرتے رہو۔ اور (نافرمانی سے) ڈرتے رہو اور اگر تم نے اعراض کیا تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صاف صاف پہنچا دینا ہے۔''[2]

اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ﴾

''اے ایمان والو! اللہ اور رسول (ﷺ) کا حکم مانو جبکہ رسول تمھیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمھارے لیے زندگی بخش ہو۔''[3]

نیز فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کہا مانو اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو۔''[4]

یہ اور ان کے علاوہ دیگر بہت ساری آیات اسی بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول جناب محمد ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے کے مامور و پابند ہیں۔ ہمارے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کا ہمارے لیے اور تمام اہل ایمان کے لیے یہی حکم ہے کہ ہم سب صرف اُس کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں۔ اور ظاہر بات ہے کہ ان دونوں کے احکام وفرامین ہم صرف اور صرف قرآن وحدیث سے ہی معلوم کر سکتے ہیں۔ قرآن وحدیث کے علاوہ اس کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔

[4] چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ اپنی امت کے لیے یہی دو چیزیں چھوڑ کر گئے اور آپ ﷺ نے انھی دو کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا۔

رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا تھا:

« فَاعْقِلُوْا أَيُّهَا النَّاسُ قَوْلِيْ . فَإِنِّيْ قَدْ بَلَّغْتُ وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُ إِنْ

[1] مسند أحمد: 6510، 6802، سنن أبي داود: 3646. وصححه الألباني. [2] المائدة 5:92. [3] الأنفال 8:24. [4] محمد 47:33.

تَمَسَّكْتُمْ بِهِ : كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهِ ﷺ))

’’اے لوگو! میری باتوں کو اچھی طرح سے سمجھ لو، میں نے یقینا اللہ کا دین آپ تک پہنچا دیا۔ اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھام لیا تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ ہے: اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت۔‘‘[1]

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((تَرَكْتُ فِيْكُمْ شَيْئَيْنِ ، لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُمَا : كِتَابَ اللهِ وَسُنَّتِيْ ، وَلَنْ يَتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ))

’’میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ان کے بعد (یعنی اگر تم نے انھیں مضبوطی سے تھام لیا تو) کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک ہے کتاب اللہ (قرآن مجید) اور دوسری ہے میری سنت۔ اور یہ دونوں کبھی جدا جدا نہیں ہونگی یہاں تک کہ حوض پر میرے پاس آئیں گی۔‘‘[2]

(5) پانچویں وجہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنے خطبات میں صرف کتاب وسنت کا تذکرہ کرتے تھے اور دین میں نئے نئے کام ایجاد کرنے سے منع کرتے تھے اور دین میں ہر نئے کام کو بدعت قرار دیتے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے خطبہ میں شہادتین کے بعد یوں کہا کرتے تھے:

((أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللهِ ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا . وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))

’’حمد وثناء کے بعد! یقینا بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ اور امور میں سب برا امر وہ ہے جسے ایجاد کیا گیا ہو اور ہر بدعت گمراہی ہے۔‘‘[3]

مسلمانو! اس حدیث کے مطابق جب کتاب اللہ ہی سب سے بہتر بات ہے اور جناب محمد ﷺ کا طریقہ ہی سب سے بہتر طریقہ ہے تو اِس کے بعد کسی تیسری چیز کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟ یقینا اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ ہر اُس کام کو جو قرآن وسنت سے ثابت نہ ہو اسے بدعت اور ہر بدعت کو گمراہی قرار دیتے تھے۔

(6) چھٹی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جزاء وسزا کا معیار بھی یہی ہے کہ جو شخص قرآن وسنت کی اتباع کرے گا وہ جنت میں داخل ہو گا اور جو ایسا نہیں کرے گا اور کتاب وسنت کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کے پیچھے چلے گا تو وہ یقینا جہنم میں جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

(1) السنۃ للمروزی:68 من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ (2) صحیح الجامع:2937۔ (3) صحیح مسلم:867۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○﴾

''جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا تو وہ اسے ان باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی ، وہ ان میں ہمیشہ رہے گا۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا اور اس کی (مقرر کردہ) حدود سے تجاوز کرے گا تو اُسے وہ آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا۔''[1]

سوال یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کیسے ہوگی ؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ قرآن وسنت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے جو احکامات ذکر کیے گئے ہیں ان پر عمل کر کے اور جن امور سے منع کیا گیا ہے ان سے اجتناب کر کے ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہو سکتی ہے۔

(7) ساتویں وجہ یہ ہے کہ 'صراط مستقیم' جس کی اتباع کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے وہ بھی یہی ہے کہ صرف کتاب وسنت ہی کی اتباع کی جائے۔ کیونکہ جب رسول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق یہ ارشاد فرمایا تھا کہ

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○﴾

''اور یقینا یہی میرا سیدھا راستہ ہے ، لہٰذا تم لوگ اسی کی اتباع کرو اور دوسرے راستوں پر مت چلو جو تمھیں اس کی سیدھی راہ سے جدا کردیں۔ اللہ نے تمھیں انھی باتوں کا حکم دیا ہے تاکہ تم تقوی کی راہ اختیار کرو۔''[2]

تو اُس وقت کتاب وسنت کے علاوہ کوئی تیسری چیز نہ تھی جس کی پیروی کی جاتی۔ لہٰذا وہ لوگ جو صراط مستقیم پر ہی چلنا چاہتے ہوں ان پر یہ لازم ہے کہ وہ صرف کتاب وسنت ہی کی اتباع کریں۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو یقینا صراط مستقیم سے بھٹک جائیں گے۔

اِس آیت کریمہ میں ایک اور بات نہایت ہی قابل غور ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی اتباع کا حکم دے کر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ دیگر راستوں کی پیروی نہ کرنا ، ورنہ وہ متفرق راستے تمھیں صراط مستقیم سے ہٹا کر جدا جدا کردیں گے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کتاب وسنت کی اتباع نہ کی جائے تو امت مسلمہ میں فرقے معرض وجود میں آتے ہیں۔ اور آج ہم امت مسلمہ میں جو فرقہ بندی دیکھ رہے ہیں اس کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ مسلمان کتاب وسنت سے جیسے جیسے دور ہوتے گئے ویسے ویسے وہ فرقوں میں تقسیم ہوتے گئے۔ اور یہ فرقہ بندی اس وقت تک ختم نہیں

[1] النساء4:13-14. [2] الأنعام6:153.

ہوسکتی جب تک تمام مسلمان کتاب وسنت کی طرف رجوع نہیں کرتے۔

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھی لکیر کھینچی ، پھر اس کے دائیں بائیں کچھ اور لکیریں کھینچ دیں ، پھر فرمایا:

((هٰذَا صِرَاطُ اللّٰهِ مُسْتَقِيمًا ، وهٰذِهِ السُّبُلُ علی كُلِّ سَبِيلٍ مِّنْهَا شَيْطَانٌ يَّدْعُو إِلَيْهِ))

''یہ سیدھی لکیر اللہ تعالیٰ کا سیدھا راستہ ہے۔ اور یہ جو دائیں بائیں راستے ہیں ان میں سے ہر ایک پر شیطان ہے جو اس کی طرف دعوت دے رہا ہے۔''[1]

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی آیت تلاوت کی جو ابھی ہم نے ذکر کی ہے۔

(8) آٹھویں وجہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جماعت کو' فرقہ ناجیہ' یعنی جہنم سے نجات پانے والی جماعت قرار دیا اس کا منہج بھی کتاب وسنت کی اتباع کرنا ہے۔ اور وہ جماعت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ، تابعین عظام رحمہم اللہ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے لوگوں کی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

''یہود 71 فرقوں میں اور نصاری 72 فرقوں میں تقسیم ہوئے اور میری امت کے لوگ 73 فرقوں میں تقسیم ہوں گے۔ ان میں سے ایک کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: یا رسول اللہ! وہ ایک گروہ کونسا ہے جو نجات پائے گا ؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ما أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي)) ''جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔''

ایک روایت میں ارشاد فرمایا: ((وَهِيَ الْجَمَاعَةُ)) ''نجات پانے والا گروہ ہی جماعت ہے۔''[2]

سوال یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کس چیز پر قائم تھے کہ جس پر قائم رہنے والی جماعت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے' نجات پانے والی جماعت' قرار دیا ؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں یہی دو چیزیں (کتاب وسنت) ہی تھیں جن پر آپ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم قائم تھے اور انھی دو چیزوں کی ہی اتباع کی جاتی تھی ، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی ان دو چیزوں (کتاب وسنت) کے علاوہ کوئی تیسری چیز نہ تھی جس کی وہ اتباع کرتے۔ یہ حضرات تمام مسائل کا حل کتاب وسنت سے ہی تلاش کیا کرتے تھے۔ اور اگر ان میں سے کوئی صحابی خواہ وہ خلیفہ ہو یا عام شخص' کسی مسئلہ میں کتاب وسنت کے خلاف موقف اختیار کرتا ، پھر اسے آگاہ کیا جاتا کہ آپ کا موقف کتاب وسنت

[1] رواه أحمد والدارمي والحاكم بسند حسن. [2] جامع الترمذي: 2641، وسنن أبي داود: 4597، وسنن ابن ماجه: 3993. وحسنه الألباني.

کی فلاں دلیل کے خلاف ہے تو وہ اُسی وقت اپنے موقف سے رجوع کر کے اُس دلیل کو اختیار کر لیتا۔ یہ تھا وہ منہج جس کی اتباع کرنے والے مسلمانوں کو رسول اکرم ﷺ نے 'فرقہ ناجیہ' اور 'جماعت' قرار دیا۔ اور اسی منہج کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین عظام رحمہم اللہ نے بھی اختیار کیا۔ اور قیامت تک جو بھی لوگ اسے اختیار کریں گے وہ اسی 'فرقہ ناجیہ' میں شامل ہوں گے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اس مبارک گروہ میں شامل فرمائے۔

(9) نویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام متنازعہ مسائل کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹانے کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾

''اور جس بات میں بھی تم اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ کرنے کا اختیار اللہ کے پاس ہے۔''[1]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

''پس قسم ہے تیرے رب کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس کے تمام اختلافات میں آپ کو حاکم (فیصل) نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ آپ ان میں کر دیں اس سے وہ دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی محسوس نہ کریں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔''[2]

نیز فرمایا: ﴿وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ ۙ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾

''ہم نے آپ پر یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے کہ آپ ان کے لیے اس چیز کو واضح کر دیں جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔ نیز یہ کتاب ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔''[3]

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾

''اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور رسول اللہ ﷺ کا حکم مانو۔ اور تم میں جو حکم والے ہیں ان کا۔ پھر اگر تمھارا کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی (تمہارے حق میں) بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے۔''[4]

اختلافی بات کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹانے کا معنی یہ ہے کہ اس کا فیصلہ کتاب اللہ اور سنتِ

① الشوریٰ 10:42. ② النساء 65:4. ③ النحل 64:16. ④ النساء 59:4.

رسول ﷺ کی روشنی میں کیا کرو۔

یہ اختلافات کو ختم کرنے کا ربانی نسخہ ہے۔ اگر تمام مسلمان اس پر عمل کریں تو یقینی طور پر ان میں موجودہ اختلافات ختم ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ قرونِ اولی کے لوگ اپنے اختلافات اسی منہج کو اختیار کرتے ہوئے نمٹا لیا کرتے تھے۔

⑩ دسویں وجہ یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ میں مسلمانوں کے تمام مسائل کے متعلق شرعی احکام موجود ہیں۔ یہ شرعی احکام یا تو تفصیلا موجود ہیں، یا پھر اصول وضوابط مقرر کردیے گئے ہیں جن کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل کے متعلق شرعی حکم معلوم کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا جب تمام شرعی احکام کو کتاب وسنت میں بیان کردیا گیا ہے تو ان کو چھوڑ کر کسی بھی تیسری چیز کی اتباع کیسے کی جا سکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴾

''ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کی وضاحت موجود ہے۔ اور اس میں مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور خوشخبری ہے۔''[1]

اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴾

''اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن) نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لیے اس چیز کو واضح کردیں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔''[2]

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید اور اس کے بیان (یعنی سنتِ نبویہ) میں ہر چیز کو واضح کردیا گیا ہے۔ ہر حکم کے متعلق آگاہ کر دیا گیا ہے۔ ہر مسئلے کو کھول کر بیان کردیا گیا ہے۔ لہٰذا یہی دو چیزیں (کتاب وسنت) ہی واجب الاتباع ہیں۔ اور ان میں ذکر کیے گئے اصول وضوابط کی روشنی میں تمام مسائل کا حل ڈھونڈنا لازم ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ((مَا بَقِيَ شَيْءٌ يُقَرِّبُ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُ مِنَ النَّارِ إِلَّا وَقَدْ بُيِّنَ لَكُمْ))

''ہر وہ چیز جو جنت کے قریب اور جہنم سے دور کردے اسے تمھارے لیے کھول کر بیان کردیا گیا ہے۔''[3]

رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان میں غور کرنا چاہیے کہ آخر وہ جنت کے قریب اور جہنم سے دور کرنے والا ہر قول وعمل کہاں بیان کیا گیا ہے؟ اِس سوال کا جواب ہر ذی شعور انسان نہایت آسانی سے دے سکتا ہے کہ اس کا بیان یقینی طور پر قرآن وسنت میں ہی ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے جو اعلان فرمایا تھا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک تم انھیں مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو گمراہ نہیں ہوگے، تو یہ دو چیزیں یہی

[1] النحل 16:89. [2] النحل 16:44. [3] رواه الطبراني في الكبير. وصححه الألباني في الصحيحة:1803.

کتاب وسنت ہی تھیں۔ اور انھی میں جنت کے قریب اور جہنم سے دور کرنے والے ہر قول وعمل کو بیان کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا قرآن وسنت میں بیان کیے گئے شرعی احکام ومسائل پر ہی انحصار کرنا چاہیے اور ان سے تجاوز قطعاً نہیں کرنا چاہیے۔

معزز سامعین ! صرف کتاب وسنت ہی کی اتباع کیوں؟ ہم نے اس کی دس وجوہات ذکر کی ہیں۔ (تلك عشرة كاملة) لہٰذا تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ صرف اور صرف کتاب وسنت ہی کی اتباع کریں۔ انھی دو چیزوں کا مطالعہ کریں، انھی میں غور وفکر کریں، انھی سے اپنے تمام مسائل کا حل معلوم کریں۔ اگر وہ علمائے کرام کی طرف رجوع کریں تو ان سے بھی اسی بات کا مطالبہ کریں کہ ہمارے مسائل کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں بتائیں۔ پھر اگر علمائے کرام بھی اپنی ذمہ داری پوری کریں اور مسلکی تعصب سے بالا تر ہو کر مسلمانوں کی راہنمائی قرآن وسنت کی روشنی میں ہی کریں تو یقینی طور پر دین اسلام میں داخل کی گئی تمام چیزیں خود بخود ختم ہو جائیں گی اور لوگ اصل دین کی طرف واپس لوٹ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق دے۔

یہاں ہم ایک ضروری بات عرض کرتے چلیں کہ کتاب وسنت کا مطالعہ اور ان پر عمل کرتے ہوئے حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل کو بھی سامنے رکھنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انھی حضرات کو آئیڈیل قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس کا فرمان ہے:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ﴾

”پس اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یافتہ ہو جائیں اور اگر منہ پھیر لیں (اور نہ مانیں) تو وہ (اس لیے کہ آپ کی) مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔“[1]

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمانِ صادق ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک باقی لوگوں کے لیے معیار ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرلیں، جہنم کی وعید سنائی ہے۔ اس کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

”اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اُسے اُدھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ

[1] البقرة 2:137.

بہت بُری جگہ ہے۔'' [1]

اس آیت کریمہ میں مومنوں کے راستے سے مراد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ ہے کیونکہ نزولِ قرآن مجید کے وقت بس وہی مومن تھے۔

اور جو حدیث ہم نے اس سے پہلے ذکر کی ہے ((ما أنا عليه اليوم وأصحابي)) تو وہ بھی اسی بات کی دلیل ہے کہ قرآن وسنت کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فہم اور ان کے طرز عمل کی روشنی میں ہی سمجھنا اور ان پر عمل کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ

((إن يُطِيعُوا أبا بكرٍ وَعُمَرَ يَرْشُدوا))

'' اگر لوگ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی اطاعت کریں گے تو ہدایت پا جائیں گے۔'' [2]

اور اسی لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: ((مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ ، أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ كَانُوْا خَيْرَ الْأُمَّةِ ، أَبَرَّهَا قُلُوبًا ، وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا ، وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا ، اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ ﷺ وَنَقْلِ دِينِهِ ، فَتَشَبَّهُوْا بِأَخْلَاقِهِمْ وَطَرَائِقِهِمْ فَهُمْ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ كَانُوْا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيمِ))

'' اگر کوئی شخص اقتداء کرنا چاہتا ہو تو وہ ان اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرے کہ جو فوت ہو چکے ہیں۔ وہ امت کے سب سے بہتر لوگ تھے، وہ سب سے زیادہ پاکیزہ دل والے، سب سے زیادہ گہرے علم والے اور سب سے کم تکلف کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے نبی کا ساتھ دینے اور اپنے دین کو اگلی نسلوں تک پہنچانے کے لیے منتخب کر لیا تھا۔ لہٰذا تم انھی کے اخلاق اور طور طریقوں کو اپناؤ کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تھے اور صراطِ مستقیم پر چلنے والے تھے۔'' [3]

لہٰذا قرآن وحدیث کی کسی نص کا مفہوم اپنی منشاء یا اپنے مخصوص نظریے کے مطابق متعین نہیں کیا جا سکتا، بلکہ یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس سے وہی مفہوم اخذ کیا جو آج کوئی بھی شخص اس سے اخذ کرنا چاہتا ہے یا ان کے نزدیک اس کا کوئی اور مفہوم تھا؟ یہ بات ہم اس لیے عرض کر رہے ہیں کہ آج کل بعض مدعیانِ علم اپنے مخصوص نظریات کو ثابت کرنے کے لیے قرآن وحدیث کی بعض نصوص کا سہارا لیتے ہیں اور کھینچ تان کر ان سے اپنی منشاء کے مطابق وہ مفہوم اخذ کرتے ہیں جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی اتباع کرنے والے اہلِ علم نے ان سے اخذ نہیں کیا تھا۔ مثلاً اہلِ بدعت جشنِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن وسنت سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ دلائل ذکر کرتے ہیں

[1] النساء 4:115. [2] صحیح مسلم: 681. [3] حلیۃ الأولیاء: 1/305-306.

کہ جن سے قطعی طور پر یہ بدعت ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے نزدیک ان دلائل کا یہ مفہوم تھا۔ ورنہ اگر ان کے نزدیک بھی ان دلائل کا یہی مفہوم ہوتا تو وہ بھی یہ جشن مناتے۔لیکن ان کا یہ جشن نہ منانا اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن وحدیث کے ان دلائل کا اِس جشن سے سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ اسی طرح باقی بدعات ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو حق بات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

معزز سامعین! اللہ رب العزت اپنی کتاب (قرآن مجید) کو اس لیے نازل کیا کہ اہل ایمان اس کی تلاوت کریں، اس میں تدبر (غور وفکر) کریں اور اس کے احکامات پر عمل پیرا ہوں، اس میں ذکر کی گئی محرمات ونواہی سے اجتناب کریں، اس میں ذکر کیے گئے قصص وواقعات اور غیبی اخبار کی تصدیق کریں، اس میں اللہ رب العزت کی جو تعلیمات ذکر کی گئی ہیں ان کی روشنی میں اپنے عقائد واعمال کی اصلاح کریں اور اخلاق وکردار کو بہتر سے بہتر بنائیں۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○﴾

''یہ کتاب بابرکت ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل فرمایا ہے کہ وہ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں۔''[1]

قرآن مجید میں تدبر نہ کرنے والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے سخت تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ○﴾

''کیا وہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟''[2]

اسی طرح اِس بابرکت کتاب کی اتباع کرنے کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○﴾

''یہ کتاب جو ہم نے نازل کی ہے یہ بڑی بابرکت ہے۔ لہٰذا تم اس کی اتباع کرو اور (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''[3]

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ سَبَبٌ طَرَفُهُ بِيَدِ اللهِ وَطَرَفُهُ بِأَيْدِيكُمْ ، فَتَمَسَّكُوْا فَإِنَّكُمْ لَنْ تَهْلِكُوْا وَلَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُ أَبَدًا))

[1] ص 29:38. [2] محمد 24:47. [3] الأنعام 155:6.

’’یہ قرآن مجید ایک مضبوط رسی ہے جس کا ایک سرا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تمھارے ہاتھوں میں۔ پس تم اسے مضبوطی سے پکڑ لو، تم کبھی اس کے بعد ہلاک ہوگے اور نہ گمراہ ہوگے۔‘‘ [1]

اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ((اِتَّخِذْ كِتَابَ اللهِ إِمَامًا ، وَارْضَ بِهِ قَاضِيًا ، فَإِنَّهُ الَّذِي اسْتَخْلَفَ فِيكُمْ رَسُولُكُمْ ، شَفِيعٌ مُّطَاعٌ))

’’تم کتاب اللہ کو امام بناؤ اور اسے قاضی تسلیم کرو۔ کیونکہ وہی تو ہے جس کو تمھارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے چھوڑا۔ یہ کتاب شفاعت کرے گی، لہٰذا اسی کی اطاعت وفرمانبرداری کی جانی چاہیے۔‘‘

اور جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا تعلق ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث کو سننے، انھیں ذہن نشین کرنے اور لوگوں تک پہنچانے والوں کے لیے یوں دعا فرمائی:

((نَضَّرَ اللهُ امْرَءً ا سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا وَحَفِظَهَا وَبَلَّغَهَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلىٰ مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ))

’’اللہ تعالیٰ اس شخص کا چہرہ تروتازہ اور حسین وجمیل کردے جس نے میری بات سنی پھر اسے ذہن نشین کرلیا اور اسے اچھی طرح حفظ کرکے آگے پہنچایا۔ کیونکہ بسا اوقات ایک شخص ایک مسئلے کو سمجھتا ہے اور اسے اس شخص تک پہنچا دیتا ہے جو اس سے زیادہ سمجھ دار ہوتا ہے۔‘‘ [2]

اور جب امت میں اختلافات ہوں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا ہے وہ کیا ہے؟ سنئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا!

((عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّيْنَ الرَّاشِدِيْنَ ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))

’’تم میری سنت کو لازم پکڑنا اور اسی طرح ہدایت یافتہ اور راہِ راست پر گامزن خلفاء کے طریقے پر ضرور عمل کرنا۔ اس کو مضبوطی سے تھام لینا اور اسے قطعاً نہ چھوڑنا۔ اور تم دین میں نئے نئے کام ایجاد کرنے سے بچنا کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔‘‘ [3]

عزیز بھائیو! یہ سارے دلائل اِس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ کتاب وسنت کو سمجھنا اور ان کے معانی ومفاہیم کو دل کی گہرائیوں میں اتارنا اور ان پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لیے از حد ضروری ہے۔ لیکن بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ

[1] السلسلة الصحيحة: 713. [2] جامع الترمذي: 2685، وسنن ابن ماجه: 230 وصححه الألباني. [3] سنن أبي داود: 4607. وصححه الألباني.

آج کل بہت سارے مسلمان یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں اور وہ اپنے مخصوص نظریات سے یوں چمٹے ہوئے ہیں کہ جیسے اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ نے انھیں اِس کا پابند کیا ہے! یہ مخصوص نظریات وہ ہیں جو انھوں نے اپنے باپ دادا سے حاصل کیے یا ان کے محلے کے مولویوں نے انھیں پڑھائے! وہ ان پر اِس قدر پکے ہو چکے ہیں کہ اب انھیں چھوڑنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ اگر انھیں کتاب اللہ اور سنتِ رسول کی روشنی میں کوئی مسئلہ بتایا جائے تو حیل وحجت پیش کرتے ہیں یا صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں ہمارے آباء واجداد کا مسلک ہی کافی ہے اور ہم اس سے ذرا برابر بھی انحراف نہیں کر سکتے۔ انھی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ۝﴾

''اور جب انھیں کہا جائے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور آؤ رسول کی طرف تو کہتے ہیں کہ ہمیں تو وہی کچھ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا۔ خواہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ ہی ہدایت پر ہوں!''[1]

یعنی اگر آباء واجداد کو علم نہیں تھا اور ان سے غلطیاں سرزد ہوئیں تو کیا تمھیں اللہ تعالیٰ نے عقل نہیں دی؟ اور تمھیں فہم وشعور سے نہیں نوازا؟ عقل وفہم ہونے اور کتاب اللہ اور سنتِ رسول کا علم آنے کے باوجود تم پھر بھی آباؤ اجداد کے مسلک سے ہی چمٹے رہو گے؟ اگر تم ایسا کرو گے تو تمھارا یہ طرزِ عمل یقینا غلط ہوگا۔ جو طرزِ عمل مومن کو اختیار کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝﴾

''مومنوں کی تو بات ہی یہ ہے کہ جب انھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جائے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو کہتے ہیں کہ ''ہم نے سنا اور اطاعت کی'' ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے، اللہ سے ڈرتا رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہے تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔''[2]

عزیز بھائیو! بہت سارے مسلمان اپنے محلے کے مولویوں یا ہم مسلک علماء یا اپنے پیرومرشد کی باتوں پر اس طرح اعتماد کرتے ہیں کہ جیسے وہ ہر قسم کی غلطی سے معصوم ہوں۔ اسی اعتماد کی وجہ سے وہ ان کی ہر ہر بات کو قبول کر لیتے ہیں

[1] المائدة 5:104. [2] النور 24:51-52.

اور ذرا بھی تحقیق نہیں کرتے کہ ان کی باتیں قرآن وسنت کے مطابق ہیں یا نہیں! بلکہ بات اِس سے بھی آگے بڑھ گئی ہے، چنانچہ بہت سارے لوگوں نے اپنے مولویوں اور پیروں کو تحلیل وتحریم کا اختیار بھی دے رکھا ہے! یعنی وہ جس چیز کو حلال کہیں تو وہ اسے حلال سمجھ لیتے ہیں اور وہ جس چیز کو حرام کہیں تو وہ اسے حرام سمجھ لیتے ہیں! ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾

''انھوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا۔''[1]

یہ آیت کریمہ اگرچہ یہود ونصاریٰ کے متعلق ہے کہ جن کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أَمَا إِنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا يَعْبُدُوْنَهُمْ،وَلٰكِنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا أَحَلُّوْا لَهُمْ شَيْئًا اِسْتَحَلُّوْهُ،وَإِذَا حَرَّمُوْا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوْهُ))

''خبردار! وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ وہ جب کسی چیز کو حلال قرار دیتے تو اسے یہ حلال تصور کر لیتے اور وہ جب کسی چیز کو حرام کہتے تو اسے یہ حرام مان لیتے۔''[2]

تاہم یہود ونصاریٰ جیسا طرزِ عمل اگر مسلمان بھی اختیار کرلیں اور وہ اپنے علماء ومشائخ کو وہی اختیار دے دیں جو یہود ونصاریٰ نے اپنے علماء اور درویشوں کو دے رکھا تھا تو یقینا یہ طرزِ عمل قابلِ مذمت ہے اور قطعی طور پر اس کی ستائش نہیں کی جاسکتی۔

مسلمان بھائیو! کئی لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو بعض ائمۂ دین رحمہ اللہ کی اندھی تقلید کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی تقلید کیے بغیر کوئی چارہ نہیں! ایسے لوگوں کو ذرا سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ

1. کیا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ میں سے کسی کا نام لے کر ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس کی تقلید کریں؟ اگر نہیں دیا تو کوئی شخص یہ جسارت کیسے کرسکتا ہے کہ تقلید کرنا واجب ہے اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں!
2. کیا رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کو کسی امام کی تقلید کا پابند کیا ہے؟ اگر نہیں کیا تو پھر ہم کون ہوتے ہیں کہ اپنی طرف سے کسی امام کی تقلید کا بندھن اپنے گلوں میں خود ہی ڈال لیں؟ اور پھر لوگوں پر بھی یہ بات فرض کریں کہ تقلید کرو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے؟
3. قرونِ اولیٰ کے لوگ، جنھیں رسول اکرم ﷺ نے بہترین لوگ قرار دیا' کیا وہ بھی کسی امام کی تقلید کرتے تھے؟ اگر وہ تقلید کرتے تھے تو بتایا جائے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کس کی تقلید کرتے تھے؟ تابعین رحمہم اللہ کس کی تقلید کرتے تھے؟ اور تبع تابعین رحمہم اللہ کس کی تقلید کرتے تھے؟ اگر وہ لوگ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے تو پھر کسی بھی مسلمان کو

[1] التوبة 9:31. [2] جامع الترمذي: 3095 وصححه الألباني.

ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید نہیں کرنی چاہیے۔

4 اگر قرون اولی کے لوگ کسی کی تقلید کیے بغیر دین پر عمل کر سکتے تھے تو ان کے بعد آنے والے مسلمان کسی کی تقلید کیے بغیر دین پر عمل کیوں نہیں کر سکتے ؟

5 کیا تقلید کرنے والے لوگوں میں سے کسی نے کبھی یہ بھی سوچا کہ خود ائمہ اربعہ رحمہم اللہ نے کس بات کی تعلیم دی ؟ تقلید کی یا اتباع کی؟ اگر کسی کو اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں تو وہ یہ جان لے کہ

❁ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا تھا:

((لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَأْخُذَ بِقَوْلِنَا ، مَا لَمْ يَعْلَمْ مِنْ أَيْنَ أَخَذْنَاهُ))

''کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ ہمارے کسی قول کو قبول کرے جب تک وہ یہ نہ معلوم کر لے کہ ہم نے اسے کہاں سے لیا''

اسی طرح انھوں نے کہا تھا: ((حَرَامٌ عَلَى مَنْ لَّمْ يَعْرِفْ دَلِيلِي أَنْ يُفْتِيَ بِكَلَامِي ، فَإِنَّنَا بَشَرٌ نَّقُولُ الْقَوْلَ الْيَوْمَ وَنَرْجِعُ عَنْهُ غَدًا))

''جس شخص نے میری دلیل کو نہیں پہچانا اس پر حرام ہے کہ وہ میرے کلام کے ساتھ فتوی دے۔ کیونکہ ہم بشر ہیں، ہم آج ایک بات کرتے ہیں اور کل اس سے رجوع بھی کر سکتے ہیں۔''

❁ اور امام مالک رحمہ اللہ نے کہا تھا: ((إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أُخْطِئُ وَأُصِيبُ ، فَانْظُرُوا فِي رَأْيِي ، فَكُلُّ مَا وَافَقَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَخُذُوهُ ، وَكُلُّ مَا لَمْ يُوَافِقِ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَاتْرُكُوهُ))

''میں ایک انسان ہی ہوں، میں غلطی بھی کرتا ہوں اور صحیح موقف بھی اختیار کرتا ہوں۔ لہٰذا تم میری رائے کے متعلق غور کر لیا کرو، میری جو بھی رائے کتاب وسنت کے مطابق ہو تو قبول کر لو اور اگر کتاب وسنت کے مطابق نہ ہو تو اسے چھوڑ دو۔''

❁ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا تھا: ((أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَنَّ مَنِ اسْتَبَانَ لَهُ سُنَّةٌ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ لَمْ يَحِلَّ لَهُ أَنْ يَدَعَهَا لِقَوْلِ أَحَدٍ))

''مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس آدمی کے لیے رسول اکرم ﷺ کی سنت واضح ہو جائے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کے قول کی بناء پر اسے چھوڑ دے۔''

اسی طرح انھوں نے کہا تھا: ((إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي))

''جب حدیث صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔''

❁ اور امام احمد رحمہ اللہ نے کہا تھا: ((لَا تُقَلِّدْنِي وَلَا تُقَلِّدْ مَالِكًا وَلَا الشَّافِعِيَّ وَلَا الْأَوْزَاعِيَّ وَلَا الثَّوْرِيَّ . وَخُذْ مِنْ حَيْثُ أَخَذُوا))

''تم میری تقلید نہ کرو۔ اور نہ ہی مالک، شافعی، اوزاعی اور ثوری کی تقلید کرو۔ بلکہ تم وہاں سے لو جہاں سے ان سب نے لیا۔'' یعنی ان سب نے بھی دین کتاب وسنت سے لیا، اسی طرح تم بھی کتاب وسنت سے ہی لو۔

مسلمان بھائیو! ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ کی تعلیمات بالکل واضح ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ان پر عمل کرتے ہوئے اندھی تقلید کی بجائے کتاب وسنت کی اتباع کا راستہ اپنائے۔ یقینی طور پر تمام خیر وبھلائی اسی راستے پر چلنے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق دے۔

عزیز بھائیو اور دوستو! آخر میں ایک ضروری تنبیہ! اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی احادیث میں سے صرف وہ احادیث معتبر اور قابل حجت ہیں کہ جو صحیح سند کے ساتھ ثابت ہوں یا کم از کم حسن درجے کی ہوں۔ اور جو احادیث محدثین کے نزدیک ضعیف یا موضوع ومن گھڑت ہوں تو وہ قطعی طور پر معتبر اور قابل حجت نہیں ہیں۔ ایسی احادیث سے نہ مسائل واحکام اخذ کیے جا سکتے ہیں اور نہ ہی ان سے فضائل اعمال ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان احادیث کا تعلق چاہے فضائل اعمال سے ہو یا احکام سے، دونوں صورتوں میں انھیں ناقابل حجت سمجھنا چاہیے۔

رسول اکرم ﷺ نے جھوٹی اور من گھڑت احادیث بیان کرنے والے لوگوں کے متعلق پیشین گوئی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

((يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ ، يَأْتُونَكُمْ مِنَ الْأَحَادِيثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ . فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ ، لَا يُضِلُّونَكُمْ وَلَا يَفْتِنُونَكُمْ))

''آخری زمانے میں کچھ لوگ آئیں گے جو دجل وفریب سے کام لیں گے اور بہت جھوٹ بولیں گے اور وہ تمھیں ایسی ایسی حدیثیں سنائیں گے کہ جو نہ تم نے سنی ہونگی اور نہ تمھارے آباؤ اجداد نے سنی ہونگی۔ لہٰذا تم ان سے بچنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمھیں گمراہ کردیں اور تمھیں فتنے میں مبتلا کردیں!''[1]

رسول اکرم ﷺ کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف سچی ثابت ہوئی اور کئی لوگ ایسے آئے کہ جنھوں نے ہزاروں کی تعداد میں احادیث گھڑیں اور انھیں آپ ﷺ کی طرف منسوب کردیا۔ اِس طرح کے لوگ پہلے بھی آئے اور آج بھی موجود ہیں جو 'فضائل اعمال' کے نام سے سینکڑوں انتہائی ضعیف اور جھوٹی احادیث بیان کرتے ہیں اور انھیں پوری دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

[1] صحیح مسلم في المقدمة.

((مَنْ حَدَّثَ عَنِّي بِحَدِيْثٍ يُرَى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ))

''جو شخص ایسی حدیث بیان کرے کہ جس کے بارے میں اسے پتہ ہو کہ یہ جھوٹی ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔''[1]

اسی طرح آپ ﷺ نے جھوٹی حدیثیں بیان کرنے والے لوگوں کو سخت وعید سناتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَن يَكْذِبْ عَلَيَّ يَلِجِ النَّارَ))

''تم میرے اوپر جھوٹ نہ بولنا، کیونکہ جو میرے اوپر جھوٹ بولے گا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔''[2]

اور کئی لوگ سنی سنائی باتوں کو ہی 'احادیث' تصور کر لیتے ہیں، پھر انھیں مسائل واحکام میں بھی حجت کے طور پر پیش کرتے ہیں اور ان سے فضائل اعمال بھی ثابت کرتے ہیں۔ بلکہ بڑی بڑی بدعات کے ثبوت کے لیے بھی وہ انھی سنی سنائی حدیثوں کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں! حالانکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

((كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَن يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ))

''آدمی کے جھوٹ کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرے۔''[3]

لہٰذا ہم تمام مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہیں کہ وہ اِس فتنے سے متنبہ رہیں! اور رسول اکرم ﷺ کی احادیث کو بیان کرنے میں شدید احتیاط سے کام لیں۔ صرف وہ احادیث بیان کریں اور صرف ان احادیث سے شرعی مسائل واحکام اخذ کریں جو محدثین کے نزدیک سند کے اعتبار سے صحیح یا حسن درجے کی ہوں۔ اور ان احادیث کو ترک کر دیں جو ضعیف یا جھوٹی اور من گھڑت ہوں۔ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر مسلمان اِس کا التزام کر لیں تو وہ یقینا بہت ساری بدعات سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس کی توفیق دے۔

[1] صحيح مسلم في المقدمة. [2] صحيح مسلم فی المقدمة. [3] صحيح مسلم في المقدمة.

اہم عناصرِ خطبہ

1. اطاعت وفرمانبرداری یا عصیان ونافرمانی ؟
2. افراد کے لیے گناہوں کے خطرناک نتائج
3. ملک وقوم کے لیے گناہوں کے خطرناک نتائج

پہلا خطبہ

محترم حضرات ! ہم سب کی خیر وبھلائی اس میں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کریں، اس کے احکامات پر عمل کریں اوراس نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سے پرہیز کریں۔ اسی طرح ہم اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی بھی اطاعت کریں اوران کی نافرمانی سے بھی اپنے آپ کو بچائیں۔

اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری میں ہی حقیقی کامرانی وکامیابی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ○﴾

''اور جو اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہے تو وہ یقینا بڑی کامیابی سے ہمکنار ہوگیا۔''[1]

جبکہ اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی نافرمانی واضح گمراہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ○﴾

''اور جو اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرتا رہے تو وہ یقینی طور پر واضح گمراہی میں چلا گیا۔''[2]

ان دونوں آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری دنیا میں انسان کو کامیابیوں سے ہمکنار کرتی ہے جبکہ عصیان ونافرمانی سے وہ گمراہ ہوتا ہے اور گمراہی کے بعد خسارہ ہی خسارہ اس کا مقدر بن جاتا ہے .... یہ ان دونوں چیزوں کا نتیجہ ہے دنیا میں .... اورآخرت میں اطاعت وفرمانبرداری اور

[1] الأحزاب 33:71. [2] الأحزاب 33:36.

عصیان ونافرمانی کا نتیجہ کیا نکلے گا، یہ بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کر دیا ہے۔
ارشاد باری ہے: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○﴾

''اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا اسے اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی در اصل بڑی کامیابی ہے۔ اور جو اللہ اور کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا اور اللہ کی مقرر کردہ حدوں سے آگے نکلے گا تو اسے وہ جہنم میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا۔''[1]

لہٰذا ہمیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری ہی کرنی چاہیے تاکہ ہم دنیا میں بھی کامیاب ہوسکیں اور آخرت میں بھی اللہ کے فضل وکرم سے جنت میں داخل ہوسکیں۔ جہاں تک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کا تعلق ہے تو اس سے ہمیں بچنا چاہیے تاکہ ہم دنیا میں گمراہی سے محفوظ رہیں اور قیامت کے دن اللہ کے عذاب سے بچ جائیں۔

آج کے خطبۂ جمعہ میں ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانیوں کے برے اثرات اور گناہوں اور برائیوں کے خطرناک نتائج کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ (ان شاء اللہ) جس سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ جب ہمیں ان خطرناک نتائج اور برے اثرات کا علم ہوگا تو ہم عصیان ونافرمانی سے بچنے کی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

عصیان ونافرمانی اور گناہوں کے اثرات ونتائج دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو انفرادی طور پر خود نافرمانی کرنے والے انسان پر ہی مرتب ہوتے ہیں۔ اور دوسرے وہ ہیں جو اجتماعی طور پر کسی قوم یا کسی ملک پر مرتب ہوتے ہیں۔

افراد کے لیے گناہوں کے خطرناک نتائج

(1) دل کا زنگ آلود ہونا اور تاریکی کا چھا جانا۔

گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے نافرمانی کرنے والے انسان کا دل زنگ آلود ہو جاتا ہے، حتی کہ گناہ کرتے کرتے اس کا دل مکمل طور پر کالا سیاہ پڑ جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِيْ قَلْبِهِ ، فَإِنْ تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ ، وَإِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰى يَعْلُوَ قَلْبَهُ ، فَذَلِكَ الرَّيْنُ الَّذِيْ ذَكَرَ اللّٰهُ

[1] النساء 4:13،14۔

عَزَّوَجَلَّ فِي الْقُرْآنِ : ﴿ كَلَّا بَلْ سَكْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ ﴾

''مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے اور اس گناہ کو چھوڑ کر معافی مانگ لیتا ہے تو اس کا دل دھو دیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے تو سیاہی بھی بڑھتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جاتی ہے۔ یہی وہ (رین) ''زنگ'' ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تذکرہ کیا ہے: ﴿ كَلَّا بَلْ سَكْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ ﴾''[1]

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانیوں اور گناہوں کی وجہ سے دل پر تاریکی چھا جاتی ہے۔ اور جب کوئی شخص بکثرت گناہوں کا ارتکاب کرتا ہو اور اللہ سے معافی بھی نہ مانگتا ہو تو اس کے دل پر چھائی ہوئی تاریکی اور سیاہی نہایت گہری ہو جاتی ہے اور بڑھتے بڑھتے اس کے چہرے پر بھی نمایاں ہونے لگتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ

((إِنَّ لِلْحَسَنَةِ ضِيَاءً فِي الْوَجْهِ وَنُورًا فِي الْقَلْبِ ، وَسَعَةً فِي الرِّزْقِ ، وَقُوَّةً فِي الْبَدَنِ، وَمَحَبَّةً فِي قُلُوبِ الْخَلْقِ ، وَإِنَّ لِلسَّيِّئَةِ سَوَادًا فِي الْوَجْهِ ، وَظُلْمَةً فِي الْقَلْبِ ، وَوَهْنًا فِي الْبَدَنِ ، وَنَقْصًا فِي الرِّزْقِ ، وَبُغْضًا فِي قُلُوبِ الْخَلْقِ))

''نیکی کی وجہ سے چہرے پر روشنی آ جاتی ہے، دل منور ہو جاتا ہے، رزق فراوانی سے ملتا ہے، جسمانی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور برائی کی وجہ سے چہرے پر سیاہی آ جاتی ہے، دل پر تاریکی چھا جاتی ہے، جسم کمزور پڑ جاتا ہے، رزق میں کمی آ جاتی ہے اور لوگوں کے دلوں میں اس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔''

2 گناہوں کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنی قدر گنوا بیٹھتا ہے

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((إِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةَ فَإِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حَلَّ سَخَطُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ))

''تم نافرمانی سے بچو، کیونکہ نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی آ جاتی ہے۔''[2]

جب کسی بندے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے تو اس کا اللہ کے ہاں کوئی مقام ومرتبہ نہیں رہتا بلکہ وہ اس کی نظروں میں گر جاتا ہے اور اس کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ اور جس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عزت نہیں ہوتی اسے کسی اور کی طرف سے عزت نہیں مل سکتی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَمَن يُهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرِمٍ ﴾

[1] جامع الترمذي: 3334، حسن صحيح، سنن ابن ماجه: 4244 وحسنه الألباني. [2] مسند أحمد.

''اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ ذلیل کر دے تو اسے کوئی عزت دینے والا نہیں۔''[1]

3) گناہوں کی وجہ سے بندہ شیطان کا قیدی بن جاتا ہے

بندہ جب مسلسل گناہ کرتا چلا جاتا ہے اور وہ اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کرتا تو وہ شیطان کا قیدی بن جاتا ہے، پھر شیطان ہر وقت اس کے ساتھ رہتا اور اسے اللہ کے دین سے غافل رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝﴾

''اور جو شخص رحمن کی یاد سے غافل ہو جائے ہم اس پر ایک شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں جو اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔''[2]

'رحمن کی یاد سے غافل' رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین سے اعراض کر لے، اس کے احکامات کی کوئی پروا نہ کرے اور من مانی زندگی بسر کرے۔ ایسے انسان پر شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے جو اسے اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے۔

4) گناہ بندے کو اپنے آپ سے غافل کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝﴾

''اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا، پھر اللہ نے بھی انھیں اپنے آپ سے غافل کر دیا، ایسے ہی لوگ فاسق (نافرمان) ہوتے ہیں۔''[3]

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین سے لا پروا ہو جاتا اور اس کے احکامات کو بھلا دیتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ خود اپنے آپ سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد نہ اس کی آنکھیں کسی صحیح چیز کو دیکھ سکتی ہیں، نہ اس کے کان کسی برحق بات کو سن سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی عقل راہِ راست کا ادراک کر سکتی ہے۔ پھر وہ چوپائے جانور کی طرح بلکہ اس سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

5) گناہوں کی وجہ سے انسان پریشان حال اور حقیقی چین وسکون سے محروم ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ۝﴾

''اور جو شخص میرے ذکر سے روگردانی کرے گا وہ دنیا میں تنگ حال رہے گا اور ہم اسے بروز قیامت اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ پوچھے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے نابینا بنا کر کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو بینا تھا؟

[1] الحج 18:22. [2] الزخرف 36:43. [3] الحشر 19:59.

اللہ تعالیٰ جواب دے گا: اسی طرح ہونا چاہیے تھا کیونکہ تمہارے پاس ہماری آیات آئی تھیں لیکن تم نے انھیں بھلا دیا۔ اسی طرح آج تمہیں بھی بھلا دیا جائے گا۔''[1]

⑥ گناہوں کی وجہ سے موجودہ نعمتیں چھن جاتی ہیں اور آنے والی نعمتیں روک لی جاتی ہیں

ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حضرت حوا علیہا السلام کی ایک خطا کی وجہ سے ہی ان دونوں کو جنت کی نعمتوں سے محروم کر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ قُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۝﴾

''اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس میں جتنا چاہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ۔ تاہم اس درخت کے قریب مت جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے ان دونوں کو لغزش میں مبتلا کر دیا اور انھیں اس نعمت اور راحت سے نکلوا دیا جس میں وہ تھے۔''[2]

⑦ برکت کا خاتمہ

گناہوں اور برائیوں کی وجہ سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ نہ عمر میں برکت اور نہ ہی رزق میں برکت، نہ علم میں برکت اور نہ ہی عمل میں برکت، نہ گھر میں برکت اور نہ ہی گھر والوں میں برکت باقی رہتی ہے۔ ہر چیز میں نحوست ہی نحوست اور بے برکتی ہی بے برکتی ہوتی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس نیکی انسان کو مبارک یعنی با برکت بنا دیتی ہے۔ زندگی، رزق، عمل، اہل وعیال.......... وغیرہ ہر چیز با برکت ہو جاتی ہے۔

⑧ شرم وحیا کا خاتمہ

نافرمانیوں کی ایک نحوست یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان شرم وحیا سے محروم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وہ کھلم کھلا گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے اور اسے ذرا بھی شرم محسوس نہیں ہوتی، نہ اللہ تعالیٰ سے اور نہ ہی لوگوں سے۔ پھر بات یہیں تک نہیں رہتی بلکہ برائیوں کے نتیجے میں وہ اس قدر شرم وحیا سے عاری ہو جاتا ہے کہ اگر اس کی بیوی یا بیٹی بے پردہ ہو کر بازاروں اور گلی کوچوں میں اپنے حسن کی نمائش کرتی رہے یا غیر محرم مردوں سے گپ شپ کرتی رہے تو وہ اسے عام سی بات سمجھتا ہے اور اس میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔ اسی طرح اس کے گھر میں فحش گانے، فلمیں اور حیا باختہ پروگرام چلتے رہیں، اس کی بیوی، بیٹے بیٹیاں اور دیگر افرادِ خانہ انھیں دیکھتے اور سنتے رہیں تو اسے اس پر بھی کوئی شرم وحیا محسوس نہیں ہوتی۔ بالکل سچ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ

① طٰہٰ 20:124-126. ② البقرۃ 2:35,36.

((إِذَا لَمْ تَسْتَحِي فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ)) ”جب تم بے حیا ہو جاؤ تو جو چاہو کرو۔“[1]

⑨ رزق سے محرومی

گناہوں اور برائیوں کی وجہ سے انسان رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔بعض اوقات انسان کو ایسے لگتا ہے کہ اب اسے رزق ملنے ہی والا ہے، فلاں جگہ یا فلاں ڈیل سے اب اتنے پیسے ملنے والے ہیں، لیکن اچانک وہ کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ متوقع طور پر نصیب ہونے والے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِخَطِيئَةٍ يَعْمَلُهَا))

”اور آدمی کو اس کے کسی گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔“[2]

عموماً یہ دیکھنے اور سننے میں آتا ہے کہ ایک آدمی اچھا خاصا مالدار اور بڑا ہی خوشحال ہوتا ہے۔مگر حرص اور لالچ کی وجہ سے وہ موجودہ مال ودولت پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اسے بڑھانے کے لیے ناجائز وسائل اختیار کر لیتا ہے۔مثلاً سودی لین دین، شیئرز کا ناجائز کاروبار اور انشورنس ، پرائز بانڈز اور سرٹیفکیٹس وغیرہ کے ذریعے راتوں رات کروڑ پتی بننے کی خواہش۔اور جب وہ اِس طرح کے حرام وسائل اختیار کرتا ہے تو اسی وقت سے اس کی خوشحالی بدحالی میں بدلنے لگتی ہے۔ پھر آخر کار اس کا کاروبار مکمل طور پر تباہ وبرباد ہو جاتا ہے! یوں گناہ اس کے لیے رزق سے محرومی کا سبب بن جاتے ہیں۔

اور ایک شخص صدقے کا مال لے کر ایک فقیر خاندان کے گھر کے دروازے پر پہنچا تو اس نے اندر سے موسیقی کی آواز سنی! اس نے دل میں کہا: میں ایسے خاندان کو صدقے کا مال کیوں دوں جو اس مال کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال کرے گا! چنانچہ وہ چلا گیا اور صدقے کا مال کسی اور کو دے دیا۔گویا یہ رزق دروازے پر پہنچ کر بھی واپس چلا گیا، کیوں؟ گناہ کی وجہ سے۔

⑩ علم سے محرومی

گناہوں کی وجہ سے ایک صاحبِ علم حاصل کردہ علم سے محروم ہو جاتا ہے۔کیونکہ علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور ہوتا ہے اور گناہ اس نور کو بجھا دیتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب امام شافعی رحمہ اللہ اپنے استاذ امام مالک رحمہ اللہ کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھے تو استاذ صاحب اپنے اِس لائق اور باصلاحیت شاگرد کی ذہانت وفطانت پر بڑے حیران ہوئے اور کہا: اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں نور پیدا کر دیا ہے، لہٰذا آپ اِس نور کو عصیان ونافرمانی کی تاریکی کے ذریعے نہ بجھانا۔اور امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

شَكَوْتُ إِلَى وَكِيعٍ سُوءَ حِفْظِي فَأَرْشَدَنِي إِلَى تَرْكِ الْمَعَاصِي

① متفق علیه. ② سنن ابن ماجه: 90.

فَإِنَّ الْعِلْمَ فَضْلٌ مِنْ إِلٰهِی وَفَضْلُ اللهِ لَا يُؤْتٰى لِعَاصِي

''میں نے وکیع رحمہ اللہ سے شکایت کی کہ میری قوت حافظہ کمزور ہوگئی ہے تو انھوں نے فرمایا: گناہ چھوڑ دو، کیونکہ علم اللہ کا فضل ہے اور یہ کسی نافرمان کو نہیں دیا جاتا۔''

11 مشکلات اور مصائب کے انبار!

گناہوں اور برائیوں کی وجہ سے انسان پر مشکلات اور مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ نَسْأَلُ الله العفو والعافية۔ گھریلو مشکلات، کاروباری مشکلات، ذاتی پریشانیاں ایک ایک کر کے ایسا انسان کو گھیرتی ہیں کہ پھر ان سے جان چھڑانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسا کیوں؟ یقیناً ایسا گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾

''اور تم پر جو بھی مصیبت آتی ہے تو وہ تمھارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے ہی آتی ہے اور وہ (اللہ تعالیٰ) بہت سارے گناہوں کو تو ویسے ہی معاف کر دیتا ہے۔''[1]

12 عصیان ونافرمانی کی وجہ سے عاصی کا ہر کام مشکل ہو جاتا ہے!

یہ بہت بڑی نحوست ہے گناہوں کی کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان جس کام کا بھی ارادہ کرتا ہے وہ آسان ہونے کے باوجود اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس اگر وہ گناہوں سے اجتناب کرنے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہو تو اس کا ہر کام اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے چاہے کوئی کام بظاہر کتنا مشکل کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا﴾

''اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے (یعنی اس سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہے) تو اللہ اس کے ہر کام کو آسان کر دیتا ہے۔''[2]

13 نیکیوں کا برباد ہونا

گناہوں کی ایک نحوست یہ ہے کہ ان کی وجہ سے نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں، خاص طور پر خلوت میں محرمات کا ارتکاب تو نیکیوں کے لیے نہایت ہی تباہ کن ہوتا ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَأَعْلَمَنَّ أَقْوَامًا مِنْ أُمَّتِي يَأْتُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِحَسَنَاتٍ أَمْثَالَ جِبَالِ تِهَامَةَ بَيْضًا ، فَيَجْعَلُهَا اللهُ عَزَّ وَجَلَّ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا ، قَالَ ثَوْبَانُ يَارَسُوْلَ اللهِ ! صِفْهُمْ لَنَا ، جَلِّهِمْ لَنَا ،

[1] الشوریٰ 42:30۔ [2] الطلاق 65:4۔

أَنْ لَا نَكُوْنَ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَا نَعْلَمُ ؟ قَالَ : أَمَا إِنَّهُمْ إِخْوَانُكُمْ وَمِنْ جِلْدَتِكُم ، وَيَأْخُذُوْنَ مِنَ اللَّيْلِ كَمَا تَأْخُذُوْنَ ، وَلٰكِنَّهُمْ أَقْوَامٌ إِذَا خَلَوْا بِمَحَارِمِ اللهِ انْتَهَكُوْهَا »

''میں یقینا اپنی امت کے ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو قیامت کے روز ایسی نیکیاں لے کر آئیں گے جو تہامہ کے پہاڑوں کی مانند روشن ہونگی لیکن اللہ تعالیٰ ان کی ان نیکیوں کو ہوا میں اڑتے ہوئے چھوٹے چھوٹے ذرات کی مانند اڑا دے گا۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ! آپ ان لوگوں کے بارے میں وضاحت کر دیجئے اور ان کے بارے میں کھل کر بیان کر دیجئے تاکہ ہم لاعلمی میں ایسے لوگوں میں شامل نہ ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خبردار! وہ تمہارے بھائی اور تمہاری قوم سے ہی ہوں گے۔ اور وہ رات کو اسی طرح قیام کریں گے جیسا کہ تم کرتے ہو لیکن وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ جب خلوت میں انھیں اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں ملیں گی تو وہ ان سے اپنا دامن نہیں بچائیں گے۔''[1]

یہ تھے گناہوں کے وہ اثرات ونتائج جو افراد پر مرتب ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو گناہوں اور ان کے برے نتائج سے محفوظ رکھے۔ اور ہمیں اپنے دین پر استقامت نصیب کرے۔

دوسرا خطبہ

افراد کے لیے گناہوں کے برے اثرات ونتائج بیان کرنے کے بعد اب ہم ان کے ملک وقوم پر مرتب ہونے والے اجتماعی اثرات ونتائج کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ملک وقوم کے لیے اجتماعی طور پر گناہوں کے خطرناک اثرات ونتائج

اجتماعی طور پر کسی قوم یا کسی ملک کو گناہوں اور برائیوں کے جن خطرناک اور بھیانک نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ کچھ یوں ہیں:

(1) بر وبحر میں فساد اور ہلاکت وبربادی

ہمارے یہاں فساد اس قدر پھیلا ہوا ہے کہ الامان والحفیظ ! نہ مال ودولت محفوظ ہے اور نہ ہی عزت وآبرو کو تحفظ حاصل ہے، قتل وغارت عام ہے اور خونِ مسلم پانی کی طرح بہہ رہا ہے۔ کہیں 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' کے نام پر بے گناہ لوگوں کو مارا جا رہا ہے تو کہیں اس کے ردعمل میں خودکش دھماکے کر کے ہمارے بھائیوں کو ناکردہ گناہوں کی سزا

(1) سنن ابن ماجه: 4245، وصححه الألباني في صحيح سنن ابن ماجه والصحيحة: 505.

دی جا رہی ہے۔ لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کے واقعات بھی ہر روز رونما ہوتے رہتے ہیں۔ معصوم بچوں اور بچیوں کو اغوا کر کے منہ مانگے پیسے وصول کیے جاتے ہیں۔ کبھی کبھار اغوا شدہ بچے اور افراد رہا ہو جاتے ہیں اور اکثر و بیشتر انھیں جان سے مار دیا جاتا ہے۔ چادر اور چار دیواری کی حرمت کو پامال کیا جاتا ہے، بنتِ حواء کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور کئی مرتبہ زیادتی کے بعد اسے نہایت بے دردی کے ساتھ قتل بھی کر دیا جاتا ہے۔ اور چونکہ ہمارے یہاں چوروں، ڈاکوؤں اور ظالموں کو ان کے کرتوتوں کا مزا چکھانے کے لیے ان پر شرعی سزائیں نافذ نہیں کی جاتیں اور نہ ہی ایسے جرائم پیشہ لوگوں کو کٹہرے میں لانے کا کوئی مؤثر نظام موجود ہے اس لیے اکثر لوگ جو ان جرائم کا شکار ہوتے ہیں وہ صبر کر کے اس ظلم و زیادتی کو برداشت کرنے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں۔ اور اگر کوئی مظلوم غلطی سے کسی ظالم کے خلاف کیس کر ہی دے تو اسے عدالتوں اور تھانوں میں سالہا سال تک چکر لگا کر سوائے ذلت و رسوائی کے اور کچھ نہیں ملتا۔ ملک میں فساد اس حد تک زیادہ ہو گیا ہے کہ اکثر قومی اداروں اور مختلف محکموں میں رشوت کے بغیر کوئی کام ہی نہیں ہوتا۔ مہنگائی اور بے روزگاری کی وجہ سے لوگ خودکشی کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ دوسری طرف بیوروکریسی اور حکمران طبقہ کے لوگ غریب عوام کا خون چوس کر عیاشیوں اور بیرون ملک اپنے اثاثوں کو بڑھانے میں مصروف کار نظر آتے ہیں۔ لگتا ہے کہ کسی کو ذرا برابر بھی احساس نہیں کہ وہ غریب عوام کی فلاح و بہبود کے لیے عملی طور پر کچھ کرے۔ بے چاری عوام پس رہی ہے اور اربابِ اقتدار مست ہیں۔ اور اب تو ملکی سلامتی کو بھی شدید خطرات لاحق ہیں۔ اللہ جانے یہ فساد ہمیں اور کیا کیا رنگ دکھلائے گا! سوال یہ ہے کہ آخر یہ سارا فساد اور ملکی و قومی تباہی کیوں ہو رہی ہے؟ یقینا یہ سب ہمارے گناہوں اور کرتوتوں کی وجہ سے ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ○﴾

''بر و بحر میں لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے فساد پھیل گیا ہے۔ اس لیے کہ انھیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ تعالیٰ چکھا دے، شاید کہ وہ باز آ جائیں۔''[1]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ وَأَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ○﴾

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں، وہ جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت

[1] الروم 30:41.

دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی۔ اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے نیچے سے نہریں جاری کیں۔ پھر ہم نے انھیں ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا اور ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا۔''[1]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کی ہلاکت و بربادی کا تذکرہ کیا ہے جنھیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہی ہلاک و برباد کیا گیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝﴾

''ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے جرم میں دھر لیا۔ پھر ان میں سے کچھ پر ہم نے پتھراؤ کیا اور کچھ ایسے جنھیں زبردست چیخ نے آلیا اور کچھ ایسے جنھیں ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کچھ ایسے ہیں جنھیں ہم نے غرق کر دیا۔ اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں تھا لیکن یہ لوگ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے۔''[2]

(2) زلزلے وغیرہ

گناہوں اور برائیوں کی ایک بڑی نحوست یہ بھی ہے کہ ان کی وجہ سے انتہائی خطرناک زلزلے آتے ہیں۔ بڑی بڑی عمارتیں زمیں بوس ہو جاتی ہیں، بلکہ بعض اوقات پورے پورے شہر صفحۂ ہستی سے مٹ جاتے ہیں اور بستیوں کی بستیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔ ہزاروں اور بسا اوقات لاکھوں لوگ چند لمحات میں ہی لقمۂ اجل بن جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ سمندر کی گہرائی کو حکم دیتا ہے، زمین حرکت میں آتی ہے اور اس کے نتیجے میں سمندری موجیں خوفناک طوفان (سونامی) کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ پھر ہر چیز خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتی ہے اور تباہی و بربادی کے ایسے ایسے خوفناک مناظر سامنے آتے ہیں کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کلیجے منہ کو آتے ہیں .... نسأل الله العفو والعافية.

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

''برائیوں کا داؤ پیچ کرنے والے کیا اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر ایسی جگہ سے عذاب آ جائے جہاں کا انھیں وہم و گمان بھی نہ ہو؟ یا انھیں چلتے پھرتے پکڑ لے؟ یہ کسی

(1) الأنعام 6:6. (2) العنكبوت 40:29.

صورت میں اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ یا انھیں ڈرا دھمکا کر پکڑ لے؟ یقینا تمھارا رب نہایت مشفق اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔"[1]

اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((سَيَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ خَسْفٌ وَقَذْفٌ وَمَسْخٌ . قِيْلَ : وَمَتَي ذَلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ: إِذَا ظَهَرَتِ الْمَعَازِفُ وَالْقَيْنَاتُ وَاسْتُحِلَّتِ الْخَمْرُ))

"آخری زمانے میں لوگوں کو زمین میں دھنسایا جائے گا، ان پر پتھروں کی بارش کی جائے گی اور ان کی شکلیں مسخ کی جائیں گی۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایسا کب ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب آلاتِ موسیقی پھیل جائیں گے، گانے والیاں عام ہو جائیں گی اور شراب کو حلال سمجھ لیا جائے گا۔"[2]

اسی طرح دوسری میں حدیث میں ارشاد فرمایا:

((لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ يُسَمُّونَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا ، يُعْزَفُ عَلَى رُؤُوسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْمُغَنِّيَاتِ ، يَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمُ الْأَرْضَ ، وَيَجْعَلُ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ))

"میری امت کے کئی لوگ یقینا شراب نوشی کریں گے، مگر اس کا نام تبدیل کر کے، ان کے سروں کے پاس آلاتِ موسیقی بجائے جائیں گے اور گانے والی عورتیں گائیں گی، ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ زمین میں دھنسا دے گا اور انھی میں سے بندر اور سور بنائے گا۔"[3]

(3) بدامنی

گناہوں اور برائیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قوموں اور ملکوں کے امن کو بدامنی میں تبدیل کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں نہ ان کی جانیں محفوظ ہوتی ہیں، نہ مال و دولت محفوظ ہوتا ہے اور نہ ہی عزت و آبرو محفوظ ہوتی ہے۔ اور ہر وقت ان پر خوف و ہراس اور رعب و دبدبہ مسلط رہتا ہے اور وہ چین و سکون سے محروم ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝﴾

"اللہ تعالیٰ ایک بستی کی مثال بیان کرتا ہے جس میں امن اور چین تھا اور ہر طرف سے اس کا رزق فراوانی کے ساتھ اس کے پاس پہنچ رہا تھا۔ پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی، تو اللہ تعالیٰ نے اس (بستی والوں کے) کرتوتوں کے نتیجے میں ان پر بھوک اور خوف (کا عذاب) مسلط کر دیا۔"[4]

[1] النحل 16:45-47. [2] صحيح الجامع للألباني: 3665. [3] سنن ابن ماجه: 4020. صححه الألباني. [4] النحل 16:122.

(4) مہلک بیماریاں، تنگ حالی اور مہنگائی، بیرونی دشمن کا تسلط، حکمرانوں کا رعایا پر ظلم اور خانہ جنگی وغیرہ یہ خطرناک نتائج رسول اکرم ﷺ نے اپنے ایک ارشاد گرامی میں بیان فرمائے ہیں۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ((لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ حَتَّى يُعْلِنُوا بِهَا إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الطَّاعُونُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِينَ مَضَوْا))

''کسی قوم میں بے حیائی اس قدر پھیل جائے کہ وہ کھلم کھلا اس کا ارتکاب شروع کر دیں تو ان میں طاعون کی بیماری پھیل جاتی ہے اور دیگر وہ امراض بھی جو ان سے پہلے لوگوں میں نہیں پائی جاتی تھیں۔''

((وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِلَّا أُخِذُوا بِالسِّنِينَ وَشِدَّةِ الْمَئُونَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ))

''اور جب لوگ ماپ تول میں کمی کرنے لگتے ہیں تو انھیں قحط سالی، مہنگائی اور حکمران کے ظلم کی صورت میں سزا دی جاتی ہے۔''

((وَلَمْ يَمْنَعُوا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ ، وَلَوْ لَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا))

''اور جب لوگ اپنے مالوں کی زکاۃ روک لیں تو آسمان سے بارش کا برسنا بند ہو جاتا ہے۔ اور اگر جانور نہ ہوتے تو ان پر بالکل بارش نہ برستی۔''

((وَلَمْ يَنْقُضُوا عَهْدَ اللهِ وَعَهْدَ رَسُولِهِ إِلَّا سَلَّطَ اللهُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ . فَأَخَذُوا بَعْضَ مَا فِي أَيْدِيهِمْ))

''اور جب وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عہد کا پاس نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر بیرونی دشمن کو مسلط کر دیتا ہے جو ان کی ثروت کا ایک حصہ ان سے چھین لیتا ہے۔''

((وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللهِ وَيَتَخَيَّرُوا مِمَّا أَنْزَلَ اللهُ إِلَّا جَعَلَ اللهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ))

''اور جب ان کے حکمران کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلے کرنا چھوڑ دیں اور اس کے دین پر عملدرآمد نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو آپس میں لڑا دیتا ہے۔''[1]

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے:

((مَا ظَهَرَ الْغُلُولُ فِي قَوْمٍ إِلَّا أَلْقَى اللهُ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ . وَلَا فَشَا الزِّنَا فِي قَوْمٍ إِلَّا كَثُرَ فِيهِمُ الْمَوْتُ .وَلَا نَقَصَ قَوْمٌ الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِلَّا قَطَعَ عَنْهُمُ الرِّزْقَ ، وَلَا حَكَمَ قَوْمٌ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الدَّمُ ، وَلَا خَتَرَ قَوْمٌ بِالْعَهْدِ إِلَّا سَلَّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوَّهُمْ))

[1] سنن ابن ماجه:4019.وحسنه الألباني.

''کسی قوم میں خیانت عام ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ودبدبہ ڈال دیتا ہے۔ اور جب کسی قوم میں بدکاری پھیل جائے تو اس میں موت بکثرت واقع ہوتی ہے۔ اور جب وہ ماپ تول میں کمی کرنے لگیں تو ان سے رزق کو کاٹ دیا جاتا ہے۔ اور جب کسی قوم میں فیصلے حق پر مبنی نہ کیے جائیں تو اس میں خون (قتل) عام ہو جاتا ہے۔ اور جب ایک قوم عہد کو پامال کرتی ہے تو اس پر ان کا دشمن مسلط کر دیا جاتا ہے۔''[1]

5۔ ذلت ورسوائی

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانیوں کا ایک سنگین نتیجہ آج ہمیں واضح طور پر نظر آ رہا ہے کہ ہم اقوامِ عالم میں ذلیل ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہماری کوئی اوقات نہیں اور اغیار جیسے چاہتے ہیں اور جب چاہتے ہیں ہمیں اپنے ناپاک مقاصد کے لیے استعمال کر لیتے ہیں۔ ہم ان کے آلۂ کار بن کر ان کے لیے کام کرتے ہیں اور اس میں فخر بھی محسوس کرتے ہیں۔ ہم مادی ودنیاوی مفادات کی خاطر اپنی قومی وملی غیرت سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ ذلت ورسوائی کا عالم یہ ہے کہ کوئی ہماری قومی سلامتی کے خلاف جو کچھ کرتا رہے، ہماری عزت کو تار تار کرتا رہے، ہمارے وقار کو خاک میں ملاتا رہے اور ہمارے مسلمان بھائیوں کو ہر روز قتل کرتا رہے تو اس سے بدلہ لینا تو کجا ہم اس پر صدائے احتجاج بھی بلند کرنے کے قابل نہیں رہے...... یہ بدترین ذلت ورسوائی کیوں چھائی ہوئی ہے؟ یقینا یہ ہمارے ہی کرتوتوں کی وجہ سے ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشادگرامی ہے: ((إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ ، وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ ، وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَرْفَعُهُ عَنْكُمْ حَتّٰى تَرْجِعُوا إِلٰى دِينِكُمْ))

''جب تم سودی لین دین کرو گے، گائیوں کی دموں کو پکڑ لو گے اور کھیتی باڑی پر ہی راضی ہو جاؤ گے اور جہاد کو ترک کر دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت ورسوائی کو مسلط کر دے گا جسے تم سے اس وقت تک نہیں اٹھائے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف واپس نہیں لوٹ آؤ گے۔''[2]

6۔ فتح شکست میں تبدیل ہو جاتی ہے

گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے مسلمانوں کی فتح اور ان کا کافروں پر غلبہ شکست میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کی واضح دلیل جنگ احد کا وقعہ ہے جس میں پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں پر فتح نصیب کی، لیکن اس کے بعد جب ان میں سے بعض نے اللہ کے رسول ﷺ کے احکامات کی خلاف ورزی کی تو نتیجہ یہ نکلا کہ فتح شکست میں تبدیل ہوگئی۔ ستر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے اور خود نبی کریم ﷺ بھی اس میں شدید زخمی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اس شکست کا سبب یوں بیان کرتے ہیں: ﴿ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ إِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِإِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى

[1] مؤطا مالك: 987، [2] سنن أبي داود: 3462. وصححه الألباني.

اِذَا فَشِلۡتُمۡ وَ تَنَازَعۡتُمۡ فِی الۡاَمۡرِ وَ عَصَیۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَرٰىکُمۡ مَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الدُّنۡیَا وَ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الۡاٰخِرَۃَ ﴾

''بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے جو تم سے وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا جبکہ تم کافروں کو اللہ کے حکم سے خوب قتل کر رہے تھے۔ تا آنکہ تم نے بزدلی دکھائی، (نبی ﷺ کے) حکم میں جھگڑنے لگے اور اپنی پسندیدہ چیز (مال غنیمت) نظر آنے کے بعد تم نے (ان کی) نافرمانی کی۔ تم میں سے کچھ وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے اور کچھ وہ تھے جو آخرت چاہتے تھے۔''[1]

اس آیت کریمہ میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ عطا کیا۔ پھر یہ غلبہ ظاہری طور پر ہزیمت میں کیسے تبدیل ہو گیا؟ اس کا سبب بھی بیان کر دیا کہ مسلمانوں میں سے بعض لوگ جو مال غنیمت کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ کے حکم کی نافرمانی کر بیٹھے ان کی وجہ سے انھیں شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ اس کا سبب یوں بیان کرتے ہیں: ﴿ اَوَ لَمَّاۤ اَصَابَتۡکُمۡ مُّصِیۡبَۃٌ قَدۡ اَصَبۡتُمۡ مِّثۡلَیۡہَا ۙ قُلۡتُمۡ اَنّٰی ہٰذَا ؕ قُلۡ ہُوَ مِنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِکُمۡ ﴾

''بھلا جب تم پر مصیبت آئی تو تم چلا اٹھے کہ ''یہ کہاں سے آ گئی؟'' حالانکہ اس سے دوگنا صدمہ تم کافروں کو پہنچا چکے تھے۔ کہہ دیجیے کہ یہ مصیبت تمھاری اپنی ہی لائی ہوئی ہے۔''[2]

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی گناہوں سے بچنے کی توفیق دے اور ان کے خطرناک و بھیانک نتائج سے محفوظ رکھے۔ آمین

[1] آل عمرٰن:3:152. [2] آل عمرٰن:3:165.

دعا اور اس کے آداب

اہم عناصرِ خطبہ

(1) دعا کی اہمیت (2) دعا کے آداب (3) قبولیتِ دعا کے اسباب

(4) اوقاتِ قبولیت (5) عدمِ قبولیت کے اسباب

پہلا خطبہ

محترم حضرات ! ہم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور وہ ہم میں سے کسی کا محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ يَآيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ○ ﴾

'' اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز اور خوبیوں والا ہے۔''[1]

اور اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے بس اسی سے امیدیں وابستہ کریں اور اسی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ اپنی تمام تر ضرورتوں کا سوال اسی سے کریں اور اپنی ہر مشکل اور ہر پریشانی میں اسی کو پکاریں اور اسی سے مدد طلب کریں۔ اسی کے سامنے عاجزی وانکساری کا اظہار کریں ، اپنے گناہوں پر اس سے معافی مانگیں ، اس سے اس کی رحمت کی التجا کریں اور اس کے عذاب سے پناہ طلب کریں۔ بندوں کے اسی طرزِ عمل کو 'دعا' کہتے ہیں۔

آج کے خطبۂ جمعہ میں ہم دعا کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔ سب سے پہلے دعا کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالیں گے۔ پھر دعا کے آداب ، اور اس کے بعد قبولیتِ دعا کے اسباب و اوقات پر بات کریں گے۔ بعد ازاں ان اسباب کا بھی تذکرہ کریں گے جن کی بناء پر دعا قبول نہیں کی جاتی۔

دعا کی اہمیت

(1) دعا سب سے افضل عبادت ہے

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے : ((أَفْضَلُ الْعِبَادَةِ الدُّعَاءُ)) ''سب سے افضل عبادت دعا ہے۔''[2]

(1) فاطر 15:35. (2) رواہ الحاکم وصححہ ووافقہ الذہبی.

دعا سب سے افضل عبادت کیوں ہے؟ اس لیے کہ اس میں بندہ اللہ رب العزت کے سامنے غایت درجے کی عاجزی وانکساری کا اظہار کرتے ہوئے اپنے آپ کو کم تر گردانتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا دل کی گہرائیوں سے اعتراف کرتے ہوئے اپنے آپ کو گویا بے بس قرار دیتا ہے۔ پھر اس کا دل اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس کے دل میں صرف اسی سے امیدیں ہوتی ہیں، اسی کا خوف ہوتا ہے اور اسی پر بھروسہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی زبان سے اس کی تسبیح وتقدیس اور حمد وثناء بیان کرتا ہے۔ اور اپنے پورے جسم کو اس کے سامنے جھکاتے ہوئے گویا وہ اس بات کا اقرار کر رہا ہوتا ہے کہ اے اللہ! میں تیری توفیق کے بغیر کچھ بھی کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور جب تک تیری مدد نہیں ہوگی میں اپنی مشکلات سے نجات نہیں پا سکتا۔

گویا دعا میں دعا کرنے والے کا دل، اس کی زبان اور اس کا پورا جسم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے اس لیے اسے سب سے افضل عبادت قرار دیا گیا ہے۔

بلکہ ایک حدیث شریف میں تو نبی کریم ﷺ نے دعا کو ہی عبادت قرار دیا ہے۔ فرمایا:

((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) ''دعا ہی عبادت ہے۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾

''اور تمھارے رب کا حکم ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمھاری دعا قبول کروں گا۔ بے شک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ ذلیل وخوار ہو کر عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے۔''[1]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دعا کرنے کا حکم دیتے ہوئے دعاؤں کو قبول کرنے کی خوشخبری سنائی ہے۔ پھر دعا کو عبادت قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے دعا سے اعراض کرتے ہیں وہ ذلت وخواری کے ساتھ جہنم رسید ہو جائیں گے۔

دعا ہی عبادت کیوں ہے؟ اس لیے کہ دعا ہر عبادت کا اہم رکن ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ((اَلْحَجُّ عَرَفَةُ)) یعنی ''حج وقوفِ عرفہ ہے۔'' وقوفِ عرفہ چونکہ حج کا سب سے اہم رکن ہے، اس لیے آپ ﷺ نے اسے ہی حج قرار دیا۔ اسی طرح چونکہ دعا بھی ہر عبادت کا سب سے اہم رکن ہے، اس لیے آپ ﷺ نے دعا کو ہی عبادت قرار دیا۔

اس کے علاوہ ہر عبادت کا مقصد اور اس کا لب لباب دعا ہی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نماز جیسی اہم عبادت

[1] غافر: 40:60، و الحديث في سنن أبي داؤد: 1481، و جامع الترمذي: 2969، 3247، و سنن ابن ماجه: 3828 و صححه الألباني.

پوری کی پوری دعا ہے۔ اس کا آغاز بھی دعا کے ساتھ ہوتا ہے اور اختتام بھی دعا پر ہوتا ہے۔ اس میں دعائے ثناء بھی ہے اور دعائے طلب بھی ہے۔ تکبیر تحریمہ کے بعد دعائے استفتاح پڑھی جاتی ہے اور اُدھر سلام پھیرنے سے پہلے بھی دعا ہی ہوتی ہے، بلکہ خود سلام بھی ایک دعا ہے۔ پھر سورۃ فاتحہ بھی دعا ہے جسے ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھنا لازمی ہے۔ اسی طرح رکوع وسجود میں بھی دعا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر عبادات میں بھی غور کریں تو ان میں بھی دعا ہی ہے۔ چاہے دعائے ثناء ہو یا دعائے طلب ہو۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے دعا کو ہی عبادت قرار دیا ہے۔

اور دعا کی اسی اہمیت کے پیش نظر ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اسے عبادت کا مغز قرار دیا:

((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ))[1]

(2) دعا کی اہمیت اور اس کی قدر ومنزلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا آغاز بھی دعا کے ساتھ کیا ہے اور اس کا اختتام بھی دعا پر کیا ہے۔ آغاز میں سورۃ فاتحہ پوری کی پوری دعا ہے۔ اور اختتام میں آخری دو سورتیں بھی دعا پر مشتمل ہیں جن میں انسان ہر چیز کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہے۔

(3) نبی کریم ﷺ نے دعا کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((لَيْسَ شَيْئٌ أَكْرَمَ عَلَى اللهِ مِنَ الدُّعَاءِ)) ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ معزز چیز کوئی نہیں۔''[2]

یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز چیز دعا ہے۔

(4) دعا اللہ تعالیٰ کو اس قدر عزیز ہے کہ اگر کوئی بندہ اس سے دعا کرنا چھوڑ دے تو وہ اس پر ناراض ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ)) ''جو اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں مانگتا اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے۔''[3]

کتنا کریم ہے اللہ تعالیٰ! کہ خود اپنے سے مانگنے کا حکم دیتا ہے، پھر قبولیت کا وعدہ کرتا ہے۔ اور جو شخص اس سے مانگتا ہے تو اسے خالی ہاتھ لوٹانے سے شرماتا ہے اور جو نہیں مانگتا اس پر ناراض ہو جاتا ہے!

(5) دعا ایک آسان اور سہل عبادت ہے جسے آپ ہر وقت، ہر جگہ اور ہر حال میں کر سکتے ہیں۔ آپ دن رات دعا کر سکتے ہیں۔ خشکی پر ہوں، پانی میں ہوں یا فضا میں ہوں۔ سفر میں ہوں یا حضر میں ہوں۔ خوشحال ہوں یا تنگ حال ہوں۔ صحتمند ہوں یا بیمار ہوں ہر حال میں دعا کر سکتے ہیں۔ سب کے سامنے بھی کر سکتے ہیں اور خفیہ طور پر بھی کر سکتے ہیں۔ گویا یہ پوری زندگی کا بہت بڑا وظیفہ ہے جس میں بندۂ مومن اپنے خالق ومالک اور معبود حقیقی کے سامنے دست بدعا ہوتا ہے اور اس سے سرگوشیاں کرتا اور اپنی محتاجی کا اظہار کرتا ہے۔ اور اس کے سامنے آنسو بہا کر اپنے دل کو سکون

[1] جامع الترمذي: 3371 وإسناده ضعيف كما قال الألباني. [2] جامع الترمذي: 3370، ابن ماجه: 3829. وحسنه الألباني. [3] جامع الترمذي: 3373، سنن ابن ماجه: 3827۔ وحسنه الألباني.

پہنچاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((إِذَا سَأَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيُكْثِرْ فَإِنَّمَا يَسْأَلُ رَبَّهُ))

'' تم میں سے کوئی شخص جب دعا کرے تو خوب مانگے کیونکہ وہ اپنے رب سے مانگ رہا ہوتا ہے۔'' [1]

(6) دعا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بہت ساری مصیبتوں سے بچا لیتا ہے۔

دعا اس قدر عظیم عمل ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ رب العزت دعا کرنے والے شخص پر آنے والے مصائب کو ٹال دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا﴾

'' کہہ دیجئے کہ اگر تمہاری دعا نہ ہو تو میرا رب تمہاری کوئی پروا نہ کرتا۔ تم تو جھٹلا چکے، اب عنقریب وہ (عذاب) آئے گا جس سے بچنا محال ہوگا۔'' [2]

یعنی تمھاری دعائیں ہیں کہ جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمھار لحاظ کرتا ہے۔ ورنہ اگر یہ نہ ہوتیں تو اسے تمھاری کوئی پروا نہ ہوتی اور تم ہلاک و برباد ہو جاتے۔ گویا دعاؤں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہلاکت و بربادی سے بچا لیتا ہے۔

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ ، وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ))

'' قضاء وقدر کو دعا ہی ٹال سکتی ہے۔ اور عمر میں صرف حسن سلوک ہی اضافہ کر سکتا ہے۔'' [3]

محترم حضرات! ذرا غور کیجئے کہ

- کتنی مصیبتیں دعاؤں کے ساتھ ٹل گئیں!
- کتنی حاجات دعاؤں کے ساتھ پوری ہو گئیں!
- کتنی بیماریاں دعاؤں کے ساتھ ختم ہو گئیں!
- کتنے گناہ دعاؤں کے ساتھ معاف ہو گئے!
- کتنے لوگوں کی اصلاح دعاؤں کے ساتھ ہوئی!
- کتنے لوگ دعاؤں کے ساتھ جنتی بن گئے اور کتنے لوگ دعاؤں کے ساتھ جہنم سے نجات پا گئے!

اگر انسان کو ان تمام چیزوں کا اندازہ ہوتا تو وہ یقینا دعا سے غافل نہ ہوتا۔

[1] رواه ابن حبان وقال محققه الأرناؤط: إسناده صحيح على شرط الشيخين. [2] الفرقان 25:77. [3] جامع الترمذي: 1239. حسنه الألباني.

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((إِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ ، فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللّٰهِ بِالدُّعَاءِ))
''بے شک دعا ان آزمائشوں میں بھی نفع بخش ہوتی ہے جو آ چکی ہوتی ہیں اور ان میں بھی جو نہیں آئی ہوتیں۔ لہٰذا اے اللہ کے بندو! تم دعا ضرور کیا کرو۔''[1]

جو آزمائشیں آ چکی ہوتی ہیں ان میں دعا اس طرح نفع بخش ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر صبر کرنے اور انھیں برداشت کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ اور جو آزمائشیں نہیں آئی ہوتیں ان میں دعا اس طرح فائدہ مند ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں دعاؤں کی وجہ سے ٹال دیتا ہے۔

(7) دعا کرنا انبیائے کرام ﷩ کا طریقہ تھا۔ اللہ تعالیٰ متعدد انبیاء ﷩ کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتا ہے:

﴿ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ ﴾
''یہ سب بھلائی کے کاموں کی طرف لپکتے تھے اور ہمیں شوق اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے۔ اور وہ ہمارے سامنے جھک جانے والے تھے۔''[2]

لہٰذا ہمیں بھی انبیائے کرام ﷩ کے اسی طرز عمل کو اختیار کرنا چاہیے۔ رحمتِ الٰہی کی امید رکھتے اور عذاب الٰہی کا خوف کھاتے ہوئے ہمیشہ اس کے سامنے دست بدعا رہنا چاہیے۔ اور اس سے کبھی بھی مستغنی نہیں ہونا چاہیے۔ اور نہ ہی انسان اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مستغنی ہو سکتا ہے۔

(8) ہر مسلمان کو اس بات پر یقین ہونا چاہیے کہ کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر نہیں مل سکتی۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ ہر فرض نماز کے بعد دعا کرتے ہوئے فرماتے تھے: ((اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ)) ''اے اللہ جو تو دینا چاہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو روکنا چاہے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔'' لہٰذا ہر چیز کا سوال اللہ تعالیٰ سے کرنا چاہیے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((سَلُوا اللّٰهَ كُلَّ شَيْئٍ حَتَّى الشِّسْعَ ، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ إِنْ لَّمْ يُيَسِّرْهُ لَمْ يَتَيَسَّرْ)) ''تم اللہ تعالیٰ سے ہر چیز کا سوال کیا کرو حتی کہ تسمے کا بھی۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اسے آسان نہیں کرے گا تو اس کا حصول آسان نہیں ہوگا۔''[3]

(9) دعا کرنے سے تین فوائد میں سے ایک فائدہ ضرور ملتا ہے۔ یا تو اللہ تعالیٰ دعا کرنے والے کا سوال پورا کر دیتا ہے۔ یا اس کی دعا کو اس کے لیے ذخیرۂ آخرت بنا دیتا ہے۔ یا آنے والی کسی مصیبت کو اس دعا کے سبب ٹال دیتا ہے۔ حضرت ابو سعید الخدری ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[1] جامع الترمذي. وقال الألباني في صحيح الترغيب: 1634، حسن لغيره. [2] الحج 22:90. [3] أخرجه ابن السني: 349 بسند حسن.

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَدْعُوْلَيْسَ بِإِثْمٍ وَلاَ بِقَطِيعَةِ رَحِمٍ إِلاَّ أَعْطَاهُ إِحْدَى ثَلاَثٍ : إِمَّا أَنْ يُعجِّلَ لَهُ دَعْوَتَهُ وَإِمَّا أَنْ يَدَّخِرَهَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ وَإِمَّا أَنْ يدفَعَ عَنْهُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَهَا)) قَالَ : إِذًا نُكْثِرُ ؟ قَالَ: ((اَللّٰہُ أَكْثَرُ))

''کوئی مسلمان جب کوئی ایسی دعا کرتا ہے جس میں گناہ یا قطع رحمی نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے تین میں سے ایک چیز ضرور عطا کرتا ہے۔ یا اس کی دعا جلدی قبول کر لیتا ہے۔ یا اسے ذخیرۂ آخرت بنا دیتا ہے۔ یا اس جیسی کوئی مصیبت اس سے دور کر دیتا ہے۔'' ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا: تب تو ہم زیادہ دعا کریں گے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اور زیادہ عطا کرے گا۔''[1]

دعا کے آداب

دعا کی اہمیت وضرورت کو جاننے کے بعد اب ہم آدابِ دعا بیان کرتے ہیں۔

(1) اخلاص

دعا کے آداب میں سب سے اہم یہ ہے کہ دعا اخلاص کے ساتھ کی جائے۔ یعنی محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ ریا کاری کرتے ہوئے یا دل میں تعریف سننے کی خواہش لیے ہوئے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾

''لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کو دین اس کے لیے خالص کرتے ہوئے پکارو۔''[2]

اس ضمن میں یہ بات بھی مدنظر رہے کہ دعا صرف اللہ تعالیٰ سے ہی مانگنی چاہیے۔ اس کے علاوہ کسی اور کو پکارنا یا اس سے دعا مانگنا ناجائز ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ ،وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوْكَ بِشَيْئٍ ، لَمْ يَنْفَعُوْكَ إِلاَّ بِشَيْئٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلَى أَنْ يَضُرُّوْكَ بِشَيْئٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ إِلاَّ بِشَيْئٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ))

''جب تم سوال کرنا چاہو تو اللہ تعالیٰ سے ہی سوال کرنا اور جب تم مدد مانگنا چاہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے ہی مدد مانگنا۔ اور اس بات پر یقین کر لینا کہ اگر پوری امت جمع ہو کر تمہیں نفع پہنچانا چاہے تو نہیں پہنچا سکتی سوائے اس

[1] صحیح الأدب المفرد للألباني، ص:264، 547. [2] غافر:40:14.

کے جو اللہ نے تمھارے حق میں لکھ دیا ہے۔ اور اگر پوری امت جمع ہو کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہے تو نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے تمھارے اوپر لکھ دیا ہے۔"[1]

خاص طور پر فوت شدہ شخصیات کو پکارنا یا ان سے دعا مانگنا تو شرک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۗ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۗ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○﴾

"اور اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو مت پکارنا جو تجھے نہ نفع پہنچا سکے اور نہ نقصان پہنچا سکے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔ اور اگر آپ کو اللہ تعالیٰ کوئی نقصان پہنچائے تو اس کے علاوہ اسے کوئی دور کرنے والا نہیں۔ اور اگر وہ آپ کو کوئی خیر پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی ہٹانے والا نہیں۔ وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نچھاور کر دے۔ اور وہ بڑا معاف کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔"[2]

اور جن اولیاء و صالحین کو لوگ پکارتے ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ تو پکارنے والوں اور ان سے مانگنے والوں کی پکار اور دعا کو سرے سے سنتے ہی نہیں۔ اور اگر بالفرض اللہ تعالیٰ انھیں ان کی پکار سنا بھی دے تو یہ اس کا جواب ہی نہیں دے سکتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ○ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۗ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۗ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ○﴾

"اور جنہیں تم اس (اللہ تعالیٰ) کے سوا پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ اگر تم انھیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں۔ اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو وہ تمہاری فریاد رسی نہیں کریں گے بلکہ قیامت کے روز تمھارے اس شرک کا صاف انکار کر جائیں گے۔"[3]

لہٰذا فوت شدہ شخصیات جو بھی ہوں ان سے ہرگز نہیں مانگنا چاہیے کیونکہ یہ شرک ہے جو بہت بڑا گناہ ہے۔

(2) استقبالِ قبلہ

دعا کرنے والے کو قبلہ رخ ہو کر دعا کرنی چاہیے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ بھی قبلہ رخ ہو کر دعا کیا کرتے تھے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن نبی کریم ﷺ نے مشرکین کی طرف دیکھا جو تعداد میں

(1) جامع الترمذي: 2516، وصحيح الجامع للألباني: 7957. (2) يونس 10:106,107. (3) فاطر 35:13,14.

ایک ہزار تھے اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تین سو انیس افراد تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رخ قبلہ کی طرف کر لیا، پھر اپنے ہاتھوں کو پھیلاتے ہوئے اپنے رب کو یوں دہائی دینے لگے:

((اَللّٰہُمَّ أَنْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَنِي ، اَللّٰہُمَّ آتِ مَا وَعَدْتَنِي ، اَللّٰہُمَّ إِنْ تَہْلِكْ ہٰذِہِ الْعِصَابَۃُ مِنْ أَہْلِ الْإِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ))

''اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے اسے پورا کر دے، اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے مجھے اس سے سرفراز فرما، اے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی جماعت ہلاک ہو گئی تو روئے زمین پر تیری عبادت نہیں ہو سکے گی۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رخ ہو کر اپنے ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے مسلسل اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کی چادر آپ کے کندھوں سے ہٹ گئی۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے، انھوں نے آپ کی چادر کو پکڑا اور اسے آپ کے کندھوں پر ڈالتے ہوئے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے جو اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے وہ کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گا۔''[1]

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مشکلات میں گھرے ہوئے انسان کو چاہیے کہ وہ قبلہ رخ ہو کر اپنے ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے اللہ تعالیٰ کو مدد کے لیے پکارے اور اس سے دعا کرے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد ضرور کرتا ہے، جیسا کہ اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کے بعد مسلمانوں کی مدد کے لیے ہزاروں فرشتے نازل کر دیے۔

(3) ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

دعا کرنے والے شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر انھیں اپنے چہرے کے سامنے اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔

حضرت سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللّٰہَ حَيِيٌّ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي إِذَا رَفَعَ الرَّجُلُ إِلَيْہِ يَدَيْہِ أَنْ يَرُدَّہُمَا صِفْرًا خَائِبَتَيْنِ))

''بے شک اللہ تعالیٰ بہت حیا کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔ اور کوئی آدمی جب اس کی طرف ہاتھ بلند کرتا ہے تو اسے حیا آتی ہے کہ وہ انھیں خالی اور ناکام واپس لوٹا دے۔''[2]

تاہم اس بات کا خیال رہے کہ سیدھے ہاتھوں کے ساتھ دعا کی جائے نہ کہ الٹے ہاتھوں کے ساتھ۔

(1) صحيح مسلم 1763. (2) جامع الترمذي: 3556، سنن أبي داود: 1488، سنن ابن ماجه: 3865، و صححه الألباني.

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((إِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْأَلُوهُ بِبُطُونِ أَكُفِّكُمْ، وَلَا تَسْأَلُوهُ بِظُهُورِهَا))

''جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو سیدھے ہاتھوں کے ساتھ کرو۔ اور الٹے ہاتھوں کے ساتھ اس سے سوال نہ کرو۔''[1]

④ اللہ کی حمد وثناء اور رسول اکرم ﷺ پر درود پڑھنا

دعا کے شروع میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرنی چاہیے۔ پھر نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھنا چاہیے۔ اور اس کے بعد دعا کرنی چاہیے۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی داخل ہوا، اس نے نماز پڑھی، پھر کہنے لگا: ((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي)) ''اے اللہ مجھے معاف کردے اور میرے اوپر رحم فرما'' تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((عَجِلْتَ أَيُّهَا الْمُصَلِّي ، إِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمَدِ اللّٰهَ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ وَصَلِّ عَلَيَّ ، ثُمَّ ادْعُهُ))

''اے نمازی! تم نے جلدی کی ہے، جب تم نماز سے فارغ ہو کر بیٹھو تو اللہ کے شایان شان اس کی حمد بیان کرو اور مجھ پر درود پڑھو، پھر اس سے دعا کرو۔''

حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک اور آدمی آیا، اس نے نماز پڑھی، پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی، پھر نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((أَيُّهَا الْمُصَلِّي ! اُدْعُ تُجَبْ)) ''اے نمازی! اب تم دعا کرو، تمھاری دعا قبول کی جائے گی۔''[2]

⑤ جامع قسم کی دعائیں کرنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ صرف جامع دعاؤں کو پسند کرتے تھے اور ان کے علاوہ باقی دعاؤں کو چھوڑ دیتے تھے۔[3]

سب سے جامع دعائیں وہ ہیں جو قرآن مجید میں ہیں۔ لہٰذا ان قرآنی دعاؤں کو پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس کے بعد سب سے زیادہ جامع دعائیں وہ ہیں جو نبی کریم ﷺ نے کیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر آپ ﷺ کو جامع کلمات کہنے کی صلاحیت عنایت کی تھی۔ اس لیے قرآنی دعاؤں کے بعد اگر سب سے زیادہ جامع دعائیں ہیں تو وہ رسول اکرم ﷺ کی مسنون دعائیں ہیں، جن میں بہت زیادہ جامعیت اور فصاحت وبلاغت ہے اور ان میں دنیا وآخرت کی ہر خیر وبھلائی کو جمع کیا گیا ہے۔

① سنن داود: 1488، قال الألباني: حسن صحيح. ② جامع الترمذي: 3476، وقال الألباني: صحيح. ③ سنن أبي داود: 1482، وقال الألباني: صحيح.

انھی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی ہے:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ))

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: کونسی دعا افضل ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((سَلِ اللّٰهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ))

''تم اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کرو کہ وہ دنیا وآخرت میں درگذر فرمائے اور عافیت نصیب کرے۔''

وہ آدمی یہ جواب سن کر چلا گیا۔ اگلے دن پھر آیا اور وہی سوال دوبارہ کیا کہ کونسی دعا افضل ہے؟ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی جواب دیا اور فرمایا: ''اگر تمھیں دنیا وآخرت میں عافیت دے دی جائے تو تم کامیاب ہو گئے۔''[1]

اس کے علاوہ اور بہت سی جامع دعائیں ہیں جو مسنون دعاؤں کی کتب میں موجود ہیں۔

(6) عاجزی وانکساری کا اظہار کرتے ہوئے اور چپکے چپکے دعا کرنا

دعا کرنے والا شخص جب دعا کرے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے نہایت عاجزی وانکساری کا اظہار کرتے ہوئے دعا کرے اور اس کے دل میں یہ جذبات ہوں کہ وہ خود کسی چیز پر قادر نہیں۔ اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ چپکے چپکے دعا کرے نہ یہ کہ اونچی اونچی آواز میں چیخ وپکار کرتے ہوئے دعا کرے جیسا کہ عموما طواف اور صفا ومروہ کی سعی کے دوران نظر آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾

''تم اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے پکارو کیونکہ وہ اعتداء یعنی حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''[2]

'اعتداء' ایک تو یہ ہے کہ دعا کرنے والا دورانِ دعا اپنی آواز میں حد سے تجاوز کرے اور اونچی اونچی آواز میں دعا کرے۔ اور ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ جب ہم کسی وادی کے قریب پہنچتے تو اونچی اونچی آواز کے ساتھ لا إله إلا الله اور الله اكبر کہنا شروع کر دیتے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ ! اِرْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا ، إِنَّهُ مَعَكُمْ ، إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ ، تَبَارَكَ اسْمُهُ وَتَعَالَى جَدُّهُ))

اے لوگو! تم اپنے اوپر ترس کھاؤ، کیونکہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔ وہ تو تمھارے ساتھ

[1] صحيح الأدب المفرد للألباني: 459. [2] الأعراف 7:55.

ہے۔ وہ یقینا بہت سننے والا اور نہایت قریب ہے۔ اس کا نام بابرکت اور اس کی بزرگی بہت بلند ہے۔"[1]

اور 'اعتداء' کی دوسری صورت یہ ہے کہ دعا کرنے والا دعا کے الفاظ میں حد سے تجاوز کرے۔

جیسا کہ عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو یوں دعا کرتے ہوئے دیکھا: اے اللہ! میں جب جنت میں داخل ہو جاؤں تو مجھے اس کی دائیں طرف سفید محل نصیب کرنا۔ تو انھوں نے کہا: میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ سے بس جنت کا سوال کرو اور جہنم سے پناہ طلب کرو۔ کیونکہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ نے فرمایا:

((سَيَكُونُ فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يَعْتَدُونَ فِي الطُّهُورِ وَالدُّعَاءِ))

"میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو طہارت اور دعا میں حد سے تجاوز کریں گے۔"[2]

7 دعا میں دل ودماغ حاضر ہو اور قبولیت پر پختہ یقین ہو

دعا کرنے والے کو چاہیے کہ دوران دعا اس کا دل ودماغ حاضر ہو، غافل نہ ہو۔ اور اسے اللہ تعالیٰ پر یقین کامل ہو کہ وہ اس کی دعا کو ضرور قبول کرے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ((اُدْعُوا اللهَ وَأَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ ، وَاعْلَمُوا أَنَّ اللهَ لَا يَسْتَجِيبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ))

"تم اللہ تعالیٰ سے دعا اس طرح کیا کرو کہ تمھیں قبولیت پر پورا یقین ہو۔ اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ وہ دعا قبول نہیں کرتا جو غافل اور لا پروا دل سے نکلے۔"[3]

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلْ : اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ ، لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ فَإِنَّ اللهَ لَا مُكْرِهَ لَهُ))

"جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو یہ نہ کہے: اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے معاف کردے، اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما۔ بلکہ وہ پورے عزم ویقین کے ساتھ سوال کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں۔"[4]

8 ہر دعا تین تین بار کرنا

دعا کرتے ہوئے ہر دعا تین تین بار کرنی چاہیے۔ کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی

[1] صحيح البخاري: 2830، صحيح مسلم: 2704. [2] مسند أحمد، وسنن أبي داود، وسنن ابن ماجه بإسناد حسن.
[3] جامع الترمذي: 3479، قال الألباني: حسن. [4] صحيح البخاري: 5979، وصحيح مسلم: 2678.

کریم ﷺ کو یہ بات پسند تھی کہ آپ ہر دعا تین تین بار کریں اور تین مرتبہ استغفار کریں۔[1]

(9) دعا بار بار کرتے رہنا اور مایوس نہ ہونا

مسلمان کو ہمیشہ دعا کرتے رہنا چاہیے اور کبھی بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا يَزَالُ يُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَا لَمْ يَدْعُ بِإِثْمٍ أَوْ قَطِيعَةِ رَحِمٍ مَا لَمْ يَسْتَعْجِلْ))

''بندہ اگر کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے تو اس کی دعا برابر قبول کی جاتی ہے جب تک کہ وہ جلد بازی کا شکار نہ ہو۔'' آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ جلد بازی سے کیا مراد ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَقُولُ : قَدْ دَعَوْتُ وَقَدْ دَعَوْتُ ، فَلَمْ أَرَ يَسْتَجِيبُ لِي ، فَيَسْتَحْسِرُ عِنْدَ ذَلِكَ وَيَدَعُ الدُّعَاءَ))

''وہ کہتا ہے: میں نے دعا کی اور بار بار کی لیکن میں نہیں سمجھتا کہ میری دعا قبول ہو رہی ہے۔ چنانچہ وہ مایوس ہو کر سرے سے دعا کرنا ہی چھوڑ دیتا ہے۔''[2]

لہٰذا مایوس ہوئے بغیر دعا مسلسل جاری رکھنی چاہیے۔ ویسے بھی انسان کو اگر یہ پتہ ہو کہ دعا کے کتنے فوائد ہیں اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا کی بدولت دعا کرنے والے سے کسی مصیبت کو ٹال دیتا ہے، تو وہ کبھی مایوس نہ ہو اور برابر دعا کرتا رہے۔

(10) خوشحالی ہو یا تنگ حالی دونوں حالتوں میں دعا کو نہیں چھوڑنا چاہیے

بعض لوگوں پر جب مشکلات آتی ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنا شروع کر دیتے ہیں اور جب مشکلات ٹل جاتی ہیں تو وہ دعائیں کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ﴾

''اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے لیٹے ہوئے بھی، بیٹھے ہوئے بھی اور کھڑے ہوئے بھی۔ پھر جب ہم اس کی تکلیف کو اس سے دور کر دیتے ہیں تو وہ ایسے ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے اس تکلیف کے لیے جو اس کو آئی تھی کبھی ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔''[3]

لہٰذا ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو پکارتے رہنا اور اس سے دعا کرتے رہنا چاہیے۔ کبھی بھی اس سے استغناء درست نہیں

(1) مسند أحمد فی مسنده وابن حبان. وقال محققها الأرناؤط: إسناده صحيح على شرط الشيخين. (2) صحيح مسلم: 2735. (3) يونس 10:12.

ہے اور نہ ہی استغناء ممکن ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے اس شخص کو سب سے زیادہ عاجز قرار دیا جو دعا سے عاجز آ جائے۔

ارشاد فرمایا: ((أَعْجَزُ النَّاسِ مَنْ عَجَزَ عَنِ الدُّعَاءِ ، وَأَبْخَلُهُمْ مَّنْ بَخِلَ بِالسَّلَامِ))

''لوگوں میں سب سے زیادہ عاجز وہ ہے جو دعا سے تھک جائے۔ اور ان میں سب سے زیادہ بخیل وہ ہے جو سلام کہنے میں بخل کرے۔''[1]

[11] بددعا نہیں کرنی چاہیے، نہ اپنے اوپر، نہ اپنی اولاد پر اور نہ ہی اپنے مال پر۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا تَدْعُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ وَلَا تَدْعُوا عَلٰى أَوْلَادِكُمْ وَلَا تَدْعُوا عَلٰى أَمْوَالِكُمْ ، لَا تُوَافِقُوا مِنَ اللهِ سَاعَةً يُسْأَلُ فِيهَا عَطَاءً فَيَسْتَجِيبُ لَكُمْ)) وزاد أبو داود : (وَلَا تَدْعُوا عَلٰى خَدَمِكُمْ)

''تم اپنے اوپر بددعا نہ کرو، اپنی اولاد پر بددعا نہ کرو اور اپنے مالوں پر بددعا نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عین اسی وقت اللہ کے ہاں قبولیت کی گھڑی ہو تو وہ تمھاری بددعا قبول کر لے۔'' ابو داود کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ''اپنے خادموں پر بھی بددعا نہ کرو۔''[2]

[12] دنیا میں سزا پانے کی دعا نہ کریں

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک مسلمان کی عیادت کی جو نہایت کمزور اور لاغر ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا کی تھی یا کسی چیز کا سوال کیا تھا؟ اس نے کہا: جی ہاں، میں یہ دعا کرتا تھا کہ اے اللہ! تو نے جو سزا مجھے آخرت میں دینی ہے وہ اسی دنیا میں ہی دے دے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''عجیب بات ہے! تم تو اس کی طاقت ہی نہیں رکھتے۔ تم نے یہ دعا کیوں نہ کی:

﴿ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اس کے لیے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی۔[3]

قبولیتِ دعا کے اسباب

قبولیتِ دعا کے کئی اسباب ہیں۔ ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ دعا کرنے والا مذکورہ آداب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دعا کرے۔ اس کے علاوہ کچھ اور اسباب بھی ہیں جنھیں ہم اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

[1] رواہ ابن حبان والطبرانی، وصححه الألباني في صحيح الجامع: 1044. [2] صحيح مسلم: 3009، وسنن أبي داود: 1534. [3] صحيح مسلم.

[1] دعائے یونس علیہ السلام: ﴿لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ ''تیرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، تو پاک ہے۔ بے شک میں ہی ظلم کرنے والوں میں سے تھا۔'' پڑھ کر کوئی دوسری دعا کرنا قبولیت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے کیونکہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّهُ لَمْ يَدْعُ بِهَا مُسْلِمٌ فِيْ شَيْئٍ قَطُّ إِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهُ بِهَا))

''جو مسلمان ان کلمات کے ساتھ کوئی بھی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے یقینا قبول کرتا ہے۔''[1]

[2] فرائض کے علاوہ نوافل کی ادائیگی

مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام فرائض کو پابندی سے ادا کرے۔ اس کے علاوہ نفلی عبادات بھی کثرت سے کرے۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت سے نوازے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ قَالَ : مَنْ عَادیٰ لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْئٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهِ ، وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا ، وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِيْ لَأُعْطِيَنَّهُ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِيْ لَأُعِيْذَنَّهُ))

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو شخص میرے دوست سے دشمنی کرتا ہے میں اس کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ اور میرا بندہ سب سے زیادہ میرا تقرب اس چیز کے ساتھ حاصل کر سکتا ہے جسے میں نے اس پر فرض کیا ہے۔ (یعنی فرائض کے ساتھ میرا تقرب حاصل کرنا ہی مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔) اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کر لیتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کر لیتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ چلتا ہے۔ (یعنی ان تمام اعضاء کو اپنی اطاعت میں لگا دیتا ہوں۔) اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور بالضرور عطا کرونگا۔ اور اگر وہ میری پناہ طلب کرے تو میں یقینا اسے پناہ دونگا۔''[2]

[3] قبولیت کے فاضل اوقات میں دعا کا اہتمام کرنا

ویسے تو اللہ تعالیٰ ہر وقت دعا سنتا اور قبول کرتا ہے۔ جیسا کہ اس کا فرمان ہے: ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ

[1] صححه الحاكم في المستدرك ج 1، ص: 505 ووافقه الذهبي. [2] صحيح البخاري: 6502.

﴿قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾

''اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں (ان کے) قریب ہی ہوں۔کوئی دعا کرنے والا جب بھی مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔''[1]

تاہم کچھ اوقات ایسے ہیں جن میں خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔مثلاً:

[1] سجدے میں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ))

''بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدے میں ہو۔لہٰذا تم کثرت سے دعا کیا کرو۔''[2]

دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا: ((فَأَمَّا الرُّكُوعُ فَعَظِّمُوا فِيهِ الرَّبَّ عَزَّ وَجَلَّ ، وَأَمَّا السُّجُودُ فَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ))

''رکوع میں تم رب عز وجل کی عظمت بیان کرو۔اور سجدے کے دوران زیادہ سے زیادہ دعا کیا کرو کیونکہ عین ممکن ہے کہ دعا کو قبول کر لیا جائے۔''[3]

[2] اذان اور اقامت کے درمیان۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا يُرَدُّ الدُّعَاءُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ))

''اذان اور اقامت کے درمیان دعا کو رد نہیں کیا جاتا۔''[4]

[3] رات کے آخری پہر میں

رات کا آخری پہر دعاؤں کی قبولیت کا بہترین وقت ہے۔اس وقت اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر تشریف لا کر کہتا ہے:

((مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ ؟ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ ؟ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ))

''کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے تو میں اس کی دعا کو قبول کروں؟ اور کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کا سوال پورا کروں؟ اور کون ہے جو مجھ سے معافی مانگے تو میں اسے معاف کر دوں؟''[5]

[4] فرض نمازوں کے اختتام پر

مسلمان کو چاہیے کہ وہ فرض نمازوں کے اختتام پر (آخری تشہد میں سلام پھیرنے سے پہلے) وہ مسنون دعائیں

[1] البقرۃ 2:186. [2] صحیح مسلم: 482. [3] صحیح مسلم: 479. [4] سنن أبي داود: 521، وقال الألباني: صحیح. [5] صحیح مسلم: 758.

پڑھے جو رسول اکرم ﷺ پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح اگر ان نمازوں کے بعد مسنون اذکار پڑھے جائیں اور بعد ازاں انفرادی طور پر دعا کی جائے تو اس کی قبولیت کے بھی امکانات ہوتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((جَوْفَ اللَّيْلِ الْأَخِيرِ وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَةِ))

''رات کے آخری حصے میں اور فرض نمازوں کے اختتام پر۔''[1]

5 افطاری سے کچھ پہلے

افطاری کا وقت دعا کی قبولیت کے اوقات میں سے ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((إِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِهِ لَدَعْوَةً مَا تُرَدُّ))

''بے شک روزہ دار کی افطاری کے وقت ایک دعا ایسی ہوتی ہے جسے رد نہیں کیا جاتا۔''[2]

6 جمعہ کے دن مقبولیت کی گھڑی میں دعا کرنا

جمعہ کے روز ایک ایسی مبارک گھڑی آتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ دعا کرنے والے آدمی کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم جمعہ کا ذکر کیا اور پھر ارشاد فرمایا:

((فِيْهِ سَاعَةٌ لاَ يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ يَسْأَلُ اللهَ تَعَالٰى شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ)) وَأَشَارَ بِيَدِهِ يُقَلِّلُهَا))

''اس میں ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ اس میں ایک مسلمان بندہ نماز پڑھ رہا ہو اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز عطا کر دیتا ہے۔'' اور آپ ﷺ نے اس گھڑی کا تذکرہ کرتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے اسے بہت ہی مختصر گھڑی بتایا۔[3]

وہ مبارک گھڑی کونسی ہے؟ اس سلسلے میں دو قسم کی روایات ذکر کی گئی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مبارک گھڑی کے بارے میں ارشاد فرمایا:

((هِيَ مَا بَيْنَ أَنْ يَّجْلِسَ الْإِمَامُ إِلٰى أَنْ تُقْضَى الصَّلاَةُ))

''وہ (مبارک گھڑی) امام کے منبر پر بیٹھنے سے نماز ختم ہونے کے درمیان ہوتی ہے۔''[4]

اور دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((يَوْمُ الْجُمُعَةِ ثِنْتَا عَشْرَةَ۔ يُرِيْدُ سَاعَةً ۔ لَا

[1] جامع الترمذي: 3499، وقال الألباني: حسن. [2] سنن ابن ماجه: 1753، قال في الزوائد: إسناده صحيح.
[3] صحيح البخاري: 935، صحيح مسلم: 852. [4] صحيح مسلم: 853.

يُوْجَدُ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ شَيْئًا إِلَّا آتَاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ، فَالْتَمِسُوْهَا آخِرَ سَاعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ»

''جمعہ کے روز بارہ گھڑیاں ہوتی ہیں۔ (اور ان میں ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ) اس میں کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا بھی سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عطا کر دیتا ہے۔ لہٰذا تم اسے عصر کے بعد آخری گھڑی میں تلاش کرو۔''[1]

(7) بارش اور اذان کے وقت

بارش کے دوران اور اسی طرح اذان کے وقت بھی دعا قبول ہوتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «ثِنْتَانِ مَا تُرَدَّانِ : اَلدُّعَاءُ عِنْدَ النِّدَاءِ وَتَحْتَ الْمَطَرِ»

''دو دعائیں رد نہیں کی جاتیں۔ اذان کے وقت اور بارش کے دوران۔''[2]

(4) اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور اس کی صفاتِ علیا کا واسطہ دے کر اس سے دعا کرنا

دعا کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا واسطہ دے کر اس سے دعا مانگے۔ مثلاً یوں کہے: اے اللہ تو غفور ہے مجھے معاف کر دے، اے اللہ! تو رحیم ہے میرے حال پر رحم فرما۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآىِٕهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

''اور اچھے اچھے نام اللہ کے لیے ہی ہیں۔ لہٰذا تم انھی ناموں کے ذریعے اس کو پکارا کرو۔ اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے اسمائے گرامی میں کج روی کرتے ہیں، ان لوگوں کو ان کے کیے کی سزا ضرور ملے گی۔''[3]

نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو تشہد میں یوں دعا کرتے ہوئے دیکھا:

« اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِاللّٰهِ الْوَاحِدِ الْأَحَدِ الصَّمَدِ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ أَنْ تَغْفِرَ لِي ذُنُوبِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ»

تو آپ ﷺ نے فرمایا: « قَدْ غُفِرَ لَهُ ، قَدْ غُفِرَ لَهُ ، قَدْ غُفِرَ لَهُ »

''اس کی مغفرت کر دی گئی، اس کی مغفرت کر دی گئی، اس کی مغفرت کر دی گئی۔''[4]

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے ایک اور آدمی کو تشہد میں یہ دعا کرتے ہوئے دیکھا:

(1) سنن أبي داود: 1048، وصححه الألباني. (2) صحيح الجامع الصغير للألباني: 3078. (3) الأعراف 7: 180. (4) مسند أحمد: 18995، وقال محققه الأرناؤط: إسناده صحيح وهو في أبي داؤد برقم: 987، وصححه الألباني.

((اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدَ . لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ . يَا بَدِيعَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ . يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ . يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ))

تو رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ سے فرمایا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ اس نے کس چیز کا واسطہ دے کر دعا کی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ دَعَا اللهَ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ وَإِذَا سُئِلَ بِهِ أَعْطَى))

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس نے اللہ کے اُس اسم اعظم کے ساتھ دعا کی ہے کہ جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو وہ قبول کر لیتا ہے۔ اور جب اس کے ساتھ سوال کیا جائے تو وہ اسے دے دیتا ہے۔''[1]

ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ اس سے دعا مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ دعا کرنے والے شخص کی دعا کو قبول کرتا ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((أَلِظُّوا بِيَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ))

''یا ذا الجلال والإکرام کے ساتھ گڑ گڑا کر کثرت سے دعا کیا کرو۔''[2]

5 عمل صالح کا وسیلہ بنانا

انسان جب محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کوئی نیک عمل سرانجام دے اور اس کے بعد اسی عمل کو وسیلہ بناتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَٱبْتَغُوٓا۟ إِلَيْهِ ٱلْوَسِيلَةَ وَجَٰهِدُوا۟ فِى سَبِيلِهِۦ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

''اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اور اس کے حضور (باریابی کے لیے) وسیلہ تلاش کرو۔ اور اس کے راستے میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''[3]

اس آیت کریمہ میں وسیلہ سے مراد اعمال صالحہ کا وسیلہ ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿رَّبَّنَآ إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِى لِلْإِيمَٰنِ أَنْ ءَامِنُوا۟ بِرَبِّكُمْ فَـَٔامَنَّا ۚ رَبَّنَا فَٱغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّـَٔاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ ٱلْأَبْرَارِ﴾[4]

[1] مسند أحمد: 13595، وقال محققه الأرناؤط: حديث صحيح. [2] مسند أحمد: 17632، وقال محققه الأرناؤط: حديث صحيح. [3] المائدة 35:5. [4] آل عمرٰن 193:3.

اس آیت کریمہ میں ایمان کو وسیلہ بنا کر دعا کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

اور جہاں تک اعمال صالحہ کو وسیلہ بنا کر دعا کرنے کا تعلق ہے تو اس کی سب سے بہتر دلیل اصحاب الغار کا وہ واقعہ ہے جس میں رسول اکرم ﷺ نے بیان فرمایا کہ ایک غار میں جو تین لوگ پھنس گئے تھے ان میں سے ہر ایک نے اپنے اس عمل کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی جو اس نے خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں قبول کر لیں اور انھیں اس مشکل سے نجات دے دی جس میں وہ پھنسے ہوئے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تین آدمی پیدل جا رہے تھے کہ اچانک بارش شروع ہوگئی جس کی وجہ سے انھیں پہاڑ کی ایک غار میں پناہ لینا پڑی۔ جب وہ غار کے اندر چلے گئے تو پہاڑ سے ایک پتھر غار کے منہ پر آ کر گرا جس سے اس کا منہ بند ہوگیا۔ اب وہ آپس میں کہنے لگے: دیکھو! وہ نیک اعمال جو تم نے خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیے ہوں، آج انھی اعمال کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرکے دعا کرو، شاید وہ ہمیں اس مشکل سے نجات دے دے۔

چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے دعا کرتے ہوئے کہا:

اے اللہ! میرے والدین بوڑھے تھے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے۔ میں بکریاں چراتا اور ان کے لیے دودھ لے آتا۔ اور شام کو جب میں گھر واپس لوٹتا تو سب سے پہلے اپنے والدین کو دودھ پیش کرتا، پھر اپنے بچوں کو دیتا۔ ایک دن میں چراہگاہ دور ہونے کی وجہ سے گھر تاخیر سے پہنچا۔ تو میں نے دیکھا کہ میرے والدین سو چکے ہیں۔ میں نے دودھ لیا اور ان کے سر کے قریب کھڑا ہو کر ان کے جاگنے کا انتظار کرنے لگا۔ اور میں اس بات کو ناپسند کرتا تھا کہ میں خود انھیں جگاؤں اور یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ میں بچوں کو ان سے پہلے دودھ پلاؤں حالانکہ بچے بھوک کی وجہ سے میرے پیروں کے قریب بلبلا رہے تھے۔ لہٰذا میں اسی طرح ان کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا، وہ سوئے رہے اور میرے بچے بلبلاتے رہے حتی کہ فجر ہوگئی۔ (اے اللہ!) تجھے معلوم ہے کہ میں نے وہ عمل صرف تیری رضا کے لیے کیا تھا۔ لہٰذا تو اس پتھر کو کم از کم اتنا ہٹا دے کہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی اور اس پتھر کو اتنا ہٹا دیا کہ وہ آسمان کو دیکھ سکتے تھے......... باقی دونوں آدمیوں میں سے ایک نے اپنے مزدور سے حسن سلوک کی نیکی پیش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو وہ پتھر تھوڑا سا اور کھسک گیا لیکن اب بھی وہ باہر نہ نکل سکتے تھے۔ اب تیسرے آدمی نے دعا کی تو اس نے اپنی ایک چچا زاد سے محبت کا ذکر کیا جس میں نوبت یہاں تک جا پہنچی تھی کہ وہ اس سے بدکاری کرنے کے عین قریب پہنچ گیا۔ لڑکی نے اسے اللہ تعالیٰ کا خوف دلایا تو اس نے بدکاری کا ارادہ ترک کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُس پتھر کو غار کے منہ سے مکمل طور پر ہٹا دیا۔''[1]

[1] صحيح البخاري، الأدب باب إجابة دعاء من بر والديه: 5974، صحيح مسلم: 2743.

محترم حضرات! ذرا اس واقعہ میں غور کریں کہ غار میں پھنسے ہوئے ان لوگوں نے کسی بزرگ یا ولی اللہ یا نبی کو نہیں پکارا اور نہ ہی ان کا وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی! بلکہ پکارا تو صرف اللہ تعالیٰ کو پکارا۔ اور وسیلہ بنایا تو اپنے اعمال صالحہ کا وسیلہ بنایا۔ لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ مشکلات میں اکیلے اللہ تعالیٰ کو ہی پکارے۔ اور وسیلہ بنائے تو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ یا اس کی صفاتِ کاملہ کا وسیلہ بنائے۔ یا پھر اپنے اعمال صالحہ کا وسیلہ بنائے جیسا کہ ان اصحاب غار والوں نے اپنے اعمال کا وسیلہ بنایا۔ اس وسیلہ کے علاوہ اور کوئی وسیلہ مشروع نہیں ہے۔ نہ کسی نبی کی ذات کا وسیلہ بنانا جائز ہے اور نہ ہی اللہ کے ہاں اس کے مقام ومرتبہ کا وسیلہ بنانا درست ہے۔ اسی طرح فوت شدہ بزرگان دین یا اولیاء اللہ کا وسیلہ بنانا بھی جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی نیک آدمی زندہ ہو تو اس کے پاس جا کر اس سے دعا کرائی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ سے دعا کی اپیل کرتے تھے تو آپ ان کے لیے دعا کر دیا کرتے تھے۔ تاہم آپ ﷺ کی وفات کے بعد وہ انھیں وسیلہ نہیں بناتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب قحط سالی ہوتی تھی تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ذریعے بارش طلب کرتے تھے اور کہا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا ،وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا))

''اے اللہ! ہم اپنے نبی کو تیری طرف وسیلہ بنایا کرتے تھے تو تو ہمیں بارش نصیب کرتا تھا۔ اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کے ذریعے تجھ سے بارش طلب کرتے ہیں لہٰذا تو ہمیں بارش نصیب کر۔''[1]

چنانچہ اللہ تعالیٰ بارش نازل کر دیتا تھا۔

دعا کسی فوت شدہ شخصیت کا واسطہ ڈھونڈے بغیر براہِ راست اللہ سے کرنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾

''اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں (ان کے) قریب ہی ہوں۔ کوئی دعا کرنے والا جب بھی مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔''[2]

جو قریب ہے، پکار کو سن سکتا ہے، سن کر قبول بھی کرتا ہے اور جو مدد کرنے پر بھی قادر ہے صرف اسی کو پکارنا چاہیے اور براہِ راست اس سے دعا کرنی چاہیے۔

6 مسلمانوں کے لیے غائبانہ دعا کرنا

مسلمانوں کے لیے غائبانہ دعائیں قبول ہوتی ہیں اور انسان جو دعائے خیر دوسروں کے لیے کرتا ہے وہی دعا خود

① صحيح البخاري: 1010. ② البقرة 2:186.

اس کے حق میں بھی قبول کی جاتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((دَعْوَةُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ مُسْتَجَابَةٌ ، عِنْدَ رَأْسِهِ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ ، كُلَّمَا دَعَا لِأَخِيهِ بِخَيْرٍ قَالَ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ : آمِينَ وَلَكَ بِمِثْلٍ))

''مسلمان کی اپنے بھائی کے لیے غائبانہ دعا قبول کی جاتی ہے۔ اس کے سر کے پاس ایک فرشتہ متعین ہوتا ہے، وہ جب بھی اپنے بھائی کے لیے دعائے خیر کرتا ہے تو متعین فرشتہ کہتا ہے (آمین) اور تمھیں بھی یہی خیر نصیب ہو۔''[1]

جن لوگوں کی دعائیں خاص طور پر قبول کی جاتی ہیں

سامعین کرام! آخر میں ان لوگوں کا تذکرہ سن لیجیے جن کی دعائیں اللہ تعالیٰ خاص طور پر قبول کرتا ہے۔

[1] رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ لَا تُرَدُّ . دَعْوَةُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهِ ، وَدَعْوَةُ الصَّائِمِ ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ))

''تین دعائیں رد نہیں کی جاتیں۔ اپنی اولاد کے لیے والد کی دعا، روزہ دار کی دعا اور مسافر کی دعا۔''[2]

[2] ایک روایت میں فرمایا:

((ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ : دَعْوَةُ الصَّائِمِ ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ))

''تین دعائیں قبول کی جاتی ہیں: روزہ دار کی دعا، مظلوم کی دعا اور مسافر کی دعا۔''[3]

مظلوم کی پکار کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ))

''مظلوم کی (بد) دعا سے بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔''[4]

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ : اَلصَّائِمُ حَتَّى يُفْطِرَ ، وَالْإِمَامُ الْعَادِلُ ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ))

''تین افراد کی دعائیں رد نہیں کی جاتیں: روزہ دار جب تک افطاری نہ کرے۔ عادل حکمران۔ مظلوم کی پکار۔''[5]

[1] صحيح مسلم: 2733. [2] صحيح الجامع الصغير للألباني: 3032 . [3] صحيح الجامع الصغير للألباني: 3030.
[4] صحيح البخاري: 2448. [5] جامع الترمذي وصححه الألباني.

③ اسی طرح اس شخص کی دعا بھی قبول کی جاتی ہے جو رات کو وضو کر کے اپنے بستر پر جائے اور ذکر کرتے کرتے سو جائے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَبِيتُ عَلٰى ذِكْرِ اللهِ طَاهِرًا ، فَيَتَعَارُّ مِنَ اللَّيْلِ ، فَيَسْأَلُ اللهَ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ))

''جو مسلمان باوضو حالت میں اللہ کا ذکر کرتے ہوئے سو جائے ، پھر رات کو اس کی آنکھ کھلے اور وہ دنیا وآخرت کی خیر وبھلائی کا اللہ تعالیٰ سے سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ دے دیتا ہے۔''[1]

④ حجاج بیت اللہ اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے والے حضرات کی دعائیں بھی قبول کی جاتی ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْغَازِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ وَفْدُ اللهِ ، دَعَاهُمْ فَأَجَابُوْهُ.وَسَأَلُوْهُ فَأَعْطَاهُمْ))

''اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا' حج کرنے والا اور عمرہ کرنے والا یہ سب اللہ کے مہمان ہوتے ہیں۔ اللہ نے انھیں بلایا تو یہ اس کی دعوت قبول کر کے چلے آئے۔ اس لیے اب یہ جو کچھ اللہ سے مانگیں گے وہ انھیں عطا کرے گا۔''[2]

⑤ کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مسلمان کی دعا بھی قبول کی جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((ثَلَاثَةٌ لَا يُرَدُّ دُعَاءُهُمْ : اَلذَّاكِرُ اللهَ كَثِيرًا ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ ، وَالْإِمَامُ الْمُقْسِطُ))

''تین افراد کی دعائیں رد نہیں کی جاتیں : کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا۔ مظلوم کی پکار اور عادل حکمران۔''[3]

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازے۔ اور ہمارے گناہوں پر ہم سے درگذر فرمائے۔ اور ہم سب کو جنت الفردوس میں داخل کرے۔ اور عذاب جہنم سے اپنی پناہ میں رکھے۔

دوسرا خطبہ

محترم حضرات ! پہلے خطبہ میں آپ نے دعا کی اہمیت وضرورت ، دعا کے آداب اور قبولیت دعا کے اسباب وغیرہ پر قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری گذارشات سماعت کیں۔ آیئے اب اسی موضوع کو مکمل کرتے ہوئے یہ بھی جان لیجئے کہ وہ کونسے اسباب ہیں جن کی بناء پر دعائیں قبول نہیں کی جاتیں۔

① سنن أبي داود، وصححه الألباني. ② جامع ابن ماجه، ابن حبان۔ صحيح الترغيب والترهيب: 1108. ③ سنن ابن ماجه وصححه الألباني.

جن کی دعائیں قبول نہیں کی جاتیں۔ عدم قبولیت کے اسباب

کچھ ایسے بدنصیب بھی ہیں جن کی دعائیں اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں ہوتیں۔ اور ان کی دعاؤں کی عدم قبولیت کے کچھ اسباب ہیں۔

(1) حرام کمائی۔ وہ لوگ جو حرام کھاتے ہیں اور ان کی پرورش مالِ حرام کے ساتھ ہوتی ہے ان کی دعائیں قبول نہیں کی جاتیں۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ. إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ وَلاَ يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا))

''اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک چیز کو قبول کرتا ہے۔''

پھر آپ نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو لمبا سفر کر کے پراگندہ اور غبار آلود حالت میں آسمان کی طرف ہاتھوں کو بلند کر کے دعا کرتا ہے: اے میرے رب، اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا، اس کا پینا اور اس کا لباس حرام کمائی سے ہوتا ہے اور اس کے جسم کی پرورش حرام رزق سے ہوئی ہوتی ہے تو ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے!''[1]

اس حدیث میں ذرا غور فرمائیں کہ اس شخص نے قبولیتِ دعا کے کئی اسباب اختیار کیے۔ سفر، پراگندہ اور غبار آلود حالت اور اللہ کے سامنے ہاتھوں کا اٹھانا وغیرہ.......... لیکن اس کے باوجود اس کی دعا اللہ کے ہاں قابلِ قبول نہیں! کیوں؟ اس لیے کہ اس کا کھانا پینا اور لباس وغیرہ حرام کمائی سے ہوتا ہے۔

(2) کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا کرنا

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَا عَلَى الْأَرْضِ مُسْلِمٌ يَدْعُو اللهَ تَعَالَىٰ بِدَعْوَةٍ إِلَّا آتَاهُ اللهُ إِيَّاهَا ، أَوْ صَرَفَ عَنْهُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَهَا . مَا لَمْ يَدْعُ بِإِثْمٍ أَوْ قَطِيْعَةِ رَحِمٍ)) فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ : إِذًا نُكْثِرُ؟ قَالَ ((اَللّٰهُ أَكْثَرُ))

''خطۂ زمین پر پایا جانے والا کوئی مسلمان جب اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی طلب کی ہوئی چیز دے دیتا ہے یا اس جیسی کوئی مصیبت اس سے ٹال دیتا ہے بشرطیکہ وہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے۔'' یہ سن کر لوگوں میں سے ایک شخص کہنے لگا: تب تو ہم اور زیادہ دعا کریں گے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اور زیادہ عطا کرے گا۔''[2]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص گناہ یا قطع رحمی کی دعا کرے تو وہ دعا قبول نہیں ہوتی۔

(1) صحيح مسلم: 1014. (2) جامع الترمذي: 3573، وصححه الألباني.

(3) دعا میں نبی کریم ﷺ پر درود شریف نہ پڑھنا

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :

((كُلُّ دُعَاءٍ مَّحْجُوبٌ حَتّٰى يُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ))

"ہر دعا کو روک لیا جاتا ہے یہاں تک کہ دعا کرنے والا حضرت محمد ﷺ پر درود شریف پڑھے۔"[1]

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں : ((إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ،لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ عَلٰى نَبِيِّكَ ﷺ))

"بے شک دعا کو آسمان اور زمین کے درمیان روک دیا جاتا ہے اور اس میں سے کچھ بھی اوپر نہیں جاتا یہاں تک کہ آپ اپنے نبی ﷺ پر درود پڑھیں۔"[2]

(4) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو ترک کرنا

دین اسلام کا ایک اہم فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔ یعنی نیکی کی تلقین کرنا اور برائی سے منع کرنا۔ اگر کسی قوم میں یہ فریضہ مکمل طور پر ترک کردیا جائے تو اس قوم کے لوگوں کی دعائیں قابل قبول نہیں ہوتیں۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے : ((مُرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَ نْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ قَبْلَ أَنْ تَدْعُوا فَلَا يُسْتَجَابَ لَكُمْ))

"تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے منع کرتے رہو اس سے پہلے کہ تم دعا کرو اور پھر دعائیں قبول نہ کی جائیں۔"[3]

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا :

((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِّنْهُ ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ))

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور بالضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور ہر حال میں برائی سے منع کرتے رہنا ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیجے گا۔ اس کے بعد تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو گے تو تمھاری دعائیں قبول نہیں کی جائیں گی۔"[4]

آخر میں ابراہیم بن ادہم کی ایک نصیحت آموز بات :

(1) رواه الطبراني في الأوسط عن علي موقوفا۔ وقال الألباني في صحيح الترغيب :1675 صحيح لغيره. (2) جامع الترمذي: 486. وقال الألباني : حسن. (3) سنن ابن ماجه : 4004. وحسنه الألباني. (4) جامع الترمذي: 2169. وحسنه الألباني

ان سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ 'تم مجھ سے دعا کرو میں قبول کرونگا'' لیکن ہم دعا کرتے ہیں تو قبول نہیں ہوتی، کیا وجہ ہے؟

انھوں نے جواب دیا: اس کی وجہ یہ ہے کہ تمھارے دل دس چیزوں کے سبب مردہ ہو چکے ہیں:

1. تم نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا لیکن اس کا حق ادا نہ کیا۔
2. تم اللہ کا رزق کھاتے ہو لیکن اس کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔
3. تم قرآن کو پڑھتے ہو لیکن اس پر عمل نہیں کرتے۔
4. تم شیطان کو اپنا دشمن سمجھنے کا دعویٰ تو کرتے ہو لیکن تم نے اس کو اپنا دوست بنا رکھا ہے۔
5. تم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ محبت کا دعویٰ کرتے ہو لیکن تم نے ان کی سنتوں کو چھوڑ دیا ہے۔
6. تم جنت سے محبت کا دعویٰ تو کرتے ہو لیکن اس کے حصول کے لیے عمل نہیں کرتے ہو۔
7. تم جہنم سے خوف کھانے کا دعویٰ کرتے ہو لیکن گناہوں سے اجتناب نہیں کرتے۔
8. تم دوسروں کے عیب ڈھونڈتے ہو لیکن اپنے عیبوں پر نظر نہیں ڈالتے۔
9. تم یہ مانتے ہو کہ موت برحق ہے لیکن اس کے لیے تیاری نہیں کرتے۔
10. تم اپنے مردوں کو دفن کرتے ہو لیکن خود عبرت حاصل نہیں کرتے ......تو بتلاؤ تمھاری دعائیں کیسے قبول ہونگی ؟؟؟؟

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمارے حال پر رحم فرمائے، ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے اور ہمیں عذاب قبر اور عذاب جہنم سے محفوظ رکھے۔ اور ہمیں قبولیتِ دعا کے اسباب اختیار کرنے اور اخلاص کے ساتھ دعا کرنے کی توفیق بخشے اور پھر اسے قبول فرمائے۔

مسجد کے آداب

اہم عناصرِ خطبہ

1. مسجد کی اہمیت اور قدر و منزلت
2. مسجد تعمیر کرنے کے فضائل
3. مسجد کو آباد کرنے کے فضائل
4. مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کی اہمیت
5. مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کے فضائل
6. مسجد میں تعلیمِ قرآن کا اہتمام کرنا
7. مسجد میں دروسِ قرآن وحدیث کا اہتمام کرنا
8. مسجد کے آداب

پہلا خطبہ

حضرات محترم ! اسلام میں مسجد کی بڑی اہمیت ہے۔

* 'مسجد' اللہ تعالیٰ کا وہ گھر ہے جس میں مسلمان دن اور رات میں کم از کم پانچ مرتبہ جمع ہوتے اور اسلام کا سب سے اہم فریضہ ادا کر کے اپنے دلوں کو سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں۔
* 'مسجد' وہ مقام ہے جہاں اللہ کے بندے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے اور اس کے سامنے عاجزی وانکساری کا اظہار کرتے ہیں۔
* 'مسجد' وہ عبادت گاہ ہے جہاں مومنین تقرب الٰہی کے حصول کے لیے مختلف عبادات سرانجام دیتے ہیں۔
* 'مسجد' وہ جگہ ہے جہاں مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے اور متفاوت درجات ومراتب رکھنے والے لوگ ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔ ایک ہی قبلہ کی طرف رخ کر کے سب

ایک ہی اللہ کو پکارتے ، اس سے راز ونیاز کی باتیں کرتے اور اس سے دعا کرتے ہیں۔

❁ 'مسجد' وہ عظیم جگہ ہے جہاں اللہ کے گناہگار بندے اپنے گناہوں پر آنسو بہاتے ،توبہ واستغفار کرتے اور اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کرتے ہوئے معافی مانگتے اور اسے راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آج کے خطبۂ جمعہ میں ہم مساجد میں حاضر ہونے کے آداب بیان کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔لیکن آیئے سب سے پہلے یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک 'مساجد' کی کتنی اہمیت اور شریعتِ اسلامیہ میں ان کی قدر ومنزلت کتنی بلند ہے!

'مساجد' کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے جو ان کی عظیم قدر ومنزلت کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : ﴿ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴾

''اللہ کی مساجد کو آباد کرنا تو اس کا کام ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا ،نماز پابندی سے پڑھتا رہا اور زکاۃ ادا کرتا رہا اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرا۔ امید ہے کہ ایسے ہی لوگ ہدایت یافتہ ہوں گے۔''[1]

اس آیت کریمہ میں تین باتیں قابل توجہ ہیں :

پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مساجد کی نسبت اپنی طرف کی ہے : ﴿مَسٰجِدَ اللّٰهِ﴾ ''اللہ کی مسجدیں'' یقینا یہ ان مساجد کا شرف اور ان کی فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی طرف منسوب کر رہا ہے۔

دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مساجد کی تعمیر اور تعمیر کے بعد ان کی آباد کاری کا کام ان لوگوں کی طرف منسوب کیا ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے۔ یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ مساجد تعمیر کرنا اور انھیں آباد رکھنا ایمان کی نشانی ہے۔اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا تھا کہ

((إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الْمَسَاجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيْمَانِ ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ------))

''اگر تم کسی آدمی کو مسجد میں آتا جاتا دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دے دو۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ مساجد کو آباد کرنے کا کام وہی کرسکتا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے ....''[2]

تیسری یہ کہ جو شخص ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو، مساجد کو آباد رکھتا ہو یعنی پانچوں نمازیں پابندی کے ساتھ مساجد میں باجماعت ادا کرتا ہو، اس کے ساتھ ساتھ زکاۃ بھی ادا کرتا ہو اور اس کے دل میں

[1] التوبة:9:18. [2] جامع الترمذي: 3093، سنن ابن ماجه: 802.

سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کا ڈر اور خوف نہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہدایت یافتہ ہے۔

ان تینوں باتوں میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مساجد کی تعمیر و آبادکاری کی فضیلت ذکر کی ہے۔

جبکہ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے مساجد کو ویران و بے آباد کرنے والے شخص کو سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَاۗىِٕفِيْنَ ڛ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾

''اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوسکتا ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام ذکر کرنے سے روکے اور اسے بے آباد کرنے کے درپے ہو۔ انھیں تو یہ چاہیے تھا کہ مسجدوں میں اللہ سے ڈرتے ڈرتے داخل ہوتے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔''[1]

اس آیت میں بھی اللہ رب العزت نے مساجد کی نسبت اپنی طرف کی ہے اور یہ عظیم نسبت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اسلام میں مساجد کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اور اُس شخص کو سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اُس کا ذکر کرنے سے منع کرتا اور نھیں ویران کرنے کی کوشش کرتا ہو۔ اس کے علاوہ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذابِ عظیم کی وعید بھی سنائی ہے۔ لہٰذا ایسی کسی بھی کوشش سے مسلمان کو بچنا چاہیے اور جیسے بھی ممکن ہو مساجد کی تعمیر و ترقی اور ان کی آبادکاری میں ہر مسمان کو حصہ ڈالنا چاہیے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءِ الزَّكٰوةِ ۽ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

''ان گھروں میں جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ انھیں بلند کیا جائے اور ان میں اس کا نام ذکر کیا جائے، ان میں وہ لوگ صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جنھیں اللہ کے ذکر، اقامتِ صلاۃ اور ادائے زکاۃ سے نہ تجارت غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت۔ وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔ تاکہ وہ جو عمل کرتے ہیں اللہ انھیں اس کا بہترین بدلہ دے اور اپنے فضل سے اور زیادہ بھی دے۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق عطا کرتا ہے۔''[2]

ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ اس نے اپنے گھروں (مساجد) کو بلند کرنے یعنی تعمیر کرنے کا

[1] البقرۃ 2:114. [2] النور 24:36-38.

حکم دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان میں اللہ کا ذکر کرنے یعنی ان میں نمازیں ادا کرنے، قرآن کی تلاوت کرنے، دعا کرنے، حلقاتِ علم اور حلقاتِ حفظِ قرآن قائم کرنے کا حکم بھی دیا ہے تا کہ یہ آباد رہیں اور ان کی رونق میں اضافہ ہوتا رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو تجارت اور کاروبار کی وجہ سے اللہ کے ذکر، اقامتِ صلاۃ اور ادائے زکاۃ سے غافل نہیں رہتے بلکہ صبح وشام اللہ کی مسجد میں حاضر ہو کر اس کی تسبیح کرتے اور دیگر اذکار وغیرہ پڑھتے رہتے ہیں۔ اور ایسے ہی لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا بہترین بدلہ اور اپنے فضل وکرم سے مزید بھی عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے کیونکہ وہ جس کو چاہیے بلا حساب رزق عطا کرنے پر قادر ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾

''اور مساجد اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہیں۔ لہٰذا تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔''[1]

محترم حضرات! اب تک ہم نے جتنی آیات ذکر کی ہیں ان سب میں اللہ تعالیٰ نے مساجد کی تعمیر وآبادکاری کے فضائل سے آگاہ فرمایا ہے۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان کی قدر ومنزلت کو پہچانیں، انھیں آباد رکھیں اور ان میں عبادت کر کے ان کی رونق میں اور اضافہ کریں۔

اور رسول اکرم ﷺ نے مساجد کی اہمیت اور قدر ومنزلت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا ، وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ أَسْوَاقُهَا))

''شہروں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب ان میں پائی جانے والی مساجد ہیں۔ اور شہروں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ ان میں پائے جانے والے بازار ہیں۔''[2]

چونکہ مساجد اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں اور یہ اسے کسی بھی ملک یا شہر یا بستی میں سب سے زیادہ محبوب ہیں اس لیے ان مساجد کا رخ کرنے اور ان میں حاضر ہونے والے ہر مسلمان کو اس بات پر یقین ہونا چاہیے کہ وہ ان مساجد سے تہہ دامن نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے اپنا دامن بھر کر ہی واپس لوٹے گا۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((مَنْ تَوَضَّأَ وَجَاءَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَهُوَ زَائِرُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَحَقٌّ عَلَى الْمَزُورِ أَنْ يُكْرِمَ الزَّائِرَ))

''جو شخص وضو کرے اور مسجد کی طرف آئے تو وہ اللہ عز وجل کا مہمان ہے۔ اور میزبان (اللہ تعالیٰ) پر یہ حق ہے کہ وہ مہمان کا اکرام کرے۔''[3]

[1] الجن 72:18. [2] صحیح مسلم: 671. [3] السلسلة الصحيحة للألباني: 1169.

مسجد تعمیر کرنے کے فضائل

مسجد کی جو اہمیت اور قدر و منزلت ہم نے ابھی ذکر کی ہے، اسی کے پیش نظر مسلمانوں کو مساجد کی تعمیر کا خاص طور پر اہتمام کرنا چاہیے۔ خاص طور پر ان کو جنھیں اللہ تعالیٰ نے وافر مقدار میں مال عطا کیا ہے کیونکہ ضروریاتِ زندگی سے فاضل مال کا بہترین مصرف مسجد تعمیر کرنا ہے۔

اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے مسجد بنانے کی فضیلت ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((مَنْ بَنَى مَسْجِدًا لِلهِ كَمَفْحَصِ قَطَاةٍ أَوْ أَصْغَرَ، بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ))

''جو شخص اللہ کے لیے مسجد بنائے (خواہ وہ) پرندے کے گھونسلے کی مانند یا اس سے بھی چھوٹی ہو تو اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنا دیتا ہے۔''[1]

یاد رہے کہ مسجد بنانا ایسا عظیم عمل ہے کہ اس کا اجر و ثواب بنانے والے کی موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے اسے موت کے بعد فائدہ پہنچانے والے اعمال میں شمار کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((إِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ: عِلْمًا عَلَّمَهُ وَنَشَرَهُ، وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهُ، وَمُصْحَفًا وَرَّثَهُ، أَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ، أَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيلِ بَنَاهُ، أَوْ نَهْرًا أَجْرَاهُ، أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِي صِحَّتِهِ وَحَيَاتِهِ، يَلْحَقُهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ))

''مومن کے جن اعمال اور جن نیکیوں کا ثواب اس کی موت کے بعد بھی اس کو ملتا رہتا ہے وہ یہ ہیں: علم جو اس نے سکھلایا یا اس کی نشر و اشاعت کی، نیک اولاد جو اس نے اپنے پیچھے چھوڑی، وہ مصحف جو اس نے اپنے ورثے میں چھوڑا، یا وہ مسجد جو اس نے بنوائی، یا وہ گھر جو اس نے کسی مسافر کے لیے بنوایا، یا وہ نہر جو اس نے جاری کی، یا وہ صدقہ جو اس نے اپنی تندرستی اور زندگی میں اپنے مال سے نکالا۔ ان سب چیزوں کا ثواب اسے اس کی موت کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔''[2]

مساجد کو آباد کرنے کے فضائل

اسلام میں صرف یہ نہیں ہے کہ مساجد کو تعمیر کرنے کے بعد انھیں ایسے ہی ویران و بے آباد چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ اسلام اس بات کی ترغیب دلاتا ہے کہ انھیں آباد کیا جائے، ان کی رونق میں اضافہ کیا جائے، ان سے دل لگایا جائے،

[1] سنن ابن ماجه: 738، وصححه الألباني. [2] سنن ابن ماجه: 242 وحسنه الألباني.

ان میں پانچوں نمازیں قائم کی جائیں اور انھیں قرآن وحدیث کی دعوت کا مرکز بنایا جائے۔ آیئے اب مساجد کو آباد کرنے کے فضائل سے اپنے دلوں کو منور کریں۔

[1] حدیث نبوی میں رسول اکرم ﷺ نے مسجد سے دل لگانے اور اسے آباد رکھنے والے شخص کو قیامت کے روز عرشِ باری تعالیٰ کے سائے میں جگہ پانے کی عظیم خوشخبری دی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

((سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلاَّ ظِلُّهُ : اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ ، وَشَابٌّ نَشَأَ بِعِبَادَةِ اللهِ ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ ، وَرَجُلاَنِ تَحَابَّا فِي اللهِ ، اِجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ : إِنِّي أَخَافُ اللهَ ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لاَ تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ))

''سات افراد ایسے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ دے گا اور اس دن اس کے (عرش کے) سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہ ہوگا: عادل حکمران۔ وہ نوجوان جس کی نشو ونما اللہ کی عبادت کے ساتھ ہوئی۔ وہ آدمی جس کا دل مسجد سے لٹکا ہوا ہو۔ وہ دو آدمی جنھوں نے آپس میں ایک دوسرے سے اللہ کی رضا کے لیے محبت کی، اسی پر اکٹھے ہوئے اور اسی پر جدا جدا ہوئے۔ وہ آدمی جس کو ایک عہدے پر فائز خوبصورت عورت نے دعوتِ (زنا) دی تو اس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ وہ آدمی جس نے اس طرح خفیہ طور پر صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔ اور وہ آدمی جس نے علیحدگی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔''[1]

[2] قیامت کے روز مکمل نور نصیب ہوگا

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((بَشِّرِ الْمَشَّائِينَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّورِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''اندھیروں میں مساجد کی طرف چل کر جانے والوں کو بشارت دے دیجیے کہ انھیں قیامت کے روز مکمل نور نصیب ہوگا۔''[2]

[3] جنت میں اللہ جل شانہ کی مہمان نوازی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[1] صحيح البخاري: 660، وصحيح مسلم: 1031. [2] سنن أبي داود: 165، جامع الترمذي: 223 وصححه الألباني.

((مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ أَوْ رَاحَ ، أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُ فِي الْجَنَّةِ نُزُلًا ، كُلَّمَا غَدَا أَوْ رَاحَ))

''جو شخص صبح کے وقت یا شام کے وقت مسجد میں جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مہمان نوازی تیار کرتا ہے، وہ جب بھی جائے، صبح کو یا شام کو۔''[1]

[4] مسجد کی طرف جاتے ہوئے قدم قدم پر گناہ معاف ہوتے اور درجات بلند ہوتے ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ ثُمَّ مَشَى إِلَى بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللّٰهِ ، لِيَقْضِيَ فَرِيضَةً مِنْ فَرَائِضِ اللّٰهِ، كَانَتْ خُطْوَتَاهُ إِحْدَاهُمَا تَحُطُّ خَطِيئَةً وَالْأُخْرَى تَرْفَعُ دَرَجَةً))

''جو شخص اپنے گھر میں وضو کرے، پھر اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر کی طرف روانہ ہو جائے اور اس کا مقصد صرف اللہ کے فرائض میں سے ایک فریضہ کو ادا کرنا ہو تو اس کے دو قدموں میں سے ایک قدم ایک گناہ کو مٹاتا ہے اور دوسرا ایک درجہ بلند کرتا ہے۔''[2]

مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کی اہمیت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِينَ ﴾

''نماز قائم کرو اور زکاۃ دیتے رہو۔ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو۔''[3]

اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رکوع کرنے والوں یعنی نماز پڑھنے والوں کے ساتھ باجماعت نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے جو اِس بات کی دلیل ہے کہ مساجد میں جا کر باجماعت ادا کرنا واجب ہے۔ اور اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: ((مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِهِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ))

''جو شخص اذان سنے، پھر وہ اذان (کی جگہ یعنی مسجد میں) نہ آئے تو اس کی نماز ہی نہیں۔ ہاں اگر عذر ہو تو کوئی حرج نہیں۔''[4]

اور جب ایک صحابی (ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جو کہ نابینا اور عمر رسیدہ تھے، جن کا گھر دور تھا، گھر اور مسجد کے درمیان بہت درخت تھے اور سانپ اور درندے وغیرہ بھی تھے۔ اور انھوں نے یہ اعذار بیان کرتے ہوئے کہا کہ: اے اللہ کے رسول! میں نابینا ہوں اور مجھے مسجد میں لانے والا کوئی نہیں ہے تو مجھے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دیجیے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ پھر جب وہ جانے لگا تو آپ نے پوچھا:

[1] صحيح البخاري: 662، و صحيح مسلم: 669. [2] صحيح مسلم: 666. [3] البقرة 2: 43. [4] جامع الترمذي: 217، و سنن ابن ماجه: 793. و صححه الألباني.

((هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ ؟)) وفي رواية : ((هَلْ تَسْمَعُ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ؟)) ''کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟'' ایک روایت میں ہے کہ کیا تم ''حی علی الصلاۃ ، حی علی الفلاح '' کی آواز سنتے ہو ؟ اس نے کہا: جی ہاں سنتا ہوں۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا أَجِدُ لَكَ رُخْصَةً)) وفي رواية : (فَأَجِبْ))

''میرے پاس تمھارے لیے کوئی رخصت نہیں ہے۔' ایک روایت میں ہے کہ'' اگر تم اذان سنتے ہو تو اس کو قبول کرتے ہوئے مسجد میں آ کر نماز پڑھا کرو۔'' [1]

محترم حضرات! اس حدیث میں ذرا غور کریں کہ ایک نابینا صحابی جس کے پاس ایک نہیں کئی عذر تھے ، جب رسول اکرم ﷺ نے اسے گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت نہیں دی تو آج کسی شخص کے لیے یہ رخصت کیسے ہو سکتی ہے کہ وہ جہاں چاہے اکیلا نماز پڑھ لے اور باجماعت نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں نہ آئے !!!

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مساجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں :

((مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَلْقَى اللّٰهَ غَدًا مُسْلِمًا فَلْيُحَافِظْ عَلَى هٰؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ . فَإِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ ﷺ سُنَنَ الْهُدٰى وَإِنَّهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى ، وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ كَمَا يُصَلِّي هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِي بَيْتِهِ لَتَرَكْتُم سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ ، وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ .وَمَا مِنْ رَّجُلٍ يَتَطَهَّرُ فَيُحْسِنُ الطُّهُوْرَ ثُمَّ يَعْمِدُ إِلٰى مَسْجِدٍ مِّنْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدِ إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ يَخْطُوهَا حَسَنَةً وَيَرْفَعُهُ بِهَا دَرَجَةً .وَيَحُطُّ عَنْهُ بِهَا سَيِّئَةً . وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُنَافِقٌ مَّعْلُومُ النِّفَاقِ ، وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتٰى بِهِ يُهَادٰى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتّٰى يُقَامَ فِي الصَّفِّ))

''جس شخص کو یہ بات اچھی لگتی ہو کہ وہ کل (قیامت کے روز) اللہ تعالیٰ سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملے تو وہ ان پانچ نمازوں کو ہمیشہ وہاں ادا کرے جہاں سے ان کے لیے بلایا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی ﷺ کے لیے ہدایت کے طریقے مشروع کیے ہیں اور یہ نمازیں بھی انھی میں سے ہیں۔ اور اگر تم اپنے گھروں میں نمازیں پڑھنا شروع کردو جیسا کہ یہ پیچھے رہنے والا اپنے گھر میں ہی نماز پڑھ لیتا ہے تو تم اپنے نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑنے والے ہوگے۔ اور اگر تم نے اپنے نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑ دیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور کوئی بھی شخص جو اچھی طرح سے وضو کرنے کے بعد ان مساجد میں سے کسی مسجد کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس

[1] صحيح مسلم:653، وسنن أبي داود:553,552، سنن النسائي: 851، سنن ابن ماجه:792.

کے ہر ہر قدم پر اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے، اس کے بدلے میں ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور اس کی ایک برائی کو مٹا دیتا ہے۔ اور ہم (نبی کریم ﷺ کے عہد میں) دیکھتے تھے کہ باجماعت نماز سے صرف وہ منافق پیچھے رہتا تھا جس کا نفاق سب کو معلوم ہوتا۔ اور ایک شخص کو مسجد میں باجماعت نماز کے لیے اس حالت میں لایا جاتا تھا کہ اس نے دو آدمیوں کے درمیان ان کے کندھوں کا سہارا لیا ہوا ہوتا، یہاں تک کہ اسے صف میں لا کھڑا کیا جاتا۔''[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مساجد میں باجماعت نماز سے پیچھے رہنا نفاق کی علامت ہے۔ لہٰذا مسلمانو! اس سلسلے میں قطعاً سستی نہ کیا کرو اور مساجد میں ہی باجماعت نماز ادا کیا کرو۔

مساجد میں باجماعت نماز ادا نہ کرنا کتنا بڑا گناہ ہے! اس کا اندازہ آپ اس بات سے کر سکتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے مسجد میں باجماعت نماز ادا نہ کرنے والے لوگوں کے گھروں کو اُن سمیت آگ لگانے کا ارادہ کیا تھا۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے کچھ لوگوں کو بعض نمازوں میں نہ پایا تو آپ نے فرمایا: «لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ ، ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى رِجَالٍ يَتَخَلَّفُونَ عَنْهَا ، فَآمُرَ بِهِمْ فَيُحَرِّقُوا عَلَيْهِمْ بِحُزَمِ الْحَطَبِ بُيُوتَهُمْ»

''میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ کسی کو نماز پڑھانے کا حکم دوں، پھر ان لوگوں کے پاس جاؤں جو نماز پڑھنے نہیں آتے، تو اُن سمیت ان کے گھروں کو ایندھن کی گٹھڑیوں کے ساتھ آگ لگانے کا حکم جاری کر دوں۔''[2]

مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کے فضائل

محترم حضرات! مساجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کی اہمیت تو آپ نے معلوم کر لی۔ اب یہ بھی جان لیجیے کہ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کی فضیلت کتنی زیادہ ہے!

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي جَمَاعَةٍ تَزِيدُ عَلَى صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ وَصَلَاتِهِ فِي سُوقِهِ بِضْعًا وَعِشْرِينَ دَرَجَةً ، وَذَلِكَ أَنَّ أَحَدَهُمْ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ، ثُمَّ أَتَى الْمَسْجِدَ ، لَا يَنْهَزُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ ، لَا يُرِيدُ إِلَّا الصَّلَاةَ ، فَلَمْ يَخْطُ خَطْوَةً إِلَّا رُفِعَ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ ، وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ حَتَّى يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ ، فَإِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَ فِي الصَّلَاةِ مَا كَانَتِ الصَّلَاةُ

(1) صحيح مسلم: 654. (2) صحيح البخاري: 644، و صحيح مسلم: 651.

تَحْبِسُهُ، وَالْمَلَائِكَةُ يُصَلُّونَ عَلَى أَحَدِكُمْ مَادَامَ فِي مَجْلِسِهِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ ، يَقُولُونَ : اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ ، اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ ، مَا لَمْ يُؤْذِ فِيهِ ، مَا لَمْ يُحْدِثْ فِيهِ))

''آدمی کی جماعت کے ساتھ نماز کا ثواب اُس نماز سے بیس گنا سے زیادہ بڑھ جاتا ہے جسے وہ گھر میں یا بازار میں اکیلے پڑھے۔ اور یہ اس طرح کہ جب کوئی شخص اچھی طرح سے وضو کرے، پھر مسجد میں صرف نماز پڑھنے کی نیت سے آئے، نماز کے علاوہ اس کا کوئی اور مقصد نہ ہو تو اس کے ایک ایک قدم پر اس کا ایک درجہ بلند اور ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ مسجد میں داخل ہو جائے۔ پھر جب وہ مسجد میں پہنچ جاتا ہے تو جب تک وہ نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے وہ ایسے ہے جیسے نماز پڑھ رہا ہو۔ اور وہ جب تک اپنی جائے نماز پر بیٹھا رہتا ہے فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: اے اللہ! اس پر رحم فرما۔ اے اللہ! اس کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما۔ وہ بدستور اسی طرح دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ کسی کو اذیت نہ دے یا اس کا وضو نہ ٹوٹ جائے۔''[1]

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کے متعدد فضائل ذکر فرمائے ہیں:

1. مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنا اکیلے نماز پڑھنے سے بیس گنا سے زیادہ (ستائیس گنا) افضل ہے۔
2. مسجد کی طرف آتے ہوئے ہر قدم پر ایک درجہ بلند اور ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے۔
3. جب تک وہ مسجد میں نماز کے لیے بیٹھا رہے تو وہ ایسے ہی ہے جیسے نماز پڑھ رہا ہو۔
4. نماز کے بعد جب تک وہ اپنی جگہ پہ بیٹھا رہے فرشتے اُس کے لیے مسلسل دعائے مغفرت و دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں۔

یہ تمام فضائل تبھی نصیب ہو سکتے ہیں جب آپ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے لیے آئیں گے۔

2. حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی جس کا گھر میرے علم کے مطابق مسجد سے سب سے زیادہ دور تھا لیکن وہ ایک نماز سے بھی پیچھے نہیں رہتا تھا۔ اسے کہا گیا کہ اگر تم گدھا خرید لیتے تو کم از کم اندھیرے میں اور سخت گرمی کے وقت اس پر سوار ہو کر آتے! تو اس نے کہا: مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ میرا گھر مسجد کے قریب ہو کیونکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا مسجد کی طرف آنا اور پھر اپنے گھر والوں کے پاس واپس لوٹنا دونوں اللہ کے ہاں لکھے جائیں۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((قَدْ جَمَعَ اللّٰهُ لَكَ ذٰلِكَ كُلَّهُ)) ''اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے یہ دونوں چیزیں جمع کر دی ہیں۔''[2]

3. حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسجد کے ارد گرد کچھ جگہیں خالی ہوئیں تو بنوسلمہ نے ان میں منتقل

[1] صحيح البخاري:2119، و صحيح مسلم:649. [2] صحيح مسلم:241.

ہونے کا ارادہ کیا تاکہ وہ مسجد کے قریب آ جائیں۔ یہ بات نبی کریم ﷺ تک پہنچی تو آپ نے بنوسلمہ سے کہا: ''مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم مسجد کے قریب منتقل ہونا چاہتے ہو؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں، ہم یہ ارادہ کر چکے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((يَا بَنِي سَلِمَةَ ! دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ آثَارُكُمْ ، تُكْتَبْ آثَارُكُمْ))

''اے بنوسلمہ! تم اپنے گھروں میں ہی رہو۔ کیونکہ تمھارا آنا جانا لکھا جا رہا ہے۔ تمھارے آنے جانے کے نشانات محفوظ کیے جا رہے ہیں۔''[1]

[4] بہت سارے فضائل ایسے ہیں جو آپ کو مسجد میں باجماعت نماز ادا کیے بغیر نصیب نہیں ہو سکتے۔ مثلاً:

[1] حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِيْ جَمَاعَةٍ ، ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللّٰهَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ، ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ))

''جس شخص نے نمازِ فجر باجماعت ادا کی، پھر طلوعِ آفتاب تک بیٹھا اللہ کا ذکر کرتا رہا، پھر دو رکعتیں پڑھیں تو اسے یقینی طور پر مکمل حج وعمرہ کا ثواب ملے گا۔''[2]

یہ فضیلت آپ کو تبھی نصیب ہو سکتی ہے جب آپ نماز فجر مسجد میں باجماعت ادا کریں گے۔

[2] نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيرَةَ الْأُولٰى كُتِبَتْ لَهُ بَرَاءَتَانِ : بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ))

''جو شخص اللہ کی رضا کے لیے چالیس دن اس طرح باجماعت نماز پڑھے کہ تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) اس کے لیے دو چیزوں سے براءت لکھ دی جاتی ہے: جہنم کی آگ سے اور نفاق سے۔''[3]

یہ اور اس طرح کے دیگر بہت سارے فضائل حاصل کرنے کے مواقع آپ کو کب ملیں گے؟ جب آپ مساجد میں باجماعت نماز ادا کریں گے۔

قرآن کی تعلیم حاصل کرنا

مساجد کو آباد کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ تو ان میں باجماعت نماز ادا کرنا ہے۔ تاہم نمازوں کے علاوہ انھیں آباد کرنے کا ایک اور ذریعہ ان میں حلقاتِ قرآن قائم کرنا بھی ہے۔

[1] صحيح مسلم: 665. [2] جامع الترمذي: 586. وصححه الألباني. [3] جامع الترمذي: 241. وحسنه الألباني.

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم 'صفہ' میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''تم میں سے کون ہے جو یہ پسند کرتا ہو کہ وہ ہر روز صبح سویرے 'بطحان' یا 'عقیق' میں جائے، پھر وہاں سے دو موٹی تازی اونٹنیاں بغیر کسی گناہ اور قطع رحمی کے لے آئے؟ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم سب یہ پسند کرتے ہیں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَفَلَا يَغْدُو أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَيَعْلَمَ أَوْ يَقْرَأَ آيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ خَيْرٌ لَهُ مِنْ نَاقَتَيْنِ ، وَثَلَاثٌ خَيْرٌ لَهُ مِنْ ثَلَاثٍ ، وَأَرْبَعٌ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَرْبَعٍ ، وَمِنْ أَعْدَادِهِنَّ مِنَ الْإِبِلِ))

''کیا تم میں سے کوئی شخص صبح سویرے مسجد میں نہیں جاتا جہاں وہ کتاب اللہ کی دو آیات کا علم حاصل کرے یا ان کی تلاوت کرے، یہ اس کے لیے دو اونٹنیوں سے بہتر ہے۔ اور تین آیات تین اونٹنیوں سے اور چار آیات چار اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔ پھر اسی طرح ہر آیت ایک ایک اونٹ سے بہتر ہوگی۔''[1]

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

((مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ))

''جو لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کرتے اور آپس میں ایک دوسرے کو اس کی تعلیم دیتے ہیں تو ان پر سکونِ قلب نازل ہوتا ہے، رحمتِ باری تعالیٰ انھیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے، انھیں فرشتے گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے ان کا تذکرہ کرتا ہے۔''[2]

درسِ قرآن وحدیث کا اہتمام کرنا

مساجد کی آبادکاری اور ان کی رونقوں میں اضافے کا ایک اور ذریعہ ہے ان میں درسِ قرآن وحدیث کا اہتمام کرنا اور انھیں علومِ اسلامیہ کی نشر واشاعت کا مرکز بنانا۔

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسجد میں بیٹھے ہوئے چند لوگوں کے پاس آئے اور کہنے لگے: تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ انھوں نے کہا:

((جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللهَ)) ''ہم یہاں بیٹھے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہیں۔''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم تم صرف اسی لیے بیٹھے ہو؟

[1] صحیح مسلم: 803. [2] صحیح مسلم: 2699.

انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم صرف اسی لیے بیٹھے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: خبردار! میں نے تم سے حلف اس لیے نہیں لیا کہ میں تمہیں جھوٹا سمجھتا ہوں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح کچھ لوگوں کو مسجد میں بیٹھا ہوا دیکھا تو آپ نے پوچھا: تم کیوں بیٹھے ہو؟ انھوں نے کہا: ((جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللهَ وَنَحْمَدُهُ عَلٰى مَا هَدَانَا لِلْإِسْلَامِ وَمَنَّ بِهِ عَلَيْنَا))

''ہم یہاں بیٹھے اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہے ہیں اور اس کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی طرف ہدایت دے کر ہم پہ احسان فرمایا ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم تم صرف اسی لیے بیٹھے ہو؟

انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم صرف اسی لیے بیٹھے ہیں۔

تو آپ نے فرمایا: ((أَمَا إِنِّي لَمْ أَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَكُمْ ، وَلٰكِنَّهُ أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ فَأَخْبَرَنِيْ أَنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يُبَاهِيْ بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ))

''یاد رکھنا! میں نے تم سے حلف اس لیے نہیں لیا کہ میں تمہیں جھوٹا سمجھتا ہوں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ابھی میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے جنھوں نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کر رہا ہے۔''[1]

اور ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے ایک بازار میں گئے اور بازار والوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

آپ کو کس چیز نے عاجز کیا ہے؟

انھوں نے کہا: کس چیز سے؟

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت تقسیم ہو رہی ہے اور تم یہاں ہو؟ تم جا کر اپنا حصہ کیوں نہیں وصول کرتے؟

انھوں نے کہا: کہاں ہے وہ؟

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مسجد میں

چنانچہ وہ جلدی سے مسجد کی طرف چلے گئے لیکن خود ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہیں رہے۔

جب وہ لوگ واپس لوٹے تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہوا؟

انھوں نے کہا: ابو ہریرہ! ہم مسجد کے اندر گئے لیکن ہمیں تو اس میں کوئی چیز تقسیم ہوتی ہوئی نظر نہیں آئی!

[1] صحیح مسلم: 2701.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے مسجد میں کسی کو دیکھا بھی ؟

انھوں نے کہا: ہاں، کچھ لوگوں کو ہم نے دیکھا جو نماز پڑھ رہے تھے، کچھ لوگ قرآن پڑھ رہے تھے اور کچھ لوگ حلال وحرام کے بارے میں مذاکرہ کررہے تھے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: افسوس ہے تم پر، وہی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو مساجد سے گہری محبت کرنے، انھیں آباد رکھنے اور ان میں باجماعت نماز ادا کرنے کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

حضرات محترم! مسجد کی اہمیت اور اس کے مختلف فضائل سننے کے بعد اب مسجد کے آداب بھی جان لیجیے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان آداب کا بھرپور خیال رکھے جو ہم قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کررہے ہیں۔

مسجد کے آداب

1 مسجد کی صفائی

آداب مسجد میں سب سے پہلے یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر کے بعد اسے صاف ستھرا رکھنے کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ مسجد اللہ کا گھر ہے۔ جب ہم اپنے گھروں کی صفائی کا خیال رکھتے ہیں تو اللہ کے گھر اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ انھیں صاف ستھرا رکھا جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

((أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّورِ وَأَنْ تُنَظَّفَ وَتُطَيَّبَ))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محلوں میں مسجدیں تعمیر کرنے اور انھیں صاف ستھرا اور خوشبودار رکھنے کا حکم دیا۔''[2]

مساجد کی صفائی بہت ہی عظیم عمل ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک کالے رنگ کی عورت مسجد کی صفائی کرتی تھی۔ پھر اچانک اس نے مسجد میں آنا چھوڑ دیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نہ پاکر اس کے بارے میں پوچھا۔ چنانچہ لوگوں نے

[1] الطبراني. وصححه الألباني في صحيح الترغيب والترهيب: 83. [2] سنن أبي داود: 455، جامع الترمذي: 594. وصححه الألباني.

بتایا کہ وہ تو فوت ہو چکی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((أَفَلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُونِي ؟)) ''تم نے مجھے خبر کیوں نہ دی؟''

تو لوگوں نے گویا اسے حقیر تصور کیا۔

لیکن نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((دُلُّونِي عَلَى قَبْرِهَا)) ''مجھے اس کی قبر کے بارے میں بتاؤ، کہاں ہے؟''

لوگوں نے اس کے بارے میں آپ کو آگاہ کیا تو آپ اس کی قبر پر گئے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔[1]

یہ حدیث اِس بات کی دلیل ہے کہ مسجد کی صفائی کرنا نہایت ہی عظیم عمل ہے کہ جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے اس کالے رنگ کی عورت (جس کو معاشرے میں کوئی خاص اہمیت نہ دی جاتی تھی) اس کے متعلق خصوصی طور پر دریافت کیا۔ پھر جب آپ ﷺ کو اس کی موت کے بارے میں آگاہ کیا گیا تو آپ ﷺ نے اُس کی قبر پہ جا کر اس کی نماز جنازہ ادا کی۔

مسجد کو ہر قسم کی گندگی سے پاک رکھنا ضروری ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مسجد میں رسول کرم ﷺ کے ساتھ تھے کہ ایک دیہاتی آیا اور اس نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ تو آپ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کی طرف لپکے اور کہا: ٹھہر جاؤ، ٹھہر جاؤ۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا تُزْرِمُوهُ دَعُوهُ)) ''اسے مت کاٹو اور چھوڑ دو۔''

چنانچہ انھوں نے اسے چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ پیشاب سے فراغ ہو گیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے اسے بلا کر فرمایا: ((إِنَّ هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِنْ هٰذَا الْبَوْلِ وَلَا الْقَذَرِ ، إِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالصَّلَاةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ))

''یہ مساجد یقیناً اِس پیشاب اور گندگی کے لیے نہیں بنائی گئی ہیں۔ بلکہ یہ تو صرف اللہ عز وجل کا ذکر کرنے، نماز پڑھنے اور تلاوتِ قرآن کے لیے بنائی گئی ہیں۔''

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے پانی کا ایک ڈول منگوا کر اس کے پیشاب پر بہا دیا۔[2]

2 مسجد میں بد بودار چیز کھا کر آنا منع ہے

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا ، أَوْ لِيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا ، وَلْيَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ))

[1] صحيح البخاري:1337، و صحيح مسلم:956. [2] صحيح مسلم:285.

"جو شخص لہسن یا پیاز کھائے تو وہ ہم سے دور رہے (یا آپ نے فرمایا) وہ ہماری مسجد سے دور رہے اور اپنے گھر میں ہی بیٹھا رہے۔"[1]

دوسری روایت میں ہے:

((مَنْ أَكَلَ الْبَصَلَ وَالثُّومَ وَالْكُرَّاثَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَأَذَّى مِمَّا يَتَأَذَّى مِنْهُ بَنُو آدَمَ))

"جو شخص پیاز، لسن اور کرّی کھائے تو وہ ہماری مسجد کے قریب تک نہ آئے کیونکہ فرشتوں کو بھی ہر اُس چیز سے اذیت پہنچتی ہے جس سے انسانوں کو اذیت پہنچتی ہے۔"[2]

3 مسجد میں صاف ستھرا لباس پہن کر آنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾

"اے آدم کی اولاد! تم ہر مسجد کی طرف آتے ہوئے اپنے آپ کو خوب آراستہ کرلیا کرو۔"[3]

یعنی وہ لباس زیبِ تن کرلیا کرو جو تمھیں خوبصورت بنائے اور زینت بخشے۔ لہٰذا بو دار یا گندا لباس پہن کر نماز ادا کرنا قطعاً درست نہیں ہے۔ اسی طرح مکمل لباس پہنے بغیر نماز پڑھنا بھی درست نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ خصوصاً گرمی کے موسم میں صرف چادر (لنگی) اور بنیان ہی میں نماز پڑھ لیتے ہیں! ایسے لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ کیا وہ اس حالت میں کسی بڑے آدمی کے سامنے جانا گوارا کرتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر اللہ جو کہ بادشاہت کا مالک ہے اس کے سامنے اس حالت میں جانا کیوں گوارا کر لیتے ہیں؟

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَلْبَسْ ثَوْبَيْهِ فَإِنَّ اللهَ أَحَقُّ أَن يُتَزَيَّنَ لَهُ))

"تم میں سے کوئی شخص جب نماز پڑھنا چاہے تو اپنے دونوں کپڑے پہن لے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کے لیے خوبصورتی اختیار کی جائے۔"[4]

4 مسجد میں داخل ہوتے اور اس سے نکلتے وقت مسنون طریقہ اختیار کرنا

مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پاؤں اندر رکھنا اور نکلتے وقت پہلے بایاں پاؤں باہر رکھنا چاہیے۔

(1) صحيح البخاري: 855، وصحيح مسلم: 564. (2) صحيح مسلم: 564. (3) الأعراف 7:31. (4) أخرجه البيهقي وصححه الألباني في الثمر المستطاب ج 1، ص: 286.

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے ایک سنت یہ ہے کہ جب تم مسجد میں داخل ہونے لگو تو پہلے دایاں پاؤں اندر رکھو اور باہر نکلنے لگو تو پہلے بایاں پاؤں باہر رکھو۔''[1]

5 مسجد میں داخل ہوتے وقت اور باہر نکلتے وقت مسنون دعا پڑھنا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

((إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيُسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ لْيَقُلْ : اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ، وَإِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلْ : اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ))

''تم میں سے کوئی شخص جب مسجد میں داخل ہو تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے، پھر یہ دعا پڑھے:

((اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ))

''اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔''

اور جب مسجد سے باہر نکلنے لگے تو یہ دعا پڑھے: ((اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ))

''اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں۔''[2]

6 تحیۃ المسجد پڑھنا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتّٰى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ))

''تم میں سے کوئی شخص جب مسجد میں داخل ہو تو اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعات نماز ادا نہ کرلے۔''[3]

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھے بغیر مسجد میں بیٹھنے سے منع فرمایا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ تحیۃ المسجد پڑھے بغیر مسجد میں بیٹھنا ممنوع ہے۔ تاہم یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہو کر جو بھی نماز پڑھی جائے وہی اُس کے لیے تحیۃ المسجد ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص مسجد میں داخل ہو اور فرض نماز کی جماعت ہو رہی ہو یا اقامت ہونے ہی والی ہو، پھر وہ فرض نماز میں مل جائے تو وہی نماز اُس کے لیے تحیۃ المسجد

[1] الحاكم: صحيح على شرط مسلم، ووافقه الذهبي. [2] سنن أبي داود: 465 وصححه الألباني. [3] صحيح البخاري: 1163.

ہوگی۔ اور اگر وہ داخل ہوکر فرض نماز سے پہلے کی سنتیں پڑھ لے تو وہی سنتیں اُس کے لیے تحیۃ المسجد ہونگی۔ اور اگر وہ کسی ایسے وقت میں مسجد میں داخل ہو کہ جب فرض نماز کا وقت نہیں ہے اور وہ مسجد میں بیٹھنا چاہتا ہے تو اِس حالت میں اسے تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھنا ہونگی۔

خاص طور پر جب وہ نماز جمعہ کے لیے آئے اور امام کا خطبہ شروع ہو چکا ہو تو اسے تحیۃ المسجد پڑھ کر ہی بیٹھنا ہو گا۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ((دخل رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ فَقَالَ: صَلَّيْتَ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ))

یعنی ایک آدمی جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا تو اُس وقت نبی کریم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اٹھو اور دو رکعت نماز پڑھو'' [1]

وفي رواية لمسلم: ((جَاءَ سُلَيْكٌ الْغَطْفَانِيُّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ يَخْطُبُ، فَجَلَسَ، فَقَالَ لَهُ: يَا سُلَيْكُ! قُمْ، فَارْكَعْ رَكْعَتَيْنِ، وَتَجَوَّزْ فِيهِمَا، ثُمَّ قَالَ: إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ، وَلْيَتَجَوَّزْ فِيهِمَا))

یعنی حضرت سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ جمعہ کے روز اس وقت آئے جب رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ وہ آکر بیٹھ گئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے سلیک! کھڑے ہو جاؤ اور دو ہلکی پھلکی رکعات ادا کرو۔

پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص جب جمعہ کے دن اس وقت آئے جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعت نماز ادا کرے اور انھیں ہلکا پھلکا پڑھے۔'' [2]

7 سترہ کے سامنے نماز ادا کرنا

مسجد میں نمازی کو چاہیے کہ وہ سترہ کے سامنے کھڑا ہو کر نماز ادا کرے۔ مثلاً دیوار یا ستون یا کرسی وغیرہ کے سامنے، حتیٰ کہ اگر کوئی اور چیز نہ ہو تو سامنے جو نمازی بیٹھا ہو یا نماز ادا کر رہا ہو تو اسے بھی سترہ بنایا جا سکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيُصَلِّ إِلَى سُتْرَةٍ وَلْيَدْنُ مِنْهَا))

''تم میں سے کوئی شخص جب نماز پڑھنا چاہے تو سترہ کی طرف پڑھے اور اس کے قریب ہو جائے۔'' [3]

ابن ماجہ کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے:

((وَلَا يَدَعْ أَحَدًا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ فَإِنْ جَاءَ أَحَدٌ يَمُرُّ فَلْيُقَاتِلْهُ فَإِنَّهُ شَيْطَانٌ))

[1] صحيح البخاري: 931، وصحيح مسلم: 875. [2] صحيح مسلم: 875. [3] سنن أبي داود: 698، وصححه الألباني.

"اور اپنے سامنے سے کسی کو گزرنے نہ دے۔ اگر کوئی گذرنا چاہے تو وہ اسے سختی سے پیچھے دھکیل دے کیونکہ وہ شیطان ہے۔"[1]

8 نمازی کے سامنے سے گذرنا ممنوع ہے

نمازی کے سامنے سے گذرنا قطعا درست نہیں ہے۔ ہاں اگر نمازی نے سترہ رکھا ہوا ہو اور سترہ کے اُدھر سے گذرنا ممکن ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ))

"اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو گزرنے کا گناہ معلوم ہو جائے تو چالیس (سال یا مہینے یا دن) تک اس کا کھڑا رہنا ایک قدم آگے بڑھنے سے اس کے لیے بہتر ہوتا۔"[2]

9 خواتین کو خوشبو لگا کر مسجد میں نہیں آنا چاہیے

اگرچہ خواتین مسجد میں آکر نماز پڑھ سکتی ہیں تاہم نبی کریم ﷺ کی حدیث کے مطابق ((وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَهُنَّ))
"ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں۔"[3]

یعنی اگر وہ گھروں میں ہی نماز پڑھیں تو یہ ان کے لیے زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے۔

اگر وہ مساجد میں آکر نماز پڑھنا چاہیں تو انھیں کچھ شرائط کی پابندی کرنا ہوگی۔

پہلی یہ کہ مساجد میں ان کے لیے باپردہ انتظام ہو، دوسری یہ کہ وہ خود مکمل پردہ کر کے آئیں اور تیسری یہ کہ وہ خوشبو لگا کر مساجد میں نہ آئیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَصَابَتْ بَخُورًا فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ))

"جو خاتون خوشبو استعمال کرے تو وہ ہم (مردوں کے ساتھ مسجد میں) نماز عشاء پڑھنے نہ آئے۔"[4]

10 مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرنا حرام ہے

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((مَنْ سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ: لَا رَدَّهَا اللّٰهُ

[1] سنن ابن ماجه: 954، وصححه الألباني. [2] صحيح البخاري: 510، وصحيح مسلم: 507. [3] سنن أبي داود: 567، وصححه الألباني. [4] صحيح مسلم: 444.

عَلَيْكَ . فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا))

'' جو شخص کسی آدمی کو مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے سنے تو وہ کہے : اللہ تعالیٰ اس چیز کو تمھارے پاس نہ لوٹائے۔ کیونکہ مسجدیں اس لیے نہیں بنائی گئیں۔ ''[1]

11 مسجد میں خرید وفروخت ممنوع ہے

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

((إِذَا رَأَيْتُمْ مَّنْ يَّبِيعُ أَوْ يَبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ فَقُولُوا : لَا أَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ))

'' جب تم مسجد میں کسی کو کوئی چیز فروخت کرتے ہوئے یا خرید کرتے ہوئے دیکھو تو کہو : اللہ تمھاری تجارت میں کوئی برکت نہ ڈالے۔ ''[2]

12 مسجد میں آواز بلند کرنا درست نہیں ہے

رسول اکرم ﷺ مسجد میں اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے بعض لوگوں کو اونچی آواز میں قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ چنانچہ آپ نے پردہ ہٹایا اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا :

((أَلَا إِنَّ كُلَّكُمْ مُنَاجٍ رَبَّهُ فَلَا يُؤْذِيَنَّ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ، وَلَا يَرْفَعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الْقِرَاءَةِ))

'' خبردار ! تم میں سے ہر شخص اپنے رب سے سرگوشی کرنے والا ہے۔ لہٰذا تم میں سے کوئی کسی کو اذیت نہ پہنچائے اور نہ ہی تلاوت قرآن میں کوئی کسی پر اپنی آواز کو بلند کرے۔ ''[3]

13 اذان ہونے کے بعد مسجد سے نکل کر چلے جانا درست نہیں ہے

ابو الشعثاء بیان کرتے ہیں کہ ہم مسجد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے تھے، جب اذان ہوئی تو ایک آدمی چلتا بنا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسے بغور دیکھنے لگے۔ جب وہ مسجد سے نکل کر چلا گیا تو انھوں نے فرمایا :

((أَمَّا هٰذَا فَقَدْ عَصٰى أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ)) '' رہا یہ آدمی تو اس نے ابو القاسم حضرت محمد ﷺ کی نافرمانی کی ہے۔ ''[4]

[1] صحيح مسلم: 568. [2] جامع الترمذي: 1321. وصححه الألباني. [3] سنن أبي داود: 1332. وصححه الألباني.
[4] صحيح مسلم: 655.

14 نمازِ نفل گھروں میں ادا کرنا افضل ہے

نمازِ نفل (جس میں فرض نمازوں سے پہلے یا ان کے بعد کی سنتیں بھی شامل ہیں) مسجد میں پڑھنے کی بجائے گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((فَصَلُّوْا أَيُّهَا النَّاسُ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ، فَإِنَّ أَفْضَلَ الصَّلَاةِ صَلَاةُ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهِ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ))

''لوگو! تم اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھا کرو، کیونکہ آدمی کی سب سے افضل نماز وہ ہے جسے وہ اپنے گھر میں ادا کرے، سوائے فرض نماز کے۔'' [1]

اور صحیح مسلم میں اس حدیث کے الفاظ یوں ہیں: ((فَعَلَيْكُمْ بِالصَّلَاةِ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ، فَإِنَّ خَيْرَ صَلَاةِ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهِ إِلاَّ الصَّلَاةُ الْمَكْتُوْبَةُ))

''تم اپنے گھروں میں بھی نماز ضرور پڑھا کرو، کیونکہ آدمی کی بہترین نماز وہ ہے جو وہ اپنے گھر میں پڑھے، سوائے فرض نماز کے۔'' [2]

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِجْعَلُوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ ، وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا))

''تم کچھ نماز اپنے گھروں میں ادا کیا کرو اور انھیں قبرستان مت بناؤ۔'' [3]

جبکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا قَضَى أَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ فِيْ مَسْجِدِهِ فَلْيَجْعَلْ لِبَيْتِهِ نَصِيْبًا مِنْ صَلَاتِهِ ، فَإِنَّ اللهَ جَاعِلٌ فِيْ بَيْتِهِ مِنْ صَلَاتِهِ خَيْرًا))

''تم میں سے کوئی شخص جب مسجد میں نماز پڑھے تو وہ اپنی نماز میں سے کچھ حصہ اپنے گھر کے لیے بھی رکھے، کیونکہ گھر میں کچھ نماز ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ گھر میں خیر و بھلائی لاتا ہے۔'' [4]

حضرات محترم! یہ تھے مساجد کے چند ضروری آداب جن کا خیال رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو مساجد سے محبت کرنے اور انھیں آباد کرنے کی توفیق دے۔

[1] صحيح البخاري: 731. [2] صحيح مسلم: 781. [3] صحيح البخاري: 432، و صحيح مسلم: 777. [4] صحيح مسلم: 778.

ایمان کے فضائل اور ارکان

اہم عناصرِ خطبہ

1. ایمان کی اہمیت
2. ایمان کا مفہوم
3. ایمان کے ارکان
4. ایمان باللہ اور اس کے تقاضے

پہلا خطبہ

برادرانِ اسلام ! آج کے خطبۂ جمعہ کا آغاز ہم قرآن مجید کی دو آیاتِ مبارکہ سے کرتے ہیں :

پہلی آیت : اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾

'' جو شخص نیک عمل کرے ، مرد ہو یا عورت ، بشرطیکہ یمان والا ہو تو اسے ہم یقینا بہت ہی اچھی زندگی عطا کریں گے۔ اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انھیں ضرور دیں گے۔ ''[1]

دوسری آیت : ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝﴾

'' جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ، ان کے لیے خوشحالی بھی ہے اور عمدہ ٹھکانا بھی۔ ''[2]

پہلی آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نیک عمل کرنے والے ہر مرد و عورت کو دنیا میں پاکیزہ زندگی عطا کرنے اور آخرت میں ان کے اعمال کا بہتر بدلہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے ، لیکن اس شرط پر کہ عمل کرنے والا ' خواہ مرد ہو یا عورت ' ایمان والا ہو۔۔۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا و آخرت کی کامرانی و کامیابی کے لیے ایمان بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

اسی طرح دوسری آیتِ کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں اور عمل صالح کرنے والوں کو دنیا میں خوشحالی اور

[1] النحل 16:97. [2] الرعد 13:29.

آخرت میں عمدہ ٹھکانے کی خوشخبری سنائی ہے.......... یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان کی بنیاد پر ہی دونوں جہانوں کی فلاح نصیب ہوسکتی ہے۔

اگر ایک انسان ایمان والا ہو، اس کے ساتھ ساتھ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب بھی کرتا ہو اور اسی حالت میں توبہ کرنے سے پہلے اس کی موت آجائے تو روزِ قیامت اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اسے اس کے گناہوں کی سزا دے گا اور پھر اس کے ایمان ہی کی بنیاد پر اسے جہنم سے نجات دے کر جنت میں داخل کرے گا۔ جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حدیث الشفاعة کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((فَأَقُوْلُ : أَنَا لَهَا ، فَأَنْطَلِقُ فَأَسْتَأْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ ، فَيُؤْذَنُ لِيْ ، فَأَقُوْمُ بَيْنَ يَدَيْهِ ، فَأَحْمَدُهُ بِمَحَامِدَ لاَ أَقْدِرُ عَلَيْهِ الْآنَ ، يُلْهِمُنِيْهِ اللّٰهُ ، ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا ، فَيُقَالُ لِيْ : يَا مُحَمَّدُ ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ، وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ ، وَسَلْ تُعْطَهْ ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ ، فَأَقُوْلُ : رَبِّ أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ ، فَيُقَالُ: اِنْطَلِقْ ، فَمَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ بُرَّةٍ أَوْ شَعِيْرَةٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنْهَا ، فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ، ثُمَّ أَرْجِعُ إِلٰى رَبِّيْ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ، ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا ، فَيُقَالُ لِيْ : يَا مُحَمَّدُ ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ، وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ ، وَسَلْ تُعْطَهْ ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ ، فَأَقُوْلُ : رَبِّ أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ ، فَيُقَالُ : اِنْطَلِقْ ، فَمَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنْهَا ، فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ، ثُمَّ أَعُوْدُ إِلٰى رَبِّيْ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ، ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا ، فَيُقَالُ لِيْ: يَا مُحَمَّدُ ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ، وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ ، وَسَلْ تُعْطَهْ ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ ، فَأَقُوْلُ : رَبِّ أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ ، فَيُقَالُ : اِنْطَلِقْ ، فَمَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ أَدْنٰى أَدْنٰى أَدْنٰى مِنْ مِثْقَالِ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ ، فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ))

''میں کہوں گا: میں اس کے لیے تیار ہوں۔ چنانچہ میں جاؤں گا اور اپنے رب سے اجازت طلب کرونگا۔ جب مجھے اجازت دی جائے گی تو میں اس کی بارگاہ میں کھڑا ہو جاؤنگا اور اس کی وہ تعریفیں کرونگا جو اب نہیں کر سکتا۔ وہ صرف اسی وقت اللہ تعالیٰ مجھے الہام کرے گا، پھر میں اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں گا، پھر مجھے کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھایئے اور بات کیجئے، آپ کی بات سنی جائے گی۔ اور سوال کیجئے، آپ کا سوال پورا کیا جائے گا۔ اور شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت کی بخشش فرما اور میری امت کو جہنم سے بچا۔

کہا جائے گا: آپ جایئے اور جس شخص کے دل میں گندم یا جو کے دانے کے برابر ایمان ہو اسے جہنم سے نکال لیجیے!

میں جاؤں گا اور اسی طرح کرونگا جیسا کہ مجھے حکم دیا جائے گا۔
پھر میں اپنے رب کے پاس واپس لوٹ کر آؤں گا اور وہی تعریفیں پھر عرض کرونگا۔ اس کے بعد سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔
پھر مجھے کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھایئے اور بات کیجئے، آپ کی بات سنی جائے گی۔ اور سوال کیجئے، آپ کا سوال پورا کیا جائے گا۔ اور شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔
میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت کی بخشش فرما اور میری امت کو جہنم سے بچا۔
کہا جائے گا: آپ جایئے اور جس شخص کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو اسے جہنم سے نکال لیجئے!
میں جاؤں گا اور اسی طرح کرونگا جیسا کہ مجھے حکم دیا جائے گا۔
پھر میں اپنے رب کے پاس واپس لوٹ کر آؤں گا اور وہی تعریفیں پھر عرض کرونگا۔ اس کے بعد سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔
پھر مجھے کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھایئے اور بات کیجئے، آپ کی بات سنی جائے گی۔ اور سوال کیجئے، آپ کا سوال پورا کیا جائے گا۔ اور شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔
میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت کی بخشش فرما اور میری امت کو جہنم سے بچا۔
کہا جائے گا: آپ جایئے اور جس شخص کے دل میں ایک رائی کے دانے سے بھی کم، اس سے بھی کم اور اس سے بھی کم ایمان ہو اسے جہنم سے نکال لیجئے!
میں جاؤں گا اور اسی طرح کرونگا جیسا کہ مجھے حکم دیا جائے گا .... الخ[1]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ روزِ قیامت ایمان ہی کی بنیاد پر انسان کی نجات ممکن ہو سکے گی۔ اور کسی انسان کی نجات کے لیے ایمان اس قدر اہم ہے کہ اگر یہ رائی کے دانے سے بھی کم ہو گا تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کردے گا۔

اور جب ایمان دنیا وآخرت میں انسان کی کامیابی اور نجات کے لیے اتنا اہم ہے تو اس کی تعریف کا جاننا اور اس کے ارکان کو معلوم کرنا نہایت ضروری ہے۔

ایمان کی تعریف

ایمان تین چیزوں کا نام ہے: قول باللسان ، واعتقاد بالجنان ، وعمل بالأركان

[1] صحیح مسلم: 193.

زبان کا اقرار۔ دل کی تصدیق۔ اور اعضاء کا عمل۔

یعنی زبان سے ایمان کے تمام ارکان کا اقرار کرنا اور دل سے ان کی تصدیق کرنا مثلا اللہ تعالی کی ربوبیت، الوہیت اور اس کے اسماء وصفات میں اس کی وحدانیت کا زبان سے اقرار کرنا اور دل میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اکیلا ہی کائنات کا خالق ومالک اور عبادت کے لائق ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح وہ اپنے اسماء وصفات میں بھی یکتا اور منفرد ہے۔

نیز ایمان کی تعریف میں دل کے اعمال بھی شامل ہیں مثلا اللہ تعالی سے محبت کرنا، اسی سے ڈرنا، اسی کی طرف رجوع کرنا اور اسی پر توکل کرنا وغیرہ۔

اور چونکہ ایمان میں اعمال بھی شامل ہیں اس لیے عمل صالح کرنے سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور نافرمانی کرنے سے ایمان میں کمی واقع ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ ﴾

”سچے مومن تو وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ اور جب انھیں اللہ کی آیات سنائی جائیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ (اور) وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو مال ودولت انھیں دے رکھا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ یہی سچے مومن ہیں جن کے لیے ان کے رب کے ہاں درجات ہیں، بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے۔“[1]

ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالی نے سچے مومنوں کی پانچ صفات ذکر فرمائی ہیں۔ ان میں سے پہلی تین صفات کا تعلق دل سے اور دوسری دو صفات کا تعلق اعضاء سے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی اور سچے ایمان کے حصول کے لیے اعضاء کا عمل ضروری ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ عمل صالح سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

ایمان اور عمل

ایمان صرف زبان کے اقرار اور دل کی تصدیق ہی کا نام نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ عمل صالح بھی ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید کی متعدد آیاتِ کریمہ میں ان لوگوں کو جنت کی خوشخبریاں دی ہیں جو ایمان والے اور عمل صالح کرنے والے ہوں۔ جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

[1] الأنفال 8:2-4.

﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾

''(اے پیغمبر) جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں انھیں خوشخبری دے دیجئے کہ ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ جب بھی انھیں کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا تو کہیں گے: یہ تو وہی پھل ہیں جو ہمیں اس سے پہلے (دنیا میں) دیے جا چکے ہیں، کیونکہ جو پھل انھیں دیا جائے گا وہ شکل وصورت میں دنیا کے پھل سے ملتا جلتا ہوگا۔ نیز ان ایمان والوں کے لیے وہاں پاک وصاف بیویاں (بھی) ہونگی۔ اور وہ ان باغات میں ہمیشہ قیام پذیر رہیں گے۔''[1]

اسی طرح فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ﴾

''البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کیے، نماز قائم کرتے رہے اور زکاۃ ادا کرتے رہے تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ انھیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''[2]

بلکہ اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھا کر تمام انسانوں کو خسارہ پانے والے قرار دیا ہے، سوائے ان کے جو ایمان والے ہوں اور عمل صالح کرتے ہوں۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ ﴾

''زمانے کی قسم! بلا شبہ انسان گھاٹے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔''[3]

اور سورۃ التین میں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک نہیں، کئی قسمیں اٹھا کر فرمایا کہ تمام انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود ادنیٰ ترین مخلوق کے درجے میں ہیں، سوائے ان کے جو ایمان والے ہوں اور عمل صالح کرتے ہوں۔ فرمایا:

﴿ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ ﴾

''قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی۔ اور طورِ سینا کی اور اس امن والے شہر (مکہ) کی کہ ہم نے انسان کو بہترین

[1] البقرۃ 2:25۔ [2] البقرۃ 2:277۔ [3] العصر 103:1-3۔

ساخت پر پیدا کیا ہے، پھر ہم نے اسے ادنی ترین مخلوق کے درجہ میں لوٹا دیا، بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے۔ ان کے لیے غیر منقطع اجر ہے۔"[1]

ان تمام آیاتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ زبان کے اقرار اور دل کی تصدیق کے ساتھ ساتھ اعضاء کے اعمال بھی ایمان میں شامل ہیں۔

[1] اوامر پر عمل

اعضاء کے اعمال میں ایک تو وہ اعمال ہیں جن کا تعلق انتثالِ اوامر سے ہے، یعنی ان احکامات پر عملدرآمد کرنے سے ہے جو اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ نے صادر فرمائے مثلاً نماز، روزہ، حج، زکاۃ، جہاد......... وغیرہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾

"ایمان والے لوگ کامیاب ہو گئے۔ جو اپنی نماز میں عاجزی کرتے ہیں۔ اور جو بے ہودہ باتوں سے دور رہتے ہیں۔ اور جو زکاۃ ادا کرتے رہتے ہیں۔ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور کنیزوں کے جو ان کے قبضہ میں ہوں، کیونکہ ان کے معاملہ میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔ البتہ ان کے سوا جو کوئی اور ذریعہ تلاش کرے تو ایسے ہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں۔ اور اپنی نمازوں پر محافظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ایسے ہیں جو فردوس کے وارث بنیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"[2]

ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جو صفات ذکر فرمائی ہیں ان میں سے بعض کا تعلق دل سے اور بعض کا تعلق اعضاء سے ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اعضاء کے اعمال ایمان میں شامل ہیں۔

نیز فرمایا: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝﴾

"(حقیقی) مومن تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر شک میں نہیں پڑے اور اپنے

[1] التین 95:1-6. [2] المؤمنون 23:1-11.

مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی سچے (مومن) ہیں۔“[1]

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سچا مومن قرار دیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اپنی جانوں اور اپنے اموال کے ساتھ جہاد بھی کرتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ جہاد بھی ایمان میں شامل ہے۔

اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِفَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ))

”جو شخص اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہوتو وہ خیر ہی کی بات کرے، ورنہ خاموش رہے۔ اور جو شخص اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہوتو وہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے۔ اور جو شخص اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہوتو وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔“[2]

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خیر کی بات کرنا، پڑوسی کے حقوق ادا کرنا اور مہمان نوازی کرنا...... یہ سارے اعمال ایمان میں شامل ہیں۔

2 نواہی (ممنوعات) سے اجتناب

اعضاء کے اعمال میں امتثالِ اوامر کے ساتھ ساتھ اجتنابِ نواہی بھی شامل ہے۔ یعنی ان اعمال سے بچنا جن سے اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول ﷺ نے منع کیا ہے۔ اور نواہی میں سب سے پہلے شرک سے منع کیا گیا ہے۔

شرک سے اجتناب

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ ○ ﴾

”جو لوگ ایمان لائے، پھر اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے آلودہ نہیں کیا، انھی کے لیے امن وسلامتی ہے اور یہی لوگ راہِ راست پر ہیں۔“[3]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ ○ ﴾ تو یہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم پر بہت گراں گذری۔ چنانچہ انھوں نے کہا: ہم میں سے کون ہے جس نے (گناہ اور معصیت کے ذریعے) اپنی جان پر ظلم نہیں کیا؟

[1] الحجرات 15:49۔ [2] صحيح البخاري: 6138,4675، صحيح مسلم: 47۔ [3] الأنعام 82:6۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَيْسَ هُوَ كَمَا تَظُنُّونَ . إِنَّمَا هُوَ كَمَا قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ: ﴿يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۗ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○﴾))

''اس سے مراد وہ نہیں جیسا کہ تم گمان کر رہے ہو، بلکہ اس سے مراد (شرک ہے) جیسا کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا: اے میرے پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک مت کرنا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''[1]

معاصی سے اجتناب

اسی طرح ایمان میں معاصی (اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں) سے اجتناب کرنا بھی شامل ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لاَ يَزْنِيْ الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ، وَلاَ يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلاَ يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ))

''کوئی زانی ایمان کی حالت میں زنا نہیں کر سکتا۔ اور کوئی چور بحالتِ ایمان چوری نہیں کر سکتا۔ اور کوئی شرابی ایمان کی حالت میں شراب نوشی نہیں کر سکتا۔''[2]

ایمان کے شعبے

ایمان کے بارے میں ہم نے جو وضاحت قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کی اس کے بعد یہ بھی جان لیجئے کہ ایمان کے متعدد شعبے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((اَلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ۔ أَوْ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ۔ شُعْبَةً : فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ : لَا إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ . وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذىٰ عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيْمَانِ))

''ایمان کے ستر (یا ساٹھ) سے زیادہ شعبے ہیں۔ سب سے افضل شعبہ ((لا إله إلا الله)) کہنا ہے۔ اور سب سے کم تر شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا ہے۔''[3]

ارکانِ ایمان

برادرانِ اسلام! اب آیئے ذرا یہ معلوم کریں کہ ایمان کے ارکان کتنے اور کونسے ہیں؟

[1] صحيح البخاري:32، صحيح مسلم:124 واللفظ له. [2] صحيح البخاري:2475، صحيح مسلم:57. [3] صحيح مسلم:35.

ایمان کے ارکان چھ ہیں۔ اور وہ ہیں:

1 اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا
2 اس کے فرشتوں پر ایمان لانا
3 اس کی کتابوں پر ایمان لانا
4 اس کے رسولوں پر ایمان لانا
5 قیامت کے دن پر ایمان لانا
6 اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لانا

یہ ارکان قرآن وحدیث کے متعدد دلائل سے ثابت ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ﴾

''درحقیقت نیکی یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور تمام نبیوں پر ایمان لائے۔''[1]

اسی طرح اس کا فرمان ہے:

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○ ﴾

''رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتری اور مومن بھی ایمان لائے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم تفریق نہیں کرتے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اے رب! ہم نے تیرا ارشاد سن لیا اور مان لیا۔ اے ہمارے رب! ہمیں تیری بخشش چاہیے اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''[2]

نیز فرمایا: ﴿ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ○ ﴾

''بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک (مقررہ) اندازے پر پیدا فرمایا ہے۔''[3]

اور نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((اَلْإِيْمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ))

''ایمان یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، قیامت کے دن پر اور اچھی وبری تقدیر پر ایمان لائیں۔''[4]

عزیزانِ گرامی! ارکانِ ایمان اختصار کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد اب انھیں تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

[1] البقرۃ 2:177. [2] البقرۃ 2:285. [3] القمر 54:49. [4] صحیح مسلم:8.

پہلا رکن

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا

ایمان باللہ تین چیزوں پر اعتقاد رکھنے کا نام ہے:

(1) اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ اس کائنات کا رب ایک ہی ہے اور وہ اکیلا ہی اس کا خالق و مالک ہے۔ وہی اس کے تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے اور وہی اس کائنات کے معاملات میں تصرف کرنے والا ہے۔ روزی دینے والا وہی ہے، زندہ کرنے والا وہی ہے، مارنے والا وہی ہے۔ اور وہی نفع ونقصان کا مالک ہے،اس کے سوا اور کوئی رب (پروردگار) نہیں۔ وہ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ اور جس چیز کا ارادہ کر لے اسے کہتا ہے: ہو جا،تو وہ ہو جاتی ہے۔ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ذلیل کرتا ہے۔ اسی کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ وہ دوسروں سے بے پرواہ ہے۔ ہر قسم کا حکم اسی کے لیے ہے۔ ہر قسم کی بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے کاموں میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور نہ ہی اس پر کوئی غلبہ پانے والا ہے، بلکہ تمام مخلوقات فرشتے اور جن و انس سب اسی کے غلام اور بندے ہیں۔ یہ سب اس کی بادشاہت، طاقت اور اس کے ارادے سے باہر نہیں نکل سکتے۔

یہ تمام خصوصیات صرف اسی کا حق ہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ ان چیزوں کا اس کے سوا اور کوئی حق دار نہیں۔ ان چیزوں کی نسبت کسی اور کی طرف کرنا یا ان میں سے کسی چیز کا اثبات اس کے سوا کسی اور کے لیے کرنا قطعاً جائز نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۠ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ﴾

''اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا فرمایا، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کیے جو تمہارے لیے روزی ہیں۔''[1]

اور فرمایا:﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۠ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ ﴾

(1) البقرة:2:22,21.

''آپ کہہ دیجیے اے اللہ! اے تمام بادشاہت کے مالک! تو جسے چاہتا ہے بادشاہت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے بادشاہت چھین لیتا ہے۔ اور تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔''[1]

اور فرمایا: ﴿وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ۝﴾

''زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ وہی ان کے رہنے سہنے کی جگہ کو جانتا ہے اور ان کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی۔ سب کچھ واضح کتاب میں موجود ہے۔''[2]

اور فرمایا: ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْأَمْرُ ۗ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ ۝﴾

''یاد رکھو! اللہ ہی کے لیے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا، بابرکت ہے وہ اللہ جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔''[3]

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے دلائل

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر بے شمار دلائل موجود ہیں۔ جو شخص بھی ان میں غور وفکر کرے گا اس کے علم میں پختگی حاصل ہوگی اور اس کا یقین بڑھ جائے گا کہ باری تعالیٰ اپنی ربوبیت والوہیت میں یکتا ولاثانی ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔

ان دلائل میں سے چند ایک کو ہم بطور مثال ذکر کرتے ہیں:

(1) کائنات کی تخلیق اور اس کا عجیب وغریب نظم ونسق اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عظیم شاہکار ہے۔ جو آدمی بھی غور وفکر اور سوچ وبچار کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

یہ زمین وآسمان، یہ سورج اور چاند، حیوانات، نباتات اور جمادات، لیل ونہار کا بڑا ہی دقیق نظام .... یہ سب چیزیں دلالت کرتی ہیں کہ وہ اکیلا ہی ان کا خالق ومالک اور عبادت کا مستحق ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ جَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ ۠ وَ جَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ۚ وَّ هُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُونَ ۝ وَ هُوَ الَّذِي خَلَقَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُونَ ۝﴾

''اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنادیے تاکہ وہ انھیں لے کر ہچکولے نہ کھائے۔ اور ہم نے اس میں کشادہ راہیں بنادیں تاکہ وہ راستہ معلوم کرلیں۔ اور آسمان کو محفوظ چھت بھی ہم نے ہی بنایا ہے لیکن لوگ اس کی قدرت کی

[1] آل عمرٰن 3:26. [2] ھود 11:6. [3] الأعراف 7:54.

نشانیوں سے منہ پھیرنے والے ہیں۔ وہی اللہ ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں تیرتے پھرتے ہیں۔'' [1]

[2] اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور ربوبیت کی متعدد نشانیاں ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ ڰ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝ ﴾

''اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اب تم ایک انسان ہو جو ہر جگہ پھیل رہے ہو۔ اور ایک یہ کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کر سکو۔ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی، اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے کئی نشانیاں ہیں۔ اور ایک یہ کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہاری زبانیں اور تمہارے رنگ مختلف بنا دیے، دانش مندوں کے لیے اس میں بھی یقینا کئی نشانیاں ہیں۔ نیز تمہارا رات اور دن کو سونا اور اس کا فضل تلاش کرنا بھی اس کی نشانیوں میں سے ہے، جو لوگ غور سے سنتے ہیں ان کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ اور ایک یہ کہ وہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے جس سے تم ڈرتے بھی ہو اور امید بھی رکھتے ہو۔ اور آسمان سے پانی برساتا ہے جس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے، سمجھنے والوں کے لیے اس میں بھی بہت سی نشانیاں ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ زمین و آسمان اسی کے حکم سے (بلاستون) قائم ہیں، پھر جب وہ تمہیں ایک ہی دفعہ زمین میں سے پکارے گا تو تم زمین سے نکل کھڑے ہو گے۔'' [2]

[3] اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی جانوروں کے پیٹ سے نکلنے والا صاف، سفید، خوش رنگ، پاکیزہ، مزیدار اور خالص دودھ بھی ہے جو محض ایک مشروب ہی نہیں بلکہ انسانی جسم کی نشوونما کے لیے مکمل غذا کا کام دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَاۗىِٕغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ ﴾

[1] الأنبیاء 21:31-33. [2] الروم 22:30.

''اور تمہارے لیے چوپائے جانوروں میں بھی نشانِ عبرت موجود ہے۔ ان کے پیٹوں میں غذا کا فضلہ اور خون موجود ہوتا ہے۔ ان دونوں چیزوں کے درمیان سے ہم تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہوتا ہے۔''[1]

(4) اسی طرح قدرتِ الٰہی کی ایک بڑی نشانی شہد کی مکھی کے پیٹ سے نکلنے والا لذیذ مشروب ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے شفا رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا يَعْرِشُوْنَ ○ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ ﴾

''اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی کہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور (انگور وغیرہ کی) بیلوں میں اپنا گھر (چھتا) بنا، پھر ہر قسم کے پھل سے اس کا رس چوس اور اپنے رب کی ہموار کردہ راہوں پر چلتی رہ۔ ان مکھیوں کے پیٹ سے مختلف رنگوں کا مشروب (شہد) نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔ یقینا اس میں بھی ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔''[2]

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شہد کی مکھی اور اس کے پیٹ سے نکلنے والے مشروب میں قدرتِ الٰہی کی کئی نشانیاں موجود ہیں:

(1) شہد کی مکھی کی طرف اللہ تعالیٰ کی فطری وحی کے نتیجے میں وہ اپنے لیے ایسا چھتا یا اپنا گھر بناتی ہے جسے انسان دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی ماہر انجینئر نے اس کی ڈیزائننگ کی ہے۔ اس چھتے میں خانے ہوتے ہیں اور انھی خانوں میں مکھیاں شہد کا ذخیرہ کرتی ہیں۔ اور بیرونی خانوں پر پہرہ دار مکھیاں پہرہ دیتی ہیں جو اجنبی مکھیوں یا کیڑوں کو ان خانوں میں گھسنے نہیں دیتیں۔

(2) ایک مکھی ان مکھیوں کی سردار یا ملکہ ہوتی ہے اور سب مکھیاں اس کی تابع فرمان ہوتی ہیں۔ اور جب وہ رزق کی تلاش میں نکلتی ہیں تو ان میں ایسا نظم وضبط پایا جاتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

(3) مکھیاں تلاشِ معاش میں اڑتی اڑتی دور دراز جگہوں پر جا پہنچتی ہیں اور مختلف رنگ کے پھلوں، پھولوں اور میٹھی چیزوں پر بیٹھ کر ان کا رس چوستی ہیں، پھر یہی رس اپنے چھتا کے خانوں میں لا کر ذخیرہ کرتی رہتی ہیں، گویا ان مکھیوں کا نظم وضبط، پیہم آمد ورفت، ایک خاص قسم کا گھر تیار کرنا، پھر باقاعدگی کے ساتھ اس میں شہد کو ذخیرہ کرتے رہنا.....

(1) النحل 66:16. (2) النحل 69,68:16.

یہ سب راہیں اللہ تعالیٰ نے مکھی کے لیے اس طرح ہموار کر دی ہیں کہ اسے کبھی سوچنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

④ شہد مختلف رنگوں میں ہوتا ہے اور اس کے متعدد خواص ہیں۔ سب سے اہم خاصیت یہ ہے کہ بہت سی بیماریوں کے لیے شفا کا حکم رکھتا ہے۔ دوسری خاصیت یہ ہے کہ جو اشیاء شہد میں رکھی جائیں وہ بڑی مدت تک اس میں برقرار و بحال رہتی ہیں۔ اور اگر دوائیاں ڈالی جائیں تو ان کا اثر حتیٰ کہ ان کی خوشبو بھی طویل عرصہ تک برقرار رہتی ہے۔

⑤ سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ شہد کی مکھی بذات خود ایک زہریلا جانور ہے۔ انسان کو ڈس جائے تو اس کی جلد متورم اور اس میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ایسے زہریلے جانور کے اندر سے نکلا ہوا شہد انسان کی اکثر بیماریوں کے لیے باعثِ شفا ہے۔ نیز اس کے لیے ایک شیریں اور لذیذ غذا کا کام بھی دیتا ہے۔[1]

② ایمان باللہ کا دوسرا لازمی تقاضا یہ ہے کہ بندہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے، وہ اکیلا ہی تمام قسم کی ظاہری و باطنی عبادات کا مستحق ہے اور عبادات میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔

یہ وہ توحید ہے کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾

''اور یقیناً ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔''[2]

(اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کی عبادت کی جائے اور وہ اس عبادت سے راضی ہو وہ طاغوت ہے)

اور ہر رسول نے اپنی قوم کو یہی فرمایا:

﴿اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾

''تم ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔''[3]

اور حدیث پاک میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((أَتَدْرِیْ مَا حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ ؟ قُلْتُ: اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ أَلَّا يُعَذِّبَ مَنْ لَّا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا))

''کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق یہ ہے کہ وہ ایسے شخص کو عذاب میں

① تیسیر القرآن از مولانا عبدالرحمن کیلانی. ② النحل 16:36. ③ الأعراف 7:59.

مبتلا نہ کرے جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔''[1]

لہٰذا تمام عبادات (مثلاً دعا، نذر ونیاز، توکل، ذبح وغیرہ) صرف اللہ تعالیٰ کے لیے بجالائی جائیں، اسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے جائیں، اسی کو حاجت روا، مشکل کشا، بگڑی بنانے والا، داتا اور نفع ونقصان کا مالک سمجھا جائے، کیونکہ وہی معبودِ برحق ہے، اس کے سوا باقی تمام معبودان باطل ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴾

''یہ سب اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوا جسے بھی یہ پکارتے ہیں وہ باطل ہے۔ اور بے شک اللہ ہی بلندی والا اور کبریائی والا ہے۔''[2]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾

''آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب کچھ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔ اور میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوں۔''[3]

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْئٍ ، لَمْ يَنْفَعُوْكَ إِلاَّ بِشَيْئٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ ، وَإِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى أَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْئٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ إِلاَّ بِشَيْئٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ))

''تم جب بھی مانگنا چاہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ اور تمہیں جب بھی مدد کی ضرورت ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔ اور اس بات پر اچھی طرح سے یقین کر لو کہ اگر تمام لوگ مل کر تمھیں کوئی نفع پہنچانا چاہیں تو وہ ایسا نہیں کر سکتے، سوائے اس نفع کے جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے حق میں لکھ رکھا ہے۔ اور اگر وہ سب کے سب مل کر تمھیں نقصان پہنچانا چاہیں تو وہ ایسا بھی نہیں کر سکتے۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے تمھارا جو نقصان لکھ رکھا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔''[4]

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر عبادت میں اخلاص نصیب کرے اور اپنے اوپر سچا ایمان لانے کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

حضرات محترم! پہلے خطبہ میں ہم نے بیان کیا کہ ایمان باللہ تین چیزوں پر اعتقاد رکھنے کا نام ہے۔ ان میں سے دو

[1] متفق علیہ. [2] الحج 62:22. [3] الأنعام 163,162:6. [4] احمد، ترمذی۔ صحیح الجامع للألبانی: 7957.

کی وضاحت ہم کر چکے ہیں۔ آیئے اب تیسری چیز کے متعلق بھی ہماری معروضات سماعت فرما لیجئے۔

③ ایمان باللہ کا تیسرا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس بات پر پختہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ تمام اسمائے حسنیٰ (اچھے ناموں) سے موسوم اور صفاتِ کاملہ سے متصف ہے۔ اور وہ اپنے ان اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ کمال میں یکتا ہے جن کا ذکر اس نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث مبارکہ میں کیا ہے۔ اور ان میں اس کا کوئی مثیل ہے، اور نہ کوئی شریک ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○﴾

''اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں۔ لہٰذا ان ناموں سے ہی تم اسے پکارا کرو۔ اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو ان کے کیے کی سزا ضرور ملے گی۔''[1]

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کج روی کرنے یا ٹیڑھی راہ اختیار کرنے سے مراد ایک تو یہ ہے کہ اس کے تمام اسمائے حسنیٰ کا یا ان میں سے بعض کا انکار کر دیا جائے۔ دوسرا یہ ہے کہ اس کے اسمائے حسنیٰ، اس کی جن صفاتِ عالیہ پر دلالت کرتے ہیں انھیں تسلیم نہ کیا جائے۔ اور تیسرا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ جن عظیم معانی پر دلالت کرتے ہیں ان کے خلاف عمل کیا جائے۔ مثلاً اس کا ایک نام (الرزاق) ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رزق دینے کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے۔ اور اس کے خلاف عمل یہ ہے کہ اسے چھوڑ کر غیر اللہ کے سامنے جھولی پھیلائی جائے اور غیر اللہ کو رزق دینے والا تصور کیا جائے۔ اسی طرح اس کا ایک نام (العظیم) ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہر قسم کی عظمت و بزرگی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور کائنات کے تمام امور میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ اس لیے جبینِ نیاز کا جھکانا اور سجدہ ریز ہونا صرف اسی کے لیے روا ہے۔ اور اس کے خلاف عمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی بزرگ یا ولی کے سامنے اپنے آپ کو جھکایا جائے، یا اس کی قبر پر سجدہ کیا جائے، یا غیر اللہ کو کائنات کے امور میں تصرف کرنے والا مانا جائے۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی تعداد خود اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ اور وہ جو نبی مکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ

((إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اسْمًا، مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَهُوَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ))

''بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، جو شخص انھیں شمار (یا حفظ) کرے گا جنت میں داخل ہوگا۔ اور وہ

[1] الأعراف 180:7.

(اللہ تعالیٰ) طاق ہے، طاق ہی کو پسند فرماتا ہے۔"[1]

تو اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے 99 اسماء ایسے ہیں کہ جن کو یاد کرنے، ان کے معانی کو اپنے دل میں اتارنے اور ان کے خلاف عمل نہ کرنے والے شخص کو رسول اکرم ﷺ نے جنت کی بشارت دی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے بارے میں جو اعتقاد ہم نے ذکر کیا ہے یہ دو بنیادوں پر قائم ہے:

پہلی بنیاد: اللہ تعالیٰ کے لیے ہی وہ اچھے نام اور بلند صفات ہیں جو کہ اس کے کامل ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ نہ اس کا کوئی ہم مثل ہے اور نہ ہی کائنات میں سے اس کا کوئی شریک ہے۔

مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام "الحی" (زندہ رہنے والا) ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی صفت "حیات" ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کے بارے میں ضروری ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے لیے اسی کامل طریقے پر ثابت کیا جائے جس کا وہ مستحق ہے۔ اور یہ زندگی کامل اور ہمیشہ رہنے والی زندگی ہے کہ جس میں کمال کے تمام لوازم مثلاً علم اور قدرت وغیرہ موجود ہیں۔ اور یہ ایسی زندگی ہے کہ جو شروع سے ہے اور کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ﴾

"اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے (اس کے سوا کوئی معبود نہیں) جو زندہ جاوید اور قائم رہنے والا ہے، نہ اسے اونگھ آتی ہے اور نہ ہی نیند۔"[2]

دوسری بنیاد: اللہ تعالیٰ تمام عیوب ونقائص مثلاً نیند، عاجز آجانا، جہالت اور ظلم وغیرہ سے پاک ہے اور مخلوق کی مشابہت سے مبرّا ہے۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ ہر اس چیز کی نفی کی جائے جس کی نفی اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات سے یا رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے کی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝﴾

"اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔"[3]

اور فرمایا: ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۝﴾

"اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔"

اور فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعْجِزَهٗ مِنْ شَیْءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ﴾

"اور آسمانوں اور زمین میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اللہ تعالیٰ کو عاجز کر دے۔"[5]

[1] صحیح البخاري و صحیح مسلم. [2] البقرة:2:255. [3] الشوری:42:11. [4] فصلت:41:46. [5] فاطر:35:44.

اور فرمایا:﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝ ﴾
''اور آپ کا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے۔''[1]

صفاتِ عالیہ کے اثبات کے لیے چند ضروری امور

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ عالیہ کو ثابت کرتے ہوئے پانچ امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

(1) قرآن مجید اور حدیث پاک میں وارد شدہ تمام صفات کو اللہ تعالیٰ کے لیے حقیقی طور پر ثابت کرنا۔

(2) اس بات پر پختہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ تمام کامل صفات سے متصف ہے اور تمام عیوب ونقائص سے مبرا ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ کی صفات اور مخلوقات کی صفات میں کسی قسم کی مشابہت نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ پاک ہے، اس جیسی کوئی چیز نہیں، نہ اس کی صفات میں اور نہ اس کے افعال میں۔

(4) اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔ اس لیے ان صفات کی کیفیت معلوم کرنے کا تکلف کرنا یا بیان کرنا مخلوق کے لیے قطعا درست نہیں۔

(5) ان صفات پر مرتب ہونے والے احکام اور آثار پر ایمان لانا۔

ان پانچ امور کی وضاحت کے لیے ہم اللہ تعالیٰ کی صفت ''الاستواء'' سے مثال بیان کر سکتے ہیں۔لہٰذا اس صفت میں ان چیزوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

(1) شرعی نصوص میں صفت ''استواء'' وارد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔لہٰذا اس صفت کو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرنا اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ ﴾
''رحمن عرش پر مستوی ہے۔''[2]

(2) صفت ''استواء'' کو اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے کامل طریق پر ثابت کرنا جس کا وہ مستحق ہے۔اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر حقیقی طور پر بلند ہے جیسا کہ اس کے شایان شان ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کو مخلوقات کے مستوی ہونے سے تشبیہ نہ دینا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عرش سے بے پرواہ ہے اور وہ اس کا محتاج نہیں ہے۔

(4) اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت میں غور وفکر نہ کرنا، کیونکہ یہ ایک غیبی معاملہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے: ((الاستواء معلوم ، والكيف مجهول،

(1) مریم:19:64. (2) طٰہٰ20:5.

والإيمان به واجب ، والسؤال عنه بدعة » یعنی ''استواء'' (کا معنی) معلوم ہے، اس کی کیفیت نا معلوم ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔''

5 اس صفت پر مرتب ہونے والے احکام اور آثار پر ایمان لانا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت، بزرگی اور بڑائی جو اس کے شایان شان ہے۔ اسی طرح اس صفت سے اللہ تعالیٰ کا مطلقاً اپنی مخلوقات پر بلند ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو اللہ تعالیٰ کو ذات کے اعتبار سے ہر جگہ پر موجود مانتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے عرش پر ہی مستوی ہے۔ ہاں وہ اپنی صفات (مثلاً علم، سننا، دیکھنا، نگرانی کرنا اور احاطہ کرنا وغیرہ) کے اعتبار سے ہر جگہ پر موجود ہے اور دنیا میں کوئی کام اس کے علم کے بغیر نہیں ہوتا۔ وہ کائنات کی تمام حرکات وسکنات کا علم رکھتا ہے، انھیں سنتا اور دیکھتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَٰتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَٰبٍ مُّبِينٍ ○ ﴾

''اور غیب کی چابیاں تو اسی کے پاس ہیں۔ انھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ سمندر اور خشکی میں جو کچھ ہے اسے وہ جانتا ہے۔ اور کوئی پتہ تک نہیں گرتا جسے وہ جانتا نہ ہو۔ نہ ہی زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے جس سے وہ باخبر نہ ہو۔ اور تر اور خشک جو کچھ بھی ہو سب کتاب مبین میں موجود ہے۔''[1]

اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے عرش پر مستوی ہے، اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی (العلی) بھی کرتا ہے جس سے اس کی صفت (العلو) ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ○ ﴾

''وہ بلند و برتر اور عظمت والا ہے۔''[2]

اس کے علاوہ اللہ کے بندوں کے دل بھی سجدہ کی حالت میں، اسی طرح دعا کرتے ہوئے اسی بلندی کی طرف ہی متوجہ ہوتے ہیں اور سجدہ کرنے والا پکارتا ہے: «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى» ''پاک ہے میرا پروردگار جو بلند و بالا اور عظمت والا ہے۔''

ذاتی اور فعلی صفات کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے بارے میں جو عقیدہ ہم نے ذکر کیا ہے، اہل السنۃ والجماعۃ یہی عقیدہ اللہ تعالیٰ کی

1 الأنعام 59:6. 2 البقرة 255:2.

ذاتی اور فعلی صفات کے بارے میں رکھتے ہیں۔

ذاتی صفات سے مراد وہ صفات عالیہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات با برکات سے متعلق ہیں مثلا چہرہ ، ہاتھ ، نفس اور انگلیاں وغیرہ۔ یہ وہ صفات ہیں جن کا قرآن مجید کی آیاتِ کریمہ اور احادیث نبویہ میں ذکر آیا ہے۔

اور فعلی صفات سے مقصود وہ صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بعض افعال سے متعلق ہیں مثلا آنا ، نازل ہونا ، محبت کرنا ، راضی ہونا ، پسند کرنا ، نا پسند کرنا ، ناراض ہونا ، غضبناک ہونا ، انتقام لینا ، ہنسنا ، خوش ہونا وغیرہ......... یہ تمام صفات بھی قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ اہل السنۃ والجماعۃ ان تمام صفات کو اللہ تعالیٰ کے لیے اس طرح ثابت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی بڑائی اور عظمتِ شان کے لائق ہے۔ اور وہ ان صفات کی تاویل نہیں کرتے اور نہ ہی انھیں مخلوق کی صفات سے تشبیہ دیتے ہیں ، بلکہ ان پر یوں ایمان لاتے ہیں جیسا کہ اس کے شایان شان ہے۔

برادران اسلام ! آج کے خطبہ میں ہم نے ارکانِ ایمان میں سے صرف ایمان باللہ کی وضاحت کی ہے۔ باقی ارکان کے متعلق ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ خطبۂ جمعہ میں وضاحت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سچا اور کامل ایمان نصیب فرمائے۔ آمین۔

تکملہ ارکان ایمان 1

اہم عناصر خطبہ

1 ایمان بالملائکۃ 2 ایمان بالکتب

پہلا خطبہ

برادران اسلام ! گذشتہ خطبۂ جمعہ میں ہم ایمان کی اہمیت وفضیلت کے علاوہ ارکانِ ایمان میں سے ایمان باللہ کی تفصیلات بیان کر چکے ہیں۔ آج کے خطبۂ جمعہ میں بھی ارکان ایمان ہی ہمارا موضوع ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سچا اور حقیقی ایمان نصیب فرمائے۔ آمین

دوسرا رکن

فرشتوں پر ایمان لانا

ایمان بالملائکہ یعنی فرشتوں پر ایمان لانا ایمان کے ان چھ ارکان میں سے دوسرا رکن ہے جن کے بغیر بندے کا ایمان نہ تو درست ہوتا ہے اور نہ ہی قبول کیا جاتا ہے۔ اور تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ معزز فرشتوں پر ایمان لانا فرض ہے۔ اگر کوئی شخص ان سب کے وجود کا یا ان میں سے بعض کے وجود کا انکار کرے تو وہ کافر ہے اور کتاب وسنت اور اجماعِ امت کا مخالف ہے۔

1 ایمان بالملائکہ سے کیا مقصود ہے؟

اس بات پر پختہ اعتقاد رکھنا کہ ''ملائکہ'' اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی مخلوق ہیں جسے اس نے نور سے پیدا فرمایا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہیں اور وہ انھیں جو حکم دیتا ہے وہ کر گزرتے ہیں اور اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ وہ دن رات اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس سے ذرا نہیں اکتاتے۔ ان کی تعداد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور اس نے ان کے ذمہ مختلف قسم کے فرائض سونپ رکھے ہیں۔

(2) فرشتوں پر ایمان لانے کی کیفیت

فرشتوں پر کما حقہ ایمان لانے کے لیے دو امور ضروری ہیں :

(1) ان کے وجود کا اقرار کرنا اور اس بات پر یقین رکھنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ ان کا وجود حقیقی ہے اور ہمارا ان کو نہ دیکھ سکنا ان کے نہ ہونے کی دلیل نہیں، کیونکہ کائنات میں کتنی ہی ایسی عجیب وغریب مخلوقات ہیں جن کا وجود حقیقی ہے لیکن ہم نے انھیں دیکھا نہیں۔ یہاں ہم فرشتوں کے وجود پر بعض دلائل ذکر کرتے ہیں :

(1) نبی اکرم ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو اپنی اصلی شکل میں دو مرتبہ دیکھا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ((رَأَیٰ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ جِبْرِیْلَ فِيْ صُوْرَتِہٖ وَلَہُ سِتُّمِائَۃِ جَنَاحٍ، وَکُلُّ جَنَاحٍ مِّنْہَا قَدْ سَدَّ الْأُفُقَ))

''رسول اللہ ﷺ نے جبریل امین (علیہ السلام) کو اپنی اصل شکل میں دیکھا۔ ان کے چھ سو پر تھے اور ہر پر نے مشرق ومغرب کی پوری فضا (آسمان کو) ڈھانپا ہوا تھا۔''[1]

(2) اسی طرح بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی بعض فرشتوں کو انسانی شکل میں دیکھا جیسا کہ حدیثِ جبریل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام ایک آدمی کی شکل میں آئے جن کے کپڑے انتہائی سفید اور بال انتہائی سیاہ تھے، ان پر سفر کا کوئی نشان نہ تھا اور ہمارے ساتھیوں میں سے کوئی انھیں پہچانتا بھی نہ تھا۔ انھوں نے رسول اکرم ﷺ سے ایمان، اسلام، احسان، قیامت اور اس کی علامات کے بارے میں سوالات کیے۔ آپ ﷺ نے انھیں جوابات دیے۔ پھر جب وہ چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے جو دین سکھلانے آئے تھے۔[2]

اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے جنگِ احد میں نبی کریم ﷺ کے دائیں بائیں دو آدمی دیکھے جنھوں نے سفید رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا۔ انھیں میں نے نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ بعد میں کبھی دیکھا۔ یعنی حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام۔[3]

اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حضرت جبریل علیہ السلام کو انسانی شکل میں دیکھا تھا اور یہ فرشتوں کے وجود کی دلیل ہے۔

(3) فرشتوں کا جنگ بدر میں شریک ہونا

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿بَلٰٓی ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ یَاْتُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ

(1) أخرجه احمد في المسند وذكره الحافظ ابن كثير في تفسيره وقال: إسناده حسن: تفسير ابن كثير: 265/4. (2) صحيح مسلم 8. (3) صحيح البخاري: 5862.

الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ○ ﴾

''کیوں نہیں ! اگر تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور (اگر) دشمن تم پر فورا چڑھ آئے تو تمہارا رب خاص نشان رکھنے والے پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔''[1]

اور حضرت رفاعہ بن رافع الزرقی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے : ((مَا تَعُدُّوْنَ أَهْلَ بَدْرٍ فِيْكُمْ ؟)) ''اہلِ بدر کا آپ کے نزدیک کیا مقام ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا : ((مِنْ أَفْضَلِ الْمُسْلِمِيْنَ)) ''وہ مسلمانوں میں سب سے افضل ہیں'' (یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کا کوئی اور کلمہ کہا۔) حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا : ((وَكَذٰلِكَ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ)) ''اور اسی طرح وہ فرشتے بھی سب سے افضل ہیں جو جنگِ بدر میں شریک ہوئے تھے۔''[2]

(2) ان کو جو مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے انھیں اسی پر برقرار رکھنا۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مامور بندے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں عزت دی ہے، ان کے مرتبہ کو بلند کیا اور انھیں اپنا تقرب نصیب کیا ہے۔ ان میں سے بعض اللہ تعالیٰ کی وحی وغیرہ کے پیامبر اور قاصد ہیں۔ اور ان میں اتنی ہی طاقت ہے جس قدر اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا کی ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے اور دوسروں کے کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں۔ اس لیے کسی قسم کی عبادت کو ان کے لیے بجا لانا جائز نہیں، چہ جائیکہ انھیں اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف کیا جائے جیسا کہ عیسائیوں کا حضرت جبریل علیہ السلام کے بارہ میں عقیدہ ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ○ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ○ ﴾

''(مشرک لوگ) کہتے ہیں کہ رحمن اولاد والا ہے۔ اس کی ذات پاک ہے، بلکہ وہ سب (فرشتے) اس کے معزز بندے ہیں، کسی بات میں اللہ تعالیٰ پر سبقت نہیں لے جاتے، بلکہ اس کے فرمان پر کار بند ہیں۔''[3]

اور فرمایا: ﴿ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ ﴾

''انھیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے، وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا جائے اسے بجالاتے ہیں۔''[4]

فرشتوں کے بارہ میں یہ تھا اجمالی ایمان جو ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔ اور جہاں تک تفصیلی ایمان کا تعلق ہے تو وہ ان چیزوں پر مشتمل ہے:

(1) ان کی پیدائش : اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نور سے پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ اس نے جنوں کو آگ اور بنی آدم کو مٹی سے

(1) آل عمرٰن 125:3. (2) صحيح البخاري: 3992. (3) الأنبياء 27,26:21. (4) التحريم 66:6.

پیدا کیا۔ اور ان کی پیدائش آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل کی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((خُلِقَتِ الْمَلاَئِكَةُ مِنْ نُورٍ، وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ، وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ))

''فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا اور جنوں کو بھڑکنے والے شعلے سے۔ اور آدم کو اس چیز سے جس کا وصف تمہارے لیے بیان کیا گیا (یعنی مٹی سے)۔''[1]

[2] فرشتوں کی تعداد: فرشتے ایک ایسی مخلوق ہیں کہ جن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ﴾

''اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''[2]

اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنِّيْ أَرٰى مَا لاَ تَرَوْنَ ، وَأَسْمَعُ مَا لاَ تَسْمَعُوْنَ . أَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَهَا أَنْ تَئِطَّ. مَا فِيْهَا مَوْضِعُ أَرْبَعِ أَصَابِعَ إِلَّا وَ مَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهُ سَاجِدًا لِلّٰهِ))

''بے شک میں وہ چیز دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ چیز سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ آسمان چرچرایا اور اسے حق ہے کہ وہ چرچرائے (کیونکہ) اس میں چار انگلیوں کے برابر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ اپنی پیشانی رکھے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز نہ ہو۔''[3]

اور واقعۂ معراج میں آپ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جب انھیں ساتویں آسمان پر لے جایا گیا تو وہاں انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ البیت المعمور کی طرف ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور البیت المعمور کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَدْخُلُهُ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ لاَ يَعُوْدُوْنَ إِلَيْهِ))

''اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جو پھر کبھی دوبارہ اس کی طرف نہیں پلٹتے۔''[4]

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يُؤْتٰى بِالنَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ . لَهَا سَبْعُوْنَ أَلْفَ زِمَامٍ ، مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّوْنَهَا))

''قیامت کے روز جہنم کو لایا جائے گا، اس کی ستر ہزار لگامیں ہونگی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہونگے

[1] صحيح مسلم: 2996. [2] المدثر 74:31. [3] جامع الترمذي: 2312. وحسنه الألباني. [4] صحيح مسلم: 162.

جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔''[1]

ان تمام احادیث سے ہمارے لیے واضح ہوجاتا ہے کہ فرشتوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے پاس نہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے ان کو پیدا کیا اور ان کی گنتی کو شمار کیا۔

(3) فرشتوں کے نام: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یا رسول اللہ ﷺ نے حدیث پاک میں جن فرشتوں کے نام ذکر کیے ہیں ان پر ایمان لانا فرض ہے۔ ان میں سے تین عظیم فرشتوں کے نام یہ ہیں:

(1) حضرت جبریل علیہ السلام، انھیں جبرائیل بھی کہا جاتا ہے اور یہی روح القدس ہیں۔ اور ان کے ذمے انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل کرنا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾

''جو جبریل کا دشمن ہو اس سے آپ کہہ دیجیے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کے دل پر پیغام باری اُتارا ہے۔''[2]

(2) حضرت میکائیل علیہ السلام، انھیں میکال بھی کہا جاتا ہے اور ان کے ذمہ بارش نازل کرنا ہے۔ وہ اسے وہاں نازل کرتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے۔

(3) حضرت اسرافیل علیہ السلام، جن کے ذمہ صور میں پھونکنا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر ہیں، جب انھیں حکم ملے گا تو وہ صور میں پھونکیں گے جس سے دنیاوی زندگی کی انتہاء ہو جائے گی۔ اس کے بعد وہ دوبارہ اس میں پھونکیں گے جس سے لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے۔

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((كَيْفَ أَنْعَمُ وَصَاحِبُ الْقَرْنِ قَدِ الْتَقَمَ الْقَرْنَ وَاسْتَمَعَ الْإِذْنَ مَتٰى يُؤْمَرُ بِالنَّفْخِ فَيَنْفُخُ))

''میں کیسے آسودگی سے زندگی بسر کروں جبکہ سینگ والا (فرشتہ) سینگ اپنے منہ میں لے چکا ہے اور وہ انتہائی توجہ کے ساتھ یہ حکم سننے کے انتظار میں ہے کہ صور پھونکو، تاکہ وہ فوراً اس پر عملدرآمد کرے اور صور پھونکے۔''

یہ بات گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھاری گذری، جس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((قُوْلُوْا : حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ، عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا))

تم ''یہ کہو کہ ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ ہم نے اللہ پر ہی توکل کیا۔''[3]

(1) صحيح مسلم: 2842. (2) البقرة 2: 97. (3) جامع الترمذي: 2431. وصححه الألباني.

(4) فرشتوں کی صفات: فرشتے ایک حقیقی مخلوق ہیں اور ان کے حقیقی اجسام ہیں جو بعض صفات سے متصف ہیں۔ مثلا ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بڑی طاقتور شکلوں میں پیدا فرمایا ہے جو ان کے بڑے بڑے اعمال کے شایان شان ہیں، وہ اعمال جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کیے ہیں۔ دوسری یہ کہ ان کے پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے دو دو، تین تین اور چار چار پر بنائے ہیں اور اس سے زیادہ بھی ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو اپنی اصلی شکل میں دیکھ، ان کے چھ سو پر تھے اور ہر پر نے آسمان کو ڈھانپ رکھا تھا۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ ﴾

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو (ابتداءً) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور جو دو دو، تین تین، چار چار پروں والے فرشتوں کو اپنا پیغمبر (قاصد) بنانے والا ہے۔ اور وہ مخلوق میں جس قدر چاہے اضافہ کرتا ہے۔''[1]

تیسری یہ کہ وہ کھانے پینے کے محتاج نہیں ہیں۔ اور نہ وہ شادی کرتے ہیں اور نہ ہی آگے ان کی نسل چلتی ہے۔ چوتھی یہ کہ تمام فرشتے، ملک الموت سمیت قیامت کے دن فوت ہو جائیں گے۔ پھر انھیں ان اعمال کی ادائیگی کے لیے دوبارہ اٹھایا جائیگا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کر رکھے ہیں۔ پانچویں یہ کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے لیے مختلف قسم کی عبادات بجالاتے ہیں مثلاً دعا، تسبیح، رکوع، سجود، خوف، خشیت، محبت وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ○ ﴾

''وہ دن رات اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، سستی اور کمی نہیں کرتے۔''[2]

5 فرشتوں کے فرائض

فرشتے وہ بڑی بڑی ذمہ داریاں نبھاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

(1) عرش کو اٹھانا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ○ رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ۨ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ ﴾

''جو (فرشتے) عرش اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں، سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح

(1) فاطر 35:1. (2) الأنبياء 21:20.

کرتے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ایمان والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں (اور کہتے) ہیں: اے ہمارے رب! تو نے اپنی رحمت اور علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے، لہٰذا جن لوگوں نے توبہ کی اور تیری راہ کی پیروی کی انھیں بخش دے اور دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ اے ہمارے رب! انھیں ان ہمیشہ رہنے والے باغات میں داخل کر جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ اور ان کے آباؤ اجداد، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو صالح ہیں انھیں بھی۔ بلاشبہ تو ہر چیز پر غالب اور حکمت والا ہے۔''[1]

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ کئی فرشتے ایسے ہیں جو عرشِ الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور وہ اللہ رب العزت کی تسبیحات پڑھنے کے ساتھ ساتھ ان ایمان والوں کے لیے دعائیں بھی کرتے ہیں جنہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کے دین کی پیروی کی۔

2 بنی آدم کے اعمال کو لکھنا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ ﴾

''اور تم پر نگران (فرشتے) مقرر ہیں جو معزز ہیں، اعمال لکھنے والے ہیں۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے جانتے ہیں۔''[2]

اور اعمال کو لکھنے والے فرشتے دن اور رات کے الگ الگ ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((يَتَعَاقَبُوْنَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ ،وَيَجْتَمِعُوْنَ فِيْ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِيْنَ بَاتُوْا فِيكُمْ ، فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ : كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِيْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ : تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ ، وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ))

''تم میں دن اور رات کے فرشتے باری باری آتے ہیں۔ وہ نماز فجر اور نماز عصر کے وقت جمع ہوتے ہیں۔ پھر وہ فرشتے اوپر جاتے ہیں جنہوں نے تمہارے پاس رات گذاری ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کا رب ان سے سوال کرتا ہے حالانکہ وہ ان کے بارے میں زیادہ جانتا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ تو وہ کہتے ہیں: ہم نے انھیں جب چھوڑا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس آئے تب بھی وہ نماز ہی پڑھ رہے تھے۔''[3]

3 امت کے سلام کو نبی ﷺ تک پہنچانا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُوْنِيْ عَنْ أُمَّتِيَ السَّلَامَ))

[1] غافر 40:7، 8. [2] الإنفطار 82:10-12. [3] صحيح البخاري: 555، 3223، صحيح مسلم: 632.

''بے شک اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو زمین میں سیاحت کرتے رہتے ہیں اور وہ مجھ تک میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں۔'' [1]

(4) بنی آدم کی حفاظت کرنا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ﴾

''ہر شخص کے آگے اور پیچھے اللہ کے مقرر کردہ نگران (فرشتے) ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔'' [2]

(5) رحمِ مادر میں انسان میں روح پھونکنا، اس کا رزق، عمل، بدبختی اور سعادت مندی لکھنا۔

حضرت حذیفۃ بن أسید الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا مَرَّ بِالنُّطْفَةِ ثِنْتَانِ وَأَرْبَعُوْنَ لَيْلَةً ، بَعَثَ اللهُ إِلَيْهَا مَلَكًا ، فَصَوَّرَهَا وَخَلَقَ سَمْعَهَا، وَبَصَرَهَا وَجِلْدَهَا ، وَلَحْمَهَا وَعِظَامَهَا ، ثُمَّ قَالَ : يَا رَبِّ ! أَذَكَرٌ أَمْ أُنْثَى ؟ فَيَقْضِي رَبُّكَ مَا شَاءَ ، وَيَكْتُبُ الْمَلَكُ ، ثُمَّ يَقُوْلُ : يَا رَبِّ ! أَجَلُهُ ؟ فَيَقُوْلُ رَبُّكَ مَا شَاءَ ، وَيَكْتُبُ الْمَلَكُ، ثُمَّ يَقُوْلُ : يَا رَبِّ ! رِزْقُهُ ؟ فَيَقْضِي رَبُّكَ مَا شَاءَ وَيَكْتُبُ الْمَلَكُ ، ثُمَّ يَخْرُجُ الْمَلَكُ بِالصَّحِيْفَةِ فِيْ يَدِهِ ،فَلاَ يَزِيْدُ عَلَى مَا أُمِرَ وَلاَ يَنْقُصُ))

''جب (رحمِ مادر میں) نطفہ پر بیالیس راتیں گذر جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کی شکل وصورت بناتا ہے اور اس کے کان، آنکھیں، جلد، گوشت اور ہڈیاں بناتا ہے۔ پھر وہ کہتا ہے: اے میرے رب! مرد یا عورت؟ تو تمہارا رب جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے اور فرشتہ لکھ لیتا ہے۔ پھر وہ کہتا ہے: اے میرے رب! اس کی عمر کتنی ہوگی؟ تو تمہارا رب جو چاہتا ہے کہتا ہے اور فرشتہ لکھ لیتا ہے۔ پھر وہ کہتا ہے: اے میرے رب! اس کا رزق کتنا ہوگا؟ تو تمہارا رب جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے اور فرشتہ لکھ لیتا ہے۔ اس کے بعد فرشتہ صحیفہ لے کر نکل جاتا ہے اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں کرتا۔'' [3]

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جو کہ الصادق المصدوق ہیں) نے ارشاد فرمایا:

''بے شک تم میں سے ہر شخص کی پیدائش اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک (بصورتِ نطفہ) جمع کی جاتی

(1) سنن النسائي:1282۔ابن حبان:914. وصححه الألباني. (2) الرعد13:11. (3) صحیح مسلم:2645.

ہے۔ پھر اتنا ہی عرصہ وہ خونِ بستہ کی شکل میں رہتا ہے۔ پھر اتنی ہی مدت وہ گوشت کے لوتھڑے کے شکل میں رہتا ہے۔ پھر ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے۔ اور اسے چار کلمات کے لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے: اس کا رزق، اس کی موت، اس کا عمل اور کیا یہ نیک بخت ہوگا یا بد بخت۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((فَوَالَّذِیْ لاَ إِلٰهَ غَیْرُهُ ! إِنَّ أَحَدَکُمْ لَیَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰی مَا یَکُوْنُ بَیْنَهُ وَبَیْنَهَا إِلاَّ ذِرَاعٌ ، فَیَسْبِقُ عَلَیْهِ الْکِتَابُ ، فَیَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَیَدْخُلُهَا ، وَإِنَّ أَحَدَکُمْ لَیَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ ، حَتّٰی مَا یَکُوْنُ بَیْنَهُ وَبَیْنَهَا إِلاَّ ذِرَاعٌ ، فَیَسْبِقُ عَلَیْهِ الْکِتَابُ ، فَیَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَیَدْخُلُهَا))

''اس ذات کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود برحق نہیں! بے شک تم میں سے ایک شخص اہلِ جنت کے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، لیکن تقدیر اس پر سبقت لے جاتی ہے، پھر وہ اہلِ جہنم کا کوئی عمل کرتا ہے اور وہ جہنم میں چلا جاتا ہے۔ اور تم میں سے ایک شخص اہلِ جہنم کے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، لیکن تقدیر اس پر سبقت لے جاتی ہے، پھر وہ اہلِ جنت کا کوئی عمل کرتا ہے اور وہ جنت میں چلا جاتا ہے۔''[1]

⑥ موت کے وقت بنی آدم کی ارواح کو قبض کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْکُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ○﴾

''اور وہ اپنے بندوں پر پوری قدرت رکھتا ہے اور تم پر نگران (فرشتے) بھیجتا ہے، حتی کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں۔ اور وہ (اپنے کام میں) ذرہ بھر کوتاہی نہیں کرتے۔''[2]

نیز فرمایا: ﴿وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِکَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ﴾

''اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ ہاں اپنی جانیں نکالو۔''[3]

⑦ قبر میں لوگوں سے سوال وجواب کرنا اور اس پر مرتب ہونیوالی جزا یا سزا دینا۔

⑧ جہنم کے خازن

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّکُمْ یُخَفِّفْ عَنَّا یَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ○ قَالُوْٓا

① صحيح البخاري: 3208، صحيح مسلم: 2643. ② الأنعام 6:61. ③ الأنعام 6:93.

﴿ اَوَ لَمۡ تَكُ تَاۡتِيۡكُمۡ رُسُلُكُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوۡا بَلٰى ؕ قَالُوۡا فَادۡعُوۡا ۚ وَمَا دُعٰٓـؤُا الۡكٰفِرِيۡنَ اِلَّا فِىۡ ضَلٰلٍ ۝ ﴾

’’اور جو لوگ جہنم میں ہونگے وہ جہنم کے محافظوں سے کہیں گے: اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ایک دن تو ہمارے عذاب میں کچھ تخفیف کردے۔ وہ کہیں گے: کیا تمہارے پاس رسول واضح دلائل لے کر نہیں آئے تھے؟ جہنمی کہیں گے: کیوں نہیں (ضرور آئے تھے۔) تو وہ کہیں گے: پھر تم خود پکارو اور کافروں کی پکار تو ضائع ہوجانے والی ہے۔‘‘[1]

نیز فرمایا: ﴿ وَنَادَوۡا يٰمٰلِكُ لِيَقۡضِ عَلَيۡنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمۡ مّٰكِثُوۡنَ ۝ ﴾

’’وہ پکاریں گے: اے مالک! (داروغۂ جہنم کا نام) تمہارا رب ہمارا کام تمام کردے (تو اچھا ہے) وہ کہے گا: تم ہمیشہ یہیں رہو گے۔‘‘[2]

برادران اسلام! ہم نے فرشتوں کے بعض فرائض کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ ان کے اور بھی کئی فرائض ہیں جنھیں وہ سرانجام دیتے ہیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں فرشتوں پر سچا اور حقیقی ایمان نصیب کرے۔

دوسرا خطبہ

حضرات محترم! آیئے اب ارکانِ ایمان میں سے تیسرے رکن (ایمان بالکتب) کے بارے میں کچھ گذارشات سماعت فرمایئے۔

تیسرا رکن

کتابوں پر ایمان لانا

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر جو کتابیں نازل کیں ان پر ایمان لانا ایمان کے ارکان میں سے تیسرا رکن ہے۔

اور کتابوں پر ایمان لانے سے مقصود یہ ہے کہ بندہ دل سے اس بات کی تصدیق کرے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ کتابیں اپنے رسولوں پر نازل فرمائی ہیں جو کہ اس کا حقیقی کلام ہیں اور غیر مخلوق ہیں، ان میں نور ہے اور وہ باعثِ ہدایت ہیں۔ اور ان میں جو کچھ ہے اس کی پیروی کرنا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ ان کی تعداد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اور جو شخص ان کا یا ان میں سے بعض کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَالۡكِتٰبِ الَّذِىۡ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ وَالۡكِتٰبِ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓـئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ۝ ﴾

① غافر 40:49-50۔ ② الزخرف 43:77۔

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول (ﷺ) پر اور اس کتاب پر ایمان لے آؤ جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی ہے۔ اسی طرح ان کتابوں پر بھی جو اس نے اس سے پہلے نازل فرمائی ہیں۔ اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور قیامت کے دن سے کفر کیا وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔''[1]

کتابیں نازل کرنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابیں متعدد حکمتوں کے پیش نظر نازل فرمائیں۔

پہلی حکمت: آسمانی کتابیں مخلوق کے لیے باعث رحمت وہدایت ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝﴾

''اس کتاب میں کوئی شک وشبہ نہیں اور یہ پرہیزگاروں کے لیے باعث ہدایت ہے۔''[2]

نیز فرمایا: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ﴾

''وہ رمضان کا مہینہ تھا جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لیے باعث ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کی اور (حق وباطل کے درمیان) فرق کرنے کی نشانیاں ہیں۔''[3]

دوسری حکمت: آسمانی کتابیں بندوں کے لیے دنیا وآخرت کی سعادت کی ضامن ہیں۔ ان کے لیے دنیا میں گزر بسر کرنے کے لیے ایک نظام زندگی اور دستورِ حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾

''یقینا ہم نے اپنے پیغمبروں کو واضح دلائل دے کر مبعوث فرمایا اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو کو نازل کیا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔''[4]

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر کتابیں نازل کرنے کی حکمت ذکر فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ تاکہ لوگ عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں اور کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکے۔

تیسری حکمت: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابیں اس لیے نازل فرمائیں کہ تاکہ اس کے بندے اپنے تمام مسائل میں انھیں اپنا مرجع بنائیں اور ہر مسئلہ میں ان کی طرف رجوع کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝﴾

[1] النساء 136:4. [2] البقرة 2:2. [3] البقرة 185:2. [4] الحديد 25:57.

''پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ اسی میں بھلائی ہے اور انجام کے اعتبار سے یہی اچھا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ عرفات میں خطبۂ حجۃ الوداع کے دوران رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو تلقین فرمائی کہ وہ کتاب اللہ (قرآن مجید) کو مضبوطی سے تھام لے، اس طرح وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگی۔ ارشاد فرمایا:

((.... وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابَ اللّٰهِ))

''اور (جان لو) میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں جسے تم نے مضبوطی سے تھام لیا تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ ہے کتاب اللہ......''[2]

لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ ہم قرآن مجید کو سیکھیں، پڑھیں، اس میں غور وفکر کریں اور اس پر عمل کریں۔

چوتھی حکمت: کتابیں نازل کرنے کی چوتھی حکمت یہ ہے کہ لوگ ان کے ذریعے فیصلے کر سکیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾

''در اصل لوگ ایک ہی جماعت تھے پھر اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والے بنا کر مبعوث فرمایا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے۔''[3]

اس آیت کریمہ کی روشنی میں ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے باہمی اختلافات کا فیصلہ قرآن مجید کے ذریعے کریں اور تمام متنازعہ امور میں کتاب اللہ کی طرف رجوع کریں۔ اور کتاب اللہ جو فیصلہ کر دے اس کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دیں اور اسے کھلے دل سے تسلیم کر لیں۔

پانچویں حکمت: پانچویں حکمت یہ ہے کہ رسول ﷺ کے انتقال کے بعد اللہ کا دین ان کتابوں کے ذریعے محفوظ رہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((تَرَكْتُ فِيْكُمْ شَيْئَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُمَا: كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّتِيْ، وَلَنْ يَتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ))

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ان کے بعد (یعنی اگر تم نے انھیں مضبوطی سے تھام لیا تو) کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک ہے کتاب اللہ (قرآن مجید) اور دوسری ہے میری سنت۔ اور یہ دونوں کبھی جدا جدا نہیں ہونگی یہاں تک کہ حوض پر میرے پاس آئیں گی۔''[4]

چھٹی حکمت: چھٹی حکمت یہ ہے کہ یہ کتابیں لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت کے طور پر قائم رہیں، تاکہ کوئی شخص یہ نہ کہہ

① النساء 4:59. ② صحیح مسلم: 1218. ③ البقرۃ 2:213. ④ صحیح الجامع: 2973.

سکے کہ میرے پاس تو کوئی نصیحت کرنے والا آیا ہی نہ تھا۔ اور چونکہ کتاب اللہ (قرآن مجید) موجود اور بفضل اللہ محفوظ و مامون ہے اس لیے یہ اللہ تعالیٰ کی حجت کے طور پر قائم ہے اور واجب الاتباع ہے۔

جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ﴾

''تم لوگ اس چیز کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی مت کرو۔''[1]

اور فرمایا: ﴿وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ اتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝﴾

''اور یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے، یہ بڑی برکت والی ہے۔ لہٰذا تم اس کی پیروی کرو اور ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''[2]

آسمانی کتابیں

آسمانی کتب جن کا ذکر قرآن وحدیث میں وارد ہے وہ ہیں:

1 زبور: یہ وہ کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل فرمایا۔ اس پر بھی ایمان لانا واجب ہے لیکن اس پر جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل فرمایا، وہ زبور قطعی طور پر نہیں جو یہودیوں کے ہاتھوں تحریف کا شکار ہو چکی ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿وَ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا۝﴾

''اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو زبور عطا فرمائی۔''[3]

2 ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے صحیفے: یہ وہ صحیفے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔ یہ تمام صحیفے مفقود ہیں اور ان کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى۝ وَ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى۝ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۝ وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى۝ وَ اَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى۝ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى۝﴾

''کیا اس چیز کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ (علیہ السلام) اور وفادار ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں تھی کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش اس نے خود کی۔ اور یہ کہ اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائیگا۔''[4]

اور فرمایا: ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۝ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى۝ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى۝ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى۝﴾

[1] الأعراف 7:3۔ [2] الأنعام 6:155۔ [3] النساء 4:163۔ [4] النجم 53:36-41۔

"لیکن تم تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہت بہتر اور بہت بقاء والی ہے۔البتہ یہ باتیں پہلے صحیفوں میں بھی ہیں (یعنی) موسیٰ (علیہ السلام) اور ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں۔"[1]

[3] تورات: یہ اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جس کو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا اور اسے باعث نور وہدایت بنایا۔اس کے ذریعے بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام اور ان کے علماء فیصلے فرماتے تھے۔

اس تورات پر ایمان لانا واجب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا نہ کہ اس محرف شدہ تورات پر جو اہل کتاب کے پاس موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا۟ لِلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلرَّبَّـٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا ٱسْتُحْفِظُوا۟ مِن كِتَـٰبِ ٱللَّهِ﴾

"بلاشبہ ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت ونور ہے۔اسی تورات کے مطابق اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار انبیاء (علیہم السلام) ان لوگوں کے فیصلے کیا کرتے تھے جو یہودی بن گئے تھے اور خدا پرست اور علماء بھی (اسی تورات کے مطابق فیصلے کرتے تھے) کیونکہ انھیں اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا۔"[2]

[4] انجیل: یہ اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جس کو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا۔وہ پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ صرف اس انجیل پر ایمان لانا واجب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے صحیح اصولوں کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا نہ کہ اس تحریف شدہ انجیل پر جو آج اہل کتاب کے پاس موجود ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَفَّيْنَا عَلَىٰٓ ءَاثَـٰرِهِم بِعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ ۖ وَءَاتَيْنَـٰهُ ٱلْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝﴾

"اور ہم نے ان کے بعد عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی نازل شدہ کتاب تورات کی تصدیق کرنے والے تھے۔اور ہم نے انھیں انجیل عطا فرمائی جس میں نور اور ہدایت تھی اور یہ کتاب بھی اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرتی تھی اور وہ پرہیزگاروں کے لیے سراسر ہدایت ونصیحت تھی۔"[3]

یاد رہے کہ تورات وانجیل میں دوسرے احکام کے ساتھ ساتھ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی بشارت بھی موجود تھی۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ٱلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ٱلرَّسُولَ ٱلنَّبِىَّ ٱلْأُمِّىَّ ٱلَّذِى يَجِدُونَهُۥ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِى ٱلتَّوْرَىٰةِ وَٱلْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَىٰهُمْ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ ٱلطَّيِّبَـٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَـٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ

[1] الأعلی 87:16-19. [2] المائدۃ 5:44. [3] المائدۃ 5:46.

اِصۡرَهُمۡ وَ الۡاَغۡلٰلَ الَّتِىۡ كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ ﴾

''جولوگ ایسے رسول ، نبی اُمی کی اتباع کرتے ہیں جس کو وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انھیں نیک باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔ اور پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔''[1]

(5) قرآن کریم: یہ اللہ تعالیٰ کا وہ کلام پاک ہے جسے اس نے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا۔ اور یہ نازل کردہ آسمانی کتابوں میں سب سے آخری کتاب ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ ﴾

''اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے۔ اس لیے آپ ان کے آپس کے معاملات میں اس اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کے ساتھ فیصلہ کیجئے۔''[2]

لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ وہ کون سے امور ہیں جن کی بناء پر قرآن مجید کو سابقہ تمام کتابوں پر امتیازی حیثیت حاصل ہے؟ وہ متعدد امور ہیں جن میں سے چند ایک کا ہم تذکرہ کرتے ہیں۔

(1) قرآن مجید اپنے الفاظ ومعانی میں اور کونی وعلمی حقائق میں معجزانہ حیثیت کا حامل ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰٓى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا ۝ ﴾

''آپ کہہ دیجئے! اگر جن وانس سب مل کر قرآن جیسی کوئی چیز بنا لائیں تو نہ لاسکیں گے، خواہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔''[3]

(2) قرآن مجید آسمانی کتابوں میں سے آخری کتاب ہے۔ اس کے نزول کے ساتھ ہی کتابوں کے نزول کا سلسلہ ختم کر دیا گیا جیسا کہ ہمارے نبی محمد ﷺ کے آنے کے بعد رسالت کے دروازہ کو بند کر دیا گیا۔

(3) اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی تحریف سے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا ہے جبکہ دوسری کتابوں کا معاملہ یہ نہیں ہے اور اسی لیے ان میں تحریف واقع ہو چکی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ ۝ ﴾

(1) الأعراف 157:7. (2) المائدة 48:5. (3) الإسراء 88:17.

''ہم نے ہی اس ذکر کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''[1]

(4) قرآن مجید سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾

''یہ قرآن جھوٹی اور بنی بنائی بات نہیں بلکہ یہ ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں۔ اور یہ ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والا ہے اور ایمان والوں کے لیے باعث ہدایت ورحمت ہے۔''[2]

(5) قرآن مجید سابقہ تمام کتب کا ناسخ ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کے نزول کے بعد اب یہ درست نہیں کہ کوئی اس سے پہلی کتب میں سے کسی کتاب سے احکامِ الٰہی اخذ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں تورات کے کچھ اوراق ہیں تو آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر ناراضگی کے آثار نمایاں ہو گئے اور آپ نے فرمایا: ((وَاللهِ لَوْ كَانَ مُوسٰى حَيًّا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ مَا حَلَّ لَهُ إِلَّا أَنْ يَتَّبِعَنِي))

''اللہ کی قسم! اگر موسیٰ علیہ السلام تمھارے درمیان زندہ موجود ہوتے تو ان کے لیے سوائے میری اتباع کے اور کوئی چارہ نہ ہوتا۔''[3] یعنی وہ بھی میری اور میرے اوپر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید ہی کی اتباع کرتے اور اسی کا مطالعہ کرکے اس سے شرعی احکام اخذ کرتے۔

حضرات محترم! یہ اور ان کے علاوہ دوسری کئی خصوصیات کی بناء پر قرآن مجید دیگر آسمانی کتابوں سے ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس عظیم الشان کتاب کو اپنا دستور حیات بنانے کی توفیق دے۔

ارکان ایمان میں سے بقیہ ارکان کی تفصیلات کے متعلق ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ خطبۂ جمعہ میں گفتگو کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان پر قائم رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔ آمین۔

[1] الحجر 15:9. [2] یوسف 12:111. [3] أخرجه الدارمي وأحمد وغيرهما بسند حسن.

تکملہ ارکان ایمان 2

اہم عناصر خطبہ

(1) ایمان بالرسل (2) ایمان بالیوم الآخر (3) ایمان بالقدر

پہلا خطبہ

برادران اسلام! گذشتہ دو خطبات جمعہ میں ہم ایمان کی اہمیت وفضیلت کے علاوہ ارکانِ ایمان میں سے تین ارکان (ایمان باللہ، ایمان بالملائکۃ، ایمان بالکتب) کو تفصیلا بیان کر چکے ہیں۔ آج کے خطبۂ جمعہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ اسی موضوع کو مکمل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سچا اور حقیقی ایمان نصیب فرمائے۔

چوتھا رکن

رسولوں پر ایمان لانا

(1) رسولوں پر ایمان لانے سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغامات واحکامات پہنچانے کے لیے جن انبیاء ورسل علیہم السلام کو منتخب فرمایا ان کی تصدیق کی جائے۔ اور ان کے متعلق پختہ اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف جو کچھ نازل فرمایا انھوں نے اسے مخلوق تک واضح طور پر پہنچا دیا، اس میں نہ تو انھوں نے کچھ تبدیلی کی اور نہ ہی کچھ چھپایا۔ اور انھوں نے اس امانت کو ادا کر دیا جو اللہ تعالیٰ نے انھیں سونپی تھی۔ انھوں نے امت کی خیر خواہی کی اور لوگوں پر حجت قائم کر دی۔ اور جس شخص نے ان کی فرمانبرداری کی وہ ہدایت یاب ہوا اور جس نے ان کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء ورسل علیہم السلام میں سے جن کے نام ہمارے لیے ذکر کیے ہیں ان پر اور جن کے نام ذکر نہیں کیے ان سب پر ایمان لانا ہمارے لیے ضروری ہے۔

2 حقیقتِ نبوت کیا ہے؟

خالق اور مخلوق کے درمیان خالق کی شریعت کو پہنچانے کا جو واسطہ ہے اسے نبوت کہا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے

بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے۔ اور اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے اس کے لیے منتخب فرمالیتا ہے۔ انتخاب کرنے کا یہ اختیار اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴾

''فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو اللہ چن لیتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔''[1]

یہ بات ذہن میں رہے کہ نبوت وہبی (عطائی) ہوتی ہے کسبی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اسے کثرتِ عبادت سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی یہ نبی کے اختیار یا طلب کرنے سے ملتی ہے۔ بلکہ یہ تو درحقیقت ایک انتخاب ہے جو کہ صرف اللہ کی جانب سے ہی ہوتا ہے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝ ﴾

''اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنا برگزیدہ بناتا ہے اور جو بھی اس کی طرف رجوع کرے وہ اس کی صحیح راہنمائی کرتا ہے۔''[2]

3 رسولوں کی بعثت میں کیا حکمت ہے؟

اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو مختلف حکمتوں کے پیش نظر مبعوث فرمایا:

پہلی حکمت: انسانوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر بندوں کے رب کی عبادت پر لگانا۔ مخلوق کی غلامی کا طوق اتار کر عبادتِ رب العباد کی آزادی عطا کرنا۔ اور اس عظیم مقصد کی یاددہانی کروانا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے اور وہ ہے اللہ کی عبادت۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾

''اور یقیناً ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو) صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام باطل معبودوں سے بچو۔''[3]

دوسری حکمت: لوگوں پر حجت قائم کرنا۔

باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

[1] الحج 22:75. [2] الشوریٰ 42:13. [3] النحل 16:36.

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝﴾

''ہم نے انھیں رسول بنایا ہے خوشخبریاں سنانے والے اور ڈرانے والے تاکہ رسولوں کو بھیجنے کے بعد لوگوں کی اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت نہ رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور بڑا باحکمت ہے۔''[1]

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ انبیاء ورسل علیہم السلام امت کو برائی سے ڈرا کر، ان کی خیر وبھلائی کی طرف راہنمائی کرکے اور ان کو ثواب کی بشارت دے کر اپنی ذمہ داری ادا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی حجت لوگوں پر قائم کرتے تھے۔ اور اس سلسلے میں وہ کسی سے خوف نہیں کھاتے تھے بلکہ محض اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اس کا حکم بجا لاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝﴾

''یہ سب ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچایا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے تھے اور اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لیے کافی ہے۔''[2]

تیسری حکمت: بعض غیبی امور کو بیان کرنا جن کا ادراک لوگ اپنی عقلوں سے نہیں کر سکتے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات، فرشتے، قیامت کے دن سے پہلے واقع ہونے والے امور، روزِ قیامت، حساب وکتاب، جنت ودوزخ وغیرہ۔

چوتھی حکمت: عملی نمونہ پیش کرنا

رسولوں کی بعثت کا ایک مقصد یہ تھا کہ وہ وحیِ الٰہی پر عمل کرکے لوگوں کے سامنے دین کی وضاحت کریں اور انھیں زندگی گذارنے کا ایک بہترین نمونہ پیش کریں۔ باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾

''اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (کتاب) کو اتارا تاکہ لوگوں کی طرف جو کچھ نازل کیا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں، شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔''[3]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾

''یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے، لہٰذا آپ بھی انھی کے راستے کی پیروی کیجیے۔''[4]

اسی طرح فرمایا: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

[1] النساء 165:4. [2] الأحزاب 39:33. [3] النحل 44:16. [4] الأنعام 90:6.

''یقیناً تمہارے لیے ان لوگوں میں بہترین نمونہ ہے۔''[1]

پانچویں حکمت: لوگوں کے نفوس کی اصلاح اور ان کا تزکیہ کرنا۔

باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾

''وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ اگرچہ وہ اس سے پہلے واضح گمراہی میں تھے۔''[2]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ)) ''میں یقیناً اچھے اور پاکیزہ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔''[3]

4 تمام انبیاء کا دین اسلام ہے

تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کا دین، دین اسلام ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۟﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہی ہے۔''[4] جب اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین، دین اسلام ہے تو اس نے اپنے انبیاء ورسل علیہم السلام کو بھی اسی دین کی دعوت کے لیے مبعوث فرمایا۔

تمام انبیاء علیہم السلام ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے اور غیر اللہ کی عبادت کو چھوڑنے کی تلقین کرتے رہے، اگرچہ ان کی شریعتیں اور احکام مختلف تھے لیکن وہ سب کے سب ایک اساس وبنیاد پر متفق تھے اور وہ ہے توحید۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِيْنُهُمْ وَاحِدٌ))

یعنی ''تمام انبیاء آپس میں علاتی بھائی ہیں (جن کا باپ ایک ہے اور) مائیں الگ الگ ہیں۔ اور ان سب کا دین ایک ہے۔''[5]

5 تمام رسول بشر ہیں اور انھیں علم غیب بھی نہیں ہے

علم غیب اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہے نہ کہ انبیاء علیہم السلام کی صفات میں سے۔ اس لیے کہ وہ دوسرے انسانوں

[1] الممتحنة 60: 6. [2] الجمعة 62: 2. [3] أخرجه بهذا اللفظ البيهقي في السنن الكبرى: 318/10، وأحمد بلفظ "صَالِحَ الْأَخْلَاقِ": 513/14 وصححه الألباني في الصحيحة: 45 وصحيح الجامع: 2394. [4] آل عمران 3: 19. [5] صحيح البخاري: 3443، صحيح مسلم: 2365.

کی طرح انسان ہی تھے۔ وہ کھاتے پیتے بھی تھے۔ شادی بھی کرتے تھے۔ سوتے بھی تھے۔ بیمار بھی ہوتے تھے اور وہ تھکاوٹ بھی محسوس کرتے تھے۔ اور انھیں بھی انسانوں کی طرح خوشی وغمی، مشقت وآسانی اور ہشاش وبشاش ہونا جیسے عوارض لاحق ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ﴾

''اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے تھے۔'' [1]

اور فرمایا: ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً﴾

''ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ہم نے ان سب کو بیوی بچوں والا بنایا تھا۔'' [2]

اور انبیاء علیہم السلام علم غیب بھی نہیں رکھتے بجز اس کے کہ جس کی اللہ تعالیٰ ان کو خبر دے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝﴾

''وہی غیب کا جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کر لے لیکن اس کے بھی آگے پیچھے پہرے دار مقرر کر دیتا ہے۔'' [3]

(6) انبیاء ورسل علیہم السلام تبلیغ رسالت میں معصوم ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اس کی تبلیغ کے لیے کائنات میں سے افضل اور پیدائشی اور اخلاقی اعتبار سے اکمل انسانوں کا انتخاب کیا۔ اور انھیں کبیرہ گناہوں سے معصوم اور عیوب ونقائص سے مبرا بنایا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحی کو اپنی امتوں تک پہنچائیں۔ لہٰذا وہ باتفاق امت تبلیغ دین میں معصوم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾

''اے رسول! جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اسے آپ پہنچا دیجیے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی رسالت ادا نہیں کی اور آپ کو اللہ تعالیٰ ہی لوگوں سے بچاتا ہے۔'' [4]

[1] الفرقان 20:25. [2] الرعد 38:13. [3] الجن 26,27:72. [4] المائدۃ 67:5.

اور جب کبھی کسی نبی سے کوئی معمولی غلطی سرزد ہوئی، جس کا تبلیغ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے لیے بیان فرمادیا اور اس نے اس سے فوراً توبہ کرلی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلیا۔ چنانچہ وہ معمولی غلطیاں ایسے ہوگئیں کہ گویا ان کا وجود ہی نہ تھا۔

7 انبیاء ورسل علیہم السلام کی تعداد

انبیاء علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ اور چوبیس ہزار ہے۔ ان میں سے رسولوں کی تعداد تین سو پندرہ ہے جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول؟ انبیاء کی تعداد کتنی ہے؟

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مِائَةُ أَلْفٍ وَأَرْبَعَةٌ وَعِشْرُوْنَ أَلْفًا ، اَلرُّسُلُ مِنْ ذٰلِكَ ثَلاثُمِائَةٍ وَخَمْسَةَ عَشَرَ))

''ان کی تعداد ایک لاکھ اور چوبیس ہزار ہے۔ ان میں سے تین سو پندرہ رسول تھے۔'' [1]

اس حدیث مبارک میں انبیائے کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ذکر کی گئی ہے اور ان میں سے 315 کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ رسل تھے۔ تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟

نبی اور رسول میں فرق

اس سلسلے میں اہلِ علم کی متعدد آراء پائی جاتی ہیں لیکن سب سے صحیح رائے وہ ہے جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ نبی وہ ہوتا ہے جس کی طرف اللہ کی وحی نازل ہو اور وہ صرف ان لوگوں کو وحی کی تبلیغ کا پابند ہو جو اس پر ایمان لائیں۔ جبکہ رسول وہ ہوتا ہے جس کی طرف اللہ کی وحی نازل ہو اور وہ اپنے اوپر ایمان لانے والوں کو بھی تبلیغ وحی کا پابند ہو اور اللہ کے مخالفین (کفار ومشرکین) کو بھی تبلیغ رسالت پر مامور ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک صحیح حدیث میں حضرت نوح علیہ السلام کو پہلا رسول قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ ان سے پہلے سب انبیاء تھے مثلاً حضرت آدم علیہ السلام، حضرت شیث علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام وغیرہم۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آدم علیہ السلام نبی تھے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، ان سے اللہ نے کلام بھی کیا۔'' اس شخص نے کہا: آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان کتنی مدت تھی؟ آپ نے فرمایا: (عَشَرَةُ قُرُوْن) یعنی ''دس صدیاں'' [2]

[1] مسند أحمد، وقال الحافظ ابن كثير: وسياق رواية الإمام أحمد أثبت وأولى بالصحة، ورجال إسناد هذا الإسناد لا بأس بهم. تفسير ابن كثير 717/1، وصححه الألباني في تخريج المشكاة: 5737. [2] ابن حبان: 619. وصححه الأرناؤط.

اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء ورسل علیہم السلام بھیجے ان میں سے بعض کے واقعات اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں اور بعض کے واقعات بیان نہیں کیے۔ جن انبیاء علیہم السلام کے نام اللہ تعالیٰ نے میں ذکر فرمائے ہیں ان کی تعداد پچیس ہے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ﴾

''اور آپ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے آپ سے بیان کیے ہیں اور بہت سے رسولوں کے نہیں کیے۔''[1]

اسی طرح فرمایا: ﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ○ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ○ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○﴾

''یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی۔ ہم جس کو چاہتے ہیں اس کے مرتبے بڑھا دیتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب بڑا حکمت والا بڑا علم والا ہے۔ اور ہم نے انھیں اسحق اور یعقوب عطا کیے۔ ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی اور پہلے زمانہ میں ہم نے نوح کو ہدایت دی اور ان کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو۔ اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں۔ اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو۔ یہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔ اور اسمٰعیل، یسع، یونس اور لوط کو۔ اور ہر ایک کو تمام جہان والوں پر ہم نے فضیلت دی۔ نیز ان کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو بھی۔ اور ہم نے ان کو مقبول بنایا اور سیدھے راستے کی طرف ان کی راہنمائی کی۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام میں سے بعض کو بعض پر فضیلت اور برتری عطا کی۔ جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ﴾

''ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر بہتری اور برتری دی ہے۔''[3]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسولوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ﴾

[1] النساء 4:164. [2] الأنعام 6:83-87. [3] الإسراء 17:55.

''یہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔''[1]

ان میں سے افضل رسول وہ ہیں جو اولو العزم (عزم والے، عالی ہمت) کہلاتے ہیں اور وہ ہیں: حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾

''پس (اے پیغمبر!) آپ ایسا صبر کریں جیسا صبر عالی ہمت رسولوں نے کیا۔''[2]

اور فرمایا: ﴿وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾

''جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور (بالخصوص) آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہم السلام) سے۔ اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا۔''[3]

حضرت محمد ﷺ سب رسولوں میں سے افضل رسول ہیں۔ آپ ﷺ خاتم النبیین، امام المتقین اور بنی آدم کے سردار ہیں۔ جب تمام نبی اکٹھے ہوں تو آپ ﷺ ان کے امام اور جب وہ تشریف لائیں تو آپ ﷺ ان کے خطیب ہیں۔ آپ ﷺ صاحبِ مقام محمود ہیں جس پر پہلے اور بعد میں آنے والے سبھی رشک کریں گے۔ آپ ہی صاحب لواء الحمد (جن کے پاس حمد کا جھنڈا ہوگا) اور صاحبِ حوض ہیں جہاں پر لوگ وارد ہوں گے۔ اور آپ ہی صاحب وسیلہ وفضیلہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دین کی سب سے افضل شریعت دے کر مبعوث فرمایا۔ اور آپ کی امت کو بہترین امت بنایا۔ آپ کو اور آپ کی اُمت کو فضائل اور بہترین خوبیوں سے مزین فرمایا جو کہ آپ کو اور آپ کی امت کو سابقہ امتوں سے ممتاز کرتی ہیں۔ اور آپ کی امت پیدائش کے اعتبار سے سب سے آخری امت ہے لیکن قیامت کے دن سب سے پہلے اٹھائی جانے والی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَبِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ، وَمَا مِنْ نَّبِيٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ إِلَّا تَحْتَ لِوَائِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''میں قیامت کے دن تمام بنی آدم کا سردار ہوں گا اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور اس پر مجھے کوئی فخر نہیں۔ قیامت کے دن آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ جتنے بھی انبیاء علیہم السلام ہیں سب میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔''[4]

[1] البقرة2:253. [2] الأحقاف46:35. [3] الأحزاب33:7. [4] الترمذي:3148، وصححه الألباني.

پانچواں رکن

آخرت پر ایمان لانا

آخرت پر ایمان لانا ایمان کے ان ارکان میں سے ایک ہے جن کے بغیر انسان کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے سے مقصود یہ ہے کہ انسان کو اس بات پر پختہ یقین ہو کہ تمام انسانوں پر موت آئے گی اور سب کے سب کو قیامت کے روز اٹھایا جائے گا۔ پھر حساب وکتاب کے بعد ہر ایک کو اس کے اعتقاد وعمل کے مطابق جزاء وسزا دی جائے گی۔ گویا دنیاوی زندگی کی انتہاء اور اس کے بعد ایک دوسرے جہاں میں داخل ہونے پر پختہ اعتقاد رکھنے کا نام (ایمان بالیوم الآخر) ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۝ ﴾

''جس دن وہ اپنی قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑے جا رہے ہوں گے جیسے وہ اپنے بتوں کی طرف تیز تیز جا رہے ہیں۔''[1]

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہم سے پہلے آنے والوں اور بعد میں آنے والوں، سب کو جمع کرے گا اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا۔ پھر ایک گروہ جنت میں داخل ہوگا اور دوسرا جہنم میں۔

باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۝ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ﴾

''آپ کہہ دیجئے کہ یقینا سب اگلے اور پچھلے ضرور ایک مقررہ دن کے وقت جمع کئے جائیں گے۔''[2]

قیامت کے دن کو قرآن کریم میں ایک سے زائد ناموں کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، مثلاً: یوم القیامه، القارعه، یوم الحساب، یوم الدین، الطامه، الواقعه، الحاقه، الصاخه، الغاشیه وغیرہ۔

(1) یوم القیامة (قیامت کا دن) ﴿ لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝ ﴾

''میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔''[3]

(2) القارعة (کھڑکھڑا دینے والی) ﴿ اَلْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ ﴾

''کھڑکھڑا دینے والی، کیا ہے کھڑکھڑا دینے والی۔''[4]

(3) یوم الحساب (حساب کا دن) ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝ ﴾ ''یقینا جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ انھوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے۔''[5]

[1] المعارج 70:43۔ [2] الواقعة 56:49،50۔ [3] القیامة 75:1۔ [4] القارعة 101:1،2۔ [5] سورة ص 38:26۔

(4) یوم الدین (جزاء کا دن) ﴿وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ۝ یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ۝﴾
''اور یقینا بدکار لوگ دوزخ میں ہونگے، وہ اس میں جزاء کے دن داخل ہونگے۔''[1]

(5) الطآمة (آفت) ﴿فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰی ۝﴾
''پس جب وہ بڑی آفت (قیامت) آجائے گی۔''[2]

(6) الواقعة (واقع ہونے والی) ﴿اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝﴾
''جب واقع ہونے والی (قیامت) واقع ہوجائے گی۔''[3]

(7) الحاقة (ثابت ہونے والی) ﴿اَلْحَآقَّةُ ۝ مَا الْحَآقَّةُ ۝﴾
''ثابت ہونے والی، ثابت ہونے والی کیا ہے؟''[4]

(8) الصاخة (کان بہرے کر دینے والی) ﴿فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۝﴾
''پس جب کان بہرے کر دینے والی) قیامت (آجائے گی۔''[5]

(9) الغاشية (چھپا لینے والی) ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ ۝﴾
''کیا تیرے پاس (چھپا لینے والی) قیامت کی خبر پہنچی ہے۔''[6]

حضرات محترم! ایمان بالیوم الآخر میں موت کے بعد جتنی تفاصیل ہیں ان سب پر ایمان لانا شامل ہے مثلا قبر کا عذاب اور اس کی نعمتیں، صور میں پھونکنا، دوبارہ زندہ ہونا، حشر، حساب اور جزاء وسزا، حوض، میزان، پل صراط اور جنت ودوزخ وغیرہ...... [جبکہ ہم ان تمام امور پر اور ان کے علاوہ قیامت کی نشانیوں اور اس کی ہولناکیوں پر زاد الخطیب کی دوسری جلد میں متعدد خطبات ذکر کر چکے ہیں۔ لہذا مزید تفصیلات کے لیے خطباء حضرات ان کا مراجعہ کر سکتے ہیں۔]

دوسرا خطبہ

برادران اسلام! آیئے اب ایمان کے آخری رکن (ایمان بالقدر) کے بارے میں بھی ہماری چند گذارشات قرآن وحدیث کی روشنی میں سماعت فرمائیے۔

چھٹا رکن

تقدیر پر ایمان لانا

تقدیر سے مراد وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے سابق علم اور اپنی حکمت کی بناء پر کائنات کے لیے مقرر فرمائی ہے۔

[1] الانفطار 82:14،15۔ [2] النازعات 79:34۔ [3] الواقعة 56:1۔ [4] الحاقة 69:1،2۔ [5] عبس 80:33۔ [6] الغاشية 88:1۔

اوراس کا مرجع اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ کیونکہ وہ یقینا ہر چیز پر قادر ہے، جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان بالقدر دراصل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ربوبیت پر ایمان لانے کا ایک حصہ ہے۔ اور یہ ایمان کے ان ارکان میں سے ایک ہے کہ جن کے بغیر ایمان مکمل اور درست نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَٰهُ بِقَدَرٍ ۝﴾

''بے شک ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔''[1]

تقدیر کے مراتب

تقدیر کے چار مراتب ہیں اور ان چاروں پر ایمان لائے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا:

پہلا مرتبہ: اللہ کے ازلی (ہمیشہ رہنے والے) علم پر ایمان لانا جو کہ ہر چیز کو محیط ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝﴾

''کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے! یہ سب لکھی ہوئی کتاب میں محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ پر تو یہ امر بالکل آسان ہے۔''[2]

نیز فرمایا: ﴿وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۝﴾

''اور غیب کی چابیاں تو اسی کے پاس ہیں اور انھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ سمندر اور خشکی میں جو کچھ ہے اسے وہ جانتا ہے۔ اور کوئی پتہ تک نہیں گرتا جسے وہ جانتا نہ ہو۔ نہ ہی زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے جس سے وہ باخبر نہ ہو۔ اور تر اور خشک جو کچھ بھی ہو سب کتاب مبین (لوحِ محفوظ) میں موجود ہے۔''[3]

دوسرا مرتبہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی بناء پر جو تقدیریں لوح محفوظ میں لکھ دی ہیں ان پر ایمان لانا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ۚ﴾

''ہم نے کتاب (لوحِ محفوظ) میں کوئی چیز نہیں چھوڑی۔''[4]

نیز فرمایا: ﴿وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِن قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي

[1] القمر 49:54. [2] الحج 70:22. [3] الأنعام 59:6. [4] الأنعام 38:6.

کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝﴾

"(اے نبی!) تم جس حال میں بھی ہوتے ہو اور قرآن میں سے جو کچھ بھی سناتے ہو۔ اور (اے لوگو!) جو کام بھی تم کر رہے ہوتے ہو، ہم ہر وقت تمہارے پاس موجود ہوتے ہیں جبکہ تم اس میں مشغول ہوتے ہو۔ اور زمین و آسمان میں کوئی ذرہ برابر چیز بھی ایسی نہیں جو کہ آپ کے رب سے چھپی رہ سکے۔ اور ذرہ سے بھی چھوٹی یا اس سے بڑی کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو واضح کتاب (لوحِ محفوظ) میں نہ ہو۔"[1]

اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ))

"اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تقدیروں کو آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تحریر فرما دیا تھا۔"[2]

اور حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

((يَا بُنَيَّ! إِنَّكَ لَنْ تَجِدَ طَعْمَ حَقِيْقَةِ الْإِيْمَانِ حَتّٰى تَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ، وَمَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ))

یعنی "اے میرے پیارے بیٹے! تم ایمان کی حقیقت کا ذائقہ محسوس نہیں کر سکتے یہاں تک کہ اس بات پر یقین کر لو کہ جو چیز تمہارے مقدر میں لکھی گئی ہے وہ تم سے چوکنے والی نہیں۔ اور جو چیز تمہارے مقدر میں نہیں لکھی گئی وہ تمہیں ملنے والی نہیں۔"

اس کے بعد انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

((إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ، فَقَالَ لَهُ اكْتُبْ، قَالَ: رَبِّ! وَمَا ذَا أَكْتُبُ؟ قَالَ اكْتُبْ مَقَادِيْرَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ))

"بے شک اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا۔ پھر اس سے کہا: لکھو۔ اس نے کہا: اے میرے رب! میں کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قیامت تک آنے والی ہر چیز کی تقدیروں کو لکھو۔"

بعد ازاں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ مَّاتَ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا فَلَيْسَ مِنِّيْ)) "جس شخص کی موت اس (اعتقاد) کے علاوہ کسی اور (اعتقاد) پر آئے گی تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔"[3]

[1] یونس 10:61. [2] صحیح مسلم: 2653. [3] ابو داؤد: 4700. وصححه الألباني.

تیسرا مرتبہ: اس بات پر ایمان لانا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہی واقع ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

''اور تم بغیر پروردگار عالم کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔''[1]

جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے کہا: (مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ) یعنی ''جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں وہی ہوتا ہے'' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((أَجَعَلْتَنِيْ لِلّٰهِ نِدًّا؟ بَلْ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ)) ''کیا تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا ہے بلکہ تم یوں کہو: ((مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ)) ''اکیلا اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے''[2]

چوتھا مرتبہ: اس بات پر ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۙ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝﴾

''اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے۔''[3]

نیز آپ ﷺ کا بھی ارشاد ہے کہ ((خَلَقَ اللّٰهُ كُلَّ صَانِعٍ وَّصَنْعَتَهُ))

''اللہ تعالیٰ نے ہی ہر کاریگر اور اسکی کاریگری کو پیدا فرمایا ہے۔''[4]

تقدیر کے بارے میں عقیدۂ سلف

تقدیر کے بارے میں سلف صالحین رحمہم اللہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ اور اس نے مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے ہی ان کی تقدیریں مقرر فرمادی تھیں۔ ان کی موت کے اوقات، ان کا رزق کتنا ہوگا اور کہاں سے ملے گا؟ وہ کونسے اعمال کریں گے؟ اور یہ بھی لکھ دیا تھا کہ وہ خوش نصیبی اور بدبختی میں سے کس کو اختیار کریں گے۔ سو ہر چیز اس نے واضح طور پر اپنی کتاب (لوح محفوظ) میں ضبط کر رکھی ہے۔

لہٰذا جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ اور جو کچھ ہو چکا ہے، نیز جو کچھ ہونے والا ہے اور جو نہیں ہوا اگر ہوتا تو کیسے ہوتا؟ سب کچھ اسے معلوم ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔

نیز سلف صالحین رحمہم اللہ کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ بندوں کے لیے بھی مشیت اور قدرت ہے جس کے ذریعے وہ ان اعمال کو سرانجام دیتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے ان کو طاقت وہمت عطا کی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت و چاہت کے بغیر

[1] التكوير 81:29. [2] مسند أحمد. وصححه الألباني في الصحيحة: 139. [3] الزمر 39:62. [4] رواه البزار. ورجاله رجال الصحيح غير أحمد بن عبدالله وهو ثقة. قاله الهيثمي.

بندوں کی کوئی مشیئت و چاہت نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾

''اور وہ لوگ جو ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم انھیں اپنی راہوں کی راہنمائی ضرور کریں گے۔''[1]

اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ بندوں سے کوشش اور جدوجہد مطلوب ہے۔

افعال العباد

سلف صالحین رحمہم اللہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بندوں کا اور ان کے افعال کا خالق ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾

''اور اللہ ہی نے تمھیں اور تمھارے اعمال کو پیدا فرمایا ہے۔''[2]

یعنی کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مشیئتِ عامہ کے بغیر نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ ان افعال کے کرنے والے حقیقت میں بندے ہی ہیں۔ لہٰذا اگر کسی نے کسی واجب کام کو چھوڑا یا حرام کا ارتکاب کیا تو وہ یہ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت نہیں قائم کر سکتا کہ یہ تو میری قسمت میں لکھا ہوا تھا، کیونکہ جب اس نے گناہ کیا تھا تو اس وقت اسے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ گناہ میری تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔ تقدیر تو اللہ تعالیٰ کا راز ہے جسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور چونکہ اس نے اس گناہ کا ارتکاب اپنے اختیار سے کیا اس لیے وہ تقدیر کو اپنے گناہ پر حجت نہیں بنا سکتا۔ نیز یہ بات یاد رہے کہ مصائب پر تقدیر کو حجت بنانا تو جائز ہے، گناہوں پر حجت بنانا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کے باہمی جھگڑے کے بارے میں ارشاد ہے:

((تَحَاجَّ آدَمُ وَمُوسَىٰ ، فَقَالَ مُوسَىٰ : أَنْتَ آدَمُ الَّذِىْ أَخْرَجَتْكَ خَطِيْئَتُكَ مِنَ الْجَنَّةِ ، فَقَالَ لَهُ آدَمُ: أَنْتَ مُوسَى الَّذِىْ اصْطَفَاكَ اللهُ بِرِسَالَاتِهِ وَبِكَلَامِهِ ، ثُمَّ تَلُوْمُنِىْ عَلَىٰ أَمْرٍ قَدْ قُدِّرَ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ ؟ فَحَجَّ آدَمُ مُوسَىٰ))

''آدم اور موسیٰ (علیہما السلام) آپس میں جھگڑ پڑے۔ چنانچہ موسیٰ (علیہ السلام) نے (آدم علیہ السلام سے) کہا: آپ وہی آدم ہیں جنھیں ان کی غلطی نے جنت سے نکال دیا تھا!

آدم (علیہ السلام) نے کہا: آپ وہی موسیٰ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام کے لیے منتخب فرمایا۔ اس کے باوجود بھی آپ مجھ کو ایک ایسے معاملے پر ملامت کر رہے ہیں جسے میری تخلیق سے قبل ہی میری تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا!

[1] العنکبوت 69:29. [2] الصافات 96:37.

چنانچہ آدم (علیہ السلام) موسیٰ (علیہ السلام) پر غالب آ گئے۔"[1]

یہاں ایک بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ بندوں کے افعال واعمال کے بارے میں تین نظریات پائے جاتے ہیں۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ بندوں کے افعال بندوں کی مخلوق ہیں۔ بندے ان کے خالق ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ نظریہ قدریہ کا ہے جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں۔ اس کے بالمقابل دوسرا نظریہ یہ ہے کہ انسان مجبور محض ہے اور اس کی حیثیت ہوا کے دوش پر اڑتے ہوئے تنکے کی ہے کہ ہوا اسے جس طرف چاہے اڑا لے جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی تقدیر پہلے سے لکھ کر اسے مجبور محض بنا دیا ہے ...... یہ دونوں نظریات باطل ہیں۔

علماء سلف رحمہم اللہ نے ان دونوں کے درمیان ایک اور موقف اپنایا ہے جو کہ مبنی برحق ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان نہ تو مکمل طور پر مختارِ کل ہے اور نہ ہی پورے طور پر مجبورِ محض ہے۔ اس طرح کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن میں انسان مجبور محض ہے مثلاً انسان کی موت وحیات، اس کے رنگ کا گورا ہونا یا کالا ہونا، اس کا خوبصورت ہونا یا معذور ہونا۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جن میں اس کا کوئی بس نہیں چل سکتا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسے اختیار اور ارادہ بھی عطا کیا ہے اور اسے متعدد صلاحیتوں سے نوازا ہے جن کی بناء پر وہ اچھے اور برے کی تمیز کر سکتا ہے۔ اور اسی اختیار اور اس کی صلاحیتوں کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے اسے مکلف بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَهَدَيْنَٰهُ ٱلنَّجْدَيْنِ ۝﴾

"اور ہم نے اسے دونوں راستے دکھا دیے۔"[2]

یعنی خیر وشر کے، ایمان وکفر کے اور سعادتمندی اور بدبختی کے دونوں راستے ہم نے اسے دکھا دیے ہیں اور معاملہ اس پر چھوڑ دیا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کو اس بات کا سابق علم حاصل ہے کہ وہ کونسی راہ اختیار کرے گا، لیکن اس علم کو انسان کے اچھی یا بری راہ کے اپنانے میں کوئی دخل نہیں۔ انسان اگر کوئی راہ اپناتا ہے تو اپنے اختیار سے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لِمَن شَآءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ ۝﴾

"یہ (نصیحت ہے) اس شخص کے لیے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا چاہے۔"[3]

نیز فرمایا: ﴿وَقُلِ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَآءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾

"آپ کہہ دیجئے کہ حق تو وہ ہے جو آپ کے رب کی طرف سے ہے۔ اب جو چاہے اسے مان لے اور جو چاہے انکار کر دے۔"[4]

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے، ان پر کتابیں نازل فرمائیں اور ان کے ذریعے حق اور باطل

[1] صحیح البخاري: 6614، 7515، صحیح مسلم: 2652. [2] البلد 90:10. [3] التکویر 81:28. [4] الکہف 18:29.

کو واضح فرما دیا۔ لہٰذا ان دلائل کی بناء پر انسان کو مجبور محض قرار دینا بالکل غلط ہے۔

بندے پر تقدیر کے متعلق واجبات

بندے پر تقدیر کے بارے میں دو واجب ہیں:

1 حسب مقدور واجبات وفرائض پر عمل کرے اور محرمات سے اجتناب کرے۔ اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتا رہے اور اس سے دعا کرے کہ وہ اس کے لیے خیر وبھلائی کے اعمال میسر فرمادے۔ صرف اسی پر توکل کرے، اسی کی پناہ طلب کرے اور بھلائی کے حصول اور برائی کے ترک کرنے پر اسی کا محتاج رہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ وَأَحَبُّ إِلَی اللّٰہِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ ، وَفِیْ کُلٍّ خَیْرٌ ، اِحْرِصْ عَلٰی مَا یَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ وَلَا تَعْجَزْ، وَإِنْ أَصَابَكَ شَیْئٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّیْ فَعَلْتُ کَذَا لَکَانَ کَذَا ، وَلٰکِنْ قُلْ : قَدَّرَ اللّٰہُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ. فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطَانِ))

”طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسندیدہ ہے اور دونوں میں خیر موجود ہے۔ اور تم اس چیز کے حصول کے لیے کوشش کرو جو تمہارے لیے نفع بخش ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور عاجز نہ بنو۔ اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو یہ نہ کہو کہ اگر میں ایسے کرتا تو ایسے ہوجاتا بلکہ یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھا تھا اور اس نے جو چاہا وہ کردیا۔ کیونکہ لفظ (لَوْ) یعنی (اگر) شیطانی عمل کو کھولتا ہے۔“[1]

2 انسان پر لازم ہے کہ وہ تقدیر میں لکھی ہوئی چیز پر جزع وفزع کا اظہار نہ کرے، بلکہ صبر کا مظاہرہ کرے۔ اور وہ اس بات پر یقین کرلے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جس پر اسے راضی ہی رہنا چاہیے اور اسے تسلیم کرنا چاہیے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

((عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ ، إِنَّ أَمْرَہُ کُلَّہُ خَیْرٌ . وَلَیْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ : إِنْ أَصَابَتْہُ سَرَّاءُ شَکَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّہُ ، وَإِنْ أَصَابَتْہُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّہُ))

”مومن کا معاملہ بڑا عجیب ہے اور اس کا ہر معاملہ یقینا اس کے لیے خیر کا باعث ہوتا ہے۔ اور یہ خوبی سوائے مومن کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ اگر اسے کوئی خوشی پہنچے تو وہ شکر ادا کرتا ہے۔ اس طرح وہ اس کے لیے خیر کا باعث بن جاتی ہے۔ اور اگر اسے کوئی غمی پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور یوں وہ بھی اس کے لیے باعثِ خیر بن جاتی ہے۔“[2]

[1] صحیح مسلم: 2664. [2] صحیح مسلم: 2999.

اور اسے اس بات پر بھی یقین ہونا چاہیے کہ جو چیز اس کے مقدر میں لکھی جا چکی ہے وہ اس سے چوکنے والی نہیں، بلکہ اسے مل کر رہے گی۔ اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں نہیں لکھی وہ اسے ملنے والی نہیں، چاہے وہ جتنی محنت کر لے اور چاہے جتنے جتن کر لے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((وَاعْلَمْ أَنَّ مَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ ، وَمَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ))

''اور اس بات پر بھی اچھی طرح سے یقین کر لو کہ جو چیز اللہ تعالیٰ تجھ سے روک لے وہ تجھے ہرگز نہیں مل سکتی۔ اور جو چیز اللہ تعالیٰ تجھے عطا کرنا چاہے اسے کوئی بھی تجھ سے روک نہیں سکتا۔''[1]

اور ابن الدیلمی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے عرض کی: میرے دل میں تقدیر کے متعلق کچھ شبہات پیدا ہو گئے ہیں، لہٰذا آپ مجھے کوئی ایسی بات بتائیں کہ جس سے اللہ تعالیٰ میرے وہ شبہات ختم کر دے۔ تو انھوں نے فرمایا:

''اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں اور زمین والوں کو عذاب میں مبتلا کرے تو یہ اس کی طرف سے ان پر ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر وہ ان پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے کہیں زیادہ ہوگی۔ اور اگر تم اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو تو اللہ تعالیٰ اسے قبول نہیں فرمائے گا یہاں تک کہ تم تقدیر پر ایمان لے آؤ۔ اور اس بات پر یقین کر لو کہ جو چیز تمھاری مقدر میں لکھی ہوئی ہے وہ تم سے چوک نہیں سکتی۔ اور جو چیز تمھارے مقدر میں نہیں لکھی ہوئی ہے وہ تمھیں مل نہیں سکتی۔ (اور یاد رکھو) اگر تمھاری موت اس کے علاوہ کسی اور عقیدہ پر آئی تو تم جہنم میں داخل ہو جاؤ گے۔''

ابن الدیلمی بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انھوں نے بھی مجھے یہی بات کہی۔ اور پھر میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے بھی یہی فرمایا۔ بعد ازاں میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انھوں نے مجھے رسول اللہ ﷺ کی اسی طرح کی حدیث سنائی۔[2]

لہٰذا تقدیر پر راضی ہونا لازمی امر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ ہر قسم کی بھلائی، عدل اور حکمت سے پُر ہے۔ اور جو شخص اس پر مطمئن ہو جائے وہ حیرت، تردد اور پریشانی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور اس کی زندگی میں بے قراری اور اضطراب کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر وہ کسی چیز کے چھن جانے سے غمزدہ نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اپنے مستقبل کے بارے میں خوفزدہ رہتا ہے۔ بلکہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ سعادت مند، خوشگوار اور آسودہ حال ہوتا ہے۔ اور جس شخص کو اس بات پر یقین کامل ہو کہ اس کی زندگی محدود ہے اور اس کا رزق متعین اور معدود ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ بزدلی اس کی عمر میں اور بخیلی اس کے رزق میں کبھی اضافے کا باعث نہ بنے گی۔ ہر چیز لکھی ہوئی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ

[1] مسند أحمد، جامع الترمذي. صحيح الجامع للألباني: 7957. [2] سنن أبي داؤد: 4699، سنن ابن ماجه: 77. وصححه الألباني.

اسے جو مصیبت پہنچے وہ اس پر صبر کرے اور اپنے گناہوں پر استغفار کرے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ يَهۡدِ قَلۡبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ۝﴾

''کوئی مصیبت اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہیں پہنچ سکتی۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے، اللہ اس کے دل کو ہدایت دے دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''[1]

نیز فرمایا: ﴿فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِكَ﴾

''پس اے نبی! آپ صبر کیجئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے۔ نیز آپ اپنے گناہ کی معافی مانگتے رہیے۔''[2]

مسئلۂ قدر اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق میں ایک راز ہے

تقدیر اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق میں ایک راز ہے جسے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا کسی کو گمراہ کرنا، کسی کو ہدایت دینا، کسی کو مارنا، کسی کو زندہ کرنا، کسی کو محروم کرنا اور کسی کو نوازنا وغیرہ ہے.............. ان تمام امور سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِذَا ذُكِرَ الْقَدَرُ فَأَمْسِكُوا)) یعنی ''جب تقدیر کا ذکر کیا جائے تو (بحث کرنے سے) رُک جاؤ۔''[3]

تقدیر کو حجت بناتے ہوئے عمل کو چھوڑنا جائز نہیں

جو کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اس پر بھروسہ کرتے ہوئے عمل کو چھوڑ دینا جائز نہیں، کیونکہ کسی کے پاس کوئی علم یقینی تو نہیں ہے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی۔ اگر اس کے پاس کچھ علم ہوتا تو ہم اسے نہ کسی کام کا حکم دیتے اور نہ کسی کام سے منع کرتے۔ اور اگر عمل کو چھوڑنا جائز ہوتا تو کبھی کسی قوم پر عذابِ الٰہی نازل نہ ہوتا۔ اور نہ کسی کافر اور فاسق و فاجر کا مؤاخذہ ہوتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم بقیع میں ایک جنازے میں شریک تھے۔ اتنے میں نبی اکرم ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ اور ہم سب بھی آپ ﷺ کے اردگرد بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے آپ سر جھکائے ہوئے زمین پر کرید رہے تھے (جیسے کسی گہری سوچ میں ہوں) پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] التغابن 64:11. [2] غافر 40:55. [3] رواه الطبراني في الكبير والبيهقي في القضاء والقدر، وحسنه العراقي في تخريج الإحياء: 50/1 الحافظ ابن حجر في الفتح: 476/11، والألباني في الصحيحة: 34.

((مَا مِنكُمْ مِّنْ أَحَدٍ ، مَا مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوسَةٍ إِلاَّ وَقَدْ كَتَبَ اللهُ مَكَانَهَا مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، وَإِلاَّ وَقَدْ كُتِبَتْ شَقِيَّةً أَوْ سَعِيدَةً))

"تم میں سے جو شخص بھی پیدا ہوا ہے اس کا ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے، جنت میں یا دوزخ میں۔ اور یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ وہ نیک بخت ہے یا بد بخت۔"

یہ سن کر ایک شخص کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم اپنی قسمت کے لکھے پر بھروسہ کرتے ہوئے عمل کرنا چھوڑ نہ دیں؟ کیونکہ جو نیک بختوں میں لکھا گیا ہے وہ بالآخر نیک بختوں میں ہی شامل ہوگا۔ اور جو بد بخت لکھا گیا ہے وہ بالآخر بد بختوں میں ہی شامل ہوگا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ ، فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ)) ثُمَّ قَرَأَ: ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى ۝ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى ۝ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝﴾

"تم عمل کرو، کیونکہ ہر ایک کو جس کام کے لیے پیدا کیا گیا وہ اس کے لیے آسان کر دیا گیا ہے۔ اور جو شخص سعادتمندوں میں لکھا گیا ہے اسے نیک اعمال کی توفیق دی جاتی ہے۔ اور جو شخص بدبختوں میں لکھا گیا ہے اسے ویسی ہی توفیق دی جاتی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں جن کا ترجمہ یہ ہے: "پھر جس نے (اللہ کی راہ میں مال) دیا، پرہیز گاری اختیار کی اور اچھی باتوں کی تصدیق کی تو ہم اسے آسان راہ پر چلنے کی توفیق دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا، بے پرواہی برتی اور بھلائی کو جھٹلایا تو ہم اسے تنگی کی راہ پر چلنے کی سہولت دیں گے۔"[1]

اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ تقدیر میں لکھے ہوئے پر بھروسہ کر کے عمل ترک نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ حتی المقدور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لانا چاہیے اور اس کی محرمات سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اسباب کا استعمال

اسباب کو اختیار کرنا تقدیر اور توکل کے منافی نہیں بلکہ یہ اسی کا ایک جزو ہے۔ اگر کسی انسان پر کوئی مصیبت یا آزمائش آجائے تو اسے کہنا چاہیے ((قَدَّرَ اللهُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ)) "اللہ تعالیٰ ہی نے تقدیر بنائی ہے اور وہ جو چاہتا ہے

[1] صحيح البخاري: 4948، 4949، صحيح مسلم: 2647.

کر گزرتا ہے۔'' اور اس کے واقع ہونے سے قبل انسان پر یہ لازم ہے کہ وہ مشروع اسباب کو اختیار کرے، کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی ان اسباب ووسائل کو اختیار کیا جو کہ ان کو ان کے دشمنوں سے تحفظ دیتے تھے۔ باوجود اس کے کہ انھیں اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور وحی کی تائید بھی حاصل تھی۔ رسول اللہ ﷺ جو سید المتوکلین تھے، جن کا اپنے رب پر قوی توکل تھا، وہ بھی اسباب کو اختیار کرتے تھے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾

''تم ان کے مقابلہ کے لیے حسب استطاعت قوت اور فوجی گھوڑوں کو تیار کرو، تاکہ اس کے ذریعے تم اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو۔''[1]

نیز فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ﴾

''اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو مطیع و پست کر دیا تاکہ تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے رزق سے کھاؤ۔ اور اسی کی طرف تمہیں زندہ ہو کر اٹھنا ہے۔''[2]

اور ہم پہلے بھی نبی کریم ﷺ کا ایک ارشاد گرامی ذکر کر چکے ہیں اور یہاں خطبہ کے آخر میں دوبارہ اس کی یاددہانی کراتے ہیں: ((اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ ، وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ ، اِحْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ ، وَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَلاَ تَعْجَزْ، وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْئٌ فَلاَ تَقُلْ لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَذَا لَكَانَ كَذَا ، وَلٰكِنْ قُلْ : قَدَّرَ اللهُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ))

''طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسندیدہ ہے اور دونوں میں خیر موجود ہے۔ اور تم اس چیز کے حصول کے لیے کوشش کرو جو تمہارے لیے نفع بخش ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور عاجز نہ بنو۔ اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو یہ نہ کہو کہ اگر میں ایسے کرتا تو ایسے ہوجاتا بلکہ یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھا تھا اور اس نے جو چاہا وہ کر دیا، کیونکہ لفظ (لو) یعنی (اگر) شیطانی عمل کو کھولتا ہے۔''[3]

آخر میں ایک بار پھر اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سچا اور حقیقی ایمان نصیب فرمائے اور ایمان پر ہی ہمارا خاتمہ فرمائے۔

[1] الأنفال 8:60. [2] الملك 67:15. [3] صحيح مسلم: 2664.

انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل انسان

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت

اہم عناصرِ خطبہ

1. تذکرہ ایک عظیم شخصیت کا
2. فضائل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
3. خصوصیاتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
4. ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تعارف
5. عملی زندگی کے بعض پہلو
6. خلیفۂ اول کے بعض اہم کارنامے

پہلا خطبہ

محترم حضرات ! آج ہم ایک عظیم شخصیت کا ذکرِ خیر کر رہے ہیں۔

- وہ شخصیت کہ جس کے متعلق تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا اتفاق ہے کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت کے بعد سب سے افضل جماعت یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل ہیں۔ اور جن کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی بلند مرتبہ نصیب کیا۔
- وہ شخصیت کہ جس نے سفر وحضر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور نہ صرف یہ کہ اپنی تمام تر جسمانی توانائیاں اسلام کے لیے وقف کر دیں بلکہ اللہ کے راستے میں اپنا پورا مال بھی خرچ کر دیا۔
- وہ شخصیت کہ جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس وقت نصرت ومدد کی جب ماسوائے چند ایک کے باقی سب لوگ آپ کو رسوا کرنے پر تلے ہوئے تھے۔
- وہ شخصیت کہ جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی اس وقت تصدیق کی جب ماسوائے چند ایک کے باقی سب لوگ آپ کو جھٹلا رہے تھے۔
- وہ شخصیت کہ جس کے ایمان کو پوری امت کے ایمان کے ساتھ تولا گیا تو اس کے ایمان کا وزن زیادہ تھا۔
- وہ شخصیت کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ہجرتِ مدینہ کے تاریخی سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی بننے کا شرف نصیب کیا۔
- وہ شخصیت کہ جس نے اللہ کے دین کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

- وہ شخصیت کہ جس نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تمام جنگوں میں شرکت کی اور جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ سرانجام دیا۔
- وہ شخصیت کہ جس کو غیروں نے تو نشانہ بنایا ہی، لیکن اپنوں نے بھی ان کی قدر اُس طرح نہ کی جیسی کرنی چاہیے تھی۔
- وہ شخصیت کہ جو اسلام قبول کرنے کے بعد زندگی بھر رسول اکرم ﷺ کے خصوصی مشیر و وزیر رہے۔ اور جب انتقال ہوا تو قبر بھی آپ ﷺ کی قبر کے ساتھ ملی۔

اس شخصیت سے میری مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ آج کے خطبۂ جمعہ میں ہم اسی شخصیت کے حوالے سے گفتگو کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور خطبہ کے آغاز میں ہی ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اِس عظیم شخصیت سے محبت کرنا ہمارے ایمان کا جزو ہے۔ اور کسی مومن کا ایمان اُس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اِس شخصیت سے دلی محبت کا اظہار نہ کرے۔ جس انسان کے دل میں اِس شخصیت کے بارے میں کوئی جھول ہے یا وہ ان سے محبت کرنا اپنے ایمان کا لازمی حصہ نہیں سمجھتا تو اسے اپنے ایمان کا جائزہ لینا ہوگا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کو سب سے زیادہ محبت اسی شخصیت کے ساتھ تھی۔ جیسا کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ

((أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيْكَ ؟)) ''آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

میں نے کہا: مردوں میں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

میں نے کہا: پھر کون ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔[1]

جو شخص رسول اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھا، کیا کسی سچے مؤمن کو اُن سے اظہار محبت کرنے میں کوئی تردد ہو سکتا ہے! ہرگز نہیں۔ بلکہ سچا مومن تو صدقِ دل کے ساتھ ان سے محبت کرنا اور ان کے فضائل و مناقب کا تذکرہ کرنا تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ اس لیے ہر داعی و واعظ پر ان کا یہ حق ہے کہ وہ ان کے فضائل کا تذکرہ کرے، ان کی عملی زندگی کا مطالعہ کرے اور ان کے لیے دعائے خیر کرے۔ اسی لیے آج ہم انھیں موضوعِ خطبہ بنا رہے ہیں۔

اور آئیے سب سے پہلے یہ جان لیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کون تھے؟

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تعارف

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام 'عبد اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب القرشي التيمي' تھا مگر آپ ابوبکر بن ابی قحافۃ کے نام سے زیادہ معروف تھے۔ آپ کی پیدائش منٰی میں ہوئی جو کہ مکہ مکرمہ میں چند مقدس مقامات میں سے ایک ہے۔

آپ کے والد کا اصل نام تو عثمان بن عمرو تھا، تاہم وہ ابوقحافہ کی کنیت کے ساتھ زیادہ مشہور تھے۔ ابوقحافہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقعہ پر مسلمان ہوئے۔ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے والد کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو

[1] صحيح البخاري: 3662، و صحيح مسلم: 2384.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَوْ أَقْرَرْتَ الشَّيْخَ فِي بَيْتِهِ لَأَتَيْنَاهُ)) ''اگر آپ اِس بزرگ کو گھر میں ہی رہنے دیتے تو ہم خود ان کے پاس آجاتے۔''[1]

تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ان کا آپ کی خدمت میں حاضر ہونا ہی زیادہ بہتر تھا۔ اِس موقعہ پر ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مبارکباد دی۔[2]

اور چونکہ ان کے سر اور داڑھی کے بال بالکل سفید ہو چکے تھے تو آپ نے فرمایا:

((غَيِّرُوا هٰذَا بِشَيْئٍ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ))

''اِس سفیدی کو کسی رنگ کے ساتھ بدل دو اور سیاہ رنگ لگانے سے بچو۔''[3]

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام سلمی بنت صخر تھا اور کنیت ام الخیر تھی۔ انھوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ آیئے ان کے قبولِ اسلام کا واقعہ سنیے۔

اس واقعہ سے آپ کو یہ بھی اندازہ ہوگا کہ خود ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد کتنی اذیتیں برداشت کیں۔ اور انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر شدید محبت تھی!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جن کی تعداد 38 تھی، جمع ہوئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اصرار کیا کہ دعوت کا کام اب خفیہ طور پر نہیں بلکہ ظاہر ہو کر کرنا چاہیے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((يَا أَبَا بَكْرٍ! إِنَّا قَلِيلٌ)) ''ابوبکر! ہم ابھی قلیل تعداد میں ہیں۔''

لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلسل اصرار کرتے رہے حتی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر تیار ہو گئے۔ چنانچہ مسلمان مسجد حرام کے کونوں میں آ گئے اور ہر شخص اپنے اپنے قبیلے کے لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تشریف فرما تھے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے لوگوں میں خطبہ دینا شروع کر دیا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوگوں کو علی الاعلان بلانے والے پہلے شخص تھے۔

مشرکین کی طرف سے ردعمل یہ ہوا کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دیگر مسلمانوں پر کود پڑے۔ ان کی شدید پٹائی کی، ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ان کی زد میں آئے، انھیں بہت مارا گیا بلکہ قدموں تلے روندا گیا۔ بدبخت عتبہ بن ربیعہ ان کے قریب آیا اور انھیں پیوند لگے جوتے سے مارنے لگا۔ اس نے ان کے چہرے کو بھی نشانہ بنایا اور ان کے پیٹ پر چڑھ گیا حتی کہ ان کی حالت یہ ہوگئی کہ چہرے اور ناک سے ان کی پہچان ممکن نہ تھی۔ اسی دوران ان کے قبیلے (بنو تیم) کے لوگ دوڑتے

[1] صحیح ابن حبان: 5472 بإسناد صحیح. [2] السیرة النبویة في ضوء المصادر الأصلیة ج 1، ص: 577. [3] صحیح مسلم: 2102.

ہوئے آئے اور انھوں نے قریش کو ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پیچھے دھکیل دیا۔ بنو تیم ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ایک کپڑے میں اٹھا کر ان کے گھر لے آئے اور انھیں یقین تھا کہ یہ اب مر جائیں گے۔ وہ مسجد میں واپس لوٹے اور اعلان کیا کہ اگر ابو بکر رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو ہم عتبہ بن ربیعہ کو ضرور قتل کریں گے۔

اِس کے بعد بنو تیم دوبارہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر آئے اور وہ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے والد 'ابو قحافہ' ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بار بار بلانے لگے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ بے ہوش تھے اور ان کی طرف سے کوئی جواب نہ آ رہا تھا۔ آخر کار دن کے اختتام پر وہ بولنے کے قابل ہو گئے تو انھوں نے سب سے پہلے یہ پوچھا کہ 'رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟'

اِس پر بنو تیم ان کی ملامت کرنے لگے اور انھیں چھوڑ کر چلے گئے۔ تاہم جاتے جاتے وہ ان کی والدہ ام الخیر کو اتنا کہہ گئے کہ اِس کا خیال رکھنا اور کچھ کھانے پینے کے لیے ضرور دینا۔

جب والدہ کو ان کے ساتھ تنہائی میں بات کرنے کا موقعہ ملا تو انھوں نے اصرار کیا کہ کچھ نہ کچھ کھا پی لو۔ لیکن ان کی ایک ہی بات تھی کہ 'رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟'

ام الخیر نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے تمھارے ساتھی کا کوئی پتہ نہیں ہے۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: جائیں اور ام جمیل بنت خطاب سے پوچھ کے آئیں۔

وہ گئیں اور ام جمیل سے کہا: ابو بکر رضی اللہ عنہ محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھ رہا ہے۔

ام جمیل نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے نہ ابو بکر کا پتہ ہے اور نہ محمد بن عبد اللہ کا۔ ہاں اگر تم چاہو تو میں تمھارے بیٹے کے پاس چلوں؟ (اصل میں اُس وقت ام جمیل رضی اللہ عنہا مسلمان ہو چکی تھیں لیکن وہ اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کر رہی تھیں۔ اور انھیں پتہ تھا کہ ام الخیر ابھی مسلمان نہیں ہوئیں، اس لیے انھوں نے مکمل احتیاط کرتے ہوئے لاعلمی کا اظہار کیا کہ کہیں ام الخیر کو یہ خبر نہ ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حالت کے بارے میں اطمینان حاصل کرنا چاہتی تھیں، اس لیے انھوں نے پیش کش کی کہ اگر ام الخیر کو منظور ہو تو وہ ان کے ساتھ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس چلی جائیں)

ام الخیر نے کہا: ٹھیک ہے تم میرے ساتھ چلو۔

ام جمیل رضی اللہ عنہا نے جب ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھی تو انھوں نے چیختے ہوئے اعلان کیا کہ

''جنھوں نے ابو بکر کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے وہ یقینی طور پر برے اور کافر لوگ ہیں اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ضرور انتقام لے گا۔''

تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پھر بھی وہی سوال کیا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟''

ام جمیل نے کہا: یہ آپ کی ماں سن رہی ہیں! تو انھوں نے کہا: کوئی پروا نہیں۔

ام جمیل نے کہا: وہ ٹھیک ٹھاک ہیں۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ کہاں ہیں؟ ام جمیل نے کہا: دار ارقم میں۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: 'اللہ کی قسم! میں اس وقت تک کچھ کھاؤں گا اور نہ کچھ پیوں گا جب تک رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر نہ ہو جاؤں۔'

وہ دونوں (ام الخیر اور ام جمیل) لوگوں کی آمد ورفت کے رک جانے کا انتظار کرنے لگیں۔ جب ماحول پرسکون ہو گیا تو وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سہارا دے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ ان سے لپٹ گئے اور ان کو بوسہ دیا۔ پھر مسلمان بھی ان سے لپٹ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی حالت دیکھی تو آپ پر شدید رقت طاری ہوئی۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پہ قربان، اب میں ٹھیک ہوں۔ بس اُس بد بخت نے میرے چہرے کی جو حالت کر دی ہے اس سے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ اور یہ میری والدہ ہیں جو اپنے بیٹے کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتی ہیں۔ آپ بابرکت ہیں، لہٰذا آپ انھیں اللہ کی طرف دعوت دیں اور ان کے لیے دعا بھی کریں، شاید اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے انھیں جہنم سے بچا لے!

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے دعا کی اور انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ وہ فوراً مسلمان ہو گئیں۔ [1]

محترم حضرات! اِس واقعہ میں کئی باتیں نہایت ہی سبق آموز ہیں:

1 ابو بکر رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ سے بار بار یہ مطالبہ کرنا کہ دعوت الی اللہ کا کام چھپ چھپا کر نہیں بلکہ ظاہری طور پر کیا جائے، یہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ایمانی شجاعت کا ثبوت ہے۔

2 قبولِ اسلام کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے دین کی خاطر بہت اذیتیں برداشت کیں۔ آپ کو اِس سلسلے میں اتنا مارا گیا کہ لوگوں کو ان کی موت کا یقین ہو گیا۔

3 ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دل میں رسول اکرم ﷺ کی محبت کس قدر پیوست تھی کہ بے ہوشی کے بعد جیسے ہی ہوش میں آئے تو پہلا سوال ہی رسول اکرم ﷺ کے متعلق کیا۔ پھر کچھ بھی کھانے پینے سے انکار کر دیا جب تک کہ انھیں رسول اللہ ﷺ کے پاس نہ لے جایا جائے۔

[1] البداية والنهاية: ج3، ص: 30,29 بإسناد رجاله ثقات. وقال الهيثمي في المجمع: ج 9، ص: 47,46، رواه البزار ورجاله رجال الصحيح غير إسماعيل بن أبي الحرث وهو ثقة.

4 اِس واقعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کی ہدایت کے لیے کتنے فکر مند تھے۔ انھوں نے خصوصی طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کے حق میں دعا کریں اور انھیں اسلام کی طرف دعوت دیں، شاید اللہ تعالٰی انھیں جہنم سے بچالے۔

یہ تو ذکر تھا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے والدین کا۔ اور جہاں تک ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیویوں اور ان کی اولاد کا تعلق ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے جاہلیت میں بھی دو عورتوں سے شادی کی تھی اور اسلام قبول کرنے کے بعد بھی دو خواتین سے شادی کی۔ جاہلیت میں (قتیلہ بنت عبدالعزی اور ام رومان رضی اللہ عنہا) سے جبکہ اسلام قبول کرنے کے بعد (اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور حبیبہ بنت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہا) سے شادی کی۔

قتیلہ بنت عبدالعزی سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے عبد اللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا پیدا ہوئے۔ جبکہ ام رومان رضی اللہ عنہا سے عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئے۔ اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا پہلے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، انھی کے ساتھ انھوں نے ہجرتِ حبشہ بھی کی۔ پھر جب وہ جنگ موتہ میں شہید ہو گئے تو ان سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شادی کر لی۔ ان سے ان کے بیٹے محمد بن ابی بکر اُس وقت پیدا ہوئے جب اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرنے کی غرض سے مکہ مکرمہ جارہی تھیں تو ذو الحلیفہ کے مقام پر ان کی پیدائش ہوئی۔ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے شادی کر لی تھی۔

حبیبہ بنت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہا کے بطن سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام کلثوم آپ کی وفات کے بعد پیدا ہوئی تھیں۔ یوں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تین بیٹیاں اور تین بیٹے تھے۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ اور زمانۂ جاہلیت

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جاہلیت کے ایام میں بھی قریش کے درمیان اخلاق و کردار کے اعتبار سے ایک مثالی انسان سمجھے جاتے تھے۔ آپ ان میں بڑے ہی دلعزیز اور نہایت با اخلاق تھے۔ لوگ ان سے مشاورت کے لیے خصوصی طور پر ان کے ہاں جمع ہوتے اور ضروری معاملات میں ان کی رائے کو اہمیت دیتے تھے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جاہلیت میں شراب نوشی اور اس طرح کی دیگر برائیوں سے اجتناب کرتے تھے جو اُس وقت معاشرے میں بری طرح پھیلی ہوئی تھیں اور جن کے لوگ بہت ہی دلدادہ تھے۔

جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ جاہلیت میں بتوں کی پوجا بھی نہیں کرتے تھے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے والد انھیں بتوں کے پاس لے کر گئے اور کہا: دیکھو! یہ ہیں تمھارے معبود، تم انھی کی پوجا کیا کرو۔ پھر وہ چلے گئے۔ تو میں نے ایک بت کے قریب جا کر کہا: میں بھوکا ہوں، مجھے کچھ کھلاؤ۔ تو اُس کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ میں نے کہا:

میرے پاس پہننے کو لباس نہیں ہے تو مجھے پہننے کے لیے کپڑے دو۔ لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ چنانچہ میں نے ایک پتھر اٹھا کے اسے دے مارا جس سے وہ چہرے کے بل نیچے گر گیا۔[1]

''صدیق'' کا لقب کیوں ملا؟

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جنھیں 'صدیق' کا لقب ملا۔ کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے واقعۂ معراج کے بارے میں سنتے ہی اُس کی تصدیق کر دی تھی۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قریش کے کچھ لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: تم اپنے ساتھی کی بات مانو گے؟ وہ دعوی کرتا ہے کہ ایک ہی رات میں بیت المقدس گیا اور مکہ واپس لوٹ آیا؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: انھوں نے واقعتا ایسی بات کی ہے؟

لوگوں نے کہا: ہاں، بالکل کی ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: تب انھوں نے سچ فرمایا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انھیں یہ جواب دیا کہ میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اس سے بھی دور کے معاملے میں کرتا ہوں جب وہ آسمان سے وحی نازل ہونے کی خبر دیتے ہیں۔

راوی کہتے ہیں: اسی لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو 'صدیق' کہا گیا۔[2]

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کو 'صدیق' کے لقب کے ساتھ یاد کیا کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ (یہ سب) احد پہاڑ پر چڑھے تو وہ ہلنے لگا۔ اُس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أُثْبُتْ أُحُدُ ، فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيقٌ وَّشَهِيدَانِ))

''احد پہاڑ! تم مت ہلو، اس لیے کہ اِس وقت تمھارے اوپر نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔''[3]

فضائل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ آپ نے سن لیا۔ اب مزید فضائل پیش خدمت ہیں۔

[1] التاريخ الاسلامي، ج3، ص:31. [2] دلائل النبوة للبيهقي. وصححه الألباني في الإسراء والمعراج، ص:61,60.
[3] صحيح البخاري:3675 .

1 جہنم سے آزادی کا پروانہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو 'عتیق' کے لقب سے نوازا جس کا معنی ہے: ''جہنم کی آگ سے آزاد کردہ''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ((أَبْشِرْ ، فَأَنْتَ عَتِيقُ اللهِ مِنَ النَّارِ)) ''تمہیں خوشخبری ہو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا ہے۔'' تب سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو 'عتیق' کہا جانے لگا۔ [1]

2 جنت کی خوشخبری

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے نام لیکر جنت کی خوشخبری دی۔ ان میں سرِ فہرست سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

چنانچہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابوبکر رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، عمر رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، عثمان رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، علی رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، طلحہ رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، زبیر رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، سعید بن زید رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں۔'' [2]

اسی طرح حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: ((هٰذَانِ سَيِّدَا كُهُولِ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ إِلَّا النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ))

''یہ دونوں انبیاء ورسل علیہم السلام کے علاوہ باقی تمام اول وآخر اہل جنت میں عمر رسیدہ لوگوں کے سردار ہوں گے۔'' [3]

اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں داخل ہوئے اور مجھے اس کے دروازے پر رہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ایک شخص آیا اور اس نے اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اجازت دے دو اور اسے جنت کی بشارت بھی سنا دو۔'' میں نے دیکھا تو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔

پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے بھی اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اجازت دے دو اور اسے بھی جنت کی بشارت سنا دو۔'' میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔

پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے بھی اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اجازت

[1] جامع الترمذي: 3679، وصححه الألباني. [2] جامع الترمذي، مسند أحمد، صحيح الجامع للألباني: 50.
[3] جامع الترمذي: 3666، وصححه الألباني.

دے دو اور اسے بھی جنت کی بشارت سنا دو اور اسے آگاہ کرو کہ اس پر ایک مصیبت نازل ہوگی۔" میں نے دیکھا تو وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ [1]

3 ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جنت کے ہر دروازے سے بلایا جائے گا

چونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اعمالِ خیر میں سبقت لے جانے والے تھے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو بشارت دی تھی کہ آپ کو جنت کے ہر دروازے سے پکارا جائے گا کہ آپ آئیں اور جنت میں داخل ہو جائیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيلِ اللهِ نُودِيَ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ : يَا عَبْدَ اللهِ هٰذَا خَيْرٌ، فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرَّيَّانِ ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ))

"جو شخص اللہ کے راستے میں جوڑا (ایک نہیں بلکہ دو) خرچ کرتا ہے اسے جنت کے دروازوں سے پکار کر کہا جائے گا: اے اللہ کے بندے! یہ (دروازہ) تمہارے لیے بہتر ہے۔ لہٰذا نمازی کو باب الصلاۃ سے پکارا جائے گا، مجاہد کو باب الجہاد سے پکارا جائے گا، روزہ دار کو باب الریان سے پکارا جائے گا اور صدقہ کرنے والے کو باب الصدقۃ سے پکارا جائے گا۔"

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، جس شخص کو ان تمام دروازوں سے پکارا جائے گا اسے تو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوگی۔ تو کیا کوئی ایسا شخص بھی ہوگا جسے ان تمام دروازوں سے پکارا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((نَعَمْ وَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ)) "ہاں اور مجھے امید ہے کہ آپ بھی انھی لوگوں میں سے ہوں گے۔" [2]

دشمنوں نے بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل کا اعتراف کیا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب مسلمانوں کو (اذیتیں دے کر) آزمائش میں ڈالا گیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے سرزمین حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب (برک الغماد) نامی مقام پر پہنچے تو وہاں ان کی ملاقات ابن الدغنہ سے ہوگئی جو (القارۃ) قبیلے کا سردار تھا۔ اس نے پوچھا: ابوبکر! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: مجھے میری قوم نے نکال دیا ہے، اس لیے اب میں زمین میں چل پھر کر اللہ کی عبادت کرنا چاہتا ہوں۔ تو اس نے

[1] صحيح البخاري:3695، صحيح مسلم:2403. [2] صحيح البخاري:1897، 3666، وصحيح مسلم:1027.

کہا: «فَإِنَّ مِثْلَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ لَا يَخْرُجُ وَلَا يُخْرَجُ ، إِنَّكَ تَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ»

''ابوبکر! آپ جیسے کو نہ تو خود نکلنا چاہیے اور نہ ہی اسے نکالا جانا چاہیے۔ آپ تو تہی دست کو کما کر دیتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، بوجھ برداشت کرتے ہیں، مہمان نواز ہیں اور حق کے واقعات (تمام خصالِ خیر) میں مدد کرتے ہیں۔''

پھر اس نے کہا: میں آپ کو پناہ دیتا ہوں، آپ واپس لوٹ جائیں اور اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کریں۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ واپس لوٹ آئے۔ خود ابن الدغنہ بھی ان کے ساتھ آیا اور شام کے وقت اس نے اشرافِ قریش کے ہاں چکر لگایا اور ان سے کہا: «إِنَّ أَبَا بَكْرٍ لَا يَخْرُجُ مِثْلُهُ وَلَا يُخْرَجُ ، أَتُخْرِجُونَ رَجُلًا يَكْسِبُ الْمَعْدُومَ ، وَيَصِلُ الرَّحِمَ ، وَيَحْمِلُ الْكَلَّ ، وَيَقْرِي الضَّيْفَ ، وَيُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ»

''ابوبکر جیسے کو تو نہ خود نکلنا چاہیے اور نہ ہی اسے نکالا جانا چاہیے۔ قریش کی جماعت! کیا تم اس شخص کو نکالتے ہو جو تہی دست کو کما کر دیتا ہے، صلہ رحمی کرتا ہے، بوجھ برداشت کرتا ہے، مہمان نواز ہے اور حق کے واقعات (تمام خصالِ خیر) میں مدد کرتا ہے۔''

چنانچہ ابن الدغنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جو پناہ دی تھی قریش نے اسے تسلیم کرلیا اور وہ ان کی باتوں کو جھٹلا نہ سکے۔[1]

اِس واقعہ میں اِس بات کا ثبوت ہے کہ قریش باوجود مخالفت اور دشمنی کے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ اخلاق اور ان کے فضائل ومناقب کا انکار نہ کر سکے۔ بلکہ انھوں نے ایک کافر کی زبانی بیان ہونے والے ان کے اعلیٰ اوصاف کو تسلیم کیا۔ وہ کیوں ایسا نہ کرتے؟ آخر ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے ہی اعلیٰ انسان کہ جن کی صفاتِ حمیدہ کا انکار ممکن ہی نہ تھا۔

محترم حضرات! آپ ذرا غور کریں کہ ابن الدغنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جو اوصاف ذکر کیے بالکل یہی اوصاف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس وقت بیان کیے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ گھبرا کر گھر پہنچے تھے۔ یہ ایک اور دلیل ہے اِس بات کی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہایت عظیم انسان تھے کہ ان میں بھی وہی صفات پائی جاتی تھیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی تھیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد سب سے پہلے صدیقین کا تذکرہ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝﴾[2]

[1] صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار باب هجرة النبي وأصحابه:3905. [2] النساء4:69.

عملی زندگی کے بعض پہلو

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عملی زندگی کے بعض پہلو ہم ذکر کرتے ہیں کیونکہ اِس شخصیت کے محض فضائل ومناقب کا تذکرہ ہی کافی نہیں ہے جب تک کہ ان کی عملی زندگی کو نمایاں نہ کیا جائے۔ عملی زندگی سے ہی ان کی عظمت کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام اعمالِ خیر میں دوسروں سے سبقت لے جاتے تھے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ أَصْبَحَ مِنكُمُ الْيَوْمَ صَائِمًا ؟)) ''آج تم میں سے کون ہے جو روزے سے ہو؟''

تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں روزے سے ہوں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((فَمَنْ تَبِعَ مِنكُمُ الْيَوْمَ جَنَازَةً ؟))

''آج تم میں سے کس نے نمازہ جنازہ اور تدفینِ میت میں شرکت کی؟''

تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَمَنْ أَطْعَمَ مِنكُمُ الْيَوْمَ مِسْكِينًا ؟)) ''آج تم میں سے کس نے مسکین کو کھانا کھلایا؟''

تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((فَمَنْ عَادَ مِنكُمُ الْيَوْمَ مَرِيضًا؟)) ''آج تم میں سے کس نے مریض کی عیادت کی؟''

تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے۔

تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَا اجْتَمَعْنَ فِي امْرِءٍ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ))

''یہ خصلتیں جس میں جمع ہوجائیں وہ یقیناً جنت میں داخل ہوگا۔''[1]

اِس حدیث میں جہاں اِس بات کا ثبوت ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اعمالِ خیر میں سب سے زیادہ سبقت لے جانے والے تھے وہاں اِس کا ثبوت بھی ہے کہ جو شخص اِن تمام اعمال کو ایک ہی دن میں انجام دے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال اللہ کے راستے میں خرچ کردیا

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا اور اتفاق

[1] صحیح صحیح مسلم:1027.

سے اُس دن میرے پاس مال موجود تھا۔ میں نے دل میں کہا: آج حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سبقت لے جانے کا بہترین موقعہ ہے، لہٰذا میں اپنا آدھا مال لے آیا اور آنحضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے پوچھا: اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ میں نے کہا: جتنا مال آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے اتنا ہی گھر والوں کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنا پورا مال لے آئے اور رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے پوچھا: اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ تو انھوں نے کہا: میں ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر آیا ہوں۔ تب میں نے کہا: میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کبھی سبقت نہیں لے جا سکتا۔ [1]

3 حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے غلاموں کو آزاد کراتے تھے

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ○ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ○ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ○ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ○ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ○﴾

"اور جو پرہیزگار ہوگا اسے اُس (آگ) سے دور رکھا جائے گا جس نے پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیا۔ اس پر کسی کا کوئی احسان نہ تھا جس کا وہ بدلہ چکا تا۔ بلکہ اس نے تو محض اپنے رب برتر کی رضا کے لیے (مال خرچ کیا) اور جلد ہی وہ راضی ہو جائے گا۔" [2]

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کی دو صفات ذکر کی ہیں جسے جہنم کی آگ سے دور رکھا جائے گا۔ پہلی صفت یہ کہ وہ متقی اور پرہیزگار ہو۔ دوسری یہ کہ وہ اپنی پاکیزگی اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مال خرچ کرتا ہو۔ اس لیے نہیں کہ کسی کا اس پر کوئی احسان ہو تو وہ اُس کا بدلہ چکانے کے لیے مال خرچ کرے۔

اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ ان آیات کا روئے سخن خاص طور پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف ہے جن میں یہ دونوں صفتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ وہ پرہیزگار بھی تھے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والے بھی تھے۔ خصوصاً ان غلاموں کو آزاد کرانے میں مال خرچ کرتے تھے جو مسلمان ہو جاتے تھے تو ان کے مالک انھیں بری طرح پیٹتے اور دردناک ایذائیں دیتے تھے۔ ان کی یہ کیفیت رسول اکرم ﷺ سے برداشت نہ ہوتی تو آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیتے کہ انھیں خرید کر آزاد کر دو۔ چنانچہ وہ منہ مانگی قیمت دے کر انھیں خرید لیتے، پھر انھیں آزاد کر دیتے۔ تقریباً سترہ غلاموں کو کافروں کے عذاب سے نجات دلا کر انھیں آزاد کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ سات غلام آزاد کرائے جنھیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی پاداش میں عذاب دیا جاتا تھا۔ ان میں سے ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور اسی طرح حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ

[1] سنن أبي داود: 1678، وحسنه الألباني۔ [2] الليل 92:17-21.

بھی ہیں۔[1]

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل یقیناً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہی تھا ورنہ ان پر ان غلاموں میں سے کسی کا کوئی احسان نہ تھا کہ وہ اس کا بدلہ چکاتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ خوشخبری دی کہ ﴿وَ لَسَوْفَ يَرْضٰى﴾ ”وہ عنقریب راضی ہو جائے گا۔“

4 حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے رشتہ داروں پر مال خرچ کرتے تھے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے قریبی رشتہ داروں پر مال خرچ کرتے تھے۔ انھی میں سے ایک مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جو ایک محتاج آدمی تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ انھیں کچھ ماہوار وظیفہ دیا کرتے تھے۔ لیکن جب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بعض منافقوں کی جانب سے بدکاری کی تہمت لگائی گئی اور بعض سادہ لوح مسلمان بھی اس فتنہ کی رو میں بہہ گئے تھے تو ان کی صف میں یہ مسطح بھی رضی اللہ عنہ شامل ہو گئے۔ چنانچہ آسمان سے وحی کے ذریعے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھالی کہ

((وَاللهِ لَا أُنْفِقُ عَلٰى مِسْطَحٍ شَيْئًا أَبَدًا بَعْدَ مَا قَالَ لِعَائِشَةَ)) ”اللہ کی قسم! اب جبکہ اس مسطح رضی اللہ عنہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی ہے تو میں اس پر کچھ بھی خرچ نہیں کروں گا۔“

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُّؤْتُوْا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۗ أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللهُ لَكُمْ ۗ وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

”اور تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں انھیں اپنے قرابت داروں، مسکینوں اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہیں کھا لینی چاہیے بلکہ معاف کر دینا اور درگزر کر دینا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے گناہ معاف فرما دے؟ وہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔“[2]

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عفو و درگزر کی تلقین کی اور فرمایا کہ ”کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے گناہ معاف فرمادے؟ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ((بَلٰى وَاللهِ يَا رَبَّنَا إِنَّا لَنُحِبُّ أَنْ تَغْفِرَ لَنَا))

”کیوں نہیں اے ہمارے رب! ہم یقیناً یہ چاہتے ہیں کہ تو ہمیں معاف کر دے۔“

اس کے بعد انھوں نے مسطح رضی اللہ عنہ کا خرچہ پہلے کی طرح جاری کر دیا۔[3]

اِس واقعہ سے جہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے قریبی رشتہ داروں پر مال خرچ کرتے تھے، وہاں ان کی ایک اور عظیم صفت کا بھی پتہ چلتا ہے اور وہ ہے عفو و درگزر۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُس شخص کو معاف کر دیا جو اُن کی

[1] المستدرك للحاكم: 284/3، صحيح على شرط الشيخين ووافقه الذهبي. [2] النور 22:24. [3] البخاري، التفسير، باب ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ أَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ...﴾: 4757.

لختِ جگر پر بدکاری کی تہمت لگانے والے لوگوں میں شامل ہو گیا تھا اور ان کے لیے ذہنی اذیت اور شدید پریشانی کا سبب بنا تھا۔ یقیناً یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے عظیم لوگوں کی ہی صفت ہو سکتی ہے ورنہ عام طور پر ایسے شخص کو زندگی بھر معاف نہیں کیا جاتا اور اسے ہر طرح سے انتقامی کارروائی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

5 تقویٰ اور پرہیز گاری

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انتہائی متقی اور بڑے ہی پرہیز گار تھے۔ اس کا اندازہ آپ اس واقعہ سے کر سکتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام ایک دن کھانے کی کوئی چیز لے کر آیا تو انھوں نے اس میں سے کچھ کھا لیا۔ پھر غلام نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ جو کچھ آپ نے کھایا ہے یہ کہاں سے آیا ہے؟ انھوں نے پوچھا: کہاں سے آیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے جاہلیت کے دور میں ایک آدمی کے لیے کہانت کی تھی۔ میں کہانت جانتا تو نہ تھا البتہ میں اسے دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا۔ آج اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے یہی کھانا مجھے دیا جس سے آپ نے بھی کھایا ہے! چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ اپنے منہ میں داخل کیا اور کوشش کر کے جو کچھ ان کے پیٹ میں تھا اسے قے کر ڈالا۔ پھر انھوں نے کہا: اگر یہ میری جان لیے بغیر باہر نہ نکلتا تو پھر بھی میں اس کی پروانہ کرتا۔ اے اللہ! جو کچھ میری رگوں اور انتڑیوں میں رہ گیا ہے اس سے میں بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔[1]

6 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع

ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد ہمیشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے رہے۔

عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سب سے بڑی بدسلوکی کی اُس کے بارے میں مجھے بتائیں۔ تو انھوں نے کہا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی دوران عقبہ بن ابی معیط آیا اور اس نے ایک کپڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں ڈال کر اسے مروڑا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا بڑی شدت کے ساتھ گھونٹنے لگا۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے، اس کو اس کے کندھوں سے پکڑا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہٹا دیا۔ اور فرمایا: ﴿أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ﴾ ''کیا تم اِس آدمی کو اِس لیے مارنا چاہتے ہو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟''[2]

7 ابوبکر رضی اللہ عنہ نہایت ہی رقیق القلب تھے

جی ہاں، جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت ہی نرم دل انسان تھے۔

[1] صحيح البخاري: 3554. [2] صحيح البخاري: 3856.

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک مرتبہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: چلو آج ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زیارت کے لیے چلتے ہیں جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ ہم جب ان کے ہاں پہنچے تو وہ رونے لگ گئیں۔ تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: آپ کیوں روتی ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ ان کے لیے بہتر ہے۔ تو انھوں نے کہا:

((مَا أَبْكِي أَنْ أَكُونَ أَعْلَمَ أَنَّ مَا عِنْدَ اللهِ خَيْرٌ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ وَلٰكِنْ أَبْكِي أَنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ مِنَ السَّمَاءِ)) ”مجھے پتہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ ان کے لیے بہتر ہے۔ میں تو صرف اس لیے رو رہی ہوں کہ اب آسمان سے وحی کا نزول منقطع ہو چکا ہے۔“

یہ بات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما دونوں کے رونے کا سبب بنی، چنانچہ وہ بھی ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ زور زور سے رونے لگ گئے۔ [1]

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری میں شدت آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے لیے کہا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ)) ”ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ((إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ رَقِيقٌ ، إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ غَلَبَهُ الْبُكَاءُ))

”بے شک ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت نرم دل ہیں، جب قرآن پڑھتے ہیں تو ان پر رونا غالب آ جاتا ہے۔“

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مُرُوهُ فَلْيُصَلِّ)) ”انھیں حکم دو کہ وہ نماز پڑھائیں۔“ [2]

8 تواضع اور انکساری

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت ہی متواضع انسان تھے۔ تکبر اور بڑائی کی بجائے عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے تھے۔ چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

((مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

”جو شخص اپنا کپڑا تکبر کرتے ہوئے گھسیٹے اس کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے روز دیکھنا بھی گوارا نہ کرے گا۔“

تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا کپڑا ایک طرف سے نیچے کو ڈھلک جاتا ہے الا یہ کہ میں ہر وقت اس کا خیال رکھوں تو کیا یہ بھی تکبر ہے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ((إِنَّكَ لَسْتَ تَصْنَعُ ذٰلِكَ خُيَلَاءَ))

”آپ یقینا ایسا تکبر کے ساتھ نہیں کرتے۔“ [3]

[1] صحيح مسلم: 2454. [2] متفق عليه. [3] صحيح البخاري: 3665.

اِس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے تکبر کی نفی کردی جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان میں ایسی چیز ہرگز نہ تھی۔

اور سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب اپنی فوجوں کو شام کی طرف روانہ کیا تو انھوں نے ان پر یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا۔ پھر جب وہ سواریوں پر سوار ہوئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ انھیں الوداع کہنے کے لیے ان کے ساتھ ساتھ پیدل چل دیئے حتی کہ وہ ثنیۃ الوداع تک پہنچ گئے۔ تینوں امراء نے کہا: اے خلیفۂ رسول اللہ! آپ پیدل چل رہے ہیں اور ہم سواریوں پر سوار ہیں! تو انھوں نے جواب دیا: ((إِنِّي أَحْتَسِبُ خُطَايَ هٰذِهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ)) ''میں سمجھتا ہوں کہ میرے یہ قدم اللہ کے راستے میں اٹھ رہے ہیں۔''[1]

یہ ہے عاجزی وانکساری کہ خلیفۃ المسلمین پیدل چل رہا ہے اور اس کے ماتحت فوجی افسران سواریوں پر سوار ہیں۔ اور اسے خلیفہ اپنے لیے شرف سمجھتا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ تصور کرتا ہے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بعض خصوصیات

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کئی خصوصیات ایسی ہیں جو باقی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی میں نہیں ہیں۔ ان میں سے اہم خصوصیات یہ ہیں:

1 سب سے پہلے مسلمان

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آزاد لوگوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ((رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَمَا مَعَهُ إِلَّا خَمْسَةُ أَعْبُدٍ وَامْرَأَتَانِ وَأَبُو بَكْرٍ)) ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس وقت دیکھا جب آپ کے ساتھ (اسلام قبول کرنے والے خوش نصیبوں میں) صرف پانچ غلام، دو خواتین اور ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔''[2]

پانچ غلاموں سے مراد بلال رضی اللہ عنہ، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ (صفوان بن امیہ کے غلام) اور یاسر رضی اللہ عنہ (عمار رضی اللہ عنہ کے والد) ہیں۔ اور دو خواتین سے مراد خدیجہ رضی اللہ عنہا اور سمیہ رضی اللہ عنہا یا ام ایمن رضی اللہ عنہا ہیں۔

اِس سے ثابت ہوا کہ آزاد لوگوں میں سب سے پہلے جس شخصیت کو اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

[1] رواه مالك في الموطأ: 971، والبيهقي: 18592. [2] صحيح البخاري: 3660، 3857.

انھوں نے کس طرح اسلام قبول کیا، آیئے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی زبانی سنیں کہ انھوں نے کیسے اسلام قبول کیا۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقِ خاص اور گہرے دوست تھے۔اور جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو قریش کے کچھ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ابوبکر! یہ تمہارا دوست دیوانہ ہو گیا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں انھیں کیا ہوا؟ انھوں نے کہا: وہ دیکھو، وہ مسجد میں بیٹھا ایک معبود کی عبادت کی طرف دعوت دے رہا ہے اور وہ دعویٰ کرتا ہے کہ اسے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: انہوں نے واقعتا ایسی بات کی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں جاؤ دیکھو وہ مسجد میں بیٹھا یہی تو کہہ رہا ہے۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور ان سے پوچھا: ابوالقاسم! مجھے آپ کی طرف سے کیا بات پہنچی ہے؟ آپ نے فرمایا: ابوبکر! آپ کو کیا بات پہنچی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ اکیلے اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے مجھے بشارت سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور مجھے اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا مصداق بنایا ہے اور مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا ہے۔''

تب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے آپ سے کبھی جھوٹی بات نہیں سنی ہے اور آپ واقعتا رسالت کے اہل ہیں کیونکہ آپ امین ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، آپ کا کردار اچھا ہے۔ آپ اپنا ہاتھ آگے بڑھایئے، میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیعت کی اور آپ کی تصدیق کی۔ اور اس بات کا اقرار کیا کہ آپ جو دین لے کر آئے ہیں وہ بالکل برحق ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جہاں کہیں بلایا انھوں نے کبھی پس و پیش نہیں کی۔ [1]

یعنی ابتدائی دور میں جب دیگر لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا رہے تھے تو اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا سچا رسول تسلیم کیا، نہ صرف رسول تسلیم کیا بلکہ اپنی جان اور اپنے مال کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھرپور ساتھ بھی دیا۔ یہ وہ بات ہے جس کا اعتراف خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اسی دوران ابوبکر رضی اللہ عنہ اس طرح آئے کہ انھوں نے اپنے کپڑے کا ایک کونا اتنا اٹھایا ہوا تھا کہ گھٹنا ظاہر ہو رہا تھا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس حالت میں آتے دیکھ کر فرمایا:

((أَمَّا صَاحِبُكُمْ فَقَدْ غَامَرَ)) ''تمھارا ساتھی کسی سے لڑ کر آ رہا ہے۔'' (ان پر غصہ کے آثار نمایاں تھے)

[1] الرياض النضرة في مناقب العشرة: 415/1.

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سلام کہا اور پھر گویا ہوئے: یارسول اللہ! میرے اور ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے مابین کوئی بات تھی، پھر میں نے پہل کی اور ندامت کا اظہار کیا۔ اور میں نے ان سے معافی مانگی لیکن انھوں نے معاف کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس لیے اب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا:

((يَغْفِرُ اللهُ لَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ)) ''ابوبکر! اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔''

اس کے بعد ہوا یوں کہ عمر رضی اللہ عنہ کو بھی شرمندگی ہوئی اور وہ سیدھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر چلے گئے۔ پوچھا: کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں؟ جواب ملا: نہیں ہیں۔ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام پیش کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ناراضگی کے آثار اس قدر نمایاں ہونے لگے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی خوف محسوس ہوا۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور کہا: یارسول اللہ! اللہ کی قسم! میں نے ہی ظلم کیا تھا۔ یہ بات انھوں نے دو مرتبہ کہی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ اللهَ بَعَثَنِيْ إِلَيْكُمْ فَقُلْتُمْ : كَذَبْتَ ، وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : صَدَقَ ، وَوَاسَانِيْ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ ، فَهَلْ أَنْتُمْ تَارِكُوْلِيْ صَاحِبِيْ ؟))

''مجھے اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا تو تم نے مجھے جھٹلا دیا، جبکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میری تصدیق کی اور اپنے نفس اور مال کے ساتھ میری ہمدردی کی۔ تو کیا تم میرے ساتھی کو میری خاطر چھوڑ سکتے ہو؟''[1]

اور حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ أَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِيْ صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ، وَلَوْ كُنْتُ، مُتَّخِذًا خَلِيْلاً غَيْرَ رَبِّيْ لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ، وَلٰكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهُ، لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا سُدَّ إِلَّا بَابُ أَبِيْ بَكْرٍ))

''میرا ساتھ نبھانے اور مال خرچ کرنے میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اور اگر میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو خلیل بنانے والا ہوتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا، لیکن اسلامی بھائی چارہ اور اس کی محبت ہی کافی ہے۔ مسجد کے تمام دروازوں کو بند رکھا جائے سوائے بابِ ابوبکر کے۔''[2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد اس کی تبلیغ شروع کر دی۔ چنانچہ ان کی دعوت پر بہت سارے لوگ مشرف بااسلام ہوئے۔ خاص طور پر ان میں عشرہ مبشرہ میں سے وہ چھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں جنھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں نام لے کر جنتی قرار دیا تھا۔

2 ہجرتِ مدینہ کے ساتھی

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ سفر وحضر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے حتی کہ سفر ہجرت میں بھی

① صحيح البخاري: 3661. ② صحيح البخاري: 3654، صحيح مسلم: 2382.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہی اپنا رفیق سفر بنایا۔[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے کہا:

''مجھے وہ شہر خواب میں دکھایا گیا ہے جس کی طرف تم نے ہجرت کرنی ہے، اس میں کھجور کے درخت بہت زیادہ ہیں اور وہ سیاہ پتھروں والی دو زمینوں کے درمیان واقع ہے۔''

چنانچہ بہت سارے مسلمانوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر لی، حتی کہ جن مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی وہ بھی واپس آ گئے اور مدینہ منورہ چلے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ منورہ کے لیے تیاری کر لی تھی لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کہا: ''ابھی رُک جاؤ، ہوسکتا ہے کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت دے دی جائے۔'' تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا باپ آپ پر قربان ہو، کیا آپ کو اس کی امید ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں'' تو ابوبکر رضی اللہ عنہ رک گئے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کریں۔ انھوں نے دو سواریوں کو اس سفر کے لیے خوب تیار کر لیا۔[2]

پھر جب قریش مکہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور ہجرت کا آخری پروگرام طے کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہم دوپہر کے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے، اچانک کسی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ دیکھو! وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھے ہوئے آ رہے ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے اس وقت کبھی ہمارے پاس نہیں آیا کرتے تھے۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ضروری امر کی بناء پر ہی اس وقت آ رہے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اجازت دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ کے پاس جو دوسرے لوگ ہیں انھیں کسی اور کمرے میں بھیج دو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ اے اللہ کے رسول! یہ آپ کے گھر والے ہی تو ہیں! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں، کیا میں بھی آپ کے ساتھ ہجرت کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو لیجیے ان دو سواریوں میں سے ایک آپ لے لیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے لیکن میں یہ سواری قیمت کے عوض لوں گا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: پھر ہم نے دونوں کا سامانِ سفر جلدی سے تیار کیا اور ایک تھیلے میں رکھ دیا۔ حضرت

[1] صحيح البخاري: 3652. [2] صحيح البخاري: 5470، 3692، 2175.

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے اپنی پیٹی کا ایک حصہ کاٹ کر تھیلے کا منہ باندھ دیا۔اسی لیے انھیں ”ذات النطاقین“ کہا جاتا تھا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غارِ ثور میں دونوں مسافر رات کے اندھیرے میں ایک کٹھن اور انتہائی مشکل راستہ طے کر کے غارِ ثور تک پہنچے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر رُکنے کے لیے کہا اور خود اندر چلے گئے۔ اندر جا کر اسے صاف کیا، اس کی ایک جانب ایک سوراخ دیکھا تو اپنی چادر کا ایک ٹکڑا پھاڑ کر اس کا منہ بند کر دیا۔ ابھی دو سوراخ اور بھی تھے جن میں انھوں نے اپنے پاؤں رکھ دیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر تشریف لانے کے لیے کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر آئے اور اپنے یارِ غار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ اس دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر کسی زہریلے جانور نے کاٹا لیکن آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام کی خاطر بالکل حرکت نہ کی۔ البتہ آپ کے آنسو نہ رُک سکے۔ چند آنسو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر بھی گرے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے رونے کا سبب پوچھا تو انھوں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! کسی چیز نے مجھے کاٹ لیا ہے۔ تو آپ اٹھے اور جس جگہ پر زہریلے جانور نے کاٹا تھا وہاں آپ نے اپنا لُعابِ مبارک لگایا۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا درد جاتا رہا۔[2]

قریش کے سراغ رساں افراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرتے کرتے اس غار کے دہانے پر جا پہنچے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں غار میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا، میں نے اپنا سر اوپر کو اٹھایا تو مجھے تلاش کرنے والے لوگوں کے قدم نظر آئے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! اگر ان میں سے کسی شخص نے اپنی نظر نیچے جھکالی تو وہ یقیناً ہمیں دیکھ لے گا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَا أَبَا بَكْرٍ! مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا))

”اے ابوبکر! تمھارا ان دو کے بارے میں کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔“[3]

3 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مضبوط موقف

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت ہی گہرا صدمہ پہنچا جس سے وہ نہایت افسردہ اور ان کے حوصلے بہت ہی پست ہو گئے۔ حتی کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسے بہادر اور شجاع صحابی نے بھی یہ کہہ دیا کہ ((وَاللّٰهِ مَا مَاتَ رَسُولُ اللّٰهِ)) ”اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ”اللہ کی قسم! میرے دل میں یہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت نہیں آئی۔ اور عنقریب

[1] صحيح البخاري: 2318 و 3906. [2] الرحيق المختوم (عربي): 164. [3] صحيح البخاري: 3653، و صحيح مسلم: 2381.

اللہ تعالیٰ انھیں اٹھائے گا اور یقینا آپ اِن لوگوں کے (جو آپ کی موت کی باتیں کر رہے ہیں) ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے۔''

اسی دوران ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ سے کپڑا ہٹایا، پھر آپ کا بوسہ لیا اور فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کبھی آپ کو دو موتوں کا ذائقہ نہیں چکھائے گا (یعنی جو موت آپ پر لکھی تھی وہ آ چکی) اس کے بعد آپ باہر آئے اور عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے قسم اٹھانے والے! ٹھہر جاؤ۔

پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گفتگو شروع کی تو عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی اور فرمایا: ((أَلَا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ فَإِنَّ اللهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ)) ''خبردار! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو وہ یہ جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو وہ یقین کر لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے، اُس پر موت نہیں آئے گی۔''

اِس کے بعد انھوں نے یہ آیات پڑھیں: ﴿ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ۝ ﴾ [1]

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝ ﴾ [2]

یہ سن کر لوگ سسکیاں بھر بھر کر رونے لگے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اللہ کی قسم! ایسے لگا کہ جیسے لوگوں کو یہ علم ہی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بھی نازل کی ہے۔ حتی کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی تو ان سے لوگوں کو اِس کا پتہ چلا، اِس کے بعد ہر انسان اس کی تلاوت کرنے لگا۔''

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے جب ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ آیات سنیں تو دہشت زدہ رہ گیا حتی کہ میری ٹانگیں میرا وزن برداشت نہ کر سکیں اور میں زمین پر گر گیا۔ پھر یہ آیات سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں۔'' [3]

اِس کربناک اور انتہائی المناک موقعہ پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ مضبوط موقف اُن کے مضبوط ایمان کی دلیل ہے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رمز شناس بھی تھے۔ جیسا کہ ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ارشاد کیا:

((إِنَّ عَبْدًا خَيَّرَهُ اللهُ بَيْنَ أَنْ يُؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا مَا شَاءَ وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ ، فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهُ))

[1] الزمر 30:39. [2] آل عمرٰن 144:3. [3] صحیح البخاري: 1241، 1242، 3667، 3668، 4452، 4454.

”بے شک ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دے دیا ہے کہ وہ جتنا چاہے اللہ تعالیٰ اسے دنیا کا مال و دولت دے دے یا وہ اُس چیز کو چن لے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ تو اس بندے نے اُس چیز کو چن لیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔“ (یعنی اس نے اپنے رب سے ملاقات کو پسند کر لیا ہے۔)

یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہا: ہمارے ماں باپ آپ پہ قربان ہوں۔

ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی اس بات پر بڑے حیران ہوئے اور لوگوں نے کہا: دیکھو اِس بوڑھے کو کہ اللہ کے رسول تو بس اتنا فرما رہے ہیں کہ ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ وہ چاہے تو اپنی منشا کے مطابق دنیا کا مال و دولت لے لے یا جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں وہ انھیں چن لے اور یہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کہہ رہے ہیں کہ ہمارے ماں باپ آپ پہ قربان ہوں! اصل بات یہ تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی اختیار دیا گیا تھا (اور انھوں نے اس چیز کو چن لیا تھا جو اللہ کے پاس ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا وقت قریب آنے والا ہے۔ اور یہ اشارہ صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی سمجھ سکے کیونکہ) ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ جانتے تھے۔[1]

اِس خطبہ کے آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں اِس عظیم شخصیت سے سچی محبت کرنے اور ان کے نقش قدم پہ چلنے کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

محترم حضرات! اب تک جس شخصیت کے فضائل و مناقب آپ نے سماعت کیے اسی شخصیت کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ ہی سب سے پہلے خلیفہ بنے۔

4 خلیفۂ اول

اہل السنۃ والجماعۃ اس بات پر متفق ہیں کہ سب سے افضل صحابی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ اول ہیں۔ انھیں یہ شرف کیسے نصیب ہوا آیئے اِس کا احوال معلوم کرتے ہیں۔

خلافت کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ استحقاق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی احادیث سے ماخوذ ہے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرض الموت کے دوران لوگوں کی امامت کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی حکم دیا جو اس بات کی طرف واضح اشارہ تھا کہ جو شخص آپ کی حیات میں امامت کا مستحق ہے وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد

[1] صحيح البخاري:3904، صحيح ابن حبان:6594.

خلافت کا سب سے پہلا حقدار ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیمار پڑ گئے، پھر جب آپ کا مرض بہت حد تک بڑھ گیا تو آپ نے فرمایا: ((مُرُوْا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ)) ''ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔''[1]

بلکہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مرض الموت میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھ کر نماز ادا کی۔ یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ امام تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقتدی تھے۔[2]

اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوبارہ آنے کا حکم دیا۔ اس نے پوچھا: اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنْ لَّمْ تَجِدِيْنِيْ فَأْتِيْ أَبَا بَكْرٍ)) ''اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آنا۔''[3]

یہ حدیث واضح دلیل ہے اس بات پر کہ خلافت کے سب سے پہلے حقدار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرض (الموت) میں مجھ سے کہا:

((أُدْعِي لِي أَبَا بَكْرٍ وَأَخَاكِ حَتَّى أَكْتُبَ كِتَابًا . فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَتَمَنَّى مُتَمَنٍّ وَيَقُوْلَ قَائِلٌ: أَنَا أَوْلَى . وَيَأْبَى اللهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ إِلَّا أَبَا بَكْرٍ))

''جاؤ ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلا کر لاؤ تاکہ میں ایک دستاویز لکھ دوں کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا شخص تمنا کرے اور کوئی کہنے والا یہ کہے کہ میں (خلافت کا) زیادہ حقدار ہوں۔ جبکہ اللہ اور تمام مومنین ابوبکر کے سوا کسی پر راضی نہیں ہونگے۔''[4]

ان تمام احادیث میں واضح اشارے موجود ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حقدار جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی گواہی دیتے تھے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح اشاروں کے ساتھ ساتھ خود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں بھی انھیں سب سے افضل گردانا جاتا تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دیتے

[1] صحيح البخاري: 678، وصحيح مسلم: 418. [2] جامع الترمذي: 362,363، وصححه الألباني. [3] صحيح البخاري: 3659. [4] صحيح مسلم: 2387.

تھے۔ چنانچہ ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل قرار دیتے تھے اور ان کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے، ان کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور پھر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو افضل تصور کرتے تھے۔ ①

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل سمجھتے تھے

محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ تو انھوں نے کہا: ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

میں نے کہا: پھر کون ہے؟ انھوں نے کہا: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔

پھر مجھے خدشہ ہوا کہ اس کے بعد کہیں وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام نہ لے لیں تو میں نے کہا: پھر آپ ہیں؟

انھوں نے کہا: میں تو مسلمانوں میں سے ایک عام شخص ہوں۔ ②

چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب سقیفہ بنو ساعدہ میں ایک اجتماع منعقد ہوا تو اس میں شریک ہونے والے تمام مہاجرین وانصار نے اس بات پر اتفاق کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے خلیفہ ہیں۔ پھر انھوں نے ان کی بیعت بھی کی۔

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انصارِ مدینہ سقیفہ بنی ساعدہ میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاں جمع ہوئے اور انھوں نے کہا: ((مِنَّا أَمِيرٌ وَّمِنْكُمْ أَمِيرٌ)) ''ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے ہوگا۔'' یعنی ایک انصار میں سے اور ایک مہاجرین میں سے۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بات کرنا چاہا لیکن انھیں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خاموش کرا دیا۔ اور عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ اللہ کی قسم میں تو صرف اس لیے بولنا چاہتا تھا کہ میں نے وہاں پر وہ گفتگو کرنے کی تیاری کر لی تھی جو مجھے اچھی لگتی تھی اور مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اُس قدر مؤثر گفتگو نہ کر سکیں۔ لیکن جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی تو اس میں سب سے زیادہ بلاغت تھی۔ انھوں نے فرمایا:

((نَحْنُ الْأُمَرَاءُ وَأَنْتُمُ الْوُزَرَاءُ)) ''ہم (مہاجرین) امیر اور آپ (اے انصار) وزیر ہوں گے۔''

تو حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے کہا: ((لَا وَاللّٰهِ لَا نَفْعَلُ . مِنَّا أَمِيرٌ وَّمِنْكُمْ أَمِيرٌ)) ''اللہ کی قسم ہم ایسا نہیں کریں گے۔ ایک امیر ہم میں سے اور ایک آپ میں سے ہوگا۔

تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، ہم امراء اور آپ وزراء ہوں گے۔ (کیونکہ) گھر (وطن) کے لحاظ سے وہ (قریش) عرب لوگوں میں سب سے افضل ہیں اور عادات اور افعال کے لحاظ سے ان میں عربیت سب سے زیادہ گہری ہے۔ لہٰذا

① صحيح البخاري: 3655. ② صحيح البخاري: 3671، سنن أبي داود: 4629.

تم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلو۔

تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں بلکہ ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں کیونکہ آپ ہمارے سردار، ہم میں سب سے افضل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

پھر عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ان کی بیعت کی۔ اس کے بعد دیگر لوگوں نے بھی ان کی بیعت کی۔ [1]

اِس طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ بن گئے۔

انھوں نے خلافت سنبھالتے ہی ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس کے الفاظ یہ ہیں:

''حمد وثناء کے بعد، اے لوگو! مجھے تمھارا ذمہ دار بنایا گیا ہے حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں نے کوئی اچھا کام کیا تو تم میری معاونت کرنا اور اگر میں نے کوئی غلط کام کیا تو مجھے سیدھا کر دینا۔ سچ بولنا امانت ہے اور جھوٹ بولنا خیانت ہے۔ تم میں جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک طاقتور ہے یہاں تک کہ میں اللہ کی مشیت کے ساتھ اس کا حق اس کو دلا دوں۔ اور تم میں جو طاقتور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں اللہ کی مشیت کے ساتھ اس سے حق لے لوں۔ جو قوم جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر ذلت کو مسلط کر دیتا ہے۔ اور جس قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے اسے اللہ تعالیٰ ضرور آزماتا ہے۔ تم میری اطاعت اُس وقت تک کرنا جب تک میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا رہوں۔ اور جب میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کروں تو تم میری اطاعت نہ کرنا۔ اب اٹھو اور نماز ادا کرو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔'' [2]

اِس تاریخی خطبہ میں ویسے تو تمام باتیں نہایت اہم ہیں لیکن ان کی آخری بات کہ 'تم میری اطاعت اُس وقت تک کرنا جب تک میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا رہوں۔ اور جب میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کروں تو تم میری اطاعت نہ کرنا' سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک حکومت وسیاست کے تمام امور کا منبع ومصدر قرآن وحدیث ہی تھے۔ انھوں نے ہمیشہ ان دونوں مصادر کو اپنے سامنے رکھا اور انھی کی روشنی میں حکومت وسلطنت کے امور چلاتے رہے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ ان کا اور ان کے بعد آنے والے تمام خلفائے راشدین کا دور اِس امت کا سب سے تابناک دور تھا۔ پھر جیسے جیسے حکمران قرآن وحدیث سے دور ہوتے چلے گئے ویسے ویسے اِس امت کی ذلت ورسوائی میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ولا حول ولا قوة الا بالله.

[1] صحيح البخاري: كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ باب قول النبي ﷺ لو كنت متخذا خليلا: 3668. [2] البدايه والنهايه ج 5، ص: 248، ج 6، ص: 301، قال ابن كثير: إسناده صحيح.

عہدِ صدیقی کے اہم کارنامے

محترم حضرات ! حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تو اس کا حق ادا کر دیا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی رعایا کی فلاح وبہبود کے لیے وہ سب کچھ کیا جو انھیں کرنا چاہیے تھا اور جو وہ کر سکتے تھے۔ انھوں نے کمزور کو اس کا حق دلوایا، طاقتور کو ظلم سے روکا، عدل وانصاف قائم کیا اور جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ سرانجام دینے کے لیے اپنی فوجوں کو مختلف سمتوں کی طرف روانہ کیا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی ہی تھی کہ کئی فتنوں نے سر اٹھا لیا۔ کئی عرب قبائل مرتد ہو گئے، مدینہ منورہ میں رہائش پذیر منافق اسلام کے خلاف سرگرم عمل ہو گئے، کئی جھوٹے لوگوں نے نبوت کا دعوی کر دیا اور اہلِ مدینہ پر اندرونی وبیرونی خطرات منڈلانے لگے۔ لیکن اللہ رب العزت نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جس بصیرت سے نوازا تھا انھوں نے اسے بھرپور استعمال کرتے ہوئے ان تمام فتنوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔

چونکہ جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں مختلف حالات، جنگ وصلح، خوف وامن، شدت وآسودگی ہر حال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اس لیے فہمِ اسلام میں ان کی شخصیت منفرد تھی۔ اور اسی لیے وہ اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر طوفان اور تمام تند وتیز آندھیوں کے سامنے پہاڑ کی طرح ڈٹے رہے۔

خلافت سنبھالنے کے بعد ان کے اہم کارناموں کا تذکرہ اِس خطبہ میں تفصیل کے ساتھ تو نہیں کیا جا سکتا، تاہم مختصر طور پر ہم ان کے بعض کارناموں کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔

1 جیشِ اسامہ کی روانگی

سب سے پہلا مسئلہ جیش اسامہ کی شام کی طرف روانگی کا تھا جس کا حال ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس اللہ کی قسم جس کے علاوہ اور کوئی معبود برحق نہیں ! اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نہ بنایا جاتا تو آج اللہ کی عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔ پھر انھوں نے یہی بات دوسری اور تیسری مرتبہ بھی کہی۔ لوگوں نے کہا: بس کرو ابو ہریرہ۔ تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سات سو فوجیوں کا سپہ سالار بنا کر شام کی طرف روانہ فرمایا۔ جب اس لشکر نے (ذوخشب) مقام پر پڑاؤ ڈالا تو اِدھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور مدینہ کے اردگرد بسنے والے کئی عرب قبائل مرتد ہو گئے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایک وفد کی شکل میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے ابو بکر ! اس لشکر کو واپس بلا لیجیے، یہ شام کی طرف متوجہ ہے اور اِدھر مدینہ کے آس پاس عرب قبائل مرتد ہو رہے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اس اللہ کی قسم جس کے علاوہ اور کوئی معبود برحق نہیں! اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی حفاظت کرنے والا بھی کوئی نہ بچے تو میں پھر بھی اُس لشکر کو واپس آنے کا حکم نہیں دے سکتا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا تھا۔ اور نہ ہی میں وہ جھنڈا سرنگوں کر سکتا ہوں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لہرایا تھا۔

اس کے بعد انھوں نے لشکر اسامہ کو سفر جاری رکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ان کا جس قبیلے سے بھی گزر ہوتا اور جو مرتد ہونے کا سوچ رہا ہوتا اس قبیلے کے لوگ کہتے: اگر ان لوگوں کے پاس طاقت نہ ہوتی تو یہ اپنے گھروں سے نہ نکلتے، اس لیے انھیں چھوڑ دو یہاں تک کہ ان کی رومیوں سے لڑائی ہو۔ چنانچہ اس لشکر کی اہلِ روم سے لڑائی ہوئی، مسلمانوں نے رومیوں کو شکست سے دوچار کیا، ان میں سے کئی لوگوں کو قتل کیا اور صحیح سالم واپس لوٹ آئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ مرتد ہونے کا سوچ رہے تھے وہ اسلام پر ثابت قدم رہے۔[1]

2 مانعین زکاۃ کے خلاف اعلانِ جنگ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جن لوگوں نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا تھا جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف اعلانِ جنگ کرتے ہوئے فرمایا:

((وَاللهِ لَوْمَنَعُوْنِي عِقَالًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهُ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهِ))

''اللہ کی قسم! جو لوگ ایک رسی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے، اگر مجھے نہیں دیں گے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔''[2]

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ اس بات کا ثبوت ہیں کہ آپ اسلام کا دقیق فہم رکھتے تھے۔ دین اسلام کے لیے نہایت غیرت مند تھے۔ اور عہد نبوی میں دین اسلام جس شکل میں موجود تھا اس کو اس کی اصل ہیئت پر رکھنے کے لیے پرعزم تھے۔

3 فتنۂ ارتداد کا سدباب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بعض عرب قبائل مرتد ہو گئے تھے جس کے کئی اسباب تھے۔ اہم اسباب میں سے ایک سبب یہ تھا کہ نومسلم لوگوں کے دلوں میں ابھی ایمان راسخ نہیں ہوا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے جس سے وہ انتہائی بددل ہوئے اور دین اسلام سے مرتد ہو گئے۔ اسی طرح جاہلیت کی طرف لوٹنے کی چاہت، اقتدار کی طمع، قبائلی عصبیت اور حسد وغیرہ جیسے اسباب اس فتنہ کا موجب بنے۔

[1] الاعتقاد والهداية إلى سبيل الرشاد إلى مذهب السلف أهل السنة والجماعة للبيهقي، ص:422. [2] صحيح البخاري: 7285،7284، وصحيح مسلم:20.

مرتد ہونے والے لوگ کئی قسم کے تھے۔ کچھ وہ تھے جنھوں نے ملتِ اسلام کو کلیتاً چھوڑ دیا اور کفر کی طرف واپس چلے گئے۔ کچھ وہ تھے جنھوں نے جھوٹے مدعیان نبوت مثلاً اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب وغیرہ کی پیروی کی۔ اور کچھ وہ تھے جنھوں نے اسلام کے بعض احکام مثلاً زکاۃ کا انکار کر دیا تھا۔

یہ بہت بڑا فتنہ تھا۔ جب اس خطرناک فتنہ کی لہر اٹھی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کا سد باب کرنے کے لیے مختلف اقدامات کیے جن کے نتیجے میں یہ فتنہ دم توڑ گیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایسی پالیسی اختیار کی کہ جس سے مسلمانوں کو تقویت ملی، دشمنان اسلام کمزور پڑ گئے اور مرتدین اپنی سازشوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جہاں کہیں مرتدین نے سر اٹھانے کی کوشش کی وہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر بھیجے جنھوں نے اس فتنہ کو کچل کر رکھ دیا۔ فتنۂ ارتداد کے خلاف جنگوں میں اسلامی فتوحات کے نتیجے میں بہت زیادہ اموال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے جنھیں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں پر ہی خرچ کیا۔ اس سے مسلمان مزید مضبوط ہو گئے اور روم و فارس کے دشمنانِ اسلام کے خلاف برسرِ پیکار ہونے کی تیاریاں کرنے لگے۔

4 عہدِ صدیقی کی فتوحات

فتنۂ ارتداد کے خلاف جیسے ہی جنگ ختم ہوئی اور جزیرۂ عرب میں استقرار بحال ہو گیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلامی فتوحات کے لیے منصوبہ بندی کی۔ آپ نے فتح عراق کے لیے دو فوجیں تیار کیں۔ ان میں سے ایک کی قیادت انھوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اور دوسری کی قیادت حضرت مثنی بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سونپی۔ چنانچہ ان فوجوں کے کفار کے ساتھ کئی معرکے ہوئے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عراق فتح کرنے کی توفیق دی اور ایک بڑا ملک مسلمانوں کے زیرِ اقتدار آ گیا۔

اسی طرح فتح شام کے لیے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی فوج کے چار لشکر تیار کیے۔ پہلا لشکر یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دمشق کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے تین دن بعد دوسرا لشکر حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تبوک اور بلقاء سے ہوتے ہوئے بصری کی طرف روانہ ہوا۔ پھر تیسرا لشکر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ ہوا جس کی منزل مقصود حمص تھی۔ چوتھا لشکر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں فلسطین کی جانب روانہ ہوا۔ پھر کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر حکم دیا کہ وہ عراق سے شام چلے جائیں اور چاروں لشکروں کو یرموک کے مقام پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جمع ہونے اور رومیوں کے خلاف جنگ کرنے کا حکم صادر کیا۔ یہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فوجی حکمت عملی تھی کہ انھوں نے اسلامی فوج کے (کمانڈران چیف) کی حیثیت سے اپنی فوج کو چار حصوں میں تقسیم کر کے پہلے مختلف راستوں سے روانہ کیا، پھر انھیں ایک جگہ جمع ہو کر ایک ہی

قائد کی قیادت میں کفار کے خلاف برسرِ پیکار ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ رومیوں کے خلاف پہلا معرکہ 'اجنادین' کے مقام پر ہوا جس میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور رومیوں کو شکست فاش سے دو چار ہونا پڑا۔ پھر دوسرا فیصلہ کن معرکہ 'یرموک' میں ہوا۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شاندار فتح نصیب کی۔ اسی معرکہ کے دوران ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وفات پا گئے جس کی خبر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ہو چکی تھی لیکن انھوں نے جنگ کے خاتمے کے بعد ہی مسلمانوں کو اس کی اطلاع دی۔

5 جمعِ قرآن

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر مسیلمہ کذاب اور اس کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ 'یمامہ' کے مقام پر سخت جنگ ہوئی۔ مسیلمہ مارا گیا اور اس کی فوج کو شکست ہوئی۔ لیکن اس معرکہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بہت سارے حفاظِ قرآن شہید ہو گئے۔ چنانچہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خدشہ لاحق ہوا کہ اگر اسی طرح حفاظ قرآن شہید ہوتے رہے تو کہیں قرآن مجید ضائع نہ ہو جائے۔ انھوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ خدشہ پیش کیا اور مشورہ دیا کہ وہ جمعِ قرآن کا حکم جاری کریں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے تو تردد کا اظہار کیا لیکن عمر رضی اللہ عنہ کے بار بار کہنے پر اللہ تعالیٰ نے انھیں اس سلسلے میں شرحِ صدر نصیب کیا اور وہ اس پر تیار ہو گئے۔ انھوں نے کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ ڈیوٹی سونپی۔ انھوں نے بھی پہلے تردد کا اظہار کیا بلکہ انھوں نے کہا: اگر مجھے ایک پہاڑ کو کسی دوسری جگہ پر منتقل کرنے کا حکم دیا جاتا تو شاید وہ میرے لیے زیادہ آسان ہوتا بہ نسبت جمعِ قرآن کے۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اصرار کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا۔ چنانچہ انھوں نے کھجور کی چھڑیوں اور باریک پتھر کے صحیفوں پر لکھی گئی قرآن مجید کی آیات اور سورتوں کو جمع کیا۔ اسی طرح لوگوں کے سینوں میں محفوظ قرآن مجید کے مختلف اجزاء کو یکجا کیا۔[1]

اِس طرح قرآن مجید تحریری شکل میں جمع کر دیا گیا جو عہدِ صدیقی کا بہت بڑا کارنامہ تھا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے سچی محبت کرنے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

[1] صحيح البخاري: 4986.

اہم عناصرِ خطبہ

جہنم سے آزادی حاصل کرنے کے اہم اسباب:

1 توحید 2 اخلاص 3 دعا 4 تقوی 5 روزہ رکھنا 6 تکبیر اولی کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرنا 7 فجر وعصر کی نمازوں کو ہمیشہ پڑھتے رہنا 8 ظہر سے پہلے اوراس کے بعد چار رکعات ہمیشہ پڑھتے رہنا 9 اللہ کے ڈر کی وجہ سے رونا 10 اللہ کے راستے میں اپنے قدموں کو غبار آلود کرنا 11 بیٹیوں کی پرورش اور تربیت کرنا 12 مسلمان بھائی کی عزت کا دفاع کرنا 13 مسلمان کو آزاد کرانا 14 حسن اخلاق کا مظاہرہ کرنا 15 صبح وشام کے اذکار میں سے ایک خاص ذکر کا پڑھنا

پہلا خطبہ

محترم حضرات! ہر مسلمان اِس بات کی تمنا اور دعا کرتا ہے کہ اسے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ جہنم کے عذاب سے نجات دے کر جنت میں داخل کردے کیونکہ دراصل یہی وہ حقیقی کامیابی ہے جس سے ہر مسلمان ہمکنار ہونا چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾

''پھر جس شخص کو جہنم سے دور اور جنت میں داخل کردیا جائے گا تو وہی شخص درحقیقت کامیاب ہوگا۔ اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سامان ہے۔''[1]

لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کون سے اسباب ہیں کہ جنھیں اختیار کیا جائے تو اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے مسلمان کو جہنم سے آزادی دے دیتا ہے؟ آیئے آج کے خطبۂ جمعہ میں انہی اسباب کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں:

1 توحید

جہنم سے آزادی حاصل کرنے اور جنت میں داخل ہونے کا سب سے بڑا سبب اللہ رب العزت کی توحید کو دل کی

[1] آل عمرٰن 3:185۔

گہرائیوں سے تسلیم کرنا ہے۔

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ شَهِدَ أَن لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ النَّارَ))

''جو آدمی یہ گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ نے جہنم حرام کردی ہے۔''[1]

اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا:

((إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَا يَقُولُهَا عَبْدٌ حَقًّا مِنْ قَلْبِهِ فَيَمُوتُ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ))

''میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ جس کو کوئی بندہ سچے دل کے ساتھ پڑھے، پھر اسی پر اس کی موت آجائے تو اسے اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ پر حرام کردیتا ہے۔''[2]

اورحضرت عتبان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا:

((إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ :لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ يَبْتَغِيْ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللهِ))

''بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو جہنم پر حرام کردیتا ہے جو محض اللہ کی رضا کی خاطر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کہتا ہے۔''

ان احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ توحیدِ باری تعالیٰ کا دل سے اقرار کرنا جہنم سے آزادی حاصل کرنے کا سبب بنتا ہے۔ اور توحید کی ضد ہے شرک جو کہ جہنم میں داخل ہونے کا سبب بنتا ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسولِ اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: دو واجب کرنے والی چیزیں کون سی ہیں؟

تو آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: ((مَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ ، وَمَنْ مَّاتَ يُشْرِكُ بِاللهِ دَخَلَ النَّارَ))

''جس شخص کی موت اس حالت میں آئے کہ وہ کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتا تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جس آدمی کی موت اس حالت میں آئے کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک کرتا تھا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔''[3]

توحید اور شرک دو متضاد چیزیں ہیں اور یہ دونوں کسی ایک شخص میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ اگر کوئی شخص توحیدِ خالص کو مانتا اور اس کو دل سے تسلیم کرتا ہو تو وہ یقینی طور پر شرک سے بچنے والا ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص شرک کرتا ہو تو وہ یقینا

[1] صحيح مسلم:29. [2] المستدرك ج 1، ص: 143، وقال الحاكم: صحيح على شرط الشيخين ووافقه الذهبي.
[3] صحيح مسلم:93.

توحیدِ خالص سے عاری ہوگا۔ انجام کے اعتبار سے بھی یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ توحید کو ماننے والے کا انجام جنت اور شرک کرنے والے کا انجام جہنم ہے۔

اللہ رب العزت فرماتا ہے:

﴿ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ﴾

''یقین کرلو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کردی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے۔''[1]

2 اخلاص

جہنم سے آزادی حاصل کرنے کا دوسرا سبب اخلاص ہے جس کا معنی ہے: ہر عبادت کو خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سرانجام دینا اور ریاکاری اور دکھلاوے سے بچنا۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((لَنْ يُوَافِيَ عَبْدٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُولُ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ))

''جو بندہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ اس نے خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے یہ کہا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ کو حرام کردے گا۔''[2]

اس سے معلوم ہوا کہ عبادات میں اخلاص جہنم سے آزادی کا سبب بنتا ہے جبکہ اخلاص کے برعکس ریاکاری، دکھلاوا اور تعریف سننے کی خواہش یا کسی دنیاوی غرض کا حصول مقصود ہو تو یہ چیز انسان کو جہنم میں لے جاتی ہے۔ چنانچہ جہنم میں سب سے پہلے جن تین لوگوں کو پھینکا جائے گا وہ ریاکاری کرنے والے ہی ہونگے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''قیامت کے دن سب سے پہلے جس شخص کا فیصلہ کیا جائے گا وہ ایک شہید ہوگا۔ چنانچہ اسے لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا اور وہ انہیں یاد کرلے گا یعنی اقرار کرلے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: ان نعمتوں میں تم نے کیا عمل کیا تھا؟ وہ جواب دے گا: میں تیرے راستے میں قتال کرتے کرتے شہید ہوگیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کہے گا: تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے تو قتال صرف اس لیے کیا تھا کہ تجھے جرأت مند کہا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کہا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے متعلق حکم دے گا اور اسے چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

[1] المائدة 72:5. [2] صحيح البخاري: 6423.

پھر ایک اور شخص لایا جائے گا جس نے علم حاصل کیا تھا اور اس نے لوگوں کو تعلیم دی تھی اور وہ قرآن کا قاری تھا، اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا اور وہ انہیں یاد کرلے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: ان نعمتوں میں تم نے کیا عمل کیا تھا؟ وہ جواب دے گا: میں نے علم حاصل کیا، پھر لوگوں کو تعلیم دی اور تیری رضا کی خاطر قرآن کو پڑھا۔ اللہ تعالیٰ کہے گا: تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے علم صرف اس لیے حاصل کیا کہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآن اس لیے پڑھا کہ تجھے قاری کہا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کہا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے متعلق حکم دے گا اور اسے بھی چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

پھر ایک اور شخص لایا جائے گا جسے اللہ تعالیٰ نے نوازا تھا اور اسے ہر قسم کا مال عطا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اسے بھی اپنی نعمتیں یاد دلائے گا اور وہ انہیں یاد کرلے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: ان نعمتوں میں تم نے کیا عمل کیا تھا؟ وہ جواب دے گا: جہاں کہیں خرچ کرنا تجھے پسند تھا وہاں میں نے محض تیری رضا کی خاطر خرچ کیا اور ایسی کوئی جگہ میں نے چھوڑی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کہے گا: تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے تو محض اس لیے خرچ کیا تھا کہ تجھے سخی کہا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کہا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے متعلق حکم دے گا اور اسے بھی چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔‘‘[1]

3 دعا

جہنم سے آزادی حاصل کرنے کا تیسرا سبب ہے: دعا یعنی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا کہ وہ جہنم سے اپنی پناہ میں رکھے اور اس کے عذاب سے بچائے۔

عباد الرحمن کی صفات میں ایک صفت اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ○ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ○﴾

’’اور جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم سے دوزخ کا عذاب پرے ہی پرے رکھ کیونکہ اس کا عذاب چمٹ جانے والا ہے۔ بے شک وہ ٹھہرنے اور رہنے کے لحاظ سے بدترین جگہ ہے۔‘‘[2]

لہٰذا رحمن کے بندوں کو چاہیے کہ وہ جہنم کے عذاب سے نجات حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں۔ اور اس کی فضیلت اس قدر زیادہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الْجَنَّةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، قَالَتِ الْجَنَّةُ : اَللّٰهُمَّ أَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ ، وَمَنِ اسْتَجَارَ مِنَ

[1] صحیح مسلم، الإمارۃ، باب من قاتل للریاء والسمعۃ: 1905. [2] الفرقان 25:65، 66.

النَّارِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ،قَالَتِ النَّارُ: اَللّٰهُمَّ أَجِرْهُ مِنَ النَّارِ»

"جو شخص اللہ تعالیٰ سے تین مرتبہ جنت کا سوال کرے تو جنت کہتی ہے: اے اللہ! اسے جنت میں داخل کر دے۔ اور جو آدمی جہنم سے تین مرتبہ پناہ طلب کرے تو جہنم کہتی ہے: اے اللہ! اسے جہنم سے پناہ دے۔"[1]

یعنی خود جہنم بھی اس سے بچنے کی دعا کرنے والے کے لیے دعا کرتی ہے کہ اے اللہ! اسے مجھ سے بچا لے۔

اور اس سلسلے میں ہمیں رسول اکرم ﷺ کا نمونہ سامنے رکھنا چاہیے جو کہ خود بھی جہنم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے تھے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس کی تعلیم دیتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ دعا اس قدر اہتمام کے ساتھ سکھلاتے تھے کہ جیسے انھیں قرآن مجید کی ایک سورت سکھلا رہے ہوں:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ،وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ»

"اے اللہ! میں جہنم کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اور مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اور زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔"[2]

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر وبیشتر یہ دعا مانگتے تھے:

«رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ»

"اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں اچھائی عطا کر اور آخرت میں بھلائی دے۔ اور ہمیں عذابِ جہنم سے بچا۔"[3]

4 تقویٰ

'تقویٰ' سے مراد ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اس کی نافرمانی سے پرہیز کرنا اور برائیوں اور گناہوں سے اپنے دامن کو بچائے رکھنا۔ لفظ 'تقویٰ' وقایہ سے ہے جس کا مطلب ہے اپنے اور گناہوں کے درمیان خوفِ الٰہی کو رکاوٹ بنانا۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف کی بناء پر گناہوں سے بچتا رہے تو یہ چیز اس کے لیے جہنم سے آزادی کا سبب بن سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ○ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا﴾

[1] صحيح الجامع:6275. [2] صحيح مسلم:590. [3] صحيح البخاري:6389.

''اور تم میں سے کوئی نہیں جس کا جہنم پر گزر نہ ہو، یہ طے شدہ بات ہے جو آپ کے رب کے ذمہ ہے۔ پھر ہم پرہیز گاروں کو تو بچا لیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرا چھوڑیں گے۔''[1]

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ جہنم سے نجات حاصل کرنے والے لوگ وہی ہونگے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے برائیوں سے اجتناب کرتے تھے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ لوگوں کو سب سے زیادہ کون سی چیز جنت میں پہنچائے گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((تَقْوَى اللهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ)) ''اللہ کا ڈر اور اچھا اخلاق۔''

پھر آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ لوگوں کو سب سے زیادہ کون سی چیز جہنم میں پہنچائے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْفَمُ وَالْفَرْجُ)) ''منہ اور شرمگاہ۔''[2]

چونکہ زیادہ تر گناہ انہی دو اعضاء (منہ اور شرمگاہ) سے ہوتے ہیں اس لیے رسول اکرم ﷺ نے انھیں جہنم میں سب سے زیادہ پہنچانے والے اعضاء قرار دیا۔ لہٰذا جہنم سے نجات حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان دونوں اعضاء کی خاص طور پر حفاظت کریں اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کریں۔

منہ سے کسی کو گالی گلوچ نہ کریں۔ جھوٹ، غیبت، فحش گوئی اور چغل خوری سے اپنا منہ پاک رکھیں۔ منہ سے صرف حلال کھائیں پییں اور اسے حرام سے بچائے رکھیں۔

اسی طرح شرمگاہ کی شہوت کو جائز اور حلال طریقے سے پورا کریں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حٰفِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ ﴾

''اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، ہاں ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں جن کے وہ مالک ہیں ان پر کوئی ملامت نہیں۔ اب جو شخص اس کے علاوہ کوئی اور راہ تلاش کرے گا تو ایسے لوگ حد سے گذر جانے والے ہیں۔''[3]

محترم حضرات! جہنم کو 'شہوات اور نفسانی خواہشات' کے ساتھ ڈھانپا گیا ہے جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ)) ''جنت کو ان کاموں سے ڈھانپا گیا ہے جو کہ (طبع انسانی

[1] مريم 19:71,72. [2] جامع الترمذي: 2004. وقال: صحيح غريب۔ وحسنه الألباني. [3] المعارج 70:29-31.

کو) ناپسند ہوتے ہیں اور جہنم کو شہوات سے ڈھانپا گیا ہے۔‘‘[1]

اور ’تقوی‘ کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان اپنی خواہشات کو شریعت کا پابند بنائے اور شہوت پرستی سے پرہیز کرے۔ یہ چیز جہنم سے نجات حاصل کرنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اگر یہ نہ ہو اور انسان اپنی شہوات میں غرق ہو جائے تو اس کا انجام یقینی طور پر جہنم ہی ہے۔ والعیاذ باللہ

5 روزے رکھنا

روزہ انسان کے لیے ڈھال ہے جس کے ذریعے وہ دورانِ روزہ شہوات سے بچ سکتا ہے اور آخرت میں جہنم سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ كَجُنَّةِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْقِتَالِ))

’’روزہ جہنم کی آگ سے ڈھال ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص جنگ سے بچنے کے لیے ڈھال لیتا ہے۔‘‘[2]

ایک دن کا روزہ مسلمان کو جہنم سے کتنا دور کر دیتا ہے اس کا اندازہ آپ اِس حدیث سے کر سکتے ہیں:

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((مَامِنْ عَبْدٍ يَصُومُ يَوْمًا فِيْ سَبِيلِ اللهِ إِلَّا بَاعَدَ اللهُ بِذٰلِكَ الْيَوْمِ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا))

’’جو شخص اللہ کی راہ میں ایک روزہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کے چہرے کو جہنم سے ستر سال کی مسافت تک دور کر دیتا ہے۔‘‘[3]

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ جَعَلَ اللهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ خَنْدَقًا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ))

’’جو شخص اللہ کے راستے میں ایک دن کا روزہ رکھے، اللہ تعالیٰ اُس کے اور جہنم کے درمیان ایک ایسی خندق بنا دیتا ہے جو اتنی لمبی ہوتی ہے جتنی زمین و آسمان کے درمیان کی مسافت ہے۔‘‘[4]

اور شاید یہی وجہ ہے کہ متعدد گناہوں کے کفارہ میں روزے رکھنا مشروع کیا گیا ہے مثلاً قتلِ خطا، ظہار اور رمضان کے دنوں میں بیوی سے جماع کرنے کی پاداش میں مسلسل دو مہینوں کے روزے رکھنا مشروع ہے۔ اسی طرح قسم توڑنے کے کفارہ میں تین دن کے روزے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ روزے گناہوں کو مٹاتے ہیں اور جب

[1] صحيح مسلم: 2822. [2] سنن النسائي: 2231، وسنن ابن ماجه: 1639، وصححه الألباني في صحيح الترغيب والترهيب: 982. [3] صحيح البخاري: 2840، وصحيح مسلم: 1153. [4] جامع الترمذي: 1624 وقال الألباني: حسن صحيح.

گناہ مٹ جاتے ہیں تو انسان اللہ کے فضل وکرم سے جہنم سے آزادی حاصل کرنے کے لائق ہو جاتا ہے۔

6 چالیس دن تکبیر اولی کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرنا

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيرَةَ الْأُولٰى كُتِبَ لَهُ بَرَاءَتَانِ : بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ))

"جو شخص اللہ کی رضا کے لیے چالیس دن اس طرح باجماعت نماز پڑھے کہ تکبیر اولی بھی فوت نہ ہو تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) اس کے لیے دو چیزوں سے براءت لکھ دی جاتی ہے: جہنم کی آگ سے اور نفاق سے۔"[1]

مسلسل چالیس دنوں میں ہر نماز تکبیر اولی کے ساتھ باجماعت ادا کرنا بہت بڑا عمل ہے۔ اس عرصہ کی نمازیں 200 ہوتی ہیں۔ یوں سمجھ لیں کہ یہ دو سو قدم ہیں جنت کی طرف! کیا یہ سودا مہنگا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، اگر دو سو نمازیں تکبیر اولی کے ساتھ باجماعت ادا کرنے سے جہنم سے آزادی کا پروانہ مل جائے تو یہ سودا ہرگز مہنگا نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے کمربستہ ہو جائیں اور عزم کریں کہ یہ عمل ان شاء اللہ ضرور کریں گے!

7 فجر وعصر کی نمازوں کو ہمیشہ ادا کرتے رہنا

ویسے تو ہر نماز اہم ہے لیکن فجر وعصر کی اہمیت زیادہ ہے۔ اس لیے جو شخص باقی نمازوں کے ساتھ ساتھ ان دونوں نمازوں کو ہمیشہ پابندی کے ساتھ بروقت پڑھتا رہے تو اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَنْ يَّلِجَ النَّارَ أَحَدٌ صَلّٰى قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهِ)) يَعْنِي الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ

"وہ شخص جہنم میں ہرگز داخل نہ ہوگا جو طلوعِ آفتاب سے پہلے (نماز فجر) اور غروبِ آفتاب سے پہلے (نماز عصر) پڑھتا رہے۔"[2]

اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ))

"جو شخص دو ٹھنڈی نمازیں (فجر وعصر) پڑھتا رہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔"[3]

فجر کی نماز اس قدر اہم ہے کہ اگر کوئی شخص اسے باجماعت ادا کرے تو اسے پوری رات کے قیام کا ثواب ملتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ ، وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ))

[1] جامع الترمذي: 241، وحسنه الألباني. [2] صحيح مسلم: 634. [3] صحيح البخاري: 574، وصحيح مسلم: 635.

''جو شخص نمازِ عشاء با جماعت ادا کرے تو اس نے گویا آدھی رات قیام کیا اور جو فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے تو وہ گویا پوری رات نماز پڑھتا رہا۔'' [1]

اور جہاں تک نمازِ عصر کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں خصوصی طور پر ارشاد فرمایا کہ نمازوں میں سے اس نماز کو ہمیشہ پابندی سے اور بروقت ادا کرتے رہو۔

فرمایا: ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾

''تم تمام نمازوں کو پابندی سے پڑھتے رہو اور خاص طور پر درمیانی نماز کو (یعنی نمازِ عصر کو)۔ اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے ہوا کرو۔'' [2]

نمازِ عصر کو چھوڑنے کا خسارہ کتنا بڑا ہوتا ہے اس کا اندازہ آپ اس حدیث سے کر سکتے ہیں جس میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ((اَلَّذِیْ تَفُوْتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ كَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ))

''جس آدمی کی نمازِ عصر فوت ہو جائے، گویا اس سے اس کے گھر والوں اور اس کے مال کو سلب کر لیا گیا۔'' [3]

یعنی اگر کسی آدمی سے اس کے اہل وعیال اور اس کے پورے مال ودولت کو چھین لیا جائے تو جتنا بڑا خسارہ اس آدمی کا ہوگا اُتنا ہی بڑا خسارہ اُس شخص کا ہوگا جو نمازِ عصر کو چھوڑ دے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ((مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ))

''جو شخص نمازِ عصر چھوڑ دے تو اس کے سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔'' [4]

یعنی ایک مرتبہ نمازِ عصر کو چھوڑنے سے پوری زندگی کے نیک اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔

8 ظہر سے پہلے اور اس کے بعد چار رکعات ہمیشہ پڑھتے رہنا

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ حَافَظَ عَلٰى أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ ، وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ))

''جو آدمی ظہر سے پہلے چار رکعات اور اس کے بعد بھی چار رکعات ہمیشہ پڑھتا رہے تو اسے اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ پر حرام کر دیتا ہے۔'' [5]

9 اللہ کے ڈر کی وجہ سے رونا

اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کے خوف کی بناء پر آنکھوں سے آنسو بہانا بھی جہنم سے آزادی حاصل کرنے کا بہت

[1] صحيح مسلم: 656. [2] البقرة2: 238. [3] صحيح البخاري: 552، و صحيح مسلم: 626. [4] صحيح ◄◄

بڑا سبب ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((لَا يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللهِ حَتَّى يَعُودَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ ، وَلَا يَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِي سَبِيلِ اللهِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ فِي مَنْخَرَيْ مُسْلِمٍ))

"وہ شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا جو اللہ کے ڈر کی وجہ سے رویا۔ (وہ جہنم میں نہیں جائے گا) تاوقتیکہ دودھ تھنوں میں واپس لوٹ آئے۔ اور اللہ کے راستے میں غبار اور جہنم کا دھواں' یہ دونوں ایک مسلمان کے نتھنوں میں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔"[1] یعنی جو شخص اللہ کے راستے میں غبار آلود ہوتا ہے وہ بھی قیامت کے روز جہنم کے دھویں اور اس کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((ثَلَاثَةٌ لَا تَرَى أَعْيُنُهُمُ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ : عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ ، وَعَيْنٌ حَرَسَتْ فِي سَبِيلِ اللهِ ، وَعَيْنٌ غَضَّتْ عَنْ مَحَارِمِ اللهِ))

"تین قسم کے لوگوں کی آنکھیں جہنم کو نہیں دیکھیں گی۔ ایک وہ آنکھ جس سے اللہ کے ڈر کی وجہ سے آنسو بہہ نکلے، دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستے میں پہرہ دیا اور تیسری وہ جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو دیکھنے سے محفوظ رہی۔"[2]

خوفِ الٰہی کی بناء اپنی آنکھوں سے آنسو بہانے والا مسلمان قیامت کے روز ان خوش نصیبوں میں شامل ہوگا جنھیں اللہ رب العزت اپنے عرش کے سائے تلے جگہ دے گا اور اُس دن عرش کے سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہیں ہوگا۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"سات افراد ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ دے گا اور اس دن اس کے (عرش کے) سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہ ہوگا۔ (ان سات میں آپ ﷺ نے اس آدمی کا بھی ذکر کیا) جس نے خلوت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔"[3]

10 اللہ کے راستے میں اپنے قدموں کو غبار آلود کرنا

اللہ کے راستے میں چل کر جانا جس سے جانے والے کے قدم غبار آلود ہو جائیں، یہ وہ عمل ہے کہ اس کی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ اس کے کرنے والے کو جہنم سے آزادی دے دیتا ہے۔

البخاري:553. ⑤ جامع الترمذي:427، وصححه الألباني.

① جامع الترمذي وقال: حسن صحيح، وصححه الألباني. ② رواه الطبراني وقال الألباني: حسن لغيره. السلسلة الصحيحة:2673. ③ صحيح البخاري:660، وصحيح مسلم:1031.

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَهُمَا حَرَامٌ عَلَى النَّارِ))

''جس شخص کے دونوں قدم اللہ تعالیٰ کے راستے میں غبار آلود ہوں تو وہ دونوں جہنم پر حرام ہو جاتے ہیں۔''[1]

'اللہ کے راستہ' سے مراد بنیادی طور پر تو جہاد فی سبیل اللہ ہے، تاہم اس میں وہ تمام اعمالِ خیر شامل ہیں جنھیں اللہ کی رضا کے لیے سرانجام دینے کی خاطر انسان تگ ودو کرتا ہے۔ اور ان میں نماز جمعہ کے لیے چل کر آنا بھی شامل ہے۔ جیسا کہ حدیث نبوی میں ہے کہ

((مَنْ غَسَّلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْتَسَلَ ، وَبَكَّرَ وَابْتَكَرَ ، وَمَشٰى وَلَمْ يَرْكَبْ ، وَدَنَا مِنَ الْإِمَامِ ، فَاسْتَمَعَ وَلَمْ يَلْغُ ، كَانَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عَمَلُ سَنَةٍ ، أَجْرُ صِيَامِهَا وَقِيَامِهَا))

''جس شخص نے جمعہ کے روز غسل کرایا اور خود غسل کیا اور نماز کے اول وقت میں آیا اور خطبۂ جمعہ شروع سے سنا۔ اور چل کر آیا اور سوار نہیں ہوا۔ اور امام کے قریب بیٹھ کر خطبہ غور سے سنا اور اس دوران کوئی لغو حرکت نہیں کی تو اسے ہر قدم پر ایک سال کے روزوں اور ایک سال کے قیام کا اجر ملے گا۔''[2]

11 بیٹیوں کی پرورش اور تربیت کرنا

اولاد دینے کا اختیار اللہ کے پاس ہے۔ وہ جس کو چاہے بیٹے دے، جس کو چاہے بیٹیاں دے، جس کو چاہے بیٹے اور بیٹیاں دونوں دے اور جس کو چاہے کچھ بھی نہ دے۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ○ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ○ ﴾

''آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے، وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے، یا انھیں ملا کر بیٹے اور بیٹیاں عطا کرتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے، یقیناً وہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔''[3]

لہٰذا جس شخص کو اللہ تعالیٰ بیٹیاں دے تو وہ جاہلیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھیں اپنے لیے عار نہ سمجھے اور نہ ہی اپنی بیوی کو برا بھلا کہے کیونکہ اس کے اختیار میں نہیں کہ وہ بس بیٹے ہی پیدا کرے۔ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے۔ اور اسے اپنی بیٹیوں کی پرورش اور تعلیم وتربیت کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ یہی بیٹیاں اس کے اور جہنم کے درمیان پردہ بن کر حائل ہو جائیں گی۔

[1] جامع الترمذي:1632. وصححه الألباني. [2] سنن أبي داود:345، وسنن ابن ماجه:1087. وصححه الألباني.
[3] الشورى:42:49،50.

نبی کریم ﷺ نے بیٹیوں کی تعلیم وتربیت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْئٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ))

''جس شخص کو اِن بیٹیوں کی وجہ سے کسی طرح آزمائش میں ڈالا جائے پھر وہ ان سے اچھائی کرے تو یہ اس کے لیے جہنم سے پردہ بن جائیں گی۔''[1]

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک مسکین عورت آئی جس نے اپنی دو بیٹیوں کو اٹھا رکھا تھا۔ میں نے اسے تین کھجوریں پیش کیں۔ اُس نے ایک ایک کھجور اُن میں سے ہر ایک کو دے دی اور تیسری کھجور کو اپنے منہ کی طرف کھانے کے لیے بلند کر ہی رہی تھی کہ اُس کی دونوں بیٹیوں نے اُس سے وہ کھجور بھی طلب کر لی۔ چنانچہ اس نے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا اور آدھی آدھی کھجور ہر ایک کو دے دی اور یوں اُس نے خود کچھ بھی نہ کھایا۔ مجھے اُس کا یہ طرزِ عمل بہت پسند آیا۔ اس لیے میں نے یہ بات رسول اکرم ﷺ کے سامنے ذکر کی۔ تو آنحضور ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَوْجَبَ لَهَا بِهَا الْجَنَّةَ أَوْ أَعْتَقَهَا بِهَا مِنَ النَّارِ))

''بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اس کی وجہ سے جنت کو واجب کر دیا ہے۔'' یا آپ نے فرمایا: ''اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اسے جہنم سے آزاد کر دیا ہے۔''[2]

12 مسلمان بھائی کی عزت کا دفاع کرنا

اگر کسی کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کو نشانہ بنایا جائے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے بھائی کا دفاع کرے اور نشانہ بنانے والے کو اس سے منع کرے۔ مسلمان بھائی کی عزت کا غائبانہ دفاع اتنا بڑا عمل ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ دفاع کرنے والے کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((مَنْ ذَبَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ بِالْغَيْبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُّعْتِقَهُ مِنَ النَّارِ))

''جو شخص اپنے بھائی کی عزت کا غائبانہ دفاع کرے تو اللہ پر اس کا یہ حق ہے کہ اسے جہنم سے آزاد کر دے۔''[3]

لہٰذا جب کسی کے سامنے کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کا کوئی عیب بیان کرے یا اس پر طعن اندازی یا الزام تراشی کرے تو اسے اپنے بھائی کا دفاع کرتے ہوئے طعن اندازی یا الزام تراشی کرنے والے کا منہ بند کرنا اور اس کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے۔ نہ یہ کہ وہ اس سے متاثر ہو کر اس کے خلاف مزید پروپیگنڈا کرنا یا اس کے عیبوں کو اچھالنا شروع کر دے۔ اِس طرح کا طرزِ عمل یقیناً افسوسناک ہے اور قابل مذمت بھی۔

[1] صحيح البخاري، الزكاة باب اتقوا النار ولو بشق تمرة: 1418. واللفظ له، مسلم. البر والصلة باب فضل الإحسان إلى البنات: 2629. [2] صحيح مسلم: 2630. [3] صحيح الجامع للألباني: 6240.

13 مسلمان کو آزاد کرانا

اگر کوئی مسلمان کسی کافر کی قید میں ہو یا اسے ناجائز طور پر پابندِ سلاسل کر دیا گیا ہو تو اسے قید سے آزادی دلانا اتنا عظیم عمل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے آزادی دلانے والے کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔

فرمانِ نبوی ہے: ((أَيُّمَا امْرِءٍ مُسْلِمٍ أَعْتَقَ امْرَءً مُسْلِمًا كَانَ فِكَاكَهُ مِنَ النَّارِ، يُجْزِءُ كُلُّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ، وَأَيُّمَا امْرِءٍ مُسْلِمٍ أَعْتَقَ امْرَأَتَيْنِ مُسْلِمَتَيْنِ كَانَتَا فِكَاكَهُ مِنَ النَّارِ، يُجْزِءُ كُلُّ عُضْوٍ مِنْهُمَا عُضْوًا مِنْهُ، وَأَيُّمَا امْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ أَعْتَقَتِ امْرَأَةً مُسْلِمَةً كَانَتْ فِكَاكَهَا مِنَ النَّارِ، يُجْزِءُ كُلُّ عُضْوٍ مِنْهَا عُضْوًا مِنْهَا))

"جو مسلمان کسی مسلمان کو آزاد کرے تو وہی جہنم سے اس کی خلاصی کا سبب بن جائے گا۔ اس کا ہر عضو اس کے ہر عضو کو آزاد کر دے گا۔ اور جو شخص دو مسلمان عورتوں کو آزاد کرے تو وہ دونوں جہنم سے اس کو آزادی دلا دیں گی، ان دونوں کا ہر عضو اس کے ہر عضو کی آزادی کا سبب بنے گا۔ اور جو مسلمان عورت کسی مسلمان عورت کو آزاد کرے تو وہ جہنم سے اس کی آزادی کا سبب بنے گی اور اس کا ہر عضو اس کے ہر عضو کو آزاد کر دے گا۔"[1]

14 حسن اخلاق کا مظاہرہ کرنا

'حسن اخلاق' بھی جہنم سے آزادی حاصل کرنے کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((مَنْ كَانَ هَيِّنًا لَيِّنًا قَرِيبًا حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ))

"جو شخص آسان، نرم دل اور (مسلمانوں سے) قریب ہو اس کو اللہ تعالیٰ نے جہنم پر حرام کر دیا ہے۔"[2]

یعنی وہ ملنسار ہو، اپنے مسلمان بھائیوں میں گھل مل جاتا ہو، نرم دل اور متواضع مزاج ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ نے جہنم کو حرام کر دیا ہے۔

حسن اخلاق کا مظاہرہ مسلمان کو جنت میں لے جانے والا اور بد اخلاقی کا مظاہرہ اسے جہنم میں لے جانے والا عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض سلف صالحین ساری ساری رات صرف حسن اخلاق کی دعا ہی کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ ام الدرداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات ابو الدرداء رضی اللہ عنہ تہجد کی نماز میں روتے ہوئے بار بار یہ دعا کر رہے تھے:

((اَللّٰهُمَّ أَحْسَنْتَ خَلْقِي فَحَسِّنْ خُلُقِي))

"اے اللہ! تو نے مجھے بہت اچھا بنایا تو میرے اخلاق کو بھی اچھا کر دے۔"

[1] جامع الترمذي: 1547. وصححه الالباني. [2] صحيح الترغيب والترهيب للألباني: 1745.

وہ مسلسل یہ دعا کرتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ میں نے ان پوچھا: ابو الدرداء! آپ نے ساری رات ایک ہی دعا کی ہے، اس کی کوئی خاص وجہ؟ تو انھوں نے کہا: ((يَا أُمَّ الدَّرْدَاءِ ! إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ يُحَسِّنُ خُلُقَهُ حَتَّى يُدْخِلَهُ حُسْنُ خُلُقِهِ الْجَنَّةَ ، وَيُسِيئُ خُلُقَهُ حَتَّى يُدْخِلَهُ سُوْءُ خُلُقِهِ النَّارَ))

''ام الدرداء! بے شک ایک مسلمان بندہ اپنے اخلاق کو اچھا کرتا ہے یہاں تک کہ اس کا اچھا اخلاق اسے جنت میں داخل کردیتا ہے۔ اور وہ اپنے اخلاق کو برا کرتا ہے یہاں تک کہ اس کا برا اخلاق اسے جہنم میں پہنچا دیتا ہے۔''[1]

اور رسول اکرم ﷺ نے حسن اخلاق کی اہمیت اور اس کی قدر ومنزلت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((مَا مِنْ شَيْئٍ يُوْضَعُ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلَ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ ،وَإِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهِ دَرَجَةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ))

''ترازو میں رکھی جانے والی سب سے زیادہ وزنی چیز اچھے اخلاق کے سوا کچھ نہیں۔ اور اچھے اخلاق والا انسان اُس شخص کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے جو صوم وصلاۃ کا پابند ہو۔''[2]

لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے اخلاق کو اچھا بنائے اور بد اخلاقی سے پرہیز کرے تاکہ وہ جہنم سے آزادی حاصل کر سکے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جہنم سے آزاد کر کے جنت الفردوس میں داخل فرمائے۔

دوسرا خطبہ

محترم حضرات! جہنم سے آزادی حاصل کرنے کے متعدد اسباب کا تذکرہ آپ نے پہلے خطبۂ جمعہ میں سنا۔ اب اس کا آخری سبب پیش خدمت ہے۔

15 صبح وشام کے اذکار میں سے ایک خاص ذکر جس کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے خاص طور پر تاکید کی کہ اگر اسے چار مرتبہ پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ پڑھنے والے کو جہنم سے آزاد کردے گا

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو شخص صبح کے وقت یہ دعا ایک مرتبہ پڑھے:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَصْبَحْتُ أُشْهِدُكَ وَأُشْهِدُ حَمَلَةَ عَرْشِكَ وَمَلَائِكَتَكَ ، وَجَمِيْعَ خَلْقِكَ أَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ))

''اے اللہ! میں نے صبح کر لی ، میں تجھے گواہ بناتا ہوں اور تیرے عرش کو اٹھانے والے فرشتوں کو اور تیرے (دیگر) فرشتوں کو اور تیری پوری مخلوق کو گواہ بناتا ہوں کہ صرف تو ہی سچا معبود ہے اور تیرے سوا اور کوئی معبود

[1] صحيح البخاري في الأدب المفرد: باب حسن الخلق إذا فقهوا. [2] جامع الترمذي: 2003. وصححه الألباني.

نہیں۔ تو اکیلا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔ اور محمد ﷺ تیرے بندے اور رسول ہیں۔''

تو اللہ تعالیٰ اس کا چوتھا حصہ جہنم سے آزاد کردے گا۔ اور اگر وہ یہ دعا چار مرتبہ پڑھے تو اسے مکمل طور پر جہنم سے آزاد کردے گا۔''[1]

لہٰذا یہ دعا صبح وشام پڑھنی چاہیے۔ تاہم شام کے وقت ((أصبحت)) کی بجائے ((أمسیت)) پڑھنا ہوگا۔

محترم حضرات! یہ تھے وہ اسباب جنھیں اختیار کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے جہنم سے آزادی نصیب فرمائے گا۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کو یہ اسباب اختیار کرنے چاہئیں۔ ہر شخص خود بھی یہ اسباب اختیار کرے اور اپنے اہل وعیال کو بھی انھیں اختیار کرنے کی ترغیب دے۔ کیونکہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴾

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر۔ جس پر سخت دل، مضبوط فرشتے مقرر ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ جو حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا جائے بجالاتے ہیں۔''[2]

جہنم سے نجات حاصل کرنے کا سبب چاہے چھوٹا سا کیوں نہ ہو اسے حقیر نہیں سمجھنا چاہیے اور نہ ہی اس کا موقعہ ضائع کرنا چاہیے، بلکہ اسے بلا تاخیر اختیار کرتے ہوئے جہنم سے بچاؤ کا سامان مہیا کرنا چاہیے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے آتشِ جہنم کو یاد کیا اور اس سے ڈرتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنا چہرہ پیچھے ہٹایا۔ پھر آپ نے فرمایا: ''جہنم سے بچو۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے اسے دوبارہ یاد کیا اور اپنا چہرہ پیچھے ہٹایا یہاں تک کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ جیسے آپ اسے دیکھ رہے ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ ، فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ))

''تم جہنم سے بچو اگرچہ کھجور کا آدھا حصہ صدقہ کرکے ہی۔ اور جس شخص کو یہ بھی نہ ملے تو وہ ایک اچھا کلمہ کہہ کر ہی اپنے آپ کو جہنم سے بچالے۔''[3]

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں، ہمارے والدین، ہمارے اہل وعیال اور تمام مسلمانوں کو جہنم سے محفوظ رکھے اور ہم سب کو جنت الفردوس میں داخل فرمائے۔

[1] سنن أبي داود وحسنه ابن باز في تحفة الأخيار. [2] التحريم 6:66. [3] صحيح البخاري: 6563، وصحيح مسلم: 1016.

امن وامان کی اہمیت اور اس کے اسباب

اہم عناصرِ خطبہ

1. معاشرہ میں امن وامان کی اہمیت
2. مومن کا قتل بہت بڑا گناہ ہے
3. فساد بپا کرنے والے شخص کی سزا
4. امن وامان کیسے قائم ہوگا؟

پہلا خطبہ

برادرانِ اسلام! امن وامان بہت بڑی نعمت ہے۔ اگر معاشرہ پر امن ہو تو

- اس میں بسنے والے لوگ اطمینان بخش زندگی بسر کرتے ہیں۔
- چھوٹے بڑے، مرد وعورتیں، مالدار اور فقراء سب خوشحال رہتے ہیں۔
- کسی کو کوئی خوف وہراس نہیں ہوتا اور معاشرے کا ہر فرد اپنی جان، اپنے مال اور اپنے اہل وعیال کے بارے میں بے فکر ہو جاتا ہے اور ہر شخص اپنے فرائض بخیر وخوبی سرانجام دیتا ہے۔

اس کے برعکس اگر معاشرے میں امن وامان نہ ہو،

- نہ جانیں محفوظ ہوں اور نہ مال ودولت کو تحفظ حاصل ہو،
- جہاں عزتوں کو پامال کیا جاتا ہو اور جہاں دن دہاڑے یا رات کے اندھیرے میں اسلحہ کی نوک پر گھروں، گذر گاہوں اور بازاروں میں ڈاکہ زنی کے واقعات عام ہوں،
- جہاں ہر شخص اپنے اور اپنے اہل وعیال کی سلامتی کے بارے میں فکر مند رہتا ہو تو وہاں جینا حرام ہو جاتا ہے۔ ڈر اور خوف کی وجہ سے رات کا سکون برباد ہو جاتا ہے۔

'بدامنی' اس قدر خوفناک چیز ہے کہ اس کے نتیجے میں کچھ بھی محفوظ نہیں رہتا۔ نہ جان محفوظ اور نہ مال ودولت محفوظ اور نہ عزت وناموس محفوظ۔ جب سالہا سال کی محنت رائیگاں چلی جائے، جب خون پسینے کی کمائی چند منٹوں میں لٹ جائے، جب عزت' جس کے تحفظ کے لیے انسان اپنی جان تک کو قربان کرنے پر تیار ہو جاتا ہے وہ (نعوذ باللہ) تار تار

ہو جائے تو اِس لوٹ مار کا نشانہ بننے والے افراد یہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش زمین کا سینہ پھٹ جائے اور وہ اس میں زندہ دفن ہو جائیں۔

جو معاشرہ بد امنی کا شکار ہوتا ہے اور اس میں انتشار، فساد اور لاقانونیت عام ہوتی ہے اس میں لوگ اپنے فرائض سے عہدہ برآ نہیں ہو پاتے بلکہ حقوق وفرائض کی ادائیگی میں واضح طور پر خلل نظر آتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اہل وعیال کو بے آب وگیاہ وادی (مکہ مکرمہ) میں چھوڑ کر جانے لگے تو انھوں نے اس جگہ کے باسیوں کے لیے سب سے پہلے امن وامان کی دعا کی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾

”اور جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ ”اے میرے رب! اس جگہ کو امن کا شہر بنا دے اور اس کے رہنے والوں میں سے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں انھیں پھل عطا فرما۔“[1]

چونکہ ’غذائی اشیاء کی فراوانی‘ اور ’امن وامان‘ یہ دونوں کسی بھی معاشرہ کی کامیابی کے لیے ضروری عناصر ہیں اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دونوں چیزیں طلب کیں۔ اور سب سے پہلے انھوں نے اللہ تعالیٰ سے مکہ مکرمہ کو پر امن شہر بنانے کی دعا کی، اس کے بعد اہلِ مکہ کے لیے پھلوں کی دعا کی۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ معاشرہ کی فلاح وبہبود کے لیے جہاں اشیائے خورد ونوش کی فراوانی کی اہمیت ہے وہاں امن وامان کی اہمیت بھی اس سے کم نہیں ہے، بلکہ اس کی اہمیت زیادہ ہے تبھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اُس کی دعا کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اسی دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو پر امن مقام بنا دیا۔ اور امن بھی اِس قدر زیادہ کہ اس میں شکار تک کو حرام کر دیا گیا، بلکہ شکار کو بھگانے سے بھی منع کر دیا گیا۔ درختوں کو کاٹنے اور گری ہوئی چیز کو اٹھانے سے بھی روک دیا گیا! اور اللہ تعالیٰ نے اس کے امن کو برقرار رکھنے کے لیے اس میں ظلم وزیادتی کا ارادہ کرنے پر بھی دردناک عذاب کی وعید سنائی۔

ارشاد باری ہے: ﴿وَ مَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾

”اور جو کوئی از راہِ ظلم مسجد حرام میں کجروی اختیار کرنے کا ارادہ کرے گا اسے ہم دردناک عذاب چکھائیں گے۔“[2]

یہ تھی مکہ مکرمہ میں امن وامان کی حالت، جبکہ مکہ کے ارد گرد رہنے والے لوگ بد امنی کا شکار تھے، ان میں قتل و

[1] البقرۃ 126:2. [2] الحج 25:22.

غارت کا بازار گرم تھا، لوگوں کے مال لوٹ لیے جاتے تھے اور ان کی عزتوں کو پامال کیا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کو اپنا یہ احسان یاد دلاتے اور دعوتِ فکر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ○﴾

"کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو پر امن بنایا جبکہ ان کے اردگرد کے لوگ اچک لیے جاتے ہیں! کیا پھر بھی یہ لوگ باطل کو مانتے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں؟"[1]

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے انھیں نعمتِ امن سے نوازا ہے تو انھیں چاہیے تو یہ تھا کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے، اسی کے سامنے عاجزی وانکساری کا اظہار کرتے اور اس کے سوا کسی کی پوجا نہ کرتے۔ لیکن انھوں نے ناشکری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی عبادت میں غیروں کو شریک ٹھہرایا اور باطل پر ایمان لائے! اور ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کا عالم یہ تھا کہ جب رسول اکرم ﷺ نے انھیں دین اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی تو انھوں نے جواب دیا:

﴿ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ﴾

"اور انھوں نے کہا: اگر ہم تمھارے ساتھ ہدایت کی تابعداری کریں تو ہم تو اپنے ملک سے اچک لیے جائیں گے۔"[2] یعنی اگر انھوں نے اسلام قبول کرلیا تو وہ تو بدامنی کا شکار ہو جائیں گے!

ان کی اس حجت کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○﴾

"کیا ہم نے پر امن حرم کو ان کے لیے جائے قیام نہیں بنایا جہاں ہماری طرف سے رزق کے ہر طرح کے پھل کھچے چلے آتے ہیں؟ لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔"[3]

یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنا بہت بڑا احسان یاد دلایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمھیں پر امن حرم اور مقدس مقام پر بسنے کی توفیق دی اور ہر قسم کے پھل بھی عطا کیے، تو کیا تم پھر بھی اسلام قبول نہیں کرتے اور اس کی طرف سے مبعوث کیے گئے رسول ﷺ پر ایمان نہیں لاتے؟

اِس سے یہ ثابت ہوا کہ 'امن وامان' اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جس کا اس نے ہر قسم کے پھلوں کے ساتھ خاص طور پر تذکرہ فرمایا اور انھی دو نعمتوں کے ساتھ کفار کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ یہی دو نعمتیں ایک اور انداز میں ذکر فرماتا ہے اور کفارِ قریش کو خانہ کعبہ کے رب کی

[1] العنکبوت 67:29. [2] القصص 57:28. [3] القصص 57:28.

عبادت کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

﴿ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ۝ ﴾

''پس وہ اس گھر (خانہ کعبہ) کے رب کی ہی عبادت کریں جس نے انھیں بھوک میں کھلایا اور خوف سے امن دیا۔''①

جبکہ نبی کریم ﷺ نے بھی انھی دو نعمتوں کے ساتھ ایک تیسری نعمت 'صحت وتندرستی' کا ذکر فرما کر یہ ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس یہ تینوں نعمتیں موجود ہوں تو وہ دنیا کا سب سے کامیاب انسان ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ مُعَافًى فِي جَسَدِهِ ، آمِنًا فِي سِرْبِهِ ، عِنْدَهُ قُوْتُ يَوْمِهِ ، فَكَأَنَّمَا حِيْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا))

''جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ وہ تندرست ہو، اپنے آپ میں پر امن ہو اور اس کے پاس ایک دن کی خوراک موجود ہو تو گویا اس کے لیے پوری دنیا کو جمع کر دیا گیا۔''②

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں امن وامان نصیب فرمائے اور ہمیں اور ہمارے اہل وعیال اور تمام مسلمانوں کو ہر شر سے محفوظ رکھے۔

برادران اسلام! اس وقت عالم اسلام کے متعدد ممالک میں قتل وغارت گری کا بازار گرم ہے۔ آئے دن بم دھماکوں اور خودکش حملوں کے افسوسناک واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ ان دھماکوں کے نتیجے میں بے گناہ لوگ مارے جاتے ہیں۔ جائیدادیں تباہ وبرباد ہو جاتی ہیں۔ سرکاری وغیر سرکاری مملوکہ اشیاء کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔ حتی کہ اب تو اللہ تعالیٰ کے گھر (مساجد) بھی محفوظ نہیں رہے، ان میں بھی دھماکے کیے جاتے ہیں اور ان لوگوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں۔ تو کیا بے گناہ لوگوں کو قتل کرنا جائز ہے؟ ہرگز نہیں، ایک مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے چہ جائیکہ متعدد مسلمانوں کو ایک ہی وقت میں قتل کر دیا جائے!

مسلمان کا خون مکہ مکرمہ کی طرح حرمت والا ہے!

جی ہاں، رسول اللہ ﷺ نے خونِ مسلم کو بھی بالکل اسی طرح حرمت والا قرار دیا جیسا کہ مکہ مکرمہ حرمت والا شہر، ذو الحجہ حرمت والا مہینہ اور یوم عرفہ حرمت والا دن ہے۔ یعنی اسے ناحق طور پر بہانا حرام فرما دیا۔

① قریش 106:3،4. ② جامع الترمذي:2346، سنن ابن ماجه:4141، وحسنه الألباني.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ عرفات میں پہنچے اور لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا))

''بے شک تمھارے خون اور تمھارے مال حرمت والے ہیں، جس طرح تمھارا یہ دن تمھارے اس مہینے میں اور تمھارے اس شہر میں حرمت والا ہے......''[1]

اس عظیم الشان خطبہ میں رسول اللہ ﷺ نے خونِ مسلم کی طرح مالِ مسلم کو بھی حرمت والا قرار دیا۔ لہٰذا کسی مسلمان کے مال یا اس کی جائیداد کو بم دھماکوں کے ذریعے تباہ کرنا بھی اسی طرح حرام ہے جیسا کہ اسے قتل کرنا حرام ہے۔

اسی طرح حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (قربانی کے روز منیٰ میں) ارشاد فرمایا:

((..... ثُمَّ قَالَ : أَيُّ شَهْرٍ هٰذَا؟ قُلْنَا : اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ ، فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، قَالَ : أَلَيْسَ ذَا الْحَجَّةِ ؟ قُلْنَا : بَلٰى، قَالَ : فَأَيُّ بَلَدٍ هٰذَا ؟ قُلْنَا : اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، قَالَ : أَلَيْسَ الْبَلْدَةُ؟ قُلْنَا : بَلٰى، قَالَ: فَأَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟ قُلْنَا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، قَالَ: أَلَيْسَ يَوْمُ النَّحْرِ ؟ قُلْنَا : بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ : فَإِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا، وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ ، فَلاَ تَرْجِعُنَّ بَعْدِيْ كُفَّارًا (أَوْ ضُلَّالًا) يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ))

''...... پھر آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ جانتے ہیں۔ تو آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ شاید آپ ﷺ اس مہینے کا کوئی اور نام ذکر فرمائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ ذوالحجہ نہیں؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں! پھر آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کونسا شہر ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ جانتے ہیں۔ تو آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ شاید آپ ﷺ اس شہر کا کوئی اور نام ذکر فرمائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ البلدۃ (مشہور شہر مکہ) نہیں؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں! پھر آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کونسا دن ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ جانتے ہیں۔ تو آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ شاید آپ ﷺ اس دن کا کوئی اور نام ذکر فرمائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ یوم النحر (قربانی کا دن) نہیں؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک تمھارے خون، تمھارے مال

[1] صحیح مسلم: 1218.

اور تمھاری عزتیں حرمت والی ہیں، جس طرح تمھارا یہ دن تمھارے اس مہینے میں اور تمھارے اس شہر میں حرمت والا ہے۔ اور تم عنقریب اپنے رب سے ملنے والے ہو، پھر وہ تم سے تمھارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا۔ خبردار! تم میرے بعد کافر (یا گمراہ) نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ۔''[1]

یوں نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر صحابۂ کرام کے جم غفیر میں ایک مسلمان کے خون، مال اور اس کی عزت کی حرمت کو بیان فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے خبردار کیا کہ اگر تم ایک دوسرے کی گردنیں اڑاؤ گے تو تم کفر تک پہنچ جاؤ گے یا راہِ راست سے بھٹک جاؤ گے۔ لہٰذا ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی جانوں، عزتوں اور ان کے مالوں کو اپنی طرف سے ظلم و زیادتی کا نشانہ بنانے سے پرہیز کرے اور ان کے تقدس کا خیال رکھتے ہوئے انھیں تحفظ فراہم کرے۔

قتلِ ناحق پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے

اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾

''جس شخص نے کسی دوسرے کو جان کے بدلہ کے علاوہ یا زمین میں فساد بپا کرنے کی غرض سے قتل کیا تو اس نے گویا سب لوگوں کو مار ڈالا۔ اور جس نے کسی کو (قتل ناحق سے) بچا لیا تو وہ گویا سب لوگوں کی زندگی کا موجب ہوا۔''[2]

ایک مومن کے قتل پر پانچ وعیدیں

جو شخص کسی مسلمان کو قتل کرتا ہے اس کو پانچ سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾

''اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے اس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور اس نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''[3]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے شخص کو پانچ وعیدیں سنائی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی سزا جہنم ہے۔ دوسری یہ کہ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ تیسری یہ کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوتا ہے۔ چوتھی یہ

[1] صحیح البخاری: 4406، وصحیح مسلم: 1679. [2] المآئدۃ 5:32. [3] النسآء 4:93.

کہ وہ اللہ تعالیٰ کی لعنت (پھٹکار) کا مستحق ہے۔ اور پانچویں یہ کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اُس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے ایک مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا، پھر اس نے توبہ کر لی، ایمان لے آیا اور عمل صالح کرکے ہدایت کے راستے پر گامزن ہو گیا۔ تو انھوں نے کہا: وہ ہلاک ہو جائے! اس کے لیے ہدایت کیسے ممکن ہے جبکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ نے فرمایا:

((يَجِيْئُ الْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُتَعَلِّقٌ بِرَأْسِ صَاحِبِهِ ، يَقُوْلُ : رَبِّ ! سَلْ هٰذَا لِمَ قَتَلَنِيْ))

''قیامت کے روز قاتل ومقتول دونوں آئیں گے، مقتول اپنے قاتل کے سر کے ساتھ چمٹا ہوگا اور کہے گا: اے میرے رب! اس سے پوچھئے کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا؟''

پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر وہ آیت ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ﴾ نازل فرمائی اور اسے منسوخ نہیں کیا۔[1]

کلمہ گو مسلمان کو قتل کرنا حلال نہیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَن لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ: اَلثَّيِّبُ الزَّانِيْ ، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ ، وَالتَّارِكُ لِدِيْنِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ))

''کسی مسلمان کا' جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودِ (برحق) نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں' خون حلال نہیں۔ ہاں تین میں سے ایک شخص کو قتل کیا جا سکتا ہے اور وہ ہیں: شادی شدہ زانی، قاتل اور دین کو چھوڑنے اور جماعت سے الگ ہونے والا۔''[2]

پوری دنیا کا خاتمہ کرنا اتنا بڑا جرم نہیں جتنا ایک مومن کا خون بہانا بڑا جرم ہے

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ قَتْلِ مُؤْمِنٍ بِغَيْرِ حَقٍّ))

''دنیا کا خاتمہ کسی مومن کے ناجائز قتل سے اللہ تعالیٰ پر زیادہ ہلکا ہے۔''[3]

[1] سنن ابن ماجه: 2621، وصححه الألباني. [2] متفق عليه. [3] سنن ابن ماجه: 2619 ،وجامع الترمذي عن عبدالله بن عمرو: 1395 ،وصححه الألباني.

ایک مومن کے قتل میں اگر ساری دنیا کے لوگ شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ سب کو جہنم رسید کر دے

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دونوں کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَوْ أَنَّ أَهْلَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ اشْتَرَكُوْا فِيْ دَمِ مُؤْمِنٍ لَأَكَبَّهُمُ اللهُ فِي النَّارِ))

''اگر آسمان اور زمین والے (تمام کے تمام) ایک مومن کے خون میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں ڈال دے۔''[1]

روزِ قیامت سب سے پہلے خون کا حساب لیا جائے گا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ((أَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ))

''قیامت کے دن لوگوں میں سب سے پہلے خونوں کا فیصلہ کیا جائے گا۔''[2]

اس لیے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنا دامن مسلمان کے خون سے محفوظ رکھے اور کسی کو ناجائز قتل نہ کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((مَنْ لَقِيَ اللهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا ، لَمْ يَتَنَدَّ بِدَمٍ حَرَامٍ ، دَخَلَ الْجَنَّةَ))

''جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا تھا اور اس نے حرمت والا خون نہیں بہایا تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔''[3]

برادرانِ اسلام!

جب مومن کا خون اس قدر حرمت والا ہے کہ اس کی حرمت شہرِ مکہ کی طرح ہے، جب ایک مومن کو ناحق قتل کرنا دینِ اسلام میں جائز نہیں بلکہ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس پر ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنے کی وعید سنائی گئی ہے تو پھر یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ بم دھماکوں کے ذریعے یا گھات لگا کر اندھا دھند فائرنگ کے ذریعے بے گناہ لوگوں کو قتل کر دیا جائے! معصوم جانوں کو ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا جائے! قتل وغارت گری کے واقعات کے ذریعے مسلمانوں میں خوف وہراس پھیلایا جائے، یا مسلم معاشرے میں ظلم وزیادتی کا بازار گرم کر کے اس میں بدامنی پھیلائی جائے!

فساد بپا کرنے والے کی سزا

حضرات محترم! جو شخص بھی معاشرے کے امن وامان کو خراب کرنے پر تلا ہوا ہو، ڈاکہ زنی اور قتل وغارت گری

[1] جامع الترمذي: 1398، وصححه الألباني. [2] متفق عليه. [3] سنن ابن ماجه: 2618، وصححه الألباني.

کے ذریعے بدامنی پھیلا رہا ہو شریعت میں اس کی سزا قتل ہے کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائیوں کے خون کا پیاسا ہو، لوٹ مار کرتا ہو، اس سے نہ لوگوں کی جانیں محفوظ ہوں اور نہ ان کے مال محفوظ ہوں تو ایسے شخص کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ حاکمِ وقت یا اس کے نائب پر فرض ہے کہ وہ امن وامان کے قیام اور رعایا کی جانوں، عزتوں اور ان کے مالوں کے تحفظ کے لیے اس کی گردن اڑا دے۔ یہی سزا ہے زمین میں فساد بپا کرنے والے کی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○﴾

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے اور زمین میں فساد بپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی سزا یہی ہو سکتی ہے کہ انھیں اذیت دے کر قتل کیا جائے، یا سولی پر لٹکایا جائے، یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیے جائیں، یا انھیں جلا وطن کر دیا جائے۔ ان کے لیے یہ ذلت دنیا میں ہے اور آخرت میں انھیں بہت بڑا عذاب ہوگا۔“[1]

برادران اسلام! بعض لوگ جو بم دھماکے اور خودکش حملے کرتے ہیں وہ ان کارروائیوں کے جواز کے لیے ایک دلیل یہ دیتے ہیں کہ دیکھیں حکومت بھی تو دہشت گردی کو ختم کرنے کے نام پر بے گناہ لوگوں کو مار رہی ہے تو ہم اس کے جواب میں کیوں خاموش رہیں اور ہم ایسی کارروائیاں کیوں نہ کریں؟ ہم ان سے یہ پوچھتے ہیں کہ حکومت یا فوج کی اس طرح کی کارروائیوں کے جواب میں خودکش حملوں یا بم دھماکوں کے ذریعے عام لوگوں کو نشانہ بنانا کونسی عقلمندی ہے؟ اور بے گناہ لوگوں کو جان سے مار دینا کونسا انصاف ہے؟ اُن بیچاروں کو کس جرم کی پاداش میں مارا جاتا ہے جن کا حکومت یا فوج سے کوئی تعلق نہیں ہوتا؟ أفلا تعقلون؟

پھر آپ ذرا غور کریں کہ یہ لوگ جو اس طرح کی کارروائیاں کر کے بدامنی پھیلاتے اور فساد بپا کرتے ہیں کیا ان کی انھی کارروائیوں کی وجہ سے آج دشمنان اسلام امت مسلمہ کو ”دہشت گرد“ نہیں قرار دے رہے اور کیا وہ انھی کی وجہ سے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ نہیں کر رہے؟ تو اسلام اور امت مسلمہ کی بدنامی کا سبب کون بن رہا ہے؟ اور وہ لوگ جو اپنی نسبت دین کی طرف کرتے ہیں اور جن کا تعلق منبر ومحراب سے ہوتا ہے جب وہ ان کارروائیوں کا اعتراف کرتے ہیں تو کیا ان کی وجہ سے منبر ومحراب کی بدنامی نہیں ہو رہی؟ کیا وہ اپنے ان اعمال کے ذریعے اعدائے اسلام اور ان کے پروردہ حکمرانوں کو مساجد، مدارس اور اسلامی مراکز کے خلاف زبان درازی کرنے اور ان کے خلاف

[1] المائدة 5:33.

کارروائی کرنے کا موقعہ نہیں مہیا کر رہے؟

ہم اِن لوگوں سے اپیل کرتے ہیں کہ بخدا ذرا سوچیں اور تمھاری وجہ سے امت مسلمہ جو نقصان اٹھا رہی ہے اس کا صحیح اندازہ کرکے اپنی ان کاروائیوں سے باز آ جائیں۔ اور اسلامی معاشرہ کو بد امنی، دہشت گردی اور قتل وغارت گری کی بجائے امن وسلامتی کا گہوارہ بنائیں اور مسلمانانِ عالم کو خوف وہراس کی بجائے اطمینان سے زندگی بسر کرنے کا موقعہ دیں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو حق بات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور ہم سب کو نئے نئے فتنوں سے محفوظ رکھے۔ آمین

دوسرا خطبہ

برادران اسلام! آج امت مسلمہ مضطرب ہے اور حالات بے قابو ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ تو وہ کون سے اسباب ہیں کہ جنھیں اختیار کیا جائے تو اِس امت میں امن وامان قائم ہو سکتا ہے؟ آیئے قرآن وحدیث سے ان اسباب کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔

امن وامان کیسے قائم ہوگا؟

پہلا سبب: 'امن' ایمان کے بغیر ممکن نہیں

جی ہاں، ایمان سب سے بڑا سبب ہے امن وامان کے حصول کے لیے، بلکہ ایمان کے بغیر حقیقی امن وسکون حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○﴾

"پھر جو شخص ایمان لے آیا اور اصلاح کر لی تو ایسے لوگوں پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔"[1]

اگر تمام مسلمان سچے مومن بن جائیں، ایمان کے تقاضوں کو پورا کریں اور مومنوں کی حقیقی صفات جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کی ہیں یا جنھیں رسول اکرم ﷺ نے اپنی احادیث میں بیان فرمایا ہے' کو اختیار کر لیں تو یقیناً انھیں امن وامان نصیب ہو سکتا ہے اور ان کے معاشرے میں بدامنی، انتشار اور لاقانونیت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ مومنوں کی صفات میں سے پانچ صفات ایسی ہیں کہ جس مومن میں وہ پانچوں موجود ہوں تو وہ سچا مومن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ○﴾

[1] الأنعام 48:6.

’’سچے مومن تو وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ اور جب انھیں اللہ کی آیات سنائی جائیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ (اور) وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو مال ودولت انھیں دے رکھا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ یہی سچے مومن ہیں جن کے لیے ان کے رب کے ہاں درجات ہیں، بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے۔‘‘ ①

لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان پانچوں صفات کو اختیار کرے تاکہ وہ سچے مومنوں کی صف میں شامل ہو سکے۔ اور جب مسلمان سچے مومنوں کی صفات اختیار کریں گے تو ان کا معاشرہ یقینی طور پر امن وامان کا گہوارہ بن جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ان سے وعدہ ہے کہ

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ○ ﴾

’’جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے خوشحالی بھی ہے اور عمدہ ٹھکانا بھی۔‘‘ ②

’خوشحالی‘ بغیر امن وامان کے نہیں ہو سکتی۔ اور یہ مسلمانوں کو تبھی نصیب ہو سکتی ہے جب ان میں سچا ایمان ہو گا اور وہ عمل صالح کریں گے۔

ایمان اور امن لازم وملزوم ہیں۔ سچا ایمان ہو گا تو امن بھی ہو گا، اگر ایمان میں کوئی خلل ہو گا تو امن بھی نہیں ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی اسلامی مہینے کا چاند نظر آتا تو رسول اکرم ﷺ یہ دعا فرماتے تھے:

((اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُمَّ أَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ رَبُّنَا وَرَبُّكَ اللّٰهُ))

’’اللہ سب سے بڑا ہے۔ اے اللہ! تو ہمیں یہ چاند امن وایمان اور سلامتی اور اسلام کے ساتھ دکھا۔ ہمارا اور (اے چاند!) تیرا رب اللہ ہی ہے۔‘‘ ③

اور حقیقی مومن تو ہوتا ہی وہ ہے جس سے لوگوں کے خون اور ان کے مال محفوظ ہوں۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ ، وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ))

’’مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے دیگر مسلمان سلامت رہیں۔ اور مومن وہ ہے جس سے لوگوں کے خون اور ان کے مال محفوظ ہوں۔‘‘ ④

لہٰذا اگر کسی مسلمان کی زبان اور اس کے ہاتھ سے اس کے مسلمان بھائی سلامت نہ ہوں، وہ اپنی زبان سے انھیں نشانہ بناتا ہو اور اپنے ہاتھوں سے انھیں تکلیف پہنچاتا ہو تو وہ سچا مسلمان نہیں۔ اسی طرح اگر کسی مومن سے لوگوں کے

① الأنفال 8:2-4. ② الرعد 13:29. ③ السلسلة الصحيحة: 1816. ④ جامع الترمذي: 2627، وصححه الألباني.

خون اور ان کے مال محفوظ نہ ہوں تو وہ یقینا سچا مومن نہیں۔ اسے اپنے ایمان کا جائزہ لینا ہوگا۔

دوسرا سبب: اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور شرک سے مکمل طور پر بچنا

ایمان اور عمل صالح کی بنیاد اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا ہے۔ چنانچہ جب تمام مسلمان بحیثیت مجموعی اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، ان میں سچا ایمان ہوگا اور وہ نیک عمل کرنے والے ہونگے تو اللہ تعالیٰ کا ان سے وعدہ ہے کہ وہ انھیں ضرور بالضرور امن وامان نصیب فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

''اور تم میں سے جو مومن ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور بالضرور خلافت دے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو عطا کی تھی۔ اور ان کے دین کو ضرور مضبوط کرے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا۔ اور ان کے خوف کو یقینا امن میں تبدیل کردے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ اور جو شخص اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔''[1]

یہ آیت کریمہ ان حالات میں نازل ہوئی کہ جب معاشی تنگ دستی تھی، مدینہ منورہ سے باہر خوف وہراس کی کیفیت طاری تھی اور کوئی تجارتی قافلہ ڈاکوؤں سے محفوظ نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے مسلمانوں کو خلافت دی تو دین راسخ ہوگیا اور خوف وہراس امن میں تبدیل ہوگیا۔ امن وامان کا عالم یہ تھا کہ رسول اکرم ﷺ کی پیشین گوئی کے عین مطابق جو آپ ﷺ نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو کی تھی کہ ((فَإِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتَرَيَنَّ الظَّعِينَةَ تَرْتَحِلُ مِنَ الْحِيرَةِ حَتّٰى تَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ ، لَا تَخَافُ أَحَدًا إِلَّا اللّٰهَ))

''اگر تمھاری زندگی لمبی ہوئی تو تم ضرور بالضرور دیکھو گے کہ ایک عورت اکیلی (الحیرۃ) سے سفر کرکے آئے گی یہاں تک کہ وہ خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا خوف نہیں ہوگا۔'' (یعنی راستے پرامن ہوجائیں گے۔) اس کے عین مطابق عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک عورت (الحیرۃ) سے اکیلی سفر

[1] النور 55:24.

کر کے آئی یہاں تک کہ اس نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور اسے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا ڈر اور خوف نہ تھا۔ [1]

اس آیت کریمہ کے الفاظ ﴿ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ﴾ نہایت قابل غور ہیں۔ اور ان کا مطلب یہ ہے کہ امن وامان کا قیام تب تک نہیں جب تک مسلمان اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کریں اور جب تک شرک سے پرہیز نہ کریں۔ اور اگر وہ شرک کا ارتکاب کریں گے تو ان سے امن وامان کی نعمت کو یقینی طور پر چھین لیا جائے گا۔ اور آج امت مسلمہ کا جو حال ہے وہ اسی چیز کا ثبوت پیش کر رہا ہے۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں واضح طور پر فرمایا ہے کہ جو مومن اپنے ایمان کے ساتھ شرک کی ملاوٹ نہیں کریں گے انھی مومنوں کو امن نصیب ہوگا۔

ارشاد باری ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ ﴾

”جو لوگ ایمان لائے، پھر اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے آلودہ نہیں کیا انھی کے لیے امن وسلامتی ہے اور یہی لوگ راہِ راست پر ہیں۔“ [2]

تیسرا سبب: دعا کرنا

دعا ہر خیر کی چابی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو دیگر ضروریات کی طرح امن وامان کے حصول کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا کرنی چاہیے۔ ہر مسلمان کو اپنی سلامتی، اپنے اہل وعیال کی سلامتی اور عام مسلمانوں کی سلامتی کے لیے نہایت اخلاص کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں دستِ دعا پھیلانا چاہیے۔ کیونکہ وہی سلامتی دینے والا ہے، اس کے سوا کوئی نہیں۔

رسول اکرم ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ»

”اے اللہ! تو سلامتی والا ہے اور تجھ ہی سے سلامتی ہے۔ تو بابرکت ہے اے بزرگی اور عزت والے۔“ [3]

اسی طرح رسول اکرم ﷺ یہ دعا بھی صبح وشام کیا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ . اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَأَهْلِيْ وَمَالِيْ. اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِيْ وَآمِنْ رَوْعَاتِيْ. اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِيْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِيْ وَعَنْ يَمِيْنِيْ وَعَنْ شِمَالِيْ. وَمِنْ فَوْقِيْ ، وَأَعُوْذُ بِعَظَمَتِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِيْ»

[1] صحيح البخاري: 3595. [2] الأنعام 6:82. [3] صحيح مسلم.

''اے اللہ! میں تجھ سے دنیا وآخرت میں معافی اور عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے اپنے دین، اپنی دنیا، اپنے اہل وعیال اور مال ودولت میں معافی اور عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میرے عیبوں پر پردہ ڈال دے اور مجھے ڈر اور خوف میں امن عطا کر۔ اے اللہ! تو میری حفاظت فرما میرے سامنے سے، میرے پیچھے سے، میری دائیں طرف سے، میری بائیں طرف سے اور میرے اوپر سے۔ اور میں تیری عظمت کی پناہ میں آتا ہوں اس بات سے کہ اچانک اپنے نیچے سے ہلاک کیا جاؤں۔''[1]

چوتھا سبب: اخوت و بھائی چارے کو فروغ دینا

رسول اللہ ﷺ نے مسلمان کو مسلمان کا بھائی قرار دیا ہے۔ لہٰذا اسے اپنے بھائی کا ہمدرد اور خیرخواہ ہونا چاہیے۔ اسے چاہیے کہ وہ اس کے خون کا محافظ ہو، اس کے مال اور اس کی عزت کا محافظ ہو۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ ،لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ، اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا ، وَيُشِيْرُ إِلٰى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَّحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ : دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ»

''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے رسوا کرتا ہے اور نہ اسے حقیر سمجھتا ہے۔ اور آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ کر کے فرمایا کہ تقوی یہاں ہے۔ پھر فرمایا: آدمی کی برائی کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ اور ہر مسلمان کا خون، مال اور اس کی عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔''[2]

مسلمان اپنے بھائی کے لیے ہر وہ چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور ہر اس چیز کو اس کے لیے ناپسند کرے جسے اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ»

''تم میں سے کوئی شخص (کامل) ایمان والا نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''[3]

پانچواں سبب: نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا

امر بالمعروف و نہی عن المنکر (نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا) دین اسلام کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ

[1] سنن أبي داود، وسنن ابن ماجه. [2] صحيح مسلم: 2564. [3] صحيح البخاري: 13، وصحيح مسلم: 45.

ہے۔ اگر اسلامی معاشرے میں اس فریضہ کو کما حقہ ادا کیا جائے ، مختلف وسائل وذرائع کو استعمال کرتے ہوئے اچھے کاموں کی ترغیب دی جائے اور برے کاموں سے روکا جائے ، اللہ کے حکم کے مطابق مسلمانوں میں سے ایک جماعت (اتھارٹی) یہ فریضہ سرانجام دے ، اس کے علاوہ ہر شخص اپنے اپنے دائرۂ کار میں اس ذمہ داری کو نبھائے تو کوئی وجہ نہیں کہ معاشرے میں برداشت ، تحمل اور امن وسلامتی کو فروغ نہ ملے۔

یہ فریضہ اگر ہمہ جہت ادا کیا جائے ، مثلاً گھر میں والدین ، مساجد ومدارس میں خطباء وواعظین ، سکولوں ، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ٹیچرز حضرات ، مختلف محکموں میں افسران اعلی اور ذمہ داران وغیرہ جب بیک وقت اِس ذمہ داری کا احساس کریں ، اچھے کاموں کی ترغیب کے ساتھ ساتھ اچھے کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی بھی کریں اور برے کاموں سے روکنے کے ساتھ ساتھ جرائم پیشہ لوگوں کی حوصلہ شکنی بھی کریں تو یقینی طور پر معاشرے میں انقلاب برپا ہو سکتا ہے اور امن وامان کے فروغ میں اچھی خاصی مدد مل سکتی ہے۔

چھٹا سبب : ایذاء پہنچانے سے بچنا

کسی مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے کسی بھائی یا بہن کو ہلکی سی اذیت پہنچائے چہ جائیکہ وہ اسے قتل کرے یا اس پر ظلم وزیادتی کرے۔ اگر معاشرے کا ہر فرد یہ فیصلہ کرلے کہ اس نے ایذاء رسانی سے بچنا ہے اور کسی شخص کو کوئی تکلیف نہیں پہنچانی تو اِس سے معاشرہ یقیناً امن کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے : ((خَيْرُكُمْ مَّنْ يُرْجَى خَيْرُهُ وَيُؤْمَنُ شَرُّهُ ، وَشَرُّكُمْ مَّنْ لَّا يُرْجَى خَيْرُهُ وَلَا يُؤْمَنُ شَرُّهُ))

” تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس سے خیر کی امید رکھی جائے اور اس کے شر سے لوگوں کو امن ہو۔ اور تم میں سے بدترین شخص وہ ہے جس سے نہ تو خیر کی امید رکھی جائے اور نہ ہی اس کے شر سے لوگ محفوظ ہوں۔“ [1]

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا : ((اِضْمَنُوْا لِيْ سِتًّا مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ : اُصْدُقُوْا إِذَا حَدَّثْتُمْ ، وَأَوْفُوْا إِذَا وَعَدْتُمْ ، وَأَدُّوْا إِذَا اؤْتُمِنْتُمْ ، وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ ، وَغُضُّوْا أَبْصَارَكُمْ ، وَكُفُّوْا أَيْدِيَكُمْ))

” تم مجھے اپنی طرف سے چھ باتوں کی ضمانت دے دو میں تمھیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ جب بات کرو تو سچ بولو ، وعدہ کرو تو اسے پورا کرو ، تمھیں امانت سونپی جائے تو اسے ادا کرو ، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو ، نظریں جھکائے رکھو اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو۔“ [2]

[1] جامع الترمذي: 2263، وصححه الألباني. [2] احمد وابن حبان وحسنه الأرناؤط.

ساتواں سبب : حدود اللہ کو نافذ کرنا

امن وامان کے قیام کے لیے پہلے چھ اسباب کا تعلق ہر مسلمان سے ہے جبکہ ساتواں سبب حکمرانوں کے ساتھ خاص ہے اور وہ ہے مجرموں پر اللہ تعالیٰ کی حدود (سزاؤں) کو نافذ کرنا۔ حدود اللہ کے نفاذ سے جہاں مجرم کو اس کے ظلم کی سزا ملتی ہے اور آئندہ کے لیے اسے اس جرم سے باز رکھنا مقصود ہوتا ہے وہاں اس سے ان لوگوں کو سخت تنبیہ ہو جاتی ہے جو ان جیسے جرائم کا ارادہ کر چکے ہوتے ہیں یا منصوبہ بندی کر رہے ہوتے ہیں۔ اور اس طرح لوگوں کو امن نصیب ہوتا ہے۔ ان کی جانوں، ان کے مالوں اور ان کی عزتوں کو تحفظ ملتا ہے۔

- اگر قاتل کو قصاصاً قتل کر دیا جائے تو یقیناً لوگ قتل کرنے کا ارادہ ترک کر دیں گے اور بے گناہ لوگوں کے خون ناجائز طور پر بہنے سے بچ جائیں گے۔
- اگر چور اور ڈاکو کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں تو یقیناً لوگوں کے مال محفوظ ہو جائیں گے۔
- اگر زانی مرد اور زانیہ عورت کو لوگوں کے سامنے کوڑے مارے جائیں اور شادی شدہ زانی یا زانیہ کو رجم کیا جائے تو اس سے لوگوں کی عزتوں کو یقیناً تحفظ ملے گا۔
- اگر شراب نوشی یا کسی بھی نشہ آور چیز کے استعمال پر شرعی سزا نافذ کی جائے تو معاشرہ بہت سارے جرائم سے بچ سکتا ہے۔

اسی طرح باقی اسلامی سزائیں ہیں جو مجرموں کی حوصلہ شکنی کرتی ہیں اور دوسرے لوگوں کے لیے باعث عبرت بنتی ہیں اور معاشرے میں امن وسلامتی کی ضمانت دیتی ہیں۔ لہذا حکمرانوں کو اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا چاہیے اور انھیں اپنی رعایا کے امن وامان کو یقینی بنانا چاہیے۔

آج کا خطبہ ہم اس دعا کے ساتھ ختم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو امن وامان نصیب کرے اور ہر ایک کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

خودکشی .... ایک سنگین جرم

اہم عناصرِ خطبہ

1. خودکشی کرنا بہت بڑا گناہ ہے
2. کیا خودکشی کرنے والا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہے؟
3. خودکشی کرنے والے شخص کی نماز جنازہ
4. خودکشی آخر کیوں؟
5. پریشانیوں کا ازالہ کیسے ممکن ہے؟
6. خودکشی کے نتیجے میں بے گناہ لوگوں کا قتل !!!
7. اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی کچھ اور صورتیں

پہلا خطبہ

محترم حضرات!

اس دنیا میں آزمائش ہر انسان پر آتی ہے، مسلمان پر بھی آتی ہے اور کافر پر بھی۔ اللہ کے فرمانبردار بندوں پر بھی اور نافرمان بندوں پر بھی۔ مردوں پر بھی اور عورتوں پر بھی۔ بڑوں پر بھی اور چھوٹوں پر بھی۔ اور آزمائش مختلف طریقوں سے آتی ہے۔ بعض آزمائشوں کا تعلق انسان کے جسم سے ہوتا ہے، اللہ نہ کرے کوئی ایسی بیماری آ جاتی ہے کہ زندگی بھر اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان رہتا ہے۔ بعض آزمائشوں کا تعلق انسان کے اہل خانہ سے ہوتا ہے، بیوی بد اخلاق ، بد زبان ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان رہتا ہے۔ اور بعض اوقات اس کی پریشانی کی وجہ اس کی اولاد ہوتی ہے۔ اولاد اپنے والدین کی نافرمان ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ کی نافرمان ہوتی ہے، بے نماز ہوتی ہے، یا بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہوتی ہے۔ جس کی بناء پر اس کے والدین نہایت پریشان رہتے ہیں۔ اور بعض آزمائشوں کا تعلق مالی حالات سے ہوتا ہے۔ روزگار یا ذریعۂ تنخواہ ایسا نہیں ہوتا کہ جس کے ساتھ گھریلو اخراجات پورے ہو سکیں۔ وہ ہر وقت پریشان و سرگرداں رہتا ہے، خرچے ہیں کہ جان نہیں چھوڑتے ، جتنا کماتا ہے اس سے پوری نہیں پڑتی۔ اسی طرح خاندانی معاملات بھی پریشان کئے رکھتے ہیں .... الغرض یہ کہ کسی نہ کسی طرح سے، کوئی نہ کوئی آزمائش آئی ہی رہتی ہے۔

لیکن کامیاب ہے وہ انسان جوان پریشانیوں اور آزمائشوں کو برداشت کر جاتا ہے اور مکمل طور پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں مختلف آزمائشوں کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝﴾

''اور آپ (اے محمد ﷺ!) صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے جنھیں جب کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم یقیناً اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ایسے ہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی نوازشیں اور رحمت ہوتی ہے۔ اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔''[1]

جو شخص آزمائشوں و پریشانیوں میں گھرا رہتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی تقدیر پر بھی راضی رہتا ہو، آزمائشوں کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے پر آمادہ نہ ہو بلکہ ہمیشہ اللہ کا شکر ادا کرتا رہے، صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتا رہے، اپنی زبان پر کبھی حرف شکایت نہ لائے ......تو ایسا شخص یقینی طور پر کامیاب ہے اور اسی کے لیے خوشخبری ہے کہ دنیا میں ٹھیک ہے تم نے مصیبتیں جھیلیں، پریشانیاں برداشت کیں، اللہ کی تقدیر پر راضی رہا، خاتمہ ایمان پر ہو گیا تو اب مرنے کے بعد جو راحتیں تمھیں ملیں گی، جو سکون نصیب ہوگا، جو اللہ کی رحمتیں ہونگی ان کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

مگر بعض لوگ پریشانیوں، مصیبتوں اور آزمائشوں میں زندگی سے مایوس ہو جاتے ہیں اور آخر کار اپنے لیے ایک مشکل فیصلہ کر لیتے ہیں۔ وہ یہ سوچتے ہیں کہ اب دنیا میں ان کے زندہ رہنے کا کوئی فائدہ نہیں، اس لیے وہ اپنے آپ کو مار ڈالتے ہیں اور خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیتے ہیں! یہ فیصلہ ان کے لیے تباہی و بربادی کا سبب بن جاتا ہے۔ دنیا میں تو وہ اپنی زندگی کا خاتمہ کر ہی لیتے ہیں لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو عذاب تیار کیا ہے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

یہ ان آزمائشوں اور مصیبتوں کا خوفناک پہلو ہے جس کو ''خودکشی'' کہتے ہیں۔

خودکشی کرنا بہت بڑا گناہ ہے

اللہ تعالیٰ نے خودکشی کو حرام قرار دیا ہے۔ اس کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝﴾

''اور تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بہت مہربان ہے۔ اور جو شخص از راہ ظلم و زیادتی ایسا کرے

[1] البقرة 2:155-157۔

گا تو اسے ہم جہنم میں جھونک دیں گے اور یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے۔" [1]

یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل نہیں کہ جو شخص اس کی طرف سے آئی ہوئی آزمائشوں کو برداشت نہ کرے، مصیبتوں پر صبر نہ کرے اور پھر اپنی زندگی سے مایوس ہو کر اپنے آپ کو مار ڈالے تو وہ اسے جہنم میں ڈال دے۔ یہ اس کے لیے نہایت آسان کام ہے۔ جو آدمی اس طرح کا قدم اٹھاتا ہے وہ گویا اللہ کی رحمت سے مایوس ہو چکا ہوتا ہے اور اس کی رحمت سے مایوس کون ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ إِنَّهُۥ لَا يَاْيْـَٔسُ مِن رَّوْحِ ٱللَّهِ إِلَّا ٱلْقَوْمُ ٱلْكَـٰفِرُونَ ۝ ﴾

"اللہ کی رحمت سے مایوس تو کافر ہی ہوتے ہیں۔" [2]

دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ وَمَن يَقْنَطُ مِن رَّحْمَةِ رَبِّهِۦٓ إِلَّا ٱلضَّآلُّونَ ۝ ﴾

"اور اپنے رب کی رحمت سے تو صرف گمراہ لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔" [3]

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ رحمتِ باری تعالیٰ سے مایوس وہی ہو سکتا ہے جو کافر اور گمراہ ہو۔ مسلمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اس کی رحمت سے مایوس ہو۔ لہٰذا جو شخص مایوس ہو کر اپنے ہی ہاتھوں اپنی زندگی کا خاتمہ کر دے تو اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اسے جہنم میں جھونک دے گا۔ والعیاذ باللہ

اور رسول اکرم ﷺ نے یہ اصول مقرر کر دیا ہے کہ

((لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ)) "نہ اپنے آپ کو نقصان پہنچاؤ اور نہ کسی اور کو۔" [4]

لہٰذا ایسے جتنے بھی کام ہیں کہ جن سے انسان کو نقصان پہنچ سکتا ہو یا جو اس کی بربادی کا سبب بن سکتے ہوں وہ سب حرام ہیں۔

شریعت اسلامیہ میں خودکشی کرنا کتنا بڑا جرم ہے اس کا اندازہ آپ اس حدیث سے کر سکتے ہیں:

حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تم سے پہلی امت میں ایک شخص تھا جسے ایک زخم لگا تو وہ اسے برداشت نہ کر سکا، چنانچہ اس نے چھری اٹھائی اور اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اس سے اس کا خون بہنے لگا حتی کہ وہ مر گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا:

((بَادَرَنِي عَبْدِي بِنَفْسِهِ ، حَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ))

"میرے بندے نے اپنی جان کے بارے میں جلد بازی کی (تکلیف کو برداشت نہ کیا اور خود ہی اپنے آپ کو مار ڈالا) اس پر میں نے جنت کو حرام کر دیا ہے۔" [5]

[1] النساء 4:29-30. [2] یوسف 12:87. [3] الحجر 15:56. [4] سنن ابن ماجه: 2340. و صححه الألباني. [5] صحيح البخاري: 1364، 3463.

ایک اور حدیث میں خودکشی کو اتنا بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے کہ ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا تھا، کافروں کے خلاف سینہ تان کر لڑ رہا تھا، دشمنوں کی گردنیں تہہ تیغ کر رہا تھا، اسی دوران زخموں کی تاب نہ لا کر اس نے اپنے آپ کو مار ڈالا تو اس کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وہ جہنم میں چلا گیا ہے!

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مشرکین کا (کسی جنگ میں) آمنا سامنا ہوا اور دونوں فوجوں میں شدید لڑائی ہوئی۔ پھر رسول اللہ ﷺ اپنی قیامگاہ کی طرف لوٹ آئے اور دوسرے لوگ اپنے ٹھکانوں کی طرف چلے گئے۔ آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم میں ایک شخص ایسا تھا کہ اس کے سامنے مشرکین میں سے جو بھی آتا وہ اس پر حملہ آور ہوتا اور اپنی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی بہادری دیکھی تو اس کے متعلق کہا: جس طرح آج اس شخص نے شجاعت و بہادری کے کارنامے دکھائے ہیں اس طرح ہم میں سے کسی نے بھی نہیں دکھائے!

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ)) ''خبردار! وہ جہنمی ہے۔''

تو لوگوں میں سے ایک شخص کہنے لگا: آج میں اس کے ساتھ ہی رہونگا (تاکہ دیکھ سکوں کہ یہ جہنمی کیوں ہے) یہ کہہ کر وہ اس کے ساتھ نکل گیا۔ وہ جہاں رکتا یہ بھی رک جاتا۔ اور وہ جہاں تیز چلتا یہ بھی تیز چلنے لگتا۔ آخر کار وہ شخص شدید زخمی ہو گیا۔ چنانچہ وہ صبر نہ کر سکا اور اس نے اپنی موت کے لیے جلد بازی کرتے ہوئے تلوار کا قبضہ زمین پر ٹکایا اور تلوار کی نوک اپنے دونوں پستانوں کے درمیان رکھ کر اپنے بدن کا پورا بوجھ اس پر ڈال دیا اور یوں اس نے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔ اس کا یہ انجام دیکھتے ہی تعاقب کرنے والا صحابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ((أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ)) میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ یقینا اللہ کے رسول ہیں۔

آپ ﷺ نے پوچھا: بات کیا ہے؟ اس نے کہا: آپ نے جب یہ فرمایا تھا کہ فلاں آدمی جہنمی ہے تو لوگوں پر یہ بات بڑی گراں گذری تھی۔ اس پر میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ آج میں اس کا تعاقب کرونگا اور تمھیں بتاؤنگا کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ میں اس کے پیچھے نکل گیا یہاں تک کہ جب وہ شدید زخمی ہوا تو اس نے موت کے لیے جلد بازی کی۔ تلوار کا قبضہ زمین پر ٹکایا اور اس کی نوک اپنے سینے پر رکھ کر اپنے جسم کا پورا وزن اس پر ڈال دیا۔ اور یوں وہ خودکشی کر کے ہلاک ہو گیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيمَا يَبْدُوْ لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ فِيمَا يَبْدُوْ لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ))

''بے شک ایک آدمی بظاہر اہلِ جنت والا عمل کرتا ہے حالانکہ وہ اہلِ جہنم میں سے ہوتا ہے۔ اور ایک آدمی

بظاہر اہلِ جہنم والا عمل کرتا ہے اور در حقیقت وہ اہلِ جنت میں سے ہوتا ہے۔"[1]

یہ شخص جو اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا، بہادری اور شجاعت کے کارنامے دکھا رہا تھا، کافروں کی گردنیں کاٹ رہا تھا، اس کا خاتمہ جہنم والے عمل پر ہوا، اس لیے آپ ﷺ نے اسے جہنمی قرار دیا۔

جو لوگ دنیاوی مصیبتوں اور آزمائشوں سے تنگ آجاتے ہیں ان کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ بس اپنے آپ کو مار دو، ہر قسم کی پریشانیوں سے نجات مل جائے گی! یہ سوچ نہایت خطرناک ہے، کیوں؟ اس لیے کہ انھیں یہ نہیں معلوم کہ یہ قدم اٹھانے کے بعد وہ کتنی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے؟ اللہ تعالیٰ انھیں کتنے بڑے عذاب میں مبتلا کر دے گا؟ قبر میں کیا ہوگا اور قیامت کے روز ان سے کیا سلوک کیا جائے گا؟

رسول اکرم ﷺ کی ایک اور حدیث ملاحظہ کیجیے:

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

《مَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ يَتَرَدَّى فِيهِ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا》

"جو شخص کسی پہاڑ سے خود گر کر اپنے آپ کو مار ڈالے تو وہ جہنم کی آگ میں ہے اور برابر اپنے آپ کو اس میں نیچے کو گرا رہا ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔"

《وَمَنْ تَحَسَّى سُمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَسُمُّهُ فِي يَدِهِ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا》

"اور جو آدمی زہر پی کر اپنے آپ کو مار ڈالے (جیسا کہ آج کل ایسے واقعات بہت زیادہ رونما ہو رہے ہیں) تو وہ اپنی زہر اپنے ہاتھ میں لیے جہنم میں چلا جاتا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس میں رہے گا۔"

《وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَجَأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا》

"اور جو بندہ اپنے آپ کو لوہے کی کسی چیز کے ساتھ مار ڈالے تو وہ جہنم کی آگ میں اسی چیز کو ہاتھ میں لیے اسے اپنے پیٹ میں چبھوتا رہے گا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس میں رہے گا۔"[2]

وہ شخص جو خودکشی کرنا چاہتا ہو اسے اس سے پہلے ہزار بار سوچنا چاہیے کہ کیا وہ اس طرح کا اقدام کر کے واقعتا مشکلات سے نجات پا جائے گا؟ یا دنیاوی مشکلات سے کہیں بڑے عذاب میں مبتلا ہو جائے گا؟

اور جو لوگ اپنا گلا گھونٹ کر مر جاتے ہیں یا خود کو گولی مار کر خودکشی کر لیتے ہیں ان کا یہ جرم کس قدر سنگین ہے! اس کا اندازہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے کیا جا سکتا ہے:

[1] صحيح البخاري: 2898، صحيح مسلم: 112. [2] صحيح البخاري: 5778.

((اَلَّذِیْ یَخْنِقُ نَفْسَهُ یَخْنِقُهَا فِی النَّارِ ، وَالَّذِیْ یَطْعَنُهَا یَطْعَنُهَا فِی النَّارِ))

”جو شخص اپنا گلا گھونٹتا ہے وہ جہنم کی آگ میں بھی اسے گھونٹے گا۔ اور جو آدمی اپنے آپ کو (کسی چیز کے ساتھ) نشانہ بناتا ہے وہ جہنم کی آگ میں بھی اسے (اسی چیز کے ساتھ) نشانہ بنائے گا۔“[1]

وہ جہنم میں اپنا گلا بار بار گھونٹے گا ، اپنے آپ کو اسی اسلحے یا آلے کے ساتھ بار بار نشانہ بنائے گا جس کے ساتھ اس نے دنیا میں اپنے آپ کو نشانہ بنا کر مار ڈالا تھا، لیکن وہاں موت نہیں آئے گی۔ دنیا میں تو اس نے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا تھا لیکن جہنم میں وہ اس طرح نہیں کر سکے گا۔ موت اسے چاروں طرف سے گھیرے گی ضرور، لیکن آئے گی نہیں!

ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَیْئٍ فِی الدُّنْیَا عُذِّبَ بِهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ))

”جو آدمی دنیا میں اپنے آپ کو کسی چیز کے ساتھ مار دے تو اسے قیامت کے روز اسی چیز کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔“[2]

عزیزان گرامی! ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خود کشی چاہے کسی بھی طرح سے کی جائے حرام ہے۔ اور اپنے آپ کو مارنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور رسول اکرم ﷺ نے احادیث مبارکہ میں اس کی حرمت کو بالکل واضح فرما دیا ہے۔ لہٰذا کسی بھی انسان کو اس طرح کے اقدام کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے چہ جائیکہ وہ عملی طور پر اس کے لیے منصوبہ بندی کرے اور مناسب موقعہ کی تلاش میں رہے!

کیا خود کشی کرنے والا شخص ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہے؟

جو شخص خود کشی کا مرتکب ہو کیا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا خواہ وہ موحد مسلمان کیوں نہ ہو؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جو احادیث ذکر کی گئی ہیں ان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ خود کشی کرنے والے آدمی پر اللہ تعالیٰ نے جنت کو حرام کر دیا ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا...... تاہم ان احادیث کے بالمقابل کچھ احادیث ایسی بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موحد مومن (اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک بنانے سے اجتناب کرنے والا) جو کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہو اور بغیر توبہ کرنے کے مر جائے تو قیامت کے روز وہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے تابع ہو گا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اسے توحید کی بدولت معاف فرما دے گا اور جنت میں بھیج دے گا۔ اور اگر وہ چاہے گا تو اسے جہنم میں اس کے کبیرہ گناہوں کی سزا دے کر (نهر الحیاۃ) زندگی والی نہر میں پھینک دے گا جس میں اس کا جسم نئے سرے سے اُگے گا اور پھر اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اِس طرح کی احادیث

[1] صحیح البخاري: 1365. [2] متفق علیه.

کے پیشِ نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ خودکشی کا مرتکب اگر موحد ہوگا تو وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رہے گا بلکہ اسے اللہ تعالیٰ (اگر چاہے گا تو) اس کے جرم کی سزا دے کر جنت میں داخل کر دے گا۔ خودکشی کے متعلق احادیث مبارکہ میں جو سخت الفاظ وارد ہوئے ہیں ان سے مقصود اس جرم کی سنگینی کو بیان کرنا اور اقدامِ خودکشی کی شدید حوصلہ شکنی کرنا ہے۔ واللہ اعلم

خودکشی کرنے والے شخص کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

خودکشی کرنے والے انسان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا اس کے بغیر ہی اسے دفن کر دیا جائے گا؟

یہ مسئلہ بڑا اہم ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ تو پڑھنی چاہیے لیکن جس جگہ پر کسی شخص نے خودکشی کا ارتکاب کیا ہو وہاں کے اہل علم وفضل اور اس علاقے کے معتبر لوگوں کو اس میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ صرف عام لوگوں کو ہی اس کی نماز جنازہ میں شرکت کرنی چاہیے۔ تاکہ اس کے سنگین جرم کی حوصلہ شکنی ہو اور لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ خودکشی کرنا بہت بڑا گناہ ہے جس کی وجہ سے خودکشی کرنے والے شخص کی نماز جنازہ میں علاقے کے اہل علم وفضل نے شرکت نہیں کی۔

اس کی دلیل حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک میت کو لایا گیا جس نے اپنے ہی تیروں کے ساتھ اپنے آپ کو مار ڈالا تھا۔ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھائی۔[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی تاہم اس کی نماز جنازہ سے کسی کو روکا بھی نہیں۔ یہ اُس بات کی دلیل ہے جو ابھی ہم نے ذکر کی ہے۔

خودکشی آخر کیوں؟

جو دلائل ہم نے ذکر کئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ خودکشی کرنا حرام اور بہت بڑا گناہ ہے۔ لہٰذا دنیاوی مصیبتوں اور آزمائشوں سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ ان پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھیں جھیلنا چاہیے اور انھیں اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھنا چاہیے۔

انسان جن پریشانیوں میں مبتلا ہوتا ہے ان میں سے بعض کا تعلق ماضی کے ساتھ ہوتا ہے، بعض کا تعلق حال کے ساتھ اور بعض کا تعلق مستقبل کی فکر سے ہوتا ہے۔

اگر ان کا تعلق ماضی کے ساتھ ہو، مثلاً گذرے ہوئے زمانے میں کسی نے اس پر ظلم کیا ہو، یا کسی بڑی مصیبت

[1] صحیح مسلم۔

سے دو چار ہوا ہو اور وہ اس کے غم میں اس قدر نڈھال ہوجائے کہ اپنی زندگی سے ہی مایوس ہو جائے ، ماضی کی مشکلات اور آزمائشوں کے بارے میں سوچ سوچ کر وہ ہر وقت غمزدہ رہتا ہو اور آخر کار وہ یہ فیصلہ کر لے کہ اب اس کے زندہ رہنے کا کوئی فائدہ نہیں تو یہ عقلمندی نہیں ہے۔ ماضی میں جو کچھ ہوا ، آپ جن پریشانیوں سے دوچار ہوئے ، جو بھی ہوا اسے بھول جائیے اور پرانی باتوں کو اپنے ذہن میں مت جگہ دیجئے۔

جہاں تک حال کا تعلق ہے تو اگر کوئی انسان کسی آزمائش یا تکلیف میں مبتلا ہو تو اسے اس کو برداشت کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے ازالے کی دعا بار بار کرنی چاہیے کیونکہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اس کی پریشانیوں کو ختم کر سکے۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اس پر آئی ہوئی مشکلات کو ٹال سکے۔ اللہ ہی ہے جو مجبور ولاچار کی فریادرسی کرتا ہے اور اسے آزمائشوں سے نجات دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ﴾

”بھلا کون ہے جو لاچار کی فریادرسی کرتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور اس کی تکلیف کو دور کردیتا ہے؟ اور کون تمھیں زمین کا جانشین بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟“ [1]

اور جہاں تک مستقبل کا تعلق ہے تو آنے والی زندگی کے بارے میں انسان خواہ مخواہ پریشان ہو جاتا ہے اور سوچوں میں ڈوب جاتا ہے کہ پتہ نہیں کل کیا ہوگا! میرے بیوی بچے کن حالات کا سامنا کریں گے! میرے کاروبار کا کیا ہوگا! وغیرہ اور حقیقت یہ ہے کہ آنے والے زمانے کے ایک لمحہ کا بھی انسان کو پتہ نہیں کہ اس میں کیا ہوگا ، اس لیے اسے اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کرنا چاہیے اور اس پر حسن ظن رکھتے ہوئے اسے اس سے خیر کی امید رکھنی چاہیے۔ کیونکہ تمام امور اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور وہی مدبر اور مسبب الاسباب ہے۔ موجودہ پریشانیوں کی بناء پر مستقبل کے بارے میں بدشگونی لینے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے موجودہ پریشانیوں کے ازالے کا سوال کرے اور مستقبل میں خیر وبھلائی کی دعا بھی کرے اور امید بھی رکھے۔ یوں وہ پریشانیوں سے نجات حاصل کرسکتا ہے اور یقینی طور پر اس کا یہ طرز عمل اسے اقدام خودکشی سے باز رکھنے میں بہت حد تک معاون ومددگار ثابت ہوسکتا ہے۔

پریشانیوں کا ازالہ کیسے ممکن ہے؟

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ خودکشی تو ٹھہری حرام ، لیکن پریشانیوں اور آزمائشوں کا علاج کیا ہے؟ اور ان کا ازالہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ

1 جو شخص آزمائشوں اور مصیبتوں میں گھرا ہوا ہو اسے اللہ رب العزت کی تقدیر پر رضامندی کا اظہار کرنا چاہیے جو کہ

[1] النمل 62:27.

ایمان کے ارکان میں سے ایک رکن ہے اور اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا۔ جب تک آپ اچھی اور بری تقدیر پر سچا ایمان نہیں لائیں گے اس وقت تک آپ سچے مومن نہیں بن سکتے۔ لہٰذا آپ تقدیرِ باری تعالیٰ پر رضا مندی ظاہر کرتے ہوئے یہی کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو میری قسمت میں لکھا تھا وہی ہونا تھا، سو وہ ہوگیا جو اس نے مقدر کیا تھا، اب میں اس پر راضی ہوں اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

2 اللہ تعالیٰ کی توحید پر سچا ایمان ہو۔ آپ کا ایمان توحیدِ باری تعالیٰ پر جس قدر پختہ ہوگا اسی قدر آپ میں آزمائشوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنے کی ہمت اور اس کا حوصلہ زیادہ ہوگا۔ اور جس قدر یہ ایمان کمزور ہوگا اسی قدر آپ پست حوصلہ ہونگے اور مصائب ومشکلات کو برداشت کرنے کی ہمت کم ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم خودکشی کرنے والوں کے متعلق عالمی اداروں کے اعداد وشمار دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت دنیا میں ہر چالیس سیکنڈ کے بعد خودکشی کا واقعہ رونما ہورہا ہے! اور سال بھر میں تقریباً دس لاکھ لوگ خودکشی کرکے مرجاتے ہیں! یہ اعداد وشمار نہایت خطرناک ہیں۔ کیونکہ اتنے لوگ تو سالہا سال کی جنگ میں بھی نہیں مرتے۔ اور حیران کن بات یہ ہے کہ اتنے زیادہ لوگوں میں اکثر وبیشتر وہ ہیں جو غیر مسلم ہیں اور کافر ملکوں میں رہائش پذیر ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا اللہ تعالیٰ پر ایمان جس قدر مضبوط ہو وہ اتنا ہی مصیبتوں اور آزمائشوں کو برداشت کرجاتا ہے۔

3 ایک سچا مسلمان جب کسی آزمائش سے دوچار ہوتا یا کسی پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ اسے اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھتا ہے کیونکہ اسے پتہ ہے کہ میرے اوپر آنے والی ہر مصیبت میرے گناہوں کا ہی نتیجہ ہے۔ جب اس کے سوچنے کا انداز یہ ہوتا ہے تو وہ ہر مصیبت کو برداشت کرجاتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلاَ وَصَبٍ ، وَلاَ هَمٍّ وَلاَ حَزَنٍ ، وَلاَ أَذىً وَلاَ غَمٍّ ، حَتَّى الشَّوْكَةُ الَّتِيْ يُشَاكُهَا ، إِلَّا كَفَّرَ اللهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ))

''مسلمان کو جب تھکاوٹ یا بیماری لاحق ہوتی ہے، یا وہ حزن وملال اور تکلیف سے دوچار ہوتا ہے حتی کہ اگر ایک کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔'' (1)

4 پریشانیوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے دستِ دعا پھیلائیں۔ خاص طور پر ان دعاؤں کا اہتمام کیا کریں:

1 حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ نے پریشانی کے وقت یہ دعا پڑھنے کی تلقین کی: ((اَللهُ رَبِّيْ لَا أُشْرِكُ

(1) متفق علیہ۔

بِهٖ شَيْئًا)) ''اللہ ہی میرا رب ہے، میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا۔''[1]

2 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پریشانی کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے :

((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ))

''اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ، وہ عظمت والا اور بردبار ہے، اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ عرشِ عظیم کا رب ہے، اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ آسمانوں کا رب اور زمین کا رب اور عرشِ عظیم کا رب ہے۔''[2]

3 حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے پریشانی کے وقت یہ دعا پڑھنے کی تلقین کی :

((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَتَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ))

''اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ، وہ بردبار اور کریم ہے۔ اللہ پاک ہے اور بابرکت ہے وہ اللہ جو عرشِ عظیم کا رب ہے۔ اور تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔''[3]

4 حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پریشان حال کو یہ دعا پڑھنی چاہیے :

((اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ ، وَأَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهُ))

''اے اللہ ! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں۔ لہٰذا تو مجھے پل بھر کے لیے بھی میرے نفس کے حوالے نہ کر اور میرا ہر کام میرے لیے ٹھیک کردے۔''[4]

5 حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پریشانی کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے :

((يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ))

''اے زندہ، اے قیوم! میں تیری رحمت کے ساتھ مدد کا طلبگار ہوں۔''[5]

4 دعائے یونس علیہ السلام: ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾

''تیرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، تو پاک ہے۔ بے شک میں ہی ظلم کرنے والوں میں سے تھا۔''[6]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((إِنَّهُ لَمْ يَدْعُ بِهَا مُسْلِمٌ فِيْ شَيْئٍ قَطُّ إِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهُ بِهَا))

[1] سنن أبي داود: 1525. [2] متفق عليه. [3] مسند أحمد. [4] سنن أبي داود: 5090. [5] جامع الترمذي: 3524.
[6] يونس 21:87.

”جو مسلمان ان کلمات کے ساتھ کوئی بھی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے یقینا قبول کرتا ہے۔“[1]

5 ابتلاء اور آزمائش ہر انسان کا مقدر ہے۔ اللہ رب العزت متعدد قسمیں کھا کر فرماتے ہیں کہ ﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ○ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ○ وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ○ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ○﴾

”میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوں۔ اور آپ اس شہر میں مقیم ہیں۔ اور والد (آدم) اور اس کی اولاد کی قسم ! ہم نے انسان کو سختی جھیلتے رہنے والا پیدا کیا ہے۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :﴿یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰی رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ○﴾

”اے انسان ! تو تکلیف برداشت کر کے کشاں کشاں اپنے رب کی طرف جا رہا ہے۔“[2]

ان دونوں آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے اس کے مقدر میں لکھ دیا ہے کہ وہ مشکلات ومصائب سے دو چار ہوگا، ساری زندگی وہ اپنے مسائل کو حل کرنے میں لگا رہے گا، آخر کار اس پر موت آجائے گی اور اگر اس کا خاتمہ ایمان وعمل وصالح پر ہوگا تو وہ دنیا کی آزمائشوں سے نجات پا جائے گا۔ گویا دنیا تو مصائب کا گھر ہے۔ لہٰذا مشکلات میں پھنسے ہوئے انسان کو ان پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

((إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ ، وَإِنَّ اللّٰه إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ ، فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السُّخْطُ))

”بڑا بدلہ بڑی آزمائش پر ملتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے آزماشوں سے دو چار کر دیتا ہے۔ لہٰذا جو راضی ہو جائے اس کے لیے اللہ کی رضا ہے اور جو ناراض ہو اس کے لیے اللہ کی ناراضگی ہے۔“[3]

اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام آزمائشوں سے محفوظ رکھے۔

دوسرا خطبہ

خودکشی کے نتیجے میں بے گناہ لوگوں کا قتل !!!

برادران اسلام ! ایک خودکشی وہ ہے جس کا ابھی تذکرہ ہوا ہے اور دوسری وہ ہے جس کے نتیجے میں نہ صرف خودکشی کرنے والا ہلاک ہوتا ہے بلکہ وہ اپنے ساتھ دوسروں کی ہلاکت کا بھی سبب بنتا ہے ! یہ اُس پہلے جرم سے کہیں زیادہ بڑا اور سنگین جرم ہے۔ یہ فساد فی الارض ہے جس میں بے گناہ لوگوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ کوئی بندہ اپنے جسم پر

[1] الحاکم. [2] الانشقاق 84:6. [3] جامع الترمذي: 2396، وسنن ابن ماجه: 4031. وصححه الألباني.

بارودی بیلٹ باندھ کر لوگوں میں گھس جائے اور دھماکہ کرکے اپنے آپ کو بھی مار دے اور دیگر کئی لوگوں کو بھی مار ڈالے، یہ اِس قدر سنگین گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جان بوجھ کر کسی ایک مومن کو قتل کرنے پر پانچ وعیدیں سنائی ہیں۔ باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَاَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾

''اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے اس کی سزا جہنم ہے (یہ پہلی وعید)، اس میں وہ ہمیشہ رہے گا (یہ دوسری وعید)، اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے (یہ تیسری وعید)، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے (یہ چوتھی وعید) اور اس نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے (یہ پانچویں وعید)''[1]

بہر حال خودکشی جیسی بھی ہو، اس کے نتیجے میں صرف خودکشی کرنے والا ہی مرے یا وہ اپنے ساتھ کئی اور لوگوں کو بھی مار ڈالے، دونوں طرح حرام ہے۔ اس لیے اس کا تصور بھی نہیں کرنا چاہیے۔

اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی کچھ اور صورتیں!

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾

''اور اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔''[2]

اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ کوئی شخص اپنا گلا گھونٹ کر مر جائے، یا تیز دھار آلے کے ساتھ اپنا گلا کاٹ دے، یا زہریلی ادویات استعمال کرکے یا خودکار اسلحے سے اپنے آپ کو نشانہ بنا کر چند لمحات میں ہی اپنی زندگی کا خاتمہ کر دے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ فوری طور پر چند لمحات میں ہی اپنا خاتمہ نہ کرے بلکہ ایسی چیزیں استعمال کرے کہ جو رفتہ رفتہ اسے موت کی گھاٹی میں اتار دیں! مثلاً نشہ آور چیزوں کا استعمال اور سگریٹ نوشی کرنا۔ سگریٹ ایسی نامراد چیز ہے کہ اس کی وجہ سے سگریٹ نوشی کرنے والا کینسر جیسے مہلک مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ عالمی اعداد و شمار کے مطابق اس خطرناک مرض کا سب سے بڑا سبب سگریٹ نوشی کرنا ہے۔ سگریٹ نوشی کرنے والا شخص اپنے آپ کو اندر سے جلاتا ہے اور اس کے دھویں کے ساتھ اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے۔

اِس کی ایک اور صورت یہ ہے کہ کوئی شخص مالی پریشانیوں کی بناء پر اپنے جسم کا کوئی اہم عضو بیچ دے، جبکہ اسے معلوم ہے کہ اس کے اعضاء اللہ رب العزت نے اس کے جسم میں فٹ کئے ہیں، اور ہر عضو کو اس کی صحیح جگہ پر فٹ کیا گیا ہے اور ہر ایک کا کام بھی متعین ہے، اگر کسی عضو کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا دیا جائے یا اسے جسم سے الگ کر دیا

[1] النساء4:93. [2] البقرۃ2:195.

جائے تو سارے جسم کا نظام بگڑ جاتا ہے۔جسم کے کسی عضو کو بیچنا دراصل اپنے آپ کو رفتہ رفتہ موت کے منہ میں دھکیلنا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایسا کوئی بھی کام جس کا نتیجہ اسی وقت ہلاکت کی صورت میں نظر آئے یا رفتہ رفتہ اسے ہلاکت کی طرف لے جائے ، چند دنوں بعد یا چند مہینوں بعد یا چند سالوں بعد، تو ایسے تمام کے تمام کام شریعت کی نظر میں حرام ہیں۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو دین پر استقامت دے اور غیر مسلموں کو دین حق کو قبول کرنے اور ہمیں ان تک یہ دین پہنچانے کی توفیق دے۔آمین

رزق حلال ہی آخر کیوں؟

اہم عناصرِ خطبہ

1. رزق دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے
2. تمام خزانوں کی چابیاں صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں
3. رزق کے حصول کے لیے جدو جہد اور محنت کرنے کا حکم
4. رزق حلال ہی آخر کیوں؟
5. حرام کمائی ایک سنگین جرم
6. حرام کمائی کی مختلف صورتیں
7. حرام خوری کے اسباب

پہلا خطبہ

معزز سامعین ! آج کے خطبۂ جمعہ کا موضوع ہے ''رزق حلال ہی آخر کیوں؟''

اس موضوع پر بات کرنے سے پہلے کچھ اہم نکات کا بیان کرنا ضروری ہے۔

سب سے پہلا نکتہ یہ ہے کہ ہمیں بحیثیت مسلمان اس بات پر یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی ''رزاق'' یعنی رزق دینے والا ہے۔اس کے علاوہ کسی کے پاس اس کا اختیار نہیں کہ وہ کسی کو رزق دے۔

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿مَآ أُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ أُرِيْدُ أَنْ يُّطْعِمُوْنِ ○ إِنَّ اللهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○﴾

''میں ان سے رزق نہیں چاہتا اور نہ ہی یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ اللہ تعالیٰ تو خود ہی رزاق ہے۔ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔''[1]

نیز اس کا فرمان ہے: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا﴾

''زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو۔''[2]

رزق کے فیصلے آسمان سے ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ○﴾

''آسمان میں تمھارا رزق ہے اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔''[3]

[1] الذاریات 51:57-58. [2] ھود 11:6. [3] الذاریات 51:22.

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ؀﴾

''اللہ ہی ہے جس نے تمھیں پیدا کیا، پھر تمھیں رزق دیا، پھر تمھیں مارے گا اور پھر تمھیں زندہ کرے گا۔ تو کیا تمھارے شرکاء میں سے کوئی ایک شریک ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کوئی کام کرتا ہو؟ وہ پاک ہے اور ان کے شرک سے بلند و بالا ہے۔''[1]

ان تمام آیات کریمہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی رزاق ہے اور رزق دینے کے تمام اختیارات اسی کے پاس ہیں۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ تمام خزانوں کی چابیاں صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَاۗىِٕنُهٗ ۡ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ؀﴾

''کوئی بھی ایسی چیز نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں۔ اور اسے ہم ایک معلوم مقدار کے مطابق ہی نازل کرتے ہیں۔''[2]

لہٰذا رزق صرف اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کرنا چاہیے اور اس کا سوال اس کے سوا کسی سے نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا تھا: ﴿ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ؀﴾

''اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو وہ تمھیں رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ لہٰذا تم اللہ ہی سے رزق مانگو، اسی کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔ تم اسی کی طرف ہی لوٹائے جاؤ گے۔''[3]

جن کو لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ پکارتے ہیں ان کے نام انھوں نے چاہے جو بھی رکھ چھوڑے ہوں مثلاً داتا، غریب نواز، دستگیر وغیرہ تو ان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اللہ کو چھوڑ کر کسی سے رزق نہیں مانگنا چاہیے۔

رزق کے حصول کے لیے جدو جہد اور محنت کرنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے دن کو کمانے کے لیے اور رات کو آرام کرنے کے لیے بنایا۔ اس کا فرمان ہے:

﴿ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ؀ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ؀﴾

''اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا اور دن کو معاش کا وقت بنایا۔''[4]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

[1] الروم 40:30۔ [2] الحجر 21:15۔ [3] العنکبوت 17:29۔ [4] النبأ 78:11-12۔

﴿ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾

''اور اس کی رحمت ہے کہ اس نے تمھارے لیے رات اور دن کو بنایا تا کہ تم (رات میں) سکون حاصل کرو اور (دن میں) اس کا رزق تلاش کرو۔ اور شاید تم شکر گذار بن جاؤ۔''[1]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو حصولِ رزق کے لیے جدو جہد اور محنت کرنے کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ۝ ﴾

''وہی تو ہے جس نے زمین کو تمھارے تابع کر رکھا ہے۔ لہٰذا تم اس کے اطراف میں چلو پھرو اور اللہ کا رزق کھاؤ۔ اور اسی کی طرف تمھیں زندہ ہو کر جانا ہے۔''[2]

اسی طرح اس کا فرمان ہے:

﴿ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾

''پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے رزق کو تلاش کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''[3]

ان دونوں آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جس زمین کو اس نے تمھارے لیے مسخر کر دیا ہے تم اس میں چلو پھرو اور اللہ تعالیٰ کے رزق کو تلاش کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ رزق کی تلاش کے لیے انسان کو گھر سے باہر نکلنا چاہیے اور اس کے حصول کے لیے جد و جہد اور محنت کرنی چاہیے۔ اور اپنے ہاتھوں سے کما کر وہ خود بھی کھائے اور اپنے زیر کفالت افراد کو بھی کھلائے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللهِ دَاوُدَ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ))

''کسی شخص نے کبھی اُس کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا جو وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتا ہو۔ اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام (باوجود بادشاہ ہونے کے) اپنے ہاتھ کی کمائی سے ہی کھایا کرتے تھے۔''[4]

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[1] القصص 73:28. [2] الملك 15:67. [3] الجمعة 10:62. [4] صحيح البخاري: البيوع باب كسب الرجل وعمله بيده: 2072.

((إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ))

''تمھارے کھانے کو سب سے اچھی چیز وہ ہے جسے تم خود کماؤ۔''①

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے خود محنت کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((لَأَنْ يَحْتَطِبَ أَحَدُكُمْ حُزْمَةً عَلَى ظَهْرِهِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ أَحَدًا فَيُعْطِيَهُ أَوْ يَمْنَعَهُ))

''تم میں سے کوئی شخص اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھالائے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے اِس سے کہ وہ کسی سے مانگے تو وہ اسے کچھ دے یا نہ دے۔''②

رزق حلال ہی آخر کیوں؟

کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کمائی کے لیے جد وجہد اور محنت کرنے کا حکم دیا ہے تو پھر انسان آزاد ہے۔ جو چاہے کمائے اور جیسے چاہے رزق حاصل کرے!

مگر ایسا سوچنا درست نہیں کیونکہ انسان آزاد نہیں بلکہ وہ اس بات کا پابند ہے کہ حلال کمائے اور جائز طریقوں سے رزق کے حصول کے لیے محنت کرے۔ حرام کمانا اور حصول رزق کے لیے ناجائز وسائل اختیار کرنا قطعاً درست نہیں ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ○ ﴾

''اے لوگو! تم زمین میں سے صرف وہ چیزیں کھاؤ جو حلال اور پاک ہوں۔ اور شیطان کے نقش قدم پہ نہ چلو کیونکہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔''③

اور خاص طور پر مومنوں کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ○ ﴾

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ ہی کی عبادت کرنے والے ہو تو ہم نے تمھیں جو پاکیزہ چیزیں دی ہیں انھی میں سے کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔''④

ان دونوں آیات اور ان جیسی دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم صرف وہی چیزیں کھا پی سکتے ہیں جو ہمارے لیے حلال اور پاکیزہ ہوں۔ اور حلال چیزیں وہی ہوسکتی ہیں جنھیں ہم نے جائز وسائل سے کمایا ہو۔ ناجائز وسائل کے ذریعے کمائی ہوئی چیزیں حلال نہیں بلکہ حرام ہوتی ہیں۔ اسی طرح ناپاک چیزیں بھی حرام ہی ہوتی ہیں۔ وہ حلال نہیں ہو

① جامع الترمذي: 1385، سنن ابن ماجه: 2290. وصححه الألباني. ② صحيح البخاري: البيوع باب كسب الرجل وعمله بيده: 2047. ③ البقرة 168:2. ④ البقرة 172:2.

سکتیں۔لہٰذا صرف اور صرف پاکیزہ چیزوں کے حصول کے لیے ہی جد وجہد کرنی چاہیے اور وہ بھی جائز وسیلوں کے ساتھ۔
اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آخر رزقِ حلال ہی کیوں؟
تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسی کا حکم دیا ہے اس لیے ہماری پوری جد وجہد رزق حلال کے لیے ہی ہونی چاہیے۔ دوسرا اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے پیشین گوئی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

((لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ بِمَا أَخَذَ الْمَالَ ، أَمِنْ حَلَالٍ أَمْ مِنْ حَرَامٍ))

”لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ جب آدمی کو کوئی پروا نہ ہوگی کہ اس نے مال کیسے حاصل کیا، حلال طریقے سے یا حرام طریقے سے!“[1]

اور ہم سمجھتے ہیں کہ جس زمانے کی رسول اکرم ﷺ نے پیشین گوئی کی تھی اب وہی زمانہ ہے کہ جس میں بہت سارے لوگوں کو مطلقا اس کی پروا نہیں کہ مال کہاں سے اور کیسے آ رہا ہے؟ حلال وحرام کی تمیز کیے بغیر بس یہی خواہش ہے کہ مال زیادہ سے زیادہ جمع ہو۔ جہاں سے ہو اور جیسے ہو۔ لہٰذا یہ انتہائی ضروری ہے کہ لوگوں کو اس سلسلے میں متنبہ کیا جائے۔

تیسرا اس لیے کہ قیامت کے روز ہر انسان سے مال کے متعلق دو سوالات ہونے والے ہیں۔ مال کہاں سے کمایا تھا اور اسے کہاں خرچ کیا تھا؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ : عَنْ عُمُرِهِ فِيْمَ أَفْنَاهُ ، وَعَنْ شَبَابِهِ فِيْمَ أَبْلَاهُ ، وَ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيْمَ أَنْفَقَهُ ، وَ مَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ))

”قیامت کے دن پانچ چیزوں کے بارے میں سوالات سے پہلے کسی بندے کے قدم اپنے رب کے پاس سے ہل نہیں سکیں گے: عمر کے بارے میں کہ اس نے اسے کس چیز میں گذارا؟ جوانی کے بارے میں کہ اس نے اسے کس چیز میں گنوایا؟ مال کے بارے میں کہ اس نے اسے کہاں سے کمایا اور کہاں پر خرچ کیا؟ اور علم کے بارے میں کہ اس نے اس پر کتنا عمل کیا؟۔“[2]

چوتھا اس لیے کہ حرام کمانے والے انسان کی دعائیں ہی قبول نہیں کی جاتیں۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ وَلَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا))

”اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک چیز کو قبول کرتا ہے۔“[3]

[1] صحيح البخاري: 2059، 2083. [2] جامع الترمذي: 2416. وصححه الألباني. [3] صحيح مسلم: 1014.

پھر آپ نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو لمبا سفر کر کے پراگندہ اور غبار آلود حالت میں آسمان کی طرف ہاتھوں کو بلند کر کے دعا کرتا ہے: اے میرے رب، اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا، اس کا پینا اور اس کا لباس حرام کمائی سے ہوتا ہے اور اس کے جسم کی پرورش حرام رزق سے ہوئی ہوتی ہے تو ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہوسکتی ہے!''

حرام کمائی ایک سنگین جرم

حرام طریقوں سے مال کمانا بہت بڑا گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ﴾

''اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ، ہاں تمھاری آپس کی رضامندی سے خرید وفروخت ہو (تو ٹھیک ہے)''[1]

اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾

''اور ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھایا کرو۔ اور نہ ہی حاکموں کو رشوت دے کر کسی کا کچھ مال ظلم وستم سے اپنا کر لیا کرو حالانکہ تم جانتے ہو۔''[2]

ان دونوں آیات میں ((بِالْبَاطِلِ)) یعنی ناجائز طریقے سے مال کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ اور اس میں ہر ناجائز اور ناحق طریقہ شامل ہے مثلا چوری کرنا، کسی کا مال غصب کرنا، خرید وفروخت میں دھوکہ اور فریب کرنا، ڈاکہ زنی کرنا، سودی لین دین کرنا، امانت میں خیانت کرنا، جوے بازی کرنا اور حرام چیزوں کی تجارت کرنا وغیرہ۔

اور دوسری آیت میں خاص طور پر حاکموں کو رشوت دے کر کسی کا مال ناجائز طور پر کھانے سے منع کیا گیا ہے جبکہ اس دور میں یہ چیز عام ہے۔ چنانچہ تھانوں میں پولیس کو رشوت دے کر جھوٹے کیس درج کروا لیے جاتے ہیں اور بے گناہ لوگوں کو پریشان کیا جاتا بلکہ ان پر ظلم کیا جاتا ہے۔ اور گواہوں، وکیلوں اور ججوں کو رشوت دے کر فیصلہ اپنے حق میں کروا لیا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ کسی شریف آدمی کا مال ہتھیانے یا اس کی جائیداد پر ناجائز قبضہ کرنے کے لیے ہی کیا جاتا ہے۔ فإلى الله المشتكى ولا حول ولا قوة إلا بالله۔

[1] النساء4:29. [2] البقرة2:188.

حرام کمائی کی مختلف صورتیں

1 چوری کرنا

کسی کے مال کی چوری کرنا حرام ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے چور کے لیے بہت سخت سزا مقرر فرمائی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ ﴾

”اور چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو۔ یہ بدلہ ہے اس کا جو انھوں نے کیا۔ اور عذاب ہے اللہ کی طرف سے۔ اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔“[1]

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو ہاتھ ناجائز طور پر کسی کے مال کی طرف بڑھتا اور اس پر قبضہ جما لیتا ہے اس ہاتھ کو باقی رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اسے اس آدمی کے جسم سے کاٹ کر الگ کرنا ضروری ہے جو اس قسم کی جسارت کرتا اور دوسروں کے مال کی حرمت کو پامال کرتا ہے۔

بعض لوگ مسافروں کی جیبیں کاٹ لیتے ہیں۔ یا خفیہ طور پر ہاتھ کی صفائی کے ساتھ ان کی جیبوں سے نقدی رقم نکال لیتے ہیں۔ یا کوئی نشہ آور چیز کھلا پلا کر ان کی تمام قیمتی اشیاء اپنے قبضے میں لے لیتے ہیں۔ یہ سب چوری ہی کی شکلیں ہیں۔

بعض لوگ دوسروں کی معمولی قسم کی چیزوں کو بلا اجازت اپنے قبضے میں لے لیتے ہیں اور اسے چوری تصور نہیں کرتے۔ حالانکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

« لَعَنَ اللّٰهُ السَّارِقَ ، يَسْرِقُ الْبَيْضَةَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ، وَيَسْرِقُ الْحَبْلَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ »

”چور پر اللہ کی لعنت ہو جو ایک انڈے کی چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ اور ایک رسی کی چوری کرتا ہے تو اپنا (دوسرا) ہاتھ بھی کٹوا بیٹھتا ہے۔“[2]

2 ڈاکہ زنی

بعض لوگ دن دہاڑے دیواریں پھلانگ کر گھروں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور اسلحہ کی نوک پر گھر والوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ اور بعض لوگ مسافروں اور راہگیروں کو لوٹ لیتے ہیں۔ اسی کو ڈاکہ زنی کہتے ہیں۔ اور جو ڈاکو اس طرح

[1] المائدۃ 5:38. [2] صحيح البخاري:6783، صحيح مسلم:1687.

لوٹ مار کرتے اور لوگوں کی جانوں اور ان کے مالوں کی حرمت کو پامال کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ انھیں قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ وہ لوگوں کے جان و مال کے لیے خطرہ بنتے ہیں تو خود انھی کو قتل کرنا ضروری ہو جاتا ہے تاکہ ان کے شر سے لوگ محفوظ رہ سکیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴾

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے اور زمین میں فساد بپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی سزا یہی ہو سکتی ہے کہ انھیں اذیت دے کر قتل کیا جائے، یا سولی پر لٹکایا جائے، یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیے جائیں، یا انھیں جلا وطن کر دیا جائے۔ ان کے لیے یہ ذلت دنیا میں ہے اور آخرت میں انھیں بہت بڑا عذاب ہوگا۔'' ①

3 جوا کھیلنا

بعض لوگ جوا کھیل کر پیسے کماتے ہیں۔ مثلاً کسی کلب وغیرہ میں بیٹھ کر تاش یا کوئی اور گیم کھیلتے ہیں اور اس پر جوا لگاتے ہیں۔ یا راتوں رات کروڑ پتی بننے کی خواہش لیے کسی بڑی لاٹری میں حصہ لیتے ہیں اور زندگی بھر کی پونجی اس میں جھونک دیتے ہیں۔ پھر لاٹری ان میں سے کسی ایک کے نام نکلتی ہے اور باقی سب لوگ منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔ تو اس طرح آمدنی کے جتنے ذرائع ہیں وہ سب حرام ہیں ہیں۔ جوے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾

''اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور وہ پتھر جن پر بتوں کے نام سے جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور فال نکالنے کے تیر (یہ سب) ناپاک ہیں اور شیطان کے کام ہیں۔ لہٰذا تم ان سے بچو تاکہ کامیابی حاصل کر سکو۔'' ②

((المیسر)) سے مراد ہر وہ کام ہے جس میں مختلف لوگ ایک جیسی رقم لگا کر شریک ہوں۔ لیکن بعد میں بعض کو ملے اور بعض کو نہ ملے۔ یا بعض کو کم ملے اور بعض کو زیادہ۔

مثلاً انعامی بانڈز، سیونگ سرٹیفکیٹ، ریفل ٹکٹ اور خریدی ہوئی اشیاء میں سے انعامی کوپن نکالنا وغیرہ۔ اسی طرح

① المآئدۃ5:33. ② المآئدۃ5:90.

اس میں انشورنس کی مختلف صورتیں بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ کئی لوگ پیسوں کے عوض کچھ نمبر خرید لیتے ہیں، پھر ان میں قرعہ اندازی ہوتی ہے اور بعض نمبروں کے لیے انعامات نکالے جاتے ہیں۔ تو یہ بھی جوا ہے۔

4 سودی لین دین

سودی لین دین کے ذریعے کمانا بھی حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب کرکے سودی لین دین کو قطعی طور پر چھوڑ دینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو یہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلانِ جنگ کے مترادف ہوگا۔

فرمایا: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَذَرُوا۟ مَا بَقِىَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓا۟ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا۟ فَأْذَنُوا۟ بِحَرْبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَٰلِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ○ ﴾

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اگر تم سچے مومن ہو تو جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہاں اگر توبہ کر لو تو تمھارا اصل مال تمھارا ہی ہے۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔“[1]

سامعین کرام! اگر آپ میں سے کوئی شخص سودی لین دین کرنے میں ملوث ہے تو وہ فوراً اس سے سچی توبہ کرے اور اسے چھوڑ دے۔ نہ آپ خود کسی شخص سے اور نہ ہی کسی بنک سے سود پر قرضہ لیں۔ نہ اپنی ضروریات کے لیے اور نہ ہی تجارتی مقاصد کے لیے۔ اور نہ ہی کسی کو سود پر قرضہ دیں۔ اور نہ ہی کسی بنک میں فکس منافع پر رقم جمع کرائیں کیونکہ یہ بھی سود ہی کی ایک شکل ہے۔

جاہلیت کے دور میں جب ایک مالدار شخص کسی غریب کو قرضہ دیتا تو سود کے ساتھ دیتا۔ پھر جب وہ مقررہ مدت میں قرضہ واپس نہ کرتا تو قرض خواہ سود کی مقدار میں اضافہ کرتے ہوئے مدت بڑھا دیتا۔ پھر کرتے کرتے سود اصل قرضہ سے زیادہ ہو جاتا۔ یہ بدترین ظلم تھا جسے اسلام نے قطعی طور پر حرام کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوا۟ ٱلرِّبَوٰٓا۟ أَضْعَٰفًا مُّضَٰعَفَةً ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ ﴾

”اے ایمان والو! تم بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو سکو۔“[2]

سود کتنا بڑا گناہ ہے! اس کا اندازہ آپ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے کر سکتے ہیں:

((اَلرِّبَا سَبْعُونَ حَوْبًا ، أَيْسَرُهَا أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ))

[1] البقرۃ 2:278-279۔ [2] آل عمران 3:130۔

''سود میں ستر گناہ ہیں اور اس کا سب سے ہلکا گناہ ایسے ہے جیسے کوئی آدمی اپنی ماں سے نکاح کرلے۔''[1]

اور دوسری روایت میں ہے: ((اَلرِّبَا اِثْنَانِ وَسَبْعُوْنَ بَابًا أَدْنَاهَا مِثْلُ إِتْيَانِ الرَّجُلِ أُمَّهُ۔۔))

''سود کے بہتر دروازے ہیں اور اس کا سب سے ہلکا گناہ ایسے ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔''[2]

اور حضرت عبداللہ بن حنظلۃ الراہب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((دِرْهَمُ رِبًا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ عِنْدَ اللهِ مِنْ سِتَّةٍ وَّثَلَاثِيْنَ زَنْيَةً))

''جانتے ہوئے سود کا ایک درہم کھانا اللہ کے نزدیک چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ برا ہے۔''[3]

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ((لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ آكِلَ الرِّبَا ، وَمُوْكِلَهُ ، وَكَاتِبَهُ ، وَشَاهِدَيْهِ ، وَقَالَ : هُمْ سَوَاءٌ))

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی سود کھانے والے پر، سود کھلانے والے پر، اس کے لکھنے والے پر، اس کے گواہوں پر۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔[4]

محترم سامعین!

اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہو کہ سود سے مال بڑھتا اور اس میں اضافہ ہوتا ہے تو یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝﴾

''اور تم لوگ جو سود دیتے ہوتا کہ لوگوں کے اموال میں اضافہ ہو جائے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا۔ اور تم لوگ جو زکاۃ دیتے ہو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے تو ایسے ہی لوگ اسے کئی گنا بڑھانے والے ہیں۔''[5]

بلکہ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا کہ وہ سودی معیشت کو برباد کردیتا ہے: ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾

''اللہ سود کو مٹاتا اور صدقوں کو بڑھاتا ہے۔''[6]

ان دونوں آیات سے ثابت ہوا کہ سود سے مال میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ کمی واقع ہوتی ہے۔ ہاں جو چیز مال میں بڑھوتری کا سبب بنتی ہے وہ ہے صدقہ وزکاۃ۔

اور جو لوگ سودی لین دین کرکے ہمیشہ اپنا روپیہ پیسہ بڑھانے کے چکر میں رہتے ہیں انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] سنن ابن ماجه: 2247. وصححه الألباني. [2] الطبراني عن البراء: 5. صحيح الجامع للألباني: 3537. [3] سلسلة الأحاديث الصحيحة: 1033. [4] صحيح مسلم: 1598. [5] الروم 30: 39. [6] البقرة 2: 276.

«مَا أَحَدٌ أَكْثَرَ مِنَ الرِّبَا إِلَّا كَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهِ إِلَى قِلَّةٍ»

"کوئی شخص چاہے کتنا سود لے لے اس کا انجام آخر کار قلت اور خسارہ ہی ہوگا۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے سودی لین دین کرنے والے شخص کو سخت ترین وعید سنائی ہے۔ اس کا فرمان ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ ایسے ہی کھڑے ہوں گے جیسے ایک شخص کو شیطان نے چھو کر خبطی بنا دیا ہو۔ یہ اس لیے کہ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کر دیا ہے۔ لہٰذا جس شخص کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی اور وہ (سودی لین دین سے) باز آ گیا تو اس کے لیے ہے جو گزر گیا۔ اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اور جو شخص دوبارہ (سود کی طرف) لوٹا تو ایسے لوگ جہنمی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔"[2]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ سود خوری کرنے والا شخص قیامت کے روز پاگل اور دیوانہ کھڑا کیا جائے گا۔ اور اگر کوئی سود خور قرآن وحدیث کے ذریعے سود کی حرمت معلوم کرنے کے بعد بھی سودی لین دین کو جاری رکھے تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

5 جھوٹی قسم اٹھا کر کسی کے مال پر قبضہ کرنا

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «مَنْ حَلَفَ عَلَىٰ يَمِيْنٍ فَاجِرَةٍ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ»

"جو آدمی جھوٹی قسم اٹھائے تاکہ اس کے ذریعے کسی مسلمان کے مال پر قبضہ کر لے تو وہ اللہ تعالیٰ کو اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر ناراض ہوگا۔"[3]

6 ماپ تول میں کمی کرنا

بعض لوگ ماپ تول میں کمی کر کے پیسہ کماتے ہیں اور یہ حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَي النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْھُمْ اَوْ وَّزَنُوْھُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ ﴾

[1] سنن ابن ماجه: 2279. وصححه الألباني. [2] البقرة 2:275. [3] متفق عليه.

”ہلاکت وبربادی ہے ماپ تول میں کرنے والوں کے لیے۔ جو جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب انھیں ماپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔“ [1]

یعنی دوہرا معیار اپنا رکھا ہے کہ جب لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب کوئی چیز دیتے ہیں تو ماپ تول میں ڈنڈی مارتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے تباہی وبربادی ہے! والعیاذ باللہ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِلَّا أُخِذُوا بِالسِّنِينَ وَشِدَّةِ الْمَئُونَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ))

”جو قوم ماپ تول میں کمی کرتی ہے اسے قحط سالی، مہنگائی اور بادشاہ کے ظلم میں جکڑ لیا جاتا ہے۔“ [2]

7 کاروبار میں دھوکہ کرنا

بعض لوگ اپنے کاروبار میں دھوکہ، فراڈ اور ملاوٹ وغیرہ کرکے پیسہ کماتے ہیں اور یہ حرام ہے۔

ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کا گذر غلہ کے ایک ڈھیر سے ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کے اندر ہاتھ ڈالا تو آپ کی انگلیوں کو نمی سی محسوس ہوئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا! غلہ بیچنے والے! یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: اللہ کے رسول! اسے بارش نے تر کردیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ ! مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي))

”اسے تم نے اوپر کیوں نہ رکھا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیتے! جو شخص دھوکہ کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔“ [3]

اس سے معلوم ہوا کہ کاروبار میں دھوکہ، فراڈ اور ملاوٹ کرنا حرام ہے۔

8 رشوت لینا

بعض لوگ کسی کا کوئی کام کرکے یا کرواکے اس کے بدلے میں رشوت لیتے ہیں۔ اور اب تو نوبت یہاں تک جا پہنچی ہے کہ اس میں بالکل ہی شرم محسوس نہیں کی جاتی۔ بلکہ پوری بے شرمی کے ساتھ اس کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ پہلے 'مک مکا' ہوتا ہے اور پھر اس کام کے لیے کوئی پیش رفت ہوتی ہے۔ رشوت ایک ایسا ناسور بن چکا ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا کام بھی بغیر رشوت کے نہیں ہوتا۔ اس لعنت کی وجہ سے حق والوں کو ان کے حقوق سے محروم کردیا جاتا ہے اور جو اس کے مستحق نہیں ہوتے انھیں نواز دیا جاتا ہے۔

جبکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((لَعَنَ اللّٰهُ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ وَالرَّائِشَ بَيْنَهُمَا))

[1] المطففین 83:1-3. [2] سنن ابن ماجۃ: 4019. وصححہ الألبانی. [3] صحیح مسلم: 102.

”اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے رشوت دینے والے پر، لینے والے پر اور اس پر بھی جو ان دونوں کے درمیان معاملہ طے کرواتا ہے۔“ ①

ہاں اگر کسی صاحبِ حق کو اس کا حق رشوت دیے بغیر نہ مل رہا ہو تو اپنا حق لینے یا اپنے اوپر ظلم ہونے سے بچنے کے لیے وہ رشوت دے سکتا ہے۔ اس صورت میں دینے والے کو گناہ نہیں ہوگا بلکہ لینے والے اور معاملہ طے کرانے والے کو ہی ہوگا۔ ②

9 حرام اشیاء کا کاروبار کرنا

اشیائے محرمہ کا کاروبار کرنا حرام ہے۔ اور جو شخص شریعت میں حرام کردہ چیزوں کے ساتھ تجارت اور کاروبار کرتا ہو اس کی اس کاروبار کے ذریعے ہونے والے آمدنی بھی حرام ہی ہوگی۔

مثلاً سگریٹ، تمباکو، شراب اور تمام نشہ آور اشیاء کا کاروبار حرام ہے۔ اسی طرح موسیقی اور گانوں پر مشتمل کیسٹوں یا سی ڈیز کا کاروبار۔ اسی طرح فلمی کیسٹوں اور سی ڈیز کا لین دین کرنا۔ اسی طرح حرام جانوروں کی خرید وفروخت بھی حرام ہے اور ان کے ذریعے ہونے والی آمدنی بھی۔ اس کے علاوہ کسی ناجائز کام کے ذریعے کمانا بھی ناجائز ہے۔ مثلاً بدکاری، کہانت اور داڑھی مونڈ کر کمائی کرنا درست نہیں ہے۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، زانیہ کی آمدنی اور نجومی کی کمائی سے منع فرمایا۔ ③

اور جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا کتے اور بلّے کی قیمت وصول کرنا جائز ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ④

ہاں البتہ شکاری کتا اس سے مستثنیٰ ہے۔ ⑤

10 یتیموں کا مال کھانا

بعض لوگ یتیموں کے سرپرست ہوتے ہیں۔ اور یتیموں کو جو مال ان کے والد کی وراثت سے ملتا ہے، یا حکومتِ وقت یا کسی فلاحی تنظیم کی طرف سے ان کا ماہانہ وظیفہ مقرر کیا جاتا ہے یا کوئی مالدار آدمی ان کے اخراجات کے لیے پیسے دیتا ہے تو ان کے سرپرست ان کا مال ناجائز طور پر خود ہڑپ کر لیتے ہیں۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے اور اپنے پیٹ

① سنن أبي داود: 3580 وأحمد: 22452 واللفظ له. ② عون المعبود: 359/9. ③ صحيح البخاري: 2237، صحيح مسلم: 1567. ④ صحيح مسلم: 1569. ⑤ جامع الترمذي: 1281. قال الألباني: حسن.

میں جہنم کی آگ بھرنے کے مترادف ہے۔ والعیاذ باللہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا﴾

''وہ لوگ جو ظلم کرتے ہوئے یتیموں کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں وہ درحقیقت اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور وہ عنقریب جہنم کی آگ میں داخل ہوں گے۔''[1]

اور نبی کریم ﷺ نے اِس فعل کو ان سات گناہوں میں شمار کیا ہے جو انسان کے لیے نہایت ہی مہلک ہیں۔

11 خیانت کرنا

بعض لوگ اُس مال میں خیانت کر کے پیسہ کماتے ہیں جو ان کے پاس بطور امانت رکھا ہوتا ہے۔ اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَن يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾

''اور جو شخص خیانت کرتا ہے وہ قیامت کے روز خیانت کردہ چیز سمیت حاضر ہوگا۔ پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''[2]

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «أَيُّمَا رَجُلٍ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلَى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مِخْيَطًا فَمَا فَوْقَهُ كَانَ غُلُولًا يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''جس آدمی کو ہم کوئی ذمہ داری سونپیں، پھر وہ ہم سے ایک سوئی یا اس سے بڑی چیز کو چھپا لے تو یہ خیانت ہوگی اور وہ اس چیز سمیت قیامت کے روز حاضر ہوگا۔''[3]

ویسے بھی خیانت کرنا منافق کی نشانی ہے۔ یہ ایک سچے مومن کو زیب نہیں دیتا کہ وہ امانت میں خیانت کرے۔ یاد رہے کہ خیانت صرف مال میں ہی نہیں بلکہ اس میں کچھ اور چیزیں بھی شامل ہیں۔ مثلاً زوجین کا ایک دوسرے کے رازوں کو ظاہر کرنا۔ یا کسی بھی شخص کے رازوں سے پردہ اٹھانا۔ اپنے آفس یا کمپنی کی اشیاء کو بغیر اجازت کے ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کرنا۔ اپنے منصب سے ناجائز فائدہ اٹھانا۔ یہ سب خیانت ہی کی صورتیں ہیں جن سے بچنا ضروری ہے۔

12 قرض لے کر واپس نہ لوٹانا

بعض لوگ قرض لے کر اسے یا تو بالکل ہی واپس نہیں لوٹاتے یا پھر بغیر کسی عذر کے ٹال مٹول کرتے اور قرض

[1] النساء 4:10۔ [2] آل عمرٰن 3:161۔ [3] صحیح مسلم:1873۔

خواہوں کو خواہ مخواہ پریشان کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ کئی لوگ تو قرض لیتے ہی اس نیت سے ہیں کہ وہ اسے واپس نہیں لوٹائیں گے اور ہڑپ کر جائیں گے۔ تو یہ بھی حرام کمائی کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((أَيُّمَا رَجُلٍ يَدِينُ دَيْنًا وَهُوَ مُجْمِعٌ أَنْ لَا يُوَفِّيَهُ إِيَّاهُ ، لَقِيَ اللّٰهَ سَارِقًا))

''جو شخص اس عزم کے ساتھ قرض لے کہ وہ اسے واپس نہیں لوٹائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ چور ہوگا۔''[1]

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ((مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَاءَ هَا أَدَّى اللّٰهُ عَنْهُ ، وَمَنْ أَخَذَ يُرِيدُ إِتْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللّٰهُ))

''جو شخص لوگوں سے اِس ارادے کے ساتھ مال لے کہ وہ انھیں واپس ادا کردے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے اسے ادا کردے گا۔ اور جو آدمی ان کے مالوں کو اس ارادے کے ساتھ لے کہ وہ انھیں ہڑپ کرلے گا تو اللہ تعالیٰ اس (کے مال) کو برباد کردے گا۔''[2]

یعنی اگر وہ ادا کرنے کی نیت سے قرض لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسانی کردے گا اور وہ قرض واپس کرنے کے قابل ہو جائے گا۔ اور اگر وہ قرض کی ادائیگی سے پہلے فوت ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے قرض خواہوں کو اپنی طرف سے راضی کرے گا۔ اور اگر کوئی شخص شروع سے ہی بد نیت ہو اور اس کا ارادہ ہی یہ ہو کہ وہ قرض لے کر ہڑپ کرلے گا تو اللہ تعالیٰ اموال کو برباد کرکے اسے آخرت میں سزا دے گا۔

قرض کا معاملہ اتنا سنگین ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ رَجُلًا قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ أُحْيِيَ ، ثُمَّ قُتِلَ ثُمَّ أُحْيِيَ، ثُمَّ قُتِلَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ مَا دَخَلَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ دَيْنُهُ))

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ایک آدمی اللہ کے راستے میں شہید ہو جائے، پھر اسے زندہ کیا جائے اور وہ دوبارہ شہید ہو جائے۔ پھر اسے زندہ کیا جائے اور وہ سہ بارہ شہید ہو جائے۔ اور اس پر قرضہ ہو تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کا قرضہ اس کی طرف سے ادا کردیا جائے۔''[3]

اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی کی میت کو لایا گیا تاکہ آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔

[1] سنن ابن ماجة: 2410. قال الألباني: حسن صحيح. [2] صحيح البخاري: 2387. [3] النسائي: 4684، وحسنه الألباني.

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَعَلَّ عَلٰی صَاحِبِكُمْ دَيْنًا ؟)) ''شاید تمھارے اس ساتھی پر قرض ہے؟'' تو لوگوں نے کہا: جی ہاں۔ تو آپ ﷺ پیچھے ہٹ گئے اور فرمایا: ((صَلُّوا عَلٰی صَاحِبِكُمْ)) ''تم خود ہی اس کی نماز جنازہ پڑھ لو۔'' اس پر ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کا قرض میرے ذمہ ہے، میں اس کی طرف سے ادا کردونگا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمھیں یہ وعدہ پورا کرنا ہوگا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور اس پر صرف اٹھارہ یا انیس درہم قرض تھا۔ [1]

یہ اور اس طرح کی دیگر کئی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض کا معاملہ انتہائی سنگین ہے۔ ایک ایسا آدمی جو اللہ کے راستے میں تین بار شہید ہو جائے اور اس پر قرض بھی ہو تو وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی طرف سے اس کا قرض ادا نہ کر دیا جائے! تو عام آدمی کا کیا حال ہوگا! لہٰذا قرض دار کو چاہیے کہ وہ پہلے تو جب قرض لے تو ادا کرنے کی نیت سے لے۔ دوسرا یہ کہ پہلی فرصت میں اسے واپس لوٹائے کیونکہ موت کا کسی کو کچھ پتہ نہیں کہ کس لمحہ آجائے اور کہاں آجائے اور کس حالت میں آجائے! بلکہ قرض کی واپسی کے لیے مقروض کو ہمیشہ فکرمند رہنا چاہیے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَوْ أَنَّ لِي مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا يَسُرُّنِي أَنْ لَّا يَمُرَّ عَلَيَّ ثَلَاثٌ وَّعِنْدِي مِنْهُ شَيْئٌ ، إِلَّا شَيْئٌ أَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ))

''اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے یہ اچھا نہیں لگے گا کہ تین روز گذر جائیں اور اس دوران اس کا کچھ حصہ میرے پاس باقی رہ جائے۔ ہاں میں اس میں سے صرف اتنا سونا رکھ سکتا ہوں جس سے میں کسی کا قرض ادا کرسکوں۔'' [2]

سامعین کرام! یہ تھے حرام کمائی کے بعض اہم اسباب و وسائل جنھیں ہم نے قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں بس رزق حلال ہی نصیب فرمائے اور حرام سے محفوظ رکھے۔

دوسرا خطبہ

اللہ تعالیٰ نے ہمیں حلال کھانے کا حکم دیا ہے۔ اور ہمارا دین ہمیں حرام کمائی سے منع کرتا ہے۔ لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سارے لوگوں کا مطمحِ نظر صرف مال کا حصول ہے، خواہ حلال اور جائز طریقوں سے حاصل ہو یا حرام اور ناجائز طریقوں سے حاصل ہو۔ آج حلال وحرام کی تمیز بہت کم رہ گئی ہے۔ اس کے کئی اسباب ہیں:

پہلا سبب: خوفِ الٰہی نہیں رہا! جی ہاں، اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کے عذاب کا ڈر بہت کم لوگوں میں رہ گیا ہے۔

[1] سنن النسائي:1960، ابن ماجة:2407. صححه الألباني. [2] صحيح البخاري:2389 .

زیادہ تر لوگ اللہ تعالیٰ سے بے خوف نظر آتے ہیں۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو حرام کمائی کے جتنے طریقے ہم نے ذکر کیے ہیں ان میں سے کوئی بھی نہ ہوتا۔

- اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو ماپ تول میں کمی نہ ہوتی!
- اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو سود کی حرمت معلوم ہونے کے باوجود سودی لین دین کو جاری نہ رکھا جاتا!
- اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو لین دین کے معاملات میں دھوکہ، فراڈ اور ملاوٹ وغیرہ نہ ہوتی!
- اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو پوری بے شرمی کے ساتھ ہر معاملے میں رشوت نہ لی جاتی!
- اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو خیانت نہ کی جاتی!
- اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو چوری، ڈاکہ زنی اور جوے بازی کو ترک کر دیا جاتا!
- اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو خرید وفروخت کے معاملات میں جھوٹی قسمیں نہ کھائی جاتیں!
- اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو حرام اشیاء کا کاروبار نہ کیا جاتا!
- اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو یتیموں کا مال نہ کھایا جاتا!

لیکن کیا کہیے کہ آج مسلمانوں کے دلوں سے خوفِ باری تعالیٰ جاتا رہا۔ جس کے نتیجے میں حرام خوری کو آج سرے سے عیب ہی نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ دھڑلے کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ دنیا کر رہی ہے تو ہم کیوں نہ کریں!

ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کریں۔ اور حرام ذرائع آمدنی کو کلی طور پر چھوڑ دیں۔

دوسرا سبب: راتوں رات مالدار بننے کی خواہش!

حرام کمائی کے مختلف وسائل اس لیے اختیار کیے جاتے ہیں کہ بہت سارے لوگ راتوں رات مالدار بننا چاہتے ہیں اور حصولِ رزق میں تاخیر کو برداشت نہیں کرتے۔ حالانکہ رزق کی تقسیم اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾

”ہم نے ہی ان کی روزی کو دنیاوی زندگی میں ان کے درمیان تقسیم کر دیا ہے اور ہم نے ہی ان میں سے بعض کو بعض پر کئی درجے فوقیت دی ہے تاکہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لے سکیں۔“[1]

رزق کے فیصلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ وہ جسے چاہے زیادہ دے اور جسے چاہے کم دے۔ اللہ تعالیٰ کا

[1] الزخرف 32:43.

فرمان ہے: ﴿ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ ﴾

لہٰذا اگر کسی انسان کو رزق محدود مقدار میں مل رہا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہو جائے اور قناعت اختیار کرے۔ یہ نہیں کہ وہ ناجائز طریقوں سے حصول رزق کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دے۔[1]

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

((إِنَّ جِبْرِيلَ أَلْقٰى فِي رَوْعِي أَنَّ أَحَدًا مِّنكُمْ لَن يَّخْرُجَ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى يَسْتَكْمِلَ رِزْقَهُ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ . فَإِنِ اسْتَبْطَأَ أَحَدٌ مِّنكُمْ رِزْقَهُ فَلَا يَطْلُبْهُ بِمَعْصِيَةِ اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُنَالُ فَضْلُهُ بِمَعْصِيَتِهِ))

"بے شک جبریل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس دنیا سے نہیں جائے گا جب تک وہ اپنا رزق مکمل طور پر حاصل نہ کر لے۔ لہٰذا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور رزق کی طلب میں خوبصورتی پیدا کرو۔ (یعنی صرف حلال طریقوں سے اسے طلب کرو۔) اگر تم میں سے کوئی شخص یہ محسوس کرے کہ اس کے رزق میں تاخیر ہو رہی ہے تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ذریعے طلب نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل اس کی نافرمانی کر کے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔"[2]

اسی حدیث کی ایک اور روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: ((خُذُوا مَا حَلَّ وَدَعُوا مَا حَرُمَ)) "تم وہ چیز لو جو حلال ہو اور اس کو چھوڑ دو جو حرام ہو۔"[3]

تیسرا سبب: حرام خوری کی سنگینی اور خطرناکی سے ناواقفیت

بہت سارے لوگ جو حرام کمائی کے مختلف ذرائع اختیار کرتے ہیں وہ اس سے ناواقف ہوتے ہیں کہ یہ کس قدر خطرناک اور سنگین جرم ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((إِنَّهُ لَا يَرْبُو لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ إِلَّا كَانَتِ النَّارُ أَوْلٰى بِهِ))

"وہ گوشت جس کی پرورش حرام غذا سے ہو وہ جہنم کی آگ کے زیادہ لائق ہے۔"[4]

سلف صالحین اس سلسلے میں کس قدر محتاط ہوتے تھے اس کا اندازہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے کیا جا سکتا ہے جن کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کا ایک غلام ایک دن کھانے کی کوئی چیز لے کر آیا تو انھوں نے اس میں سے کچھ کھا لیا۔ پھر غلام نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ جو کچھ آپ نے کھایا ہے یہ کہاں سے آیا

[1] العنكبوت 62:29. [2] السلسلة الصحيحة للألباني: 2607. [3] سنن ابن ماجه: 2144. صححه الألباني. [4] جامع الترمذي: 614. وقال الألباني: صحيح.

ہے؟ انھوں نے پوچھا: کہاں سے آیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے جاہلیت کے دور میں ایک آدمی کے لیے کہانت کی تھی۔ میں کہانت جانتا تو نہ تھا البتہ میں اسے دھوکہ دینے میں کامیاب ہوگیا۔ آج اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے یہی کھانا مجھے دیا جس سے آپ نے بھی کھایا ہے! چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ اپنے منہ میں داخل کیا اور کوشش کر کے جو کچھ ان کے پیٹ میں تھا اسے قے کر ڈالا۔ پھر انھوں نے کہا: اگر یہ میری جان لیے بغیر باہر نہ نکلتا تو میں پھر بھی اس کی پروانہ کرتا۔ اے اللہ! جو کچھ میری رگوں اور انتڑیوں میں رہ گیا ہے اس سے میں بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔ ①

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اسی طرح محتاط ہو جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم محتاط تھے۔

چوتھا سبب: طمع اور لالچ

جی ہاں، طمع اور لالچ انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔ پھر وہ کچھ نہیں دیکھتا کہ حلال کما رہا ہے یا حرام! حالانکہ یہ لالچ کتنی بری بلا ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِينِهِ»

"ایسے دو بھوکے بھیڑیے جنھیں بکریوں میں چھوڑ دیا جائے وہ ان میں اتنی خرابی نہیں کرتے جتنی خرابی مال اور جاہ ومنصب پر بندے کی لالچ کی وجہ سے اس کے دین میں ہوتی ہے۔" ②

مطلب یہ ہے کہ اگر دو بھوکے بھیڑیوں کو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیا جائے کہ وہ جو چاہیں اور جیسے چاہیں کریں تو وہ اس ریوڑ میں جتنی تباہی وبربادی پھیلائیں گے وہ اُس تباہی وبربادی سے زیادہ نہیں ہوتی جو کسی انسان کے دین میں اس وقت واقع ہوتی ہے جب وہ مال اور جاہ ومنصب کی لالچ میں مبتلا ہوتا ہے۔ یعنی اِس بندے کی دینی تباہی زیادہ ہوتی ہے اُس پہلی تباہی سے۔ واللہ المستعان

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی لالچ سے محفوظ رکھے۔ اور ہمیں رزقِ حلال پر قناعت نصیب کرے۔

① صحيح البخاري: 3554. ② جامع الترمذي: 2376. قال الألباني: صحيح.

اپنے دشمن کو پہچانئے!

اہم عناصرِ خطبہ

1. شیطان کی انسان سے اعلانیہ دشمنی اور جنگ
2. شیطان کی اعلانیہ جنگ کا مقابلہ کیسے؟
3. شیطان کے متعلق بعض اہم حقائق
4. شیطان کیا چاہتا ہے؟
5. شیطان کی چالیں
6. شیطان کے شر سے بچنے کی تدبیریں

پہلا خطبہ

محترم حضرات!

کسی انسان سے یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے۔

شیطان خود تو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے لیکن اس کی دشمنی اعلانیہ ہے۔ یعنی اس نے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کھلم کھلا اعلان کر رکھا ہے کہ میں بنو آدم کو ضرور گمراہ کروں گا۔

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا اور اس نے تکبر کرتے ہوئے انکار کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ہمیشہ کے لیے اپنی رحمت سے دور کر دیا اور اسے ملعون قرار دیتے ہوئے جنت سے نکال دیا۔ تب اس نے کہا تھا: ﴿قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا﴾

”اس نے کہا: بھلا دیکھ جس کو تو نے مجھ پر فوقیت دی ہے اگر تو مجھے قیامت تک مہلت دے تو میں چند لوگوں کے سوا اس کی تمام تر اولاد کو لگام ڈالے رکھوں گا۔“[1]

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا﴾

[1] الإسراء 62:17.

”اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جا، اولادِ آدم میں سے جو بھی تمھارے پیچھے لگے گا تو تم سب کے لیے جہنم ہی پورا پورا بدلہ ہے۔“[1]

ان دونوں آیات کریمہ سے ثابت ہوا کہ شیطان کی انسان سے دشمنی ازلی اور اعلانیہ ہے۔ اور یہ بھی کہ بنو آدم میں سے جو بھی اس کی پیروی کرے گا وہ اس کے ساتھ جہنم میں جائے گا۔ والعیاذ باللہ

اور انسان سے شیطان کی دشمنی دائمی بھی ہے۔ یعنی جب تک سورج اور چاند کا وجود رہے گا بنی نوع انسان سے اس کی دشمنی جاری رہے گی۔

خود شیطان نے قیامت تک کے لیے مہلت طلب کی جو اللہ تعالیٰ نے اسے دے دی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِيٓ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ۝ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ۝﴾

”وہ کہنے لگا: اے میرے رب! پھر مجھے اس دن تک مہلت دے دے جب لوگ اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھے مہلت دی جاتی ہے اُس دن تک جس کا وقت (ہمیں) معلوم ہے۔“[2]

عجیب بات یہ ہے کہ شیطان نے انسان سے اِس اعلانیہ جنگ کی اجازت اللہ تعالیٰ سے مانگی تو اس نے اسے اجازت دے دی۔ ظاہر ہے کہ اس میں کوئی نہ کوئی حکمت تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اِس جنگ کا مقابلہ کرنے کے لیے تین امور کا حکم دیا:

1. شیطان کو انسان کا دشمن قرار دے کر انسانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ بھی اسے اپنا دشمن ہی تصور کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الشَّيْطَٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُۥ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَٰبِ السَّعِيرِ ۝﴾

”شیطان یقیناً تمھارا دشمن ہے لہٰذا تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو۔ وہ اپنے پیروکاروں کو صرف اس لیے بلاتا ہے کہ وہ جہنمی بن جائیں۔“[3]

اللہ تعالیٰ کے اس واضح ترین حکم کے باوجود آج انسانوں نے شیطان کو اپنا دوست بنا رکھا ہے۔ چنانچہ ہر وہ کام کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے انھیں منع کیا ہے اور ہر وہ کام نہیں کرتے جس کا اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿أَفَتَتَّخِذُونَهُۥ وَذُرِّيَّتَهُۥٓ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۚ بِئْسَ لِلظَّٰلِمِينَ بَدَلًا ۝﴾

”کیا تم مجھے چھوڑ کر اسے اور اس کی اولاد کو اپنا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمھارا دشمن ہے؟ ظالموں کے لیے

[1] الإسراء 17:63. [2] الحجر 15:37-38. [3] فاطر 35:6.

برا بدلہ ہے۔''[1]

[2] اللہ تعالیٰ نے شیطان سے براہِ راست ڈرایا اور اس کے نقش قدم پہ چلنے سے منع فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ﴾

''اے بنو آدم ! ایسا نہ ہو کہ شیطان تمھیں فتنہ میں مبتلا کر دے جیسا کہ اس نے تمھارے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا۔''[2]

اسی طرح اس نے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ﴾

''اے ایمان والو! تم شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو۔ اور جو شخص شیطان کے نقشِ قدم پر چلے گا تو وہ بے حیائی اور برے کاموں کا حکم دے گا۔''[3]

[3] اللہ تعالیٰ نے نہ صرف شیطان سے ڈرایا بلکہ اس کے شر اور فتنے سے بچنے کے لیے مختلف تدابیر سے بھی آگاہ کیا تاکہ انسان شیطان کی اِس اعلانیہ جنگ میں مسلح ہو کر اس کا مقابلہ کر سکے۔ ان تدابیر کا تذکرہ ہم خطبہ کے آخر میں کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

شیطان کے متعلق بعض اہم حقائق

[1] شیطان انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتا: نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنِ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ))

''بیشک شیطان انسان میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔''[4]

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کی انسان سے دشمنی نہایت شدید ہے اور وہ اس کے لیے بہت بڑا فتنہ ہے۔ اتنا بڑا فتنہ کہ انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا اور وہ اپنا کام کر جاتا اور اسے گمراہ کر ڈالتا ہے۔

[2] شیطان ہمارا ایسا دشمن ہے جسے ہم نہیں دیکھ سکتے لیکن وہ ہمیں دیکھ سکتا ہے۔ اور یہ نہایت خطرناک بات ہے کیونکہ دشمن اگر سامنے ہو تو اُس سے انسان بچنے کی کوشش کرتا ہے۔لیکن اگر وہ چھپا ہوا اور بہت شاطر اور مکار ہو تو اس سے بچنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ إلا من رحم الله۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ﴾

[1] الكهف 18:50. [2] الأعراف 7:27. [3] النور 24:21. [4] صحيح البخاري:6750، صحيح مسلم:2174.

’’بے شک وہ (شیطان) اور اس کا قبیلہ تمھیں اُس جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انھیں نہیں دیکھ سکتے۔‘‘ ①

3 شیطان اکیلا نہیں بلکہ جن وانس میں سے اس کا ایک بہت بڑا لشکر ہے جو اس کی مدد کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ﴾

’’اور اسی طرح ہم نے شیطان صفت انسانوں اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا جو دھوکہ دینے کی غرض سے کچھ خوش آئند باتیں ایک دوسرے کو سجھاتے رہتے ہیں۔‘‘ ②

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ﴾

’’بلا شبہ شیطان تو اپنے دوستوں کے دلوں میں (شکوک وشبہات) القاء کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑتے رہیں۔‘‘ ③

اِن دونوں آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ شیطان کے اعوان ومددگار بہت زیادہ ہیں۔ وہ ان سے بہت سارے کام لیتا ہے۔ انسان کو گمراہ کرنے کے مختلف طریقے آزماتا اور انھیں اللہ تعالیٰ سے دور کرتا ہے۔ اس کی تائید اِس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’ابلیس اپنا عرش پانی پر رکھتا ہے، پھر اپنی فوجیں اِدھر اُدھر بھیج دیتا ہے اور ان میں سے سب سے زیادہ معزز اس کے لیے وہ ہوتا ہے جو سب سے بڑا فتنہ بپا کرتا ہے۔ چنانچہ ایک شیطان آتا ہے اور آکر اسے بتاتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کام کیا ہے۔ تو ابلیس اسے کہتا ہے: تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ پھر ایک اور آتا ہے اور کہتا ہے:

((مَا تَرَكْتُهُ حَتّٰى فَرَّقْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ)) ’’میں نے آج فلاں آدمی کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی نہیں ڈال دی۔‘‘

تو ابلیس اسے اپنے قریب کر لیتا ہے (اور ایک روایت کے مطابق اسے اپنے گلے سے لگا لیتا ہے) اور پھر اسے مخاطب ہو کر کہتا ہے: تم بہت اچھے ہو۔‘‘ ④

4 شیطان ہر وقت ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کو گمراہ کرنے یا اللہ کی عبادت سے دور کرنے کے لیے گھات لگا کر بیٹھا رہتا ہے۔ اور جیسے ہی اسے موقعہ ملتا ہے تو وہ اسے اپنے شکنجے میں پھنسا لیتا ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ

① الأعراف 27:7. ② الأنعام 112:6. ③ الأنعام 121:6. ④ صحیح مسلم: 2813.

وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ○﴾

’’ کہنے لگا: تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے لہٰذا اب میں بھی تیری صراط مستقیم پر (ان کو گمراہ کرنے کے لیے) بیٹھوں گا۔ پھر ان کے آگے سے، ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں بائیں سے (غرض ہر طرف سے) انھیں گھیر لوں گا۔ اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔‘‘ ①

مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ’’ آگے‘‘ سے مراد آخرت کے بارے میں شک ڈالنا ہے۔ ’’پیچھے‘‘ سے مراد انھیں دنیا پہ فریفتہ کرنا ہے۔ ’’ دائیں‘‘ سے مراد دین کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا ہے اور ’’بائیں‘‘ سے مراد گناہوں کی ترغیب دلانا ہے۔ یا اِس سے مراد یہ ہے کہ میں کسی طرح بھی انھیں اکیلا نہیں چھوڑوں گا بلکہ ورغلاتا ہی رہوں گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ○﴾

’’ اور جو شخص رحمن کے ذکر سے آنکھیں بند کرتا ہے ہم اس پر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں جو اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔‘‘ ②

اِس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل رہنے والے انسان پر شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے اور وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے تسلط سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے۔

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَا مِنْكُم مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهِ قَرِينُهُ مِنَ الْجِنِّ وَقَرِينُهُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ)) قَالُوا : وَإِيَّاكَ يَا رَسُولَ اللهِ ! قَالَ: ((وَإِيَّايَ وَلٰكِنَّ اللهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ فَلَا يَأْمُرُنِي إِلَّا بِخَيْرٍ))

’’ایک ساتھی جنوں میں سے اور ایک ساتھی فرشتوں میں سے تم میں سے ہر شخص کے ساتھ لگا دیا گیا ہے۔‘‘ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: آپ کے ساتھ بھی؟ تو آپ نے فرمایا: ’’ہاں میرے ساتھ بھی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی ہے اور میرا ساتھی مسلمان ہو چکا ہے۔ چنانچہ وہ مجھے خیر کا ہی حکم دیتا ہے۔‘‘ ③

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات رسول اکرم ﷺ ان کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے تو مجھے ان پر غیرت آئی۔ جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو آپ نے وہ دیکھ لیا جو میں کر رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ عائشہ! کیا تمھیں غیرت آگئی ہے؟ تو میں نے کہا: مجھ جیسی عورت کو آپ جیسی شخصیت پر کیوں نہ غیرت آئے! آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمھارے پاس تمھارا شیطان آگیا؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میرے ساتھ

① الأعراف 7:16-17. ② الزخرف 43:36. ③ صحیح مسلم: 2814.

بھی شیطان ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں ہے۔ میں نے پوچھا: کیا ہر انسان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے۔ میں نے کہا: آپ کے ساتھ بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں میرے ساتھ بھی ہے لیکن میرے رب نے اس پر میری مدد کی ہے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے۔ ①

5 قیامت کے روز شیطان کسی کی فریاد رسی نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ قَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَ مَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَ لُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ ؕ اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۝﴾

”اور جب تمام امور کا فیصلہ چکا دیا جائے گا تو شیطان کہے گا: اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا سچا تھا اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اس کی میں نے خلاف ورزی کی۔ اور میرا تم پر کچھ زور نہ تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمھیں (اپنی طرف) بلایا تو تم نے میری بات مان لی۔ لہٰذا مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو کرو۔ میں تمھاری فریاد کر سکتا ہوں اور نہ تم میری کر سکتے ہو۔ اِس سے پہلے جو تم مجھے اللہ کا شریک بناتے رہے ہو میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ بلاشبہ ظالموں کے لیے المناک عذاب ہے۔“ ②

اس طرح شیطان قیامت کے روز بریٔ الذمہ ہو جائے گا اور انسان کی فریاد رسی سے بالکل انکار کر دے گا۔ لہٰذا اسے دوست بنانے اور اس کے احکامات کی بجا آوری کی بجائے اسے دشمن تصور کرتے ہوئے اس کی خلاف ورزی کرنی چاہیے۔

6 شیطان کی نافرمانی رحمن کی فرمانبرداری ہے کیونکہ ہر وہ عبادت جو اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ہوتی ہے وہ شیطان کے ہاں مبغوض (ناپسندیدہ) ہوتی ہے۔ اسی لیے شیطان انسان کو اس سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر آپ اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کریں گے تو آپ یقینا کامیاب ہو جائیں گے۔ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوگا تو آپ یقینا ناکامی سے دوچار ہوں گے۔

اور رحمن کی ہر نافرمانی شیطان کو بڑی محبوب ہوتی ہے۔ اسی لیے وہ گناہوں کو انسان کے سامنے مزین کر کے پیش کرتا رہتا ہے۔ نہ صرف مزین کر کے پیش کرتا بلکہ ان تک پہنچنے والے راستے بھی آسان سے آسان تر بنا دیتا ہے۔ اگر آپ اس کی چالوں پر متنبہ نہیں ہوتے اور اس کے جال میں پھنس جاتے ہیں تو یقینا آپ خسارہ پانے والوں میں شامل ہو جائیں گے۔ اور اگر آپ اس کی نافرمانی کرتے اور اللہ کے دین پر قائم رہتے ہیں تو یقینا آپ کامیابی سے ہمکنار

① صحیح مسلم: 2815. ② إبراهيم 14:22.

ہونے والے خوش نصیبوں میں شامل ہو جائیں گے۔

شیطان کیا چاہتا ہے؟

شیطان کا سب سے بڑا ہدف یہ ہے کہ جس طرح وہ خود جہنمی ہے اسی طرح انسان کو بھی جہنمی بنا دے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ ﴾

''وہ (شیطان) اپنے پیروکاروں کو صرف اس لیے بلاتا ہے کہ وہ جہنمی بن جائیں۔''[1]

شیطان کو یہ پتہ ہے کہ انسانوں کو جہنم میں پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے سے دور رکھا جائے اور انھیں اُس کی نافرمانیاں کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ چنانچہ وہ اس کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتا اور اپنے اِس ہدف کے حصول کے لیے مختلف چالیں چلتا اور انسان کو جہنم تک پہنچانے کے متعدد وسائل اختیار کرتا ہے۔ لہٰذا آیئے اس کی چالوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

شیطان کی چالیں

1 بندوں کو کفر و شرک میں مبتلا کرنا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

''ان (منافقوں) کی مثال شیطان جیسی ہے جو انسان سے کہتا ہے: کفر کر۔ پھر جب وہ کفر کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری الذمہ ہوں۔ میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔''[2]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ ﴾

''یہ مشرکین اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو پکارتے ہیں، حقیقت میں وہ سرکش شیطان کو پکار رہے ہوتے ہیں۔ جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور اس (شیطان) نے کہا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر شدہ حصہ لے کر رہوں گا۔''[3]

'شیطان' نے ہی بنو آدم کے سامنے شرک کو خوبصورت بنا کر پیش کیا اور انھیں ورغلا کر اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل میں کامیاب ہو گیا۔ اِس کا آغاز حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے زمانے سے ہوا، جب انھوں نے ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر نامی بتوں کی پوجا شروع کی۔ یہ دراصل ان کی قوم کے بعض صلحاء کے نام تھے۔

جب وہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ وہ جن مجلسوں میں بیٹھا کرتے تھے وہاں تم بت

[1] فاطر 6:35. [2] الحشر 16:59. [3] النساء 4:117-118.

گاڑھ دو اور ان کے نام وہی رکھو جو ان صلحاء کے تھے۔ انھوں نے ایسا ہی کیا لیکن ان کی پوجا نہ کی گئی۔ پھر جب وہ لوگ مر گئے اور بت گاڑھنے کی اصل وجہ کا بعد میں آنے والی نسل کو پتہ نہ رہا تو ان کی پوجا شروع کر دی گئی۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جو کہ صحیح بخاری میں موجود ہے [1]

اور ابن جریر رحمہ اللہ نے محمد بن قیس رحمہ اللہ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ وہ (ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر) بنو آدم کے کچھ نیک لوگ تھے اور ان کے پیروکار بھی موجود تھے جو ان کی اقتداء کرتے تھے، پھر جب وہ فوت ہو گئے تو ان کے پیروکار آپس میں کہنے لگے: ہم کیوں نہ ان کی تصویریں بنا لیں تاکہ انھیں دیکھ کر ہمارے دلوں میں عبادت کا شوق پیدا ہو۔ چنانچہ انھوں نے ان کی تصویریں بنا لیں، پھر جب یہ لوگ مر گئے اور دوسرے لوگ آ گئے تو ابلیس چپکے سے ان کے پاس گیا اور کہنے لگا: وہ (تمھارے آباؤ اجداد) تو ان (تصویروں) کی پوجا کیا کرتے تھے اور انھی کی وجہ سے ان پر بارش نازل ہوتی تھی، سو انھوں نے ان کی پوجا شروع کر دی۔ [2]

اس طرح شیطان کے ورغلانے پر ہی بنو آدم میں شرک کا آغاز ہوا۔

آج بھی شیطان نے لوگوں کو مختلف شرکیہ کاموں میں لگا رکھا ہے۔ مثلاً قبروں پر چڑھاوے چڑھانا، مزاروں پر نذر و نیاز پیش کرنا، غیر اللہ کے سامنے جھکنا، فوت شدگان سے امیدیں وابستہ کرنا یا ان کا خوف کھانا، انھیں حاجت روا اور مشکل کشا تصور کرنا وغیرہ۔ شیطان ان لوگوں کو سبز باغ دکھلاتا ہے کہ یہ بزرگان دین جن کے نام کی تم نذر و نیاز دیتے ہو اور جن کی قبروں پر تم دیگیں پکاتے اور لنگر تقسیم کرتے ہو یہ قیامت کے روز تمھارے کام آئیں گے اور تمھیں اللہ کے عذاب سے چھڑائیں گے وغیرہ۔ تو یہ بہت بڑا شیطانی فتنہ ہے جس سے انسانوں کو متنبہ رہنا چاہیے۔

2 گناہوں اور برائیوں کو مزین کر کے پیش کرنا اور ان کی طرف دعوت دینا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾

”اس نے کہا: اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے ورغلایا ہے تو میں بھی دنیا میں لوگوں کو (ان کے گناہ) خوش نما کر کے دکھاؤں گا اور ان سب کو ورغلا کے چھوڑوں گا۔“ [3]

چنانچہ اس نے اس کا آغاز خود حضرت آدم علیہ السلام سے ہی کیا۔ وہ آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کے پیچھے لگا رہا جنھیں جنت میں بسانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک درخت کے قریب جانے سے روک دیا تھا۔ وہ وسوسہ پیدا کر کے اور ورغلا اور بہکا کر مختلف طریقوں سے کوششیں کرتا رہا یہاں تک کہ انھیں جنت سے نکلوانے میں کامیاب ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا

[1] صحيح البخاري: 4920. [2] تفسير الطبري: 639/23. [3] الحجر 39:15.

رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ○ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ○ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ﴾

”چنانچہ شیطان نے ان دونوں کو ورغلایا تاکہ ان کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں انھیں ان کے سامنے کھول دے۔ اور اس نے کہا: تمھیں تمھارے رب نے اس درخت سے صرف اس لیے روکا کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا تم ہمیشہ یہاں رہنے والے نہ بن جاؤ۔ پھر ان کے سامنے قسم کھائی کہ میں تمھارا خیر خواہ ہوں۔ چنانچہ انھیں دھوکے سے مائل کر لیا۔“ [1]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کے طریقۂ واردات کے بارے میں آگاہ کیا ہے کہ وہ مسلسل آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو ورغلاتا رہا۔ بلکہ اپنی طرف سے دلیل یہ گھڑ لی کہ اصل میں اللہ تعالیٰ نے انھیں اس درخت کے قریب جانے سے اس لیے منع کیا ہے کہ وہ فرشتے نہ بن جائیں۔ یا کہیں وہ ہمیشہ جنت میں رہنے والے نہ بن جائیں۔ گویا کہ شیطان نے انھیں سبز باغ دکھلائے کہ اگر وہ اِس درخت کے قریب چلے گئے تو وہ یا تو فرشتے بن جائیں گے یا پھر ہمیشہ ہمیشہ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے والے بن جائیں گے۔ پھر اس نے ان دونوں کو یقین دلانے کے لیے قسم بھی کھائی اور اپنے آپ کو ان دونوں کا خیر خواہ ظاہر کیا۔ بلکہ اس نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالتے ہوئے یہ بھی کہا کہ ﴿ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ○ ﴾ ”اے آدم! میں تمھیں ابدی زندگی اور لازوال سلطنت کا درخت نہ بتاؤں؟“ [2]

اِس طرح آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی دھوکے میں آ گئے اور انھوں نے وہ کام کر ڈالا جس سے انھیں اللہ تعالیٰ نے منع کیا تھا۔

پھر اس نے ابن آدم کو اپنے بھائی کے قتل پر بھی آمادہ کر لیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ قصہ سورۃ المائدہ میں ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ بھی اس کے لیے کافی نہ تھا۔ اس لیے اس نے ان کے سامنے شرک جیسا مہلک گناہ مزین کر کے پیش کیا اور انھیں اس میں مبتلا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ارشاد فرمایا تھا:

« أَلَا إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَن يُعْبَدَ فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا أَبَدًا وَلٰكِنْ سَتَكُونُ لَهُ طَاعَةٌ فِي بَعْضِ مَا تَحْتَقِرُونَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَيَرْضٰى بِهَا »

”خبردار! شیطان یقیناً اِس سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمھارے اِس ملک میں اس کی پوجا کی جائے گی۔ لیکن

[1] الأعراف 7:20-21. [2] طٰہٰ 20:120.

ہاں، تمھارے بعض اُن اعمال میں اُس کی اطاعت ضرور کی جائے گی جنھیں تم حقیر سمجھو گے اور وہ اسی پر راضی ہو جائے گا۔'' [1]

نبی کریم ﷺ کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو چکی ہے۔ چنانچہ آج بہت سارے ایسے لوگ موجود ہیں جوشرک میں تو مبتلا نہیں لیکن اس کے علاوہ دیگر کئی گناہوں میں مبتلا ہیں جنھیں وہ انتہائی حقیر سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان میں سے کئی لوگ تو انھیں سرے سے گناہ ہی تصور نہیں کرتے۔ مثلا نمازوں میں سستی کرنا، زکاۃ ادا نہ کرنا، موسیقی اور گانے وغیرہ سننا، مختلف ناموں کے ساتھ سودی معاملات میں ملوث ہونا، جوا کھیلنا، شراب نوشی اور دیگر منشیات کا استعمال کرنا، رشوت لینا اور دینا، کاروبار میں دھوکہ اور فراڈ کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا وغیرہ۔ یہ اور ان جیسے دیگر کئی گناہ جو آج ہمارے معاشرے میں بکثرت پائے جاتے ہیں، انھیں لوگوں نے حقیر سمجھ لیا ہے اور وہ ان کا ارتکاب پوری دیدہ دلیری اور جسارت کے ساتھ کرتے ہیں حالانکہ شرعی لحاظ سے یہ بہت بڑے گناہ ہیں۔

3 **شراب اور جوے کے ذریعے لوگوں کے مابین عداوت پیدا کرنا اور انھیں اللہ کے دین سے روکنا**

اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَٰوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَوٰةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ○ ﴾

''بلا شبہ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعے تمھارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔ تو کیا تم باز آتے ہو؟'' [2]

4 **بندے کی عبادت کو خراب کرنا:** جی ہاں، شیطان بندے کی عبادت کو جہاں تک اس سے ہو سکے خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ عبادت کے آغاز سے ہی وہ اس کے دل میں وسوسہ اور وہم ڈال دیتا ہے۔ پھر اسے پتہ ہی نہیں رہتا کہ اس نے کتنی عبادت کی ہے اور ابھی کتنی کرنی ہے۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! شیطان میرے، میری نماز اور میری قراءت کے درمیان حائل ہو گیا ہے اور مجھے اس میں شک وشبہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((ذَاكَ شَيْطَانٌ يُقَالُ لَهُ خِنْزِبٌ ، فَإِذَا أَحْسَسْتَهُ فَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنْهُ وَاتْفُلْ عَلَى يَسَارِكَ ثَلَاثًا))

''وہ شیطان ہے جسے 'خنزب' کہا جاتا ہے۔ لہٰذا جب تم اسے محسوس کرو تو اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو

[1] جامع الترمذي:2159، سنن ابن ماجه:3055. صححه الألباني. [2] المائدة4:19.

اور تین مرتبہ اپنے بائیں تھوک دو۔‘‘ [1]

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اسی طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے وہ چیز ختم کردی۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا نُودِيَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ وَلَهُ ضُرَاطٌ ، حَتّٰى لَا يَسْمَعَ الْأَذَانَ ، فَإِذَا قُضِيَ الْأَذَانُ أَقْبَلَ ، فَإِذَا ثُوِّبَ بِهَا أَدْبَرَ ، فَإِذَا قُضِيَ التَّثْوِيبُ أَقْبَلَ حَتّٰى يُخْطِرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ ، يَقُولُ : أُذْكُرْ كَذَا وَكَذَا مَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ حَتّٰى يَظَلَّ الرَّجُلُ إِنْ يَدْرِي كَمْ صَلّٰى))

’’جب اذان ہوتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلتا ہے حتی کہ اس کی ہوا بھی خارج ہوتی ہے۔ اور وہ اتنا دور چلا جاتا ہے کہ اذان کی آواز اس کے کانوں میں نہیں پڑتی۔ پھر اذان ختم ہونے کے بعد وہ واپس لوٹ آتا ہے۔ پھر جب اقامت ہوتی ہے تو ایک بار پھر بھاگ جاتا ہے۔ جب اقامت ختم ہو جاتی ہے تو دوبارہ لوٹ آتا ہے۔ اور بندے کے دل میں وسوسے ڈال کر اسے کہتا ہے: فلاں چیز یاد کرو، فلاں کام یاد کرو۔ وہ وہ کام یاد کراتا ہے جو اسے (نماز سے پہلے) یاد نہیں ہوتے۔ اور اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اسے یہ بھی پتہ نہیں رہتا کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے۔‘‘ [2]

جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ نماز پڑھی۔ اس کے بعد فرمایا:

((إِنَّ الشَّيْطَانَ عَرَضَ لِي فَشَدَّ عَلَيَّ يَقْطَعُ الصَّلَاةَ عَلَيَّ فَأَمْكَنَنِيَ اللّٰهُ مِنْهُ))

’’بے شک شیطان میرے درپے ہوا، پھر اس نے پوری کوشش کی کہ میری نماز میں خلل ڈالے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قابو پانے کی توفیق دی۔‘‘ [3]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ شیطان اگر امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں خلل ڈالنے کی کوشش کر سکتا ہے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی امتی کو اپنا شکار بنا سکتا ہے۔ والعیاذ باللہ

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں کسی آدمی کے التفات (اِدھر اُدھر دیکھنے) کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ أَحَدِكُمْ))

’’وہ جب اِدھر اُدھر دیکھتا ہے تو عین اسی وقت شیطان اُس پر جھپٹا مارتا اور اس کی نماز میں سے کچھ حصہ اس سے چھین لیتا ہے۔‘‘ [4]

[1] صحیح مسلم: 2203. [2] صحیح البخاري: 1231. [3] صحیح البخاري: 3284. [4] صحیح البخاري: 3291.

5 تمناؤں اور آرزوؤں میں مگن رکھنا اور اللہ کی خلقت میں تبدیلی کرنے پر اکسانا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ○ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۚ وَمَن يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّن دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا ○ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ○ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ○﴾

''اور اس (شیطان) نے اللہ سے کہا تھا: میں تیرے بندوں میں سے ایک مقررہ حصہ لے کر رہوں گا۔ اور میں انھیں گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ انھیں آرزوئیں دلاؤں گا اور انھیں حکم دوں گا کہ وہ چوپایوں کے کان پھاڑ ڈالیں۔ اور انھیں یہ بھی حکم دوں گا کہ وہ اللہ کی پیدا کردہ صورت میں تبدیلی کر ڈالیں۔ اور جس شخص نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا سرپرست بنا لیا اس نے واضح نقصان اٹھایا۔ شیطان ان سے وعدے کرتا اور امیدیں دلاتا ہے۔ اور جو وعدے بھی کرتا ہے وہ فریب کے سوا کچھ نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور جس سے نجات کی وہ کوئی صورت نہ پائیں گے۔'' [1]

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ شیطان آرزوئیں دلاتا اور تمناؤں میں مگن رکھتا ہے۔ چنانچہ انسان لمبے لمبے پروگرام بناتا ہے۔ پھر انھیں عملی جامہ پہنانے کے لیے دن رات محنت کرتا ہے۔ تمناؤں اور آرزوؤں کی تکمیل کے لیے ہر وقت سرگرداں رہتا ہے۔ اور یوں اللہ کے دین سے غافل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تبدیلی کرنا شیطانی چالوں میں سے ایک چال ہے۔ لہٰذا جو مرد حضرات اپنی داڑھیاں منڈواتے ہیں انھیں سوچنا چاہیے کہ وہ داڑھیاں منڈوا کر رحمان جو کہ ان کا خالق و مالک ہے اس کو راضی کر رہے ہیں یا شیطان جو ان کا دشمن ہے اس کو خوش کر رہے ہیں!

اسی طرح وہ خواتین جو اپنے چہروں کے بال زائل کراتی ہیں یا خوبصورتی کے لیے دانتوں میں کشادگی کراتی ہیں وہ بھی اللہ کی خلقت کو تبدیل کر کے یقینا شیطان کو راضی کرتی اور اس کی چالوں کا شکار ہو جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُوْتَشِمَاتِ، وَالنَّامِصَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ، وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ، اَلْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ»

''اللہ تعالیٰ نے گودنے والی اور گدوانے والی، چہرے کے بال اکھاڑنے والی اور اکھڑوانے والی اور خوبصورتی کے لیے دانتوں کو جدا کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے جو اس کی خلقت کو تبدیل کرتی ہیں۔'' [2]

[1] النساء 4:118-121. [2] صحيح البخاري: 4886، صحيح مسلم: 2125.

اور جب بنو اسد کی ایک خاتون (جس کا نام ام یعقوب تھا) نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کیسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے؟ تو انھوں نے کہا: میں ان عورتوں پر کیوں نہ لعنت بھیجوں جن پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی!......

6 مسلمانوں کے باہمی تعلقات کو خراب کرنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴾

"اور میرے بندوں سے کہہ دو کہ (لوگوں سے) ایسی باتیں کہا کریں جو بہت پسندیدہ ہوں کیونکہ شیطان (بری باتوں سے) اُن میں فساد ڈلوا دیتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔" [1]

7 اللہ تعالیٰ کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« يَأْتِي الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَيَقُولُ : مَنْ خَلَقَ كَذَا ؟ مَنْ خَلَقَ كَذَا ؟ حَتَّى يَقُولَ : مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ ؟ فَإِذَا بَلَغَهُ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللهِ وَلْيَنْتَهِ »

"تم میں سے کسی شخص کے پاس شیطان آتا ہے اور وہ کہتا ہے: اِس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ اُس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ وہ پوچھتا ہے: تیرے رب کو کس نے پیدا کیا؟ لہٰذا جب وہ یہاں تک جا پہنچے تو اُسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے اور ایسا سوچنے سے باز آجائے۔" [2]

8 رات کا سایہ پڑنے پر شیاطین زمین پر پھیل جاتے ہیں اور نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"جب رات کا سایہ پڑے تو اپنے بچوں کو (باہر نکلنے سے) روکا کرو کیونکہ عین اسی وقت شیاطین پھیل جاتے ہیں۔ پھر جب رات کی ایک ساعت گذر جائے تو انھیں چھوڑ دیا کرو۔ اور تم بسم اللہ پڑھ کر اپنا دروازہ بند کیا کرو، بسم اللہ پڑھ کر اپنا چراغ بجھایا کرو، بسم اللہ پڑھ کر اپنے مشکیزے کو باندھ دیا کرو۔ اور بسم اللہ پڑھ کر اپنے برتن کو ڈھانپ دیا کرو اگرچہ اس کی چوڑائی میں کسی لکڑی کو ہی رکھ دو۔" [3]

9 ڈراؤنے خواب دکھا کر پریشان کرنا

جو شخص سونے سے پہلے کے اذکار وغیرہ نہیں پڑھتا اور ایسے ہی سو جاتا ہے تو بسا اوقات شیطان اسے ڈراؤنے

1 الاسراء 53:17. 2 صحیح البخاري:3276. 3 صحیح البخاري:3280.

خواب دکھا کر پریشان کرتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللهِ، وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا حَلَمَ أَحَدُكُمْ حُلْمًا يَخَافُهُ فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ وَلْيَتَعَوَّذْ بِاللهِ مِنْ شَرِّهَا فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ))

''اچھا خواب اللہ کی طرف سے اور ناپسندیدہ خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ لہٰذا تم میں سے کوئی شخص جب ایسا ناپسندیدہ خواب دیکھے جس سے وہ خوف محسوس کرتا ہو تو وہ اپنی بائیں طرف ہلکا سا تھوک دے۔ اور اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے۔ وہ یقیناً اس کے لیے نقصان دہ نہیں ہوگا۔''[1]

10 پیدائش کے وقت بچے کے پہلو میں انگلیاں چبھونا

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((كُلُّ بَنِي آدَمَ يَطْعَنُ الشَّيْطَانُ فِي جَنْبِهِ بِإِصْبَعَيْهِ حِينَ يُولَدُ ، غَيْرَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَهَبَ يَطْعُنُ فَطَعَنَ فِي الْحِجَابِ))

''ہر انسان کی پیدائش کے وقت شیطان اس کے پہلو میں اپنی دو انگلیوں کو چبھوتا ہے۔ سوائے عیسیٰ بن مریم کے جنھیں وہ انگلیاں چبھونے کے لیے گیا تھا لیکن اس نے حجابِ (مریم) کو ہی چبھو دیا۔''[2]

11 غصہ دلانا اور ایک دوسرے سے لڑانا

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ دو آدمیوں میں لڑائی ہوگئی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ ان میں سے ایک کا چہرہ لال سرخ ہو گیا اور اس کی رگیں پھول گئیں۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا ذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ ، لَوْ قَالَ : أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ ذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ))

''میں ایک کلمہ جانتا ہوں، اگر یہ وہ کلمہ کہہ دے تو اس کا غصہ جاتا رہے گا۔ اگر یہ ((أعوذ بالله من الشيطان)) ''میں شیطان سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں'' کہہ دے تو اس کا غصہ ختم ہو جائے گا۔''[3]

12 موسیقی وغیرہ میں مگن کرنا

شیطان انسان کو اللہ تعالیٰ کے دین سے دور رکھنے اور اسے اس کے ذکر سے غافل کرنے کے لیے اس کو اپنی سریلی

[1] صحيح البخاري:3292. [2] صحيح البخاري:3292. [3] صحيح البخاري:3282.

آوازوں میں مگن کر دیتا اور راگ گانوں کا دلدادہ بنا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو جنت سے نکالتے ہوئے فرمایا تھا:

﴿وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا﴾

''اور ان میں سے جس پر تیرا زور چلے اپنی آواز کے ساتھ اسے بہکا لے۔ اور ان پر اپنے سوار و پیادہ لشکر کو دوڑا لے۔ اور ان کے مالوں اور اولاد میں شریک ہو لے اور ان سے وعدے کر لے۔ اور شیطان ان سے جو وعدے کرتا ہے وہ سراسر دھوکہ ہے۔''[1]

اس آیت کریمہ میں ﴿بِصَوْتِكَ﴾ ''اپنی آواز'' سے مراد گانا اور موسیقی کی آواز ہے جس کے ساتھ شیطان انسانوں کو بہکاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اپنے سوار و پیادہ لشکر کے ساتھ انسان پر حملہ آور ہونے کا کہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس قدر تجھ سے ہو سکے اس پر اپنا تسلط اور اقتدار جما لے۔ اور مال میں شرکت سے مراد یہ ہے کہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اموال خرچ کرنے کی طرف مائل کر۔ اور اولاد میں شرکت سے مراد یہ ہے کہ انھیں اولاد کے ناجائز نام مثلاً عبد الحارث، عبد الشمس وغیرہ رکھنے کا حکم دے یا انھیں زنا کاری کی ترغیب دے۔ اور ان سے وعدے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انھیں خوب سبز باغ دکھا اور جھوٹی آرزوؤں اور ناجائز تمناؤں کے چکر میں ڈال دے کہ یہ ان سے نکل ہی نہ سکیں۔ اور آج کے دور میں شیطان یہی کچھ کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں شیطان مردود کے شر سے محفوظ رکھے۔

دوسرا خطبہ

محترم حضرات! شیطان کس کس طرح سے انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے! اِس کا ذکر آپ نے پہلے خطبہ میں سنا۔ آیئے اب یہ بھی جان لیجیے کہ شیطان کے شر سے بچنے کی تدبیریں کیا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ان تدابیر کے بارے میں آگاہ کر دیا ہے۔ اگر ہم ان تدبیروں کو اختیار کریں تو اللہ کے حکم سے شیطان کے شر سے بچ سکتے ہیں۔

تاہم سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ شیطان کی چال کمزور ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا﴾

''یقینا شیطان کی چال کمزور ہوتی ہے۔''[2]

[1] الإسراء 64:17. [2] النساء 67:4.

خاص طور پر جب مومن کا ایمان مضبوط ہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق پختہ ہو تو اس کے سامنے شیطان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور جس قدر مومن کا ایمان مضبوط ہو گا اسی قدر وہ شیطان سے محفوظ ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ○ ﴾

''اُس (شیطان) کا ان لوگوں پر کوئی بس نہیں چلتا جو ایمان لائے اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔ اس کا بس تو صرف ان لوگوں پر چلتا ہے جو اسے اپنا دوست اور سرپرست بناتے ہیں اور وہی لوگ اللہ کے ساتھ شرک بھی کرتے ہیں۔''[1]

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ○ ﴾

''بلا شبہ میرے بندوں پر قطعا تیرا بس نہیں چلے گا اور آپ کے رب کا کارساز ہونا کافی ہے۔''[2]

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ کمزور ایمان والے لوگ ہی شیطان کے وسوسوں میں آجاتے اور اس کے شکنجے میں پھنس جاتے ہیں۔ جبکہ مضبوط ایمان والوں پر اس کا کوئی بس نہیں چلتا۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا تھا:

((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ قَطُّ سَالِكًا فَجًّا إِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ))

''اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! شیطان تجھے جس راستے پر چلتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ اُس راستے کو چھوڑ کر کسی اور راستے پر چلا جاتا ہے۔''[3]

آیئے اب شیطان کے شر سے بچنے کی چند اہم تدابیر کا تذکرہ کرتے ہیں۔

شیطان کے شر سے بچنے کی تدابیر

1 شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ○ ﴾

''اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کیجیے۔ یقینا وہ خوب

[1] النحل 16:99-100. [2] الإسراء 17:65. [3] صحيح البخاري: 3294.

سننے والا اور سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں انھیں جب شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ لاحق ہوتا ہے تو وہ (اللہ کو) یاد کرنے لگتے ہیں، پھر وہ اچانک بصیرت والے بن جاتے ہیں۔"[1]

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کریں، کیونکہ اس کے وسوسوں سے اللہ تعالیٰ ہی بچا سکتا ہے۔ اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے متقی لوگوں کی ایک صفت ذکر فرمائی ہے کہ جب انھیں شیطان کی طرف سے وسوسے لاحق ہوتے ہیں تو وہ فوراً اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں جس سے ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ اس کے فتنوں سے بچ جاتے ہیں۔

2 اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہنا

اللہ رب العزت نے شیطان کے دو وصف ذکر کیے ہیں: ﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ﴾ یعنی "وسوسے ڈالنے والا اور پیچھے ہٹ جانے والا" اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شیطان ابن آدم کے دل پر ڈیرہ ڈالے رکھتا ہے۔ جب وہ غافل ہو جائے تو یہ وسوسے ڈالتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے لگ جائے تو یہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

اور حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو پانچ باتوں کا حکم دیا کہ وہ خود بھی ان پر عمل کریں اور بنو اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دیں۔ چنانچہ انھوں نے لوگوں کو بیت المقدس میں جمع ہونے کو کہا جس سے مسجد لوگوں سے بھر گئی اور جو لوگ مسجد سے باہر تھے وہ ٹیلوں پر چڑھ گئے۔ پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنا خطاب یوں شروع فرمایا:

اللہ نے مجھے اور آپ سب کو پانچ باتوں پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا ہے..................

پھر فرمایا: «وَآمُرُكُمْ أَنْ تَذْكُرُوا اللهَ تَعَالیٰ، فَإِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ خَرَجَ الْعَدُوُّ فِي أَثَرِهِ سِرَاعًا، حَتّٰى إِذَا أَتٰى عَلٰى حِصْنٍ حَصِينٍ فَأَحْرَزَ نَفْسَهُ مِنْهُمْ، كَذٰلِكَ الْعَبْدُ لَا يُحْرِزُ نَفْسَهُ مِنَ الشَّيْطَانِ إِلَّا بِذِكْرِ اللهِ تَعَالیٰ»

"اور میں تمھیں اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیتا ہوں اور ذکر کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جس کے پیچھے دشمن لگا ہوا ہو اور اچانک وہ ایک مضبوط قلعے میں داخل ہو کر اس سے اپنی جان بچا لے۔ اسی طرح بندہ ہے کہ وہ بھی اللہ کے ذکر کے ساتھ ہی اپنے آپ کو شیطان سے بچا سکتا ہے......"[2]

[1] الأعراف 7:200-201. [2] مسند أحمد، سنن أبي داود، ابن خزيمة، مصنف عبد الرزاق، أبو يعلى، الحاكم وغيره۔ وصححه الألباني في صحيح الجامع: 1724.

نیز اس کی تائید نبی کریم ﷺ کی ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا:

((يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلَى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحَدِكُمْ إِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عُقَدٍ، يَضْرِبُ عَلَى مَكَانِ كُلِّ عُقْدَةٍ : عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيلٌ فَارْقُدْ، فَإِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ صَلَّى انْحَلَّتْ عُقَدُهُ، فَأَصْبَحَ نَشِيطًا طَيِّبَ النَّفْسِ، وَإِلَّا أَصْبَحَ خَبِيثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ))

”تم میں سے کوئی شخص جب سو جاتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ کی جگہ پر مارتے ہوئے کہتا ہے۔ لمبی رات ہے، مزے سے سوئے رہو۔ پھر اگر وہ بیدار ہو جائے اور اللہ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ اور اگر اٹھ کر وضو کرے تو دوسری گرہ بھی کھل جاتی ہے۔ اور اگر نماز بھی پڑھے تو تمام گرہیں کھل جاتی ہیں پھر وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ وہ ہشاش بشاش اور خوش مزاج ہوتا ہے، ورنہ بدمزاج اور سست ہوتا ہے۔“[1]

اسی طرح حدیث نبوی میں ہے کہ

((إِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَيْتَهُ فَذَكَرَ اللهَ عِنْدَ دُخُولِهِ وَعِنْدَ طَعَامِهِ قَالَ الشَّيْطَانُ : لَا مَبِيتَ لَكُمْ وَلَا عَشَاءَ ، وَإِذَا دَخَلَ فَلَمْ يَذْكُرِ اللهَ عِنْدَ دُخُولِهِ قَالَ الشَّيْطَانُ : أَدْرَكْتُمُ الْمَبِيتَ ، وَإِذَا لَمْ يَذْكُرِ اللهَ عِنْدَ طَعَامِهِ قَالَ : أَدْرَكْتُمُ الْمَبِيتَ وَالْعَشَاءَ))

”جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہو اور داخل ہوتے وقت اللہ کا ذکر کرے اور کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا ذکر کرے تو شیطان (اپنے ساتھی شیطانوں کو) کہتا ہے: تمھارے لیے رات گذارنے کی کوئی جگہ نہیں اور نہ ہی کھانا ہے۔ اور جب وہ داخل ہوتے وقت اللہ کا ذکر نہ کرے تو شیطان کہتا ہے: تمھیں رات گذارنے کی جگہ مل گئی۔ اور جب وہ کھانا کھاتے وقت اللہ کا ذکر نہ کرے تو وہ کہتا ہے: تمھیں رات گذارنے کی جگہ بھی مل گئی اور کھانا بھی مل گیا۔“[2]

3 گھر میں سورۃ البقرۃ کی تلاوت کرنا

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ))

”تم اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ (اور ان میں قرآن پڑھا کرو) کیونکہ جس گھر میں سورۃ البقرۃ پڑھی جاتی

[1] صحيح البخاري: 1142، صحيح مسلم: 776. [2] صحيح مسلم: 2018.

ہے اس سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔" [1]

4 باجماعت نماز کی پابندی

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی پابندی سے انسان' شیطان سے محفوظ ہوجاتا ہے اور اس سلسلے میں سستی برتنے سے شیطان اس پر غالب آجاتا ہے۔

رسولِ اکرم ا کا فرمان ہے:

((مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِي قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيهِمُ الصَّلَاةُ إِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ))

"کسی بستی میں جب تین آدمی ہوں اور وہ باجماعت نماز ادا نہ کریں تو شیطان ان پر غالب آجاتا ہے۔ لہٰذا تم جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کرو، کیونکہ بھیڑیا اُسی بکری کو شکار کرتا ہے جو ریوڑ سے الگ ہوجاتی ہے۔" [2]

4 قیام اللیل: جو شخص شیطان کے شر سے بچنے کے لیے قلعہ بند ہونا چاہے اسے قیام اللیل ضرور کرنا چاہیے، کیونکہ اس میں کوتاہی کرکے انسان خود بخود اپنے اوپر شیطان کو مسلط کرلیتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اُس شخص کا ذکر کیا گیا جو صبح ہونے تک سویا رہے اور قیامِ لیل کے لیے بیدار نہ ہو۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((ذَاكَ رَجُلٌ بَالَ الشَّيْطَانُ فِي أُذُنِهِ))

"یہ وہ شخص ہے جس کے کانوں میں شیطان پیشاب کرجاتا ہے۔" [3]

6 جمائی لیتے وقت اپنا منہ بند رکھنا

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

((اَلتَّثَاؤُبُ مِنَ الشَّيْطَانِ ، فَإِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرُدَّهُ مَا اسْتَطَاعَ ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَالَ : هَا ، ضَحِكَ الشَّيْطَانُ))

"جمائی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ لہٰذا تم میں سے کوئی شخص جب جمائی لے تو اسے حسب استطاعت روکے۔ کیونکہ کوئی شخص جب (جمائی لیتے ہوئے) 'ہا' کہے تو شیطان ہنس پڑتا ہے۔" [4]

7 مختلف مواقع پر دعاؤں کا اہتمام کرنا۔ مثلاً

1 گھر سے نکلتے ہوئے یہ دعا پڑھنا:

((بِسْمِ اللهِ، تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ))

[1] صحیح مسلم: 780. [2] سنن أبي داود: 547، سنن النسائي: 847 وحسنه الألباني. [3] صحیح البخاري: 1144، 3270، صحیح مسلم: 774. [4] صحیح البخاري: 3289.

کیونکہ یہ دعا پڑھنے سے ایک صحیح حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعا پڑھنے والے کو یہ خوشخبری ملتی ہے:

((هُدِيتَ وَكُفِيتَ وَوُقِيتَ)) ((وَتَنَحَّى عَنْهُ الشَّيْطَانُ))

''تجھے سیدھا راستہ دکھا دیا گیا ہے، یہ دعا تجھے کافی ہے اور تجھے بچا لیا گیا ہے۔ اور شیطان اس سے دور ہوجاتا ہے۔اور ایک شیطان دوسرے شیطان سے کہتا ہے: تُو اس آدمی پر کیسے غلبہ حاصل کرسکتا ہے جسے ہدایت دے دی گئی ہے، جس کی حفاظت کردی گئی ہے اور جسے بچا لیا گیا ہے۔''[1]

2 مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھنا:

(أَعُوْذُ بِاللهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے اور فرماتے تھے: ''جو آدمی یہ دعا پڑھ لے شیطان اس کے متعلق کہتا ہے: ''یہ آج کے دن مجھ سے محفوظ ہوگیا۔''[2]

3 نمازِ فجر کے بعد یہ دعا (100 مرتبہ) پڑھنا:

((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ. لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ))

حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص بھی یہ دعا صبح کے وقت سو مرتبہ پڑھ لے، اسے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے، اس کے لیے سو نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، اس سے سو برائیاں مٹا دی جاتی ہیں اور شام ہونے تک وہ شیطان سے محفوظ رہتا ہے......''[3]

4 سونے سے پہلے آیۃ الکرسی کا پڑھنا

صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شیطان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

((إِذَا أَوَيْتَ إِلٰى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ . لَنْ يَّزَالَ مِنَ اللهِ حَافِظٌ وَّلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ حَتّٰى تُصْبِحَ))

''جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو، صبح ہونے تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ حفاظت کرتا رہے گا اور شیطان تمھارے قریب نہیں آئے گا۔''[4]

یہ بات جب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کو بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] سنن أبي داود: 5095، جامع الترمذي: 3426: حسن صحيح۔ وصححه الألباني. [2] سنن أبي داود: 466 وصححه الألباني. [3] صحيح البخاري: 3293، 6403 وصحيح مسلم: 2691. [4] صحيح البخاري: 2311.

«أَمَا إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ» ''اس نے سچ کہا ہے، حالانکہ وہ جھوٹا ہے۔''

5 بوقتِ جماع دعا پڑھنا

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

''تم میں سے کوئی شخص جب اپنی بیوی سے جماع کرنا چاہے تو یہ دعا پڑھے:

«بِسْمِ اللهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا» ''اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! ہمیں شیطان سے بچا اور جو چیز تو ہمیں عطا فرمائے اسے بھی شیطان سے بچا۔''

اگر اِس جماع کے بعد انھیں بچہ دیا گیا تو شیطان اُسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''[1]

6 صبح وشام کے اذکار پڑھنا

جو شخص صبح وشام کے مسنون اذکار ہمیشہ پابندی سے پڑھتا رہے وہ باذن اللہ شیطان کے شر سے محفوظ رہے گا۔ اور شیطان اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ انھی اذکار میں سے معوذتین (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) کو تین تین مرتبہ پڑھنا بھی شامل ہے۔ اسی طرح ان میں سے ایک یہ بھی ہے:

« اَللّٰهُمَّ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّ كُلِّ شَيْئٍ وَمَلِيكَهُ ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهِ ، وَأَنْ أَقْتَرِفَ عَلٰى نَفْسِي سُوءًا أَوْ أَجُرَّهُ إِلٰى مُسْلِمٍ »

یہ اور اِس طرح کے دیگر اذکار (جن کا ذکر ہم اپنے ایک اور خطبہ بعنوان 'ذکر اللہ کے فوائد وثمرات' میں کر چکے ہیں) اگر ان پر مداومت کی جائے تو اللہ تعالیٰ ان اذکار کی برکت سے انسان کو شیطان کے فتنے سے بچا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اس کے فتنے سے محفوظ رکھے اور اپنے دین پر استقامت نصیب فرمائے۔

[1] صحيح البخاري:3217.

’نفاق‘ اور منافق کی نشانیاں

اہم عناصرِ خطبہ

1. نفاق کسے کہتے ہیں؟
2. نفاق کی اقسام
3. نفاق کا ڈر اور خوف
4. خطرناک ٹولہ!
5. منافق کی نشانیاں
6. منافق کا انجام

پہلا خطبہ

محترم حضرات ! آج کے خطبۂ جمعہ میں ہم ایک خطرناک گروہ کے متعلق گفتگو کریں گے (اِن شاء اللہ) یہ وہ گروہ ہے کہ جو مسلمانوں کے لیے یہود ونصاریٰ سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اور وہ ہے منافقین کا گروہ۔ اِس گروہ کے متعلق کچھ ذکر کرنے سے قبل ہم آپ کو یہ بتاتے چلیں کہ نفاق کسے کہتے ہیں اور اس کی کتنی قسمیں ہیں؟

’نفاق‘ عربی زبان میں نَافَقَ کا مصدر ہے۔کہا جاتا ہے : نَافَقَ يُنَافِقُ نِفَاقًا وَمُنَافَقَةً. جس کا معنی ہے چھپانا اور حقیقت پہ پردہ ڈالنا۔اور منافق کو’ منافق‘ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنی حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔

اور’ نفاق‘ نَافِقَاء سے ماخوذ ہے جو’ یربوع‘ یعنی ایک قسم کے جنگلی چوہے کے بل سے نکلنے کے راستے کو کہتے ہیں، کیونکہ بل میں داخل ہونے کے لیے اس کا راستہ الگ ہوتا ہے اور خطرے کے وقت اس سے نکلنے کا راستہ دوسرا ہوتا ہے۔اور وہ نکلنے کے راستے پر پردہ ڈالے رکھتا ہے جس کا باہر سے کسی کو پتہ نہیں چلتا۔ جب اسے بل کے ایک سوراخ سے تلاش کیا جاتا ہے تو وہ دوسرے خفیہ سوراخ سے بھاگ نکلتا ہے۔ اسے’نفاق‘ اس لیے کہا گیا ہے کہ منافق اسلام میں ایک راستے سے داخل ہوتا ہے اور دوسرے راستے سے نکل جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ’نفاق‘ نَفَق سے مشتق ہے جس کا معنی ہے سرنگ، یا وہ سوراخ جس میں چھپنے والا چھپ جاتا ہے۔[1]

اور شرعی اصطلاح میں’نفاق‘ کا معنی ہے : اسلام کو ظاہر کرنا اور کفر کو دل میں چھپانا۔ یا خیر کو ظاہر کرنا اور شر کو چھپانا۔

[1] النهاية لإبن الأثير:5/98.

اور چونکہ منافق اسلام کو ظاہر کرتا اور کفر کو دل میں چھپاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:

﴿ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ ''بے شک منافق ہی فاسق لوگ ہیں۔''[1]

فاسقوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو دائرہ شریعت سے خارج ہیں۔

اور 'نفاق' کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: اعتقادی نفاق، جس کو نفاقِ اکبر بھی کہتے ہیں۔ اس میں ایک منافق اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے لیکن اپنے اندر کفر چھپائے رکھتا ہے۔ اس قسم کے نفاق سے آدمی مکمل طور پر دین سے خارج ہو جاتا ہے اور جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں پہنچ جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اس طرح کے منافق ہر زمانے میں رہے ہیں، خاص طور پر اس وقت جب اسلام کی شان وشوکت بڑھ جاتی ہے اور یہ لوگ اس کا کھل کر مقابلہ نہیں کر سکتے تو یہ اسلام میں داخل ہونے کا ڈھونگ رچاتے ہیں تاکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کریں۔ پھر یہ مسلمانوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہوئے اپنی جان، عصمت اور اپنے مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور در پردہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اعتقادی نفاق کی کچھ اور صورتیں بھی ہیں مثلاً:

1. رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانا۔ یا آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے بعض حصے کو جھٹلانا۔
2. رسول اللہ ﷺ سے دلی دشمنی رکھنا۔ یا آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے بعض حصے سے بغض رکھنا۔
3. امت مسلمہ کے زوال پر خوش ہونا۔ یا اس کے برعکس جب دینِ اسلام کو دیگر ادیان پر غلبہ حاصل ہو اور مسلمان کافروں پر فتح حاصل کریں تو اس پر رنج والم میں مبتلا ہونا۔

دوسری قسم: عملی نفاق، جس کو نفاق اصغر بھی کہتے ہیں۔ اس سے مراد ہے: دل میں ایمان باقی رکھنا لیکن اس کے ساتھ ساتھ منافقوں کے اعمال میں سے کسی عمل کا ارتکاب کرنا یا ان کی صفات میں سے کسی صفت کو اختیار کرنا۔ مثلاً بات بات میں جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا وغیرہ۔ اِس نفاق سے انسان دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اُس میں کچھ اچھی اور کچھ بری خصلتیں ہوتی ہیں، کچھ ایمانی خصلتیں ہوتی ہیں اور کچھ کفر اور نفاق کی عادتیں ہوتی ہیں۔ اور وہ اپنے اچھے اور برے عمل کے اعتبار سے ثواب یا عقاب کا مستحق ہوتا ہے۔

نفاقِ اکبر اور نفاقِ اصغر کے درمیان فرق

1. نفاقِ اکبر سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، جبکہ نفاقِ اصغر سے وہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

[1] التوبۃ 67:9.

2 نفاقِ اکبر ایک سچے مومن سے صادر نہیں ہوسکتا، جب کہ نفاقِ اصغر کا مومن سے صادر ہونا ممکن ہے۔

3 نفاقِ اکبر کا مرتکب اگر اسی حالت میں مرجائے تو وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہے۔ جبکہ نفاقِ اصغر کا مرتکب اگر بغیر توبہ کے مرجائے تو قیامت کے روز اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ جیسے چاہے گا فیصلہ فرمائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ اسے عقیدۂ توحید کی بناء پر اپنے فضل وکرم سے معاف کرکے جنت میں داخل کردے۔ اور ہوسکتا ہے کہ اسے پہلے جہنم میں داخل کرکے اس کو اس کے گناہوں کی سزا دے؛ پھر اسے جنت میں داخل کرے۔

عزیز بھائیو!

'نفاق' نہایت ہی خطرناک مرض ہے۔ جو لوگ اِس مرض میں مبتلا ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے مرض میں اور اضافہ کردیتا ہے۔ اس کا فرمان ہے:

﴿ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ﴾

"ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھادیا اور جو وہ جھوٹ بک رہے ہیں اس کے عوض ان کو قیامت کے دن دردناک عذاب ملے گا۔"[1]

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نفاق سے بہت زیادہ ڈرتے رہتے تھے۔

ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں:

((أَدْرَكْتُ ثَلَاثِينَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ كُلُّهُمْ يَخَافُ النِّفَاقَ عَلَى نَفْسِهِ))

"میں نے تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا جن میں سے ہر ایک کو اپنے اوپر نفاق کا خوف تھا۔"[2]

اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جناب حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کرتے تھے کہ کیا رسول اکرم ﷺ نے میرا نام منافقوں میں لیا تھا؟

یہ کون ہیں؟ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ! جو جس راستے پر چلتے تھے تو شیطان بھی اس راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلا جاتا تھا اور جنھیں نبی کریم ﷺ نے خصوصی طور پر دعا کرکے اللہ تعالیٰ سے طلب کیا تھا اور جنھیں آپ ﷺ نے نام لے کر جنت کی بشارت سنائی تھی، وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں آپ ﷺ نے ان کا نام منافقوں میں تو نہیں لیا تھا۔

اگر ان صحابۂ کرام کو اپنے اوپر نفاق کا اِس قدر خوف تھا تو ہمیں تو اور زیادہ ڈرنا چاہیے کہ کہیں ہمارے اندر منافقت تو نہیں ہے!

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں منافقوں کا پردہ فاش کیا ہے، انکے بھیدوں کو طشت از بام کیا ہے اور اپنے بندوں کو

[1] البقرة 2:10. [2] صحيح البخاري، كتاب الإيمان باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر.

ان کے متعلق آگاہ کردیا ہے تاکہ وہ نفاق اور منافقوں سے بچے رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک مکمل سورت ان کے متعلق نازل کردی جس کا نام ہے سورۃ المنافقون۔ اسی سورت میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو مومنوں کا اصل دشمن قرار دیا اور فرمایا:

﴿هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ﴾

''یہی دشمن ہیں، ان سے ہوشیار رہیے۔''[1]

اس کے علاوہ اس نے سورۂ بقرۃ کے شروع میں لوگوں کے تین گروہ یعنی مومنین، کفار اور منافقین کا تذکرہ کیا ہے۔ مومنوں کا تذکرہ چار آیتوں میں اور کافروں کا دو آیتوں میں کیا۔ جبکہ منافقوں کا تذکرہ پورے ایک رکوع میں میں کیا جس میں تیرہ آیات ہیں۔ بھلے لوگو! ذرا سوچو اللہ تعالیٰ نے ایسا کیوں کیا؟

اس نے ایسا اس لیے کیا کہ منافقوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور لوگوں میں ان کے نفاق کے پھیلنے کا شدید اندیشہ تھا اور وہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے ایک عظیم فتنہ ثابت ہوسکتے تھے۔ اس لیے اس نے ان کے متعلق تفصیل سے آگاہ کردیا۔

اور اگر ہم تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان منافقوں کی دسیسہ کاریوں کی وجہ سے مسلمانوں کو بڑے بڑے مصائب جھیلنا پڑے، ان کی سازشوں کی وجہ سے مسلمانوں کو متعدد مرتبہ شدید نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ کیونکہ یہ لوگ اسلام کے سخت ترین دشمن ہونے کے باوجود مسلمان کہلائے جاتے تھے اور اسلام کے مددگار و حامی سمجھے جاتے تھے لیکن انھوں نے اسلام اور مسلمانوں سے اپنی دشمنی اور بغض کی بناء پر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقعہ بھی ضائع نہیں کیا۔ یہ لوگ ہر دور میں اپنی چالوں اور سازشوں کے ذریعے میں عالم اسلام میں فتنے بپا کرتے رہے ہیں۔ اور اب بھی کررہے ہیں۔ کفی اللہ المسلمین شرھم اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔

1 منافق کی نشانیاں

سامعین کرام! ویسے تو منافق کی نشانیاں بہت زیادہ ہیں، لیکن ہم یہاں چند اہم نشانیاں ذکر کرتے ہیں۔

1 جھوٹ بولنا

منافقوں کی بہت بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جھوٹ بولتے ہیں اور ان کی زبان پر سچ کم ہی آتا ہے۔ ان کے جھوٹا ہونے کی شہادت خود اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں متعدد مرتبہ دی ہے۔

[1] المنافقون 4:63.

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝﴾

”جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں۔ اور اللہ یہ گواہی دیتا ہے کہ منافق سراسر جھوٹے ہیں۔“[1]

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا فَیَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰی شَیْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝﴾

”جس دن اللہ ان سب (منافقوں) کو اٹھائے گا تو اس کے سامنے بھی ایسے ہی قسمیں کھائیں گے جیسے تمھارے سامنے کھاتے ہیں اور یہ سمجھیں گے کہ ان کا کام بن جائے گا۔ خبردار! یہی جھوٹے لوگ ہیں۔“[2]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝﴾

”اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ’ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے‘ حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔“[3]

2 مکر و فریب کرنا اور دھوکہ دینا

منافقوں کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ مکر و فریب اور دھوکہ بازی کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ وہ ایسا کر نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۝ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ۬ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ۝﴾

”یہ لوگ اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ (یہ لوگ) اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور سمجھ نہیں رہے ہیں۔ ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا۔ اور جھوٹے ایمان کا اظہار کرنے کی وجہ سے ان کو قیامت کے دن دردناک عذاب ملے گا۔“[4]

3 بزعم اصلاح زمین میں فساد پھیلانا

منافقوں کی ایک اور بہت بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ معاشرے میں ’اصلاح‘ کا دعویٰ کرتے ہوئے فساد بپا کرتے ہیں۔

[1] المنافقون 1:63. [2] المجادلة 18:58. [3] البقرة 8:2. [4] البقرة 2:9-10.

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ○ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ○﴾

”اور جب انھیں کہا جائے کہ زمین میں فساد بپا نہ کرو تو کہتے ہیں کہ ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں! خوب سن لو! حقیقت میں یہی لوگ مفسد ہیں مگر وہ (یہ بات) سمجھتے نہیں۔“[1]

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے زمانے کے منافقوں کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ زمین میں فساد بپا کرتے تھے اور جب انھیں اس سے منع کیا جاتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ ہم ہی تو ہیں اصلاح کرنے والے!

نہایت افسوس ہے کہ اس طرح کے منافق آج بھی موجود ہیں جو 'اصلاح' کا دعوی کرتے ہوئے زمین میں فساد پھیلا رہے ہیں۔ مثلا جعلی پیر، نجومی، عامل اور جادوگر! جو سادہ لوح عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں اور معاشرے میں اس قدر فساد بپا کر رہے ہیں کہ اللہ کی پناہ! ان لوگوں کا دعوی یہ ہوتا ہے کہ ہم ہر مشکل دور کرتے ہیں، ہر مسئلے کا حل بتاتے ہیں اور ہر پریشانی کا علاج کرتے ہیں وغیرہ!!! جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ معاشرے میں مسلمانوں کی مشکلات اوران کی پریشانیوں میں اور اضافہ کرتے ہیں۔ ان کے مسائل کو اور زیادہ الجھاتے ہیں۔ چنانچہ انھی لوگوں کی وجہ سے:

- کئی گھر اجڑ گئے!
- کئی خاندان برباد ہو گئے!
- کئی لوگوں کی عزتیں لٹ گئیں!
- کئی پاکباز خواتین ان کی نفسانی خواہشات کی بھینٹ چڑھ گئیں!
- اور کئی کھاتے پیتے لوگ دیوالیہ ہو گئے!

حقیقت یہ ہے کہ یہ اس دور کے بہت بڑے منافق ہیں جنھوں نے زمین میں فساد بپا کر رکھا ہے۔

ان لوگوں کے 'ریپ' کے واقعات اکثر وبیشتر میڈیا میں آتے رہتے ہیں، لیکن پھر بھی لوگ ان کے پاس جانے سے باز نہیں آتے، حالانکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

((مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْئٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةُ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً))

”جو شخص کسی نجومی کے پاس جائے، پھر اس سے کسی چیز کے بارے میں سوال کرے تو اس کی چالیس راتوں کی نمازیں قبول نہیں کی جاتیں۔“[2]

[1] البقرۃ 2:11-12. [2] صحیح مسلم :2230.

عزیز بھائیو! ذرا سوچو! ان بدبختوں کے پاس جا کر کسی چیز کے بارے میں صرف سوال کرنے کی وجہ سے چالیس راتوں کی نمازیں رد کر دی جاتی ہیں! اِس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان لوگوں کے پاس جانا کتنا بڑا گناہ ہے! اور جہاں تک ان کے پاس جا کر ان کی باتوں کی تصدیق کرنے کا تعلق ہے تو وہ کفر ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ أَتَى عَرَّافًا أَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ))

''جو شخص کسی کاہن (علمِ غیب کا دعویٰ کرنے والے کسی عامل) کے پاس جائے، پھر اس کی باتوں کی تصدیق کرے تو اس نے محمد ﷺ پر اتارے گئے دینِ الٰہی سے کفر کیا۔''[1]

4 صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنا

منافقوں کی ایک اور بہت بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ ان شخصیات کو برا بھلا کہتے ہیں کہ جن کے ذریعے اللہ کا دین پوری دنیا تک پہنچا۔ جن کے ذریعے ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی شریعت آپ کی امت تک پہنچی۔ جن کے ذریعے آپ ﷺ کی ایک ایک سنت اور آپ ﷺ کا ایک ایک ارشاد محفوظ ہوا۔ یہ منافق ان حضرات کو گالی گلوچ کرتے ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول جناب محمد ﷺ کا ساتھ دینے کے لیے منتخب فرمایا، جن سے اللہ تعالیٰ نے راضی ہونے کا اعلان کیا اور جن سے ہمیشہ رہنے والی جنتوں کا وعدہ کیا ....

اللہ تعالیٰ منافقوں کی یہ نشانی ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ﴾

''اور جب انھیں کہا جائے کہ ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں: کیا ہم ایمان لائیں جیسے احمق لوگ ایمان لائے ہیں! خبردار! حقیقت میں یہی لوگ احمق ہیں مگر وہ (یہ بات) جانتے نہیں۔''[2]

اِس آیت کریمہ میں (الناس) سے مراد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو اِس آیت کے نزول کے وقت ایمان لا چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہتے ہیں! اور ساتھ ہی آگاہ کیا ہے کہ جو لوگ ان حضرات کو برا بھلا کہتے ہیں، درحقیقت وہی احمق اور بے وقوف ہیں۔

بڑے ہی افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ انھی منافقوں کے طرزِ عمل کو اختیار کرتے ہوئے اِس دور میں بھی بعض وہ لوگ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی گلوچ کرتے اور انھیں برا بھلا کہتے ہیں۔ بالکل اُسی طرح جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں منافق ان پر تہمتیں لگاتے تھے آج بھی کئی لوگ ان شاگردانِ رسول ﷺ پر

[1] صحیح الجامع للألباني: 5939. [2] البقرة 2:13.

تہمتیں لگاتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں نے ہی بہتان باندھا تھا اور آج بھی انھی جیسے منافق لوگ اِس پاکباز خاتون، مومنوں کی ماں صدیقہ، طاہرہ رضی اللہ عنہا پر تبرا بازی کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں ان کی براءت کا اعلان ہو چکا، لیکن پھر بھی ان لوگوں کا بہتان بازی سے باز نہ آنا یقینا قرآن مجید کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔

5 غداری کرنا

منافقوں کی ایک اور نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرنے کے بعد غداری کرتے ہیں اور اپنے عہد کو توڑ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ○﴾

"اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ ہمیں اپنی مہربانی سے (مال ودولت) عطا کرے گا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور نیک بندے بن جائیں گے۔ پھر جب اللہ نے اپنی مہربانی سے انھیں مال عطا کر دیا تو بخل کرنے لگے اور کمال بے اعتنائی سے (اپنے عہد سے) پھر گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اس دن تک کے لیے نفاق ڈال دیا جس دن وہ اس سے ملیں گے کیونکہ انھوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔" [1]

6 کفار اور یہود سے دوستانہ تعلقات قائم کر کے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا

منافقوں کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ یہود ونصاری اور دیگر کفار سے دوستانہ تعلقات قائم کر کے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ○ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ○﴾

"منافقوں کو خوشخبری دے دیجیے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا یہ لوگ کافروں کے ہاں عزت چاہتے ہیں؟ حالانکہ عزت تو ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔" [2]

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾

[1] التوبة 9:75-77. [2] النساء 4:138-139.

”کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے ایسے لوگوں سے دوستی لگائی جن پر اللہ کا غضب ہوا۔ نہ تو وہ تم میں سے اور نہ ہی ان میں سے ہیں۔ اور وہ جان بوجھ کر جھوٹ پر قسم کھاتے ہیں۔“[1]

اللہ کا غضب کن لوگوں پر ہوا؟ یہود پر۔ تو منافق لوگ یہودِ مدینہ سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اور انھی کے ساتھ اظہار ہمدردی بھی کرتے تھے، لیکن عملی طور ان کی حالت یہ ہوگئی کہ ﴿مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ﴾ یعنی 'دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔“

منافقوں کے اس طرز عمل پر اللہ تعالیٰ انھیں شدید اور رسوا کن عذاب کی وعید سناتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ○﴾

”اللہ نے ان کے لیے شدید عذاب تیار کیا ہے۔ بلا شبہ جو یہ کر رہے ہیں بہت برا ہے۔ انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ لہٰذا ان کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا۔“[2]

اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے: ﴿لَّن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○﴾

”اللہ کے ہاں نہ ان کے مال کچھ کام آئیں گے اور نہ اولاد۔ یہی لوگ اہلِ جہنم ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“[3]

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو 'شیطان کی پارٹی' قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ○﴾

”شیطان ان پر مسلط ہوگیا ہے جس نے انھیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے۔ یہی لوگ شیطان کی پارٹی ہیں۔ سن لو! شیطان کی پارٹی کے لوگ ہی خسارہ اٹھانے والے ہیں۔“[4]

اس سے ثابت ہوا کہ یہودیوں سے دوستانہ تعلقات رکھنے والے منافق لوگ 'شیطانی ٹولہ' ہیں۔ لیکن اسے کیا کہیے کہ آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ یہود ونصاریٰ کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو اس سے منع کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ○﴾

[1] المجادلة 14:58. [2] المجادلة 15:58-16. [3] المجادلة 17:58. [4] المجادلة 19:58.

”اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ تو آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے گا تو وہ یقیناً انھی میں سے ہوگا۔ بے شک اللہ ظالموں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔“①

یہ منافق یہود و نصاریٰ کو نہ صرف دوست بناتے ہیں بلکہ ان کے 'مفادات' کے لیے دوڑ دھوپ بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ہم ایسا نہ کریں تو وہ ہم پر حملہ کردیں گے اور ہمیں تباہ و برباد کردیں گے! ان منافقوں کی یہ حجت بالکل وہی حجت ہے جو رسول اکرم ﷺ کے دور کے منافق پیش کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ﴾

”آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے وہ انھی (یہود و نصاریٰ) میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں کسی مصیبت میں نہ پڑ جائیں۔“②

یہ جو ایک دوسرے کے دوست ہیں، منافقین اور یہود! اللہ تعالیٰ ان دونوں گروہوں کو ایک ساتھ ذکر کرکے انھیں یوں وعید سناتا ہے:

﴿ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾

”اگر منافق لوگ اور وہ جن کے دلوں میں مرض ہے اور جو مدینہ میں دہشت انگیز افواہیں پھیلاتے ہیں، اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان کے خلاف اٹھا کھڑا کریں گے، پھر وہ تھوڑی ہی مدت آپ کے پڑوس میں رہ سکیں گے۔ ان پر اللہ کی پھٹکار برسے گی۔ یہ جہاں کہیں بھی ہوں گے پکڑ لیے جائیں گے اور بری طرح قتل کیے جائیں گے۔“③

ان آیات میں ﴿ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ ﴾ سے مراد بنوقریظہ ہیں جو مدینہ منورہ میں بے بنیاد خبریں پھیلا کر اہلِ مدینہ کو پریشان کرنے کی مذموم کوشش کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اور ان جیسے منافقوں کو کہ جن کی ریشہ دوانیوں سے مسلمانانِ مدینہ تنگ آچکے تھے، شدید دھمکی دی کہ اگر یہ سب ایذا رسانی سے باز نہیں آتے تو اے نبی ﷺ! ہم آپ کو ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہونے کا حکم دیں گے۔ پھر ان پر اللہ کی پھٹکار پڑے گی اور یہ جہاں کہیں ملیں گے انھیں پکڑ کر بری طرح سے قتل کردیا جائے گا۔

① المائدة 5:51. ② المائدة 5:52. ③ الأحزاب 33:60-61.

7 اللہ کے قوانین کو نافذ نہ کرنا اور خود ساختہ قوانین پر عمل کرنا

منافقوں کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی شریعت اور اس کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق نہ خود فیصلے کرتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو ایسا کرنے دیتے ہیں۔ بلکہ ان کی ہر ممکن یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ شرعی قوانین سے انحراف کرکے خود ساختہ قوانین کو نافذ کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اور ایسے لوگ اس دور میں بھی بکثرت موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ ایسے ہی منافقوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ○ وَاِذَا قِيْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ○ ﴾

”کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ جو کچھ آپ کی طرف اتارا گیا وہ اس پر ایمان لائے ہیں اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے اتارا گیا، مگر یہ چاہتے ہیں کہ اپنا مقدمہ 'طاغوت' کے پاس لے جائیں حالانکہ انھیں حکم دیا گیا تھا کہ 'طاغوت' کے فیصلے تسلیم نہ کریں۔ اور شیطان یہ چاہتا ہے کہ انھیں گمراہ کرکے بہت دور تک لے جائے۔ اور جب انھیں کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کی ہے اور رسول کی طرف آؤ تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ کے پاس آنے سے گریز کرتے ہیں۔“[1]

8 نماز کی طرف آنے میں سستی کرنا اور ریاکاری کرنا

منافقوں کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ نمازوں میں سستی کرتے ہیں۔ اور جب نماز پڑھتے ہیں تو صرف لوگوں کو دکھلانے کی خاطر نماز پڑھتے ہیں۔ اور اس میں اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی یہ نشانی یوں بیان فرماتا ہے: ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَاۗءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ ﴾

”یہ منافق اللہ سے دھوکہ بازی کرتے ہیں، جبکہ اللہ ہی انھیں دھوکے کا (بدلہ دینے والا) ہے۔ اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں، صرف لوگوں کو دکھلانے کے لیے (نماز ادا کرتے ہیں) اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔“[2]

اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَھُمْ كُسَالٰى ﴾

”اور نماز کو نہایت سستی کی حالت میں ہی آتے ہیں۔“[3]

[1] النساء4:60-61. [2] النساء4:142. [3] التوبة9:54.

منافقوں پر خاص طور پر دو نمازیں انتہائی بھاری ہوتی ہیں۔ نمازِ عشاء اور نمازِ فجر۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ أَثْقَلَ صَلَاةٍ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ ، وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا))

''بے شک منافقوں پر سب سے بھاری نماز' نمازِ عشاء اور نمازِ فجر ہے۔ اور اگر انھیں معلوم ہو جاتا کہ ان دونوں میں کتنا اجر ہے تو وہ گھٹنوں کے بل چل کر بھی یہ نمازیں ادا کرنے کے لیے ضرور حاضر ہوتے ......''[1]

اسی طرح وہ شخص جو عصر کی نماز کو اتنا لیٹ کردے کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو جائے تو اسے بھی رسول اکرم ﷺ نے منافق کہا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى إِذَا كَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَهَا أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا))

''وہ منافق کی نماز ہے کہ وہ سورج کی تاک لگائے بیٹھا رہے، یہاں تک کہ جب سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان پہنچ جائے (یعنی غروب ہونے کے قریب ہو) تو کھڑا ہو جائے، پھر عصر کی چار ٹھونگیں جلدی جلدی مارلے اور ان میں اللہ کا ذکر کم ہی کرے۔''[2]

9 مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے سے پیچھے رہنا

منافقوں کی ایک اور بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ باجماعت نماز ادا کرنے کے لیے مساجد میں حاضر نہیں ہوتے اور اکثر وبیشتر اس سے پیچھے رہتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُنَافِقٌ مَّعْلُومُ النِّفَاقِ ، وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتٰى بِهِ يُهَادٰى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتّٰى يُقَامَ فِي الصَّفِّ))

''اور ہم (نبی کریم ﷺ کے عہد میں) دیکھتے تھے کہ باجماعت نماز سے صرف وہ منافق پیچھے رہتا تھا جس کا نفاق سب کو معلوم ہوتا۔ اور ایک شخص کو مسجد میں باجماعت نماز کے لیے اس حالت میں لایا جاتا تھا کہ اس نے دو آدمیوں کے درمیان ان کے کندھوں کا سہارا لیا ہوا ہوتا، یہاں تک کہ اسے صف میں لا کھڑا کیا جاتا۔''[3]

[1] صحيح البخاري:644، وصحيح مسلم:651. [2] صحيح المسلم: 622. [3] رواه مسلم:654.

10 برائی کا حکم دینا اور نیکی سے منع کرنا

اہلِ ایمان کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے ہیں۔ جبکہ منافق اس کے برعکس نیکی سے منع کرتے ہیں اور برائی کا حکم دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی یہ صفت یوں بیان کرتا ہے:

﴿ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ ﴾

’’منافق مرد ہوں یا عورتیں، ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں، برے کام کا حکم دیتے ہیں اور بھلے کام سے روکتے ہیں۔ اور اپنے ہاتھ (صدقہ وغیرہ سے) بھینچ لیتے ہیں۔ اور اللہ کو بھول گئے تو اس نے بھی انھیں بھلا دیا۔ یہ منافق دراصل ہیں ہی نافرمان۔‘‘[1]

اِس آیت سے منافقوں کی ایک نشانی یہ بھی ثابت ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں اور بخل اور کنجوسی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے:

﴿ وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ ﴾

’’اور خرچ کرتے ہیں تو مجبوراً ہی کرتے ہیں۔‘‘[2]

11 مسلمانوں کے درمیان فرقہ واریت پیدا کرنا اور اختلافات کو ہوا دینا

منافقوں کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کا اتفاق واتحاد قطعاً پسند نہیں کرتے اور ان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے مابین اختلافات اور نزاعی امور کو ہوا دے کر انھیں فرقوں میں تقسیم کریں۔ خاص طور پر مساجد کے ذریعے ان میں تفرقہ ڈالیں۔ منافقین مدینہ منورہ کی اِس صفت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾

’’کچھ اور ہیں جنھوں نے مسجد بنائی اس غرض سے کہ وہ (دعوت حق کو) نقصان پہنچائیں، کفر پھیلائیں، مومنوں میں تفرقہ ڈالیں اور یہ اُن لوگوں کے لیے کمین گاہ بنے جو اس سے قبل اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے برسرِ پیکار رہے ہیں۔ اور وہ قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ بھلائی کے سوا کچھ نہیں۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ یقیناً جھوٹے ہیں۔‘‘[3]

[1] التوبة 67:9. [2] التوبة 54:9. [3] التوبة 107:9.

یہ آیت کریمہ ان منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی خاطر ایک مسجد بنائی، ان کا پروگرام یہ تھا کہ وہ اس مسجد کو اپنے اڈے اور کمین گاہ کے طور پر استعمال کریں گے۔ اس کے علاوہ وہ اس کے ذریعے مسلمانوں میں تفرقہ بھی ڈالیں گے۔ انھوں نے رسول اکرم ﷺ کو دعوت دی کہ آپ تشریف لائیں اور اس میں دو رکعت نماز ادا کریں۔ آپ ﷺ اس وقت تبوک کو روانہ ہو رہے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے کہا کہ میں واپسی پر یہاں نماز پڑھوں گا۔ پھر جب آپ ﷺ واپس لوٹ رہے تھے تو وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو اس مسجد کی حقیقت سے آگاہ کر دیا گیا۔ اس لیے آپ ﷺ نے اس میں نماز ادا نہ کی بلکہ اسے گرانے کا حکم دے دیا۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ اس دور میں بھی بہت سارے لوگ مساجد کو مسلمانوں کے اتفاق واتحاد کا ذریعہ بنانے کی بجائے انھیں فرقہ واریت کا ذریعہ بناتے ہیں۔ مسجد کے منبر ومحراب کو اپنے ان نظریات کی نشر و اشاعت کا ذریعہ بناتے ہیں کہ جو قرآن وحدیث کے سراسر خلاف ہیں۔ اسی سے فرقے بنتے ہیں اور مسلمان گروہی تعصب میں مبتلا ہوتے ہیں۔

12 حقائق کو مسخ کرنا اور افواہیں پھیلانا

منافقوں کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ اصل حقائق کو مسخ کر کے جھوٹا پروپیگنڈہ کرتے اور بے بنیاد افواہیں پھیلاتے ہیں جس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمان پریشان ہوں اور انھیں چین وسکون نصیب نہ ہو۔ اس کی سب سے بڑی دلیل واقعۂ افک ہے جس کے ذریعے منافقوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف زہر افشانی کی اور ان پر بدکاری کا بہتان باندھا۔

حالانکہ واقعہ صرف اتنا تھا کہ غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی پر مدینہ منورہ کے قریب جب لشکر نے پڑاؤ کرنے کے بعد کوچ کیا تو اُس وقت عائشہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ چونکہ آپ دبلی پتلی تھیں اس لیے جب ان کا ہودج اٹھایا گیا تو اٹھانے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو محسوس نہ ہوا کہ آپ اس میں نہیں ہیں۔ ہودج اٹھا کر اونٹ پہ رکھ دیا گیا، لشکر روانہ ہو گیا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پیچھے رہ گئیں۔ آپ جب اپنی جگہ پر واپس لوٹیں تو لشکر کو وہاں نہ پا کر اسی جگہ پر بیٹھ گئیں تاکہ تلاش کرنے والا شخص تلاش کرتے کرتے جب وہاں پر آئے تو وہ انھیں پا لے۔ انتظار کرتے کرتے آپ کی آنکھ لگ گئی۔ صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ کی ڈیوٹی تھی کہ وہ لشکر کے پیچھے رہیں تاکہ کسی کی کوئی چیز گر جائے تو وہ اسے اٹھا لیں یا کوئی راستہ بھول جائے تو وہ اس کی راہنمائی کر دیں۔ جب موصوف کا وہاں سے گزر ہوا تو چونکہ انھوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو پردے کا حکم نازل ہونے سے قبل دیکھا ہوا تھا اس لیے انھوں نے آپ کو پہچان لیا اور فوراً کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون یہ سن کر عائشہ رضی اللہ عنہا بیدار ہو گئیں اور فوراً چہرے کا پردہ کر لیا۔ صفوان رضی اللہ عنہ نے اپنی سواری کو

ان کے قریب بٹھایا اور اپنا چہرہ دوسری طرف موڑ لیا تا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر سوار ہو جائیں۔ وہ سوار ہوئیں اور پھر صفوان رضی اللہ عنہ سواری کی نکیل پکڑ کر لشکر کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ جب منافقوں نے یہ منظر دیکھا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا صفوان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اکیلی آ رہی ہیں تو فوراً ان پر بہتان باندھ دیا۔ پھر ان کے بارے میں بدکلامی شروع کر دی اور مدینہ منورہ میں یہ جھوٹی خبر پھیلا دی کہ صفوان رضی اللہ عنہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے (نعوذ باللہ) برائی کی ہے۔ منافقوں نے اس بہتان کا اتنا پروپیگنڈا کیا کہ کئی مسلمان بھی اس میں بہک گئے۔ اس واقعہ کے نتیجے میں رسول اکرم ﷺ بہت زیادہ پریشان ہوئے۔ خود عائشہ رضی اللہ عنہا بیمار ہو گئیں اور آپ کے والدین بھی شدید پریشانی میں مبتلا ہوئے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کے متعلق آیات نازل کر دیں جن میں اللہ نے اس واقعہ کو 'بہتان عظیم' اور منافقوں کو جھوٹا قرار دیا۔

13 اللہ کی راہ میں آنے والی آزمائشوں کو برداشت نہ کرنا اور دین سے پھر جانا

منافقوں کی ایک اور نشانی یہ ہے کہ اگر انھیں خیر ملتی رہے تو مطمئن رہتے ہیں اور اگر کوئی آزمائش آ جائے تو اس پر صبر کا مظاہرہ نہیں کرتے بلکہ اللہ کی عبادت کو ترک کر کے کفر کی طرف واپس پلٹ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝ ﴾

''اور بعض لوگ اللہ کی عبادت کنارے پر رہ کر کرتے ہیں۔ اگر انھیں دنیاوی بھلائی ملتی ہے تو اطمینان کی سانس لیتے ہیں اور اگر کوئی آزمائش انھیں آ لیتی ہے تو (کفر کی طرف) پلٹ جاتے ہیں۔ اپنی دنیا اور آخرت دونوں گنوا دیتے ہیں۔ یہی واضح نقصان ہے۔''[1]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَ لَىِٕنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَ لَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝ ﴾

''اور لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے جو یہ کہتا ہے کہ 'ہم اللہ پر ایمان لائے' مگر جب اللہ کی راہ میں تکلیف پہنچتی ہے تو لوگوں کی اس تکلیف کو یوں سمجھتا ہے جیسے اللہ کا عذاب ہو۔ اور اگر آپ کے رب کی طرف سے نصرت آ جائے تو ضرور کہے گا کہ ہم (دل سے) تو تمھارے ساتھ ہی تھے۔ کیا دنیا جہان کے لوگوں کے دلوں کا حال

[1] الحج 11:22۔

اللہ کو بخوبی معلوم نہیں ! اور اللہ تعالیٰ ضرور یہ جان کر رہے گا کہ ایمان والے کون ہیں اور منافق کون ؟[1]

14 مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئے تو خوش ہوتے ہیں

منافقوں کی ایک نشانی یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کو کوئی اچھائی نصیب ہو تو انھیں بہت برا لگتا ہے اور اگر ان پر کوئی مصیبت آجائے تو بہت خوش ہوتے ہیں۔ جنگ تبوک سے پیچھے رہنے والے منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : ﴿اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ﴾

”اگر آپ کو کوئی بھلائی ملے تو انھیں بری لگتی ہے اور اگر کوئی مصیبت آپڑے تو کہتے ہیں : ہم نے تو اپنا معاملہ ہی درست رکھا تھا۔ پھر وہ خوش خوش واپس چلے جاتے ہیں۔“[2]

15 مسلمانوں کو خوفزدہ کرنا اور ان کی صفوں میں دراڑیں ڈالنا

منافقوں کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ جنگی حالات میں بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہیں ، خود بھی خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی خوفزدہ کر کے ان کی صفوں میں دراڑیں ڈالنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی دلیل جنگ خندق کا واقعہ ہے کہ جب کفار اپنے تمام گروہوں کے ساتھ مل کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے تھے ، انھوں نے ہر جانب سے اہلِ مدینہ پر چڑھائی کی تھی اور خود مدینہ کے بعض یہودی قبائل بھی مسلمانوں سے بدعہدی کرتے ہوئے کفار کا ساتھ دے رہے تھے ! ان سنگین حالات میں مومنوں کی شدید آزمائش ہوئی اور انھیں جھنجوڑ کر رکھ دیا گیا۔ مومنوں کی اِس حالت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے :

﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝﴾

”جب وہ تمھارے اوپر سے اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے تھے اور جب آنکھیں پھر گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم اللہ کے متعلق طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے۔ اِس موقع پر مومنوں کی آزمائش کی گئی اور وہ بری طرح ہلا دیے گئے۔“[3]

ایسے میں منافق بول اٹھے اور مسلمانوں کو خوفزدہ کرتے ہوئے ان کی صفوں میں دراڑیں ڈالنے لگے۔ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے : ﴿وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝﴾

[1] العنكبوت 29:10-11. [2] التوبة 9:50. [3] الأحزاب 33:10-11.

’’ جبکہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا یہ کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا، بس دھوکہ ہی تھا۔‘‘[1]

اس کے بعد فرمایا:

﴿ وَ اِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَ یَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِیَّ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَ مَا هِیَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝ ﴾

’’ اور جب ان کا ایک گروہ کہنے لگا: یثرب والو! (آج) تمھارے ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں، لہذا واپس آجاؤ۔ اور ان کا ایک گروہ نبی سے (واپس جانے کی) اجازت مانگ رہا تھا اور کہتا تھا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ حالانکہ ان کے گھر غیر محفوظ نہیں تھے، وہ صرف جنگ سے فرار چاہتے تھے۔‘‘[2]

16 وفاداریاں تبدیل کرنا

منافقوں کی ایک اور نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے دنیاوی مفادات کی خاطر وفاداریاں بہت جلد تبدیل کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ نشانی یوں بیان کی ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْكٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعَا ۝ الَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖؗ وَ اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ ۙ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾

’’ اللہ تعالیٰ تمام منافقوں اور کافروں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔ یہ لوگ آپ کے بارے میں ہر وقت منتظر رہتے ہیں، اگر اللہ کی مہربانی سے تمھیں فتح نصیب ہو تو کہتے ہیں: کیا ہم تمھارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کا پلہ بھاری رہے تو انھیں کہتے ہیں: کیا ہم تم پر قابو پانے کی قدرت نہ رکھتے تھے؟ اور ہم نے تمھیں مومنوں سے بچا نہیں لیا؟‘‘[3]

نہایت افسوس ہے کہ آج بھی ایسے منافق بہت زیادہ پائے جاتے ہیں، خاص طور پر سیاسی پارٹیوں میں، کہ جو ہوا کا رخ دیکھتے ہی فوراً اپنی پارٹی کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس پارٹی میں شامل ہو جاتے ہیں جس کو اقتدار ملنے والا ہو یا مل چکا ہو۔ ایسے لوگوں کو صرف اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے۔ یہ ملک وقوم کے خیر خواہ نہیں ہوتے۔

[1] الأحزاب 12:33. [2] الأحزاب 13:33. [3] النساء 4:140-141.

17 چرب لسانی

منافقوں کی ایک اور نشانی یہ ہے کہ وہ بہت ہی میٹھی میٹھی باتیں اور انتہائی لچھے دار گفتگو کرتے ہیں، لیکن ان کے دلوں میں وہ نہیں ہوتا جو ان کی زبانوں پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ المنافقون کے شروع میں فرماتا ہے:

﴿وَ اِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَ اِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ﴾

”اگر آپ انھیں دیکھیں تو ان کے جسم آپ کو بھلے لگیں اور اگر وہ بات کریں تو آپ ان کی بات سنتے ہی رہ جائیں۔ گویا وہ دیواروں کے ساتھ لگی ہوئی لکڑیاں ہیں۔“[1]

اسی طرح مدینہ منورہ کے اردگرد بسنے والے بعض منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿سَیَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَاۤ اَمْوَالُنَا وَ اَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ﴾

”دیہاتیوں میں سے جو لوگ (فتح مکہ سے) پیچھے رہ گئے تھے وہ اب آپ سے کہیں گے کہ ہمارے اموال اور گھر والوں نے ہمیں مشغول رکھا تھا، لہٰذا ہمارے لیے بخشش کی دعا کیجیے۔ یہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی۔“[2]

سامعین کرام! ہم نے منافقوں کی متعدد نشانیاں قرآن وحدیث کی روشنی میں ذکر کی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اگر ہمارے اندر بھی یہ نشانیاں پائی جاتی ہوں تو ہم اپنی اصلاح کریں اور ان سے بچنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

معزز سامعین! پہلے خطبۂ جمعہ میں ہم نے منافقوں کی زیادہ تر نشانیاں قرآن مجید سے ذکر کی ہیں۔ آیئے اب وہ نشانیاں بھی معلوم کرلیں جنھیں رسول اکرم ﷺ نے خاص طور پر منافقوں کی علامات قرار دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ))

”منافق کی نشانیاں تین ہیں: وہ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے اور جب اسے امانت سونپی جاتی ہے تو اس میں خیانت کرتا ہے۔“[3]

[1] المنافقون 4:63. [2] الفتح 11:48. [3] صحيح البخاري: 33.

اور دوسری روایت میں ارشاد فرمایا:

«أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا ، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا : إِذَا ائْتُمِنَ خَانَ ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ»

"چار خصلتیں جس میں پائی جاتی ہوں وہ پکا منافق ہوتا ہے۔ اور جس میں ان میں سے ایک خصلت پائی جاتی ہو اس میں منافقت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ پہلی یہ کہ اسے جب امانت سونپی جائے تو وہ اس میں خیانت کرے۔ دوسری یہ کہ وہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ تیسری یہ کہ وہ جب عہد کرے تو اسے توڑ دے اور چوتھی یہ کہ وہ جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ پر اتر آئے۔" [1]

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان مذموم عادات سے بچنے کی توفیق دے۔

عزیز بھائیو! آخر میں یہ بھی جان لیجیے کہ منافق کا انجام کیا ہوگا؟

منافقوں کا انجام

اللہ تعالیٰ منافقوں کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِیْمٍ ۟﴾

"اور تمھارے ارد گرد بسنے والے دیہاتیوں میں کچھ منافق موجود ہیں اور کچھ خود مدینہ میں بھی موجود ہیں جو اپنے نفاق پر اڑے ہوئے ہیں؛ انھیں تم نہیں جانتے، ہم انھیں جانتے ہیں۔ جلد ہی ہم انھیں دو مرتبہ سزا دیں گے۔ پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔" [2]

'بڑے عذاب' سے مراد کیا ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا ۟﴾

"بے شک منافقین جہنم کی سب سے نچلی کھائی میں ہوں گے۔" [3]

اسی طرح اللہ تعالیٰ منافقوں کے برے انجام کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:

[1] صحيح البخاري:34. [2] التوبة101:9. [3] النساء145:4.

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝﴾

''اللہ نے منافق مردوں، منافق عورتوں اور کافروں سے جہنم کی آگ کا وعدہ کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ انھیں کافی ہے۔ اور ان پر اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔''[1]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝﴾

''اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔ ان کی پناہ گاہ جہنم ہے جو بہت برا ٹھکانا ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ ہم سب کو جہنم سے محفوظ رکھے اور نفاق اور منافقوں کی صفات سے بچنے کی توفیق دے۔

① التوبة 9:68. ② التوبة 9:73.

طلاق کے اسباب اور اس کا حل

اہم عناصرِ خطبہ

1. اسلام میں نکاح کی اہمیت
2. نیک بیوی بہت بڑی نعمت
3. نکاح ایک پختہ عہد
4. طلاق کے اسباب اور ان کا حل
5. اسلام کا قانونِ طلاق

پہلا خطبہ

محترم حضرات ! فطری طور پر مرد وعورت ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔اور دونوں کی بعض فطری خواہشات بھی ہیں جنھیں پورا کرنے کے لیے وہ ایک دوسرے کے ضرورتمند ہوتے ہیں۔ تاہم انھیں یہ آزادی نہیں دی گئی کہ وہ جیسے چاہیں ، جہاں چاہیں اور جب چاہیں اپنی خواہش کی تکمیل کر لیں۔ بلکہ اس کے لیے اسلامی شریعت میں ایک متعین طریقۂ کار بتایا گیا ہے جسے نکاح کہا جاتا ہے۔'نکاح' کے ذریعے ان دونوں کے درمیان ایک مقدس رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔' نکاح' کے ذریعے وہ ایک دوسرے کے رفیقِ حیات بن جاتے ہیں۔'نکاح' کے ذریعے ان کے مابین پاکیزہ محبت اور حقیقی الفت پر مبنی ایک عظیم رشتہ معرضِ وجود میں آجاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کی ازدواجی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ اور پھر وہ مفادات سے بالاتر ہو کر ایک دوسرے کے دکھ درد کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک کی خوشی دوسرے کی خوشی اور ایک کی تکلیف دوسرے کی تکلیف ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کے ہمدرد وغم گسار بن کر باہم مل کر زندگی کی گاڑی کو کھینچتے رہتے ہیں۔ مرد اپنی جد وجہد کے ذریعے پیسہ کما کر اپنی ، اپنی شریک حیات اور اپنے بچوں کی ضرورتوں کا کفیل ہوتا ہے۔ اور بیوی گھریلو امور کی ذمہ دار، اپنے خاوند کی خدمت گذار اور اسے سکون فراہم کرنے اور بچوں کی پرورش کرنے جیسے اہم فرائض سے عہدہ برآ ہوتی ہے۔

بیوی اپنے خاوند کے سکون کا باعث بنتی ہے اور ان دونوں کے درمیان جس طرح محبت ہوتی ہے اسے اللہ تعالی نے اپنی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی کے طور پر ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں : ﴿ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ

مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً﴾

”اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان کے پاس سکون حاصل کر سکو۔ اور اس نے تمھارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کردی۔“ ①

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے خاوند بیوی کے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کردی ہے جس کی بدولت وہ ایک دوسرے کو چاہتے ہیں، ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کرتے ہیں، ایک دوسرے کی رائے کو اہمیت دیتے ہیں اور ہر طرح سے ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں۔ اور یہ محبت و ہمدردی ایسی ہے کہ جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((لَمْ يُرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلُ النِّكَاحِ))

”نکاح کرنے والے جوڑے کے درمیان جو محبت ہوتی ہے اس جیسی محبت کسی اور جوڑے میں نہیں دیکھی گئی۔“ ②

اور جہاں تک نکاح کی اہمیت کا تعلق ہے تو اسے رسول اکرم ﷺ نے آدھا دین قرار دیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الدِّيْنِ ، فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ فِيْ النِّصْفِ الْبَاقِيْ))

”ایک بندہ جب شادی کر لیتا ہے تو وہ آدھا دین مکمل کر لیتا ہے۔ اس لیے اسے باقی نصف کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔“

دوسری روایت میں اس حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

((مَنْ رَزَقَهُ اللّٰهُ امْرَأَةً صَالِحَةً فَقَدْ أَعَانَهُ عَلَى شَطْرِ دِيْنِهِ ، فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ فِيْ الشَّطْرِ الْبَاقِيْ))

”جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نیک بیوی دے دے تو اس نے گویا آدھے دین پر اس کی مدد کر دی۔ لہٰذا وہ باقی نصف دین میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔“ ③

اس حدیث میں ”نیک بیوی“ کا ذکر ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نیک بیوی عطا کر دے تو گویا اس نے اس کے لیے آدھا دین آسان فرما دیا اور اس پر عملدر آمد کے لیے اس نے اس کی مدد کردی۔

نیک بیوی سعادتمندی کی نشانی

نیک بیوی کا حصول یقیناً بہت بڑی نعمت ہے۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے نیک بیوی کو انسان کی سعادتمندی کی

① الروم 30:21. ② صحیح الجامع للألبانی: 5200، السلسلة الصحیحة: 624. ③ صحیح الترغیب والترھیب للألبانی: 1916.

دلیل قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((أَرْبَعٌ مِنَ السَّعَادَةِ: اَلْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، وَالْمَسْكَنُ الْوَاسِعُ، وَالْجَارُ الصَّالِحُ، وَالْمَرْكَبُ الْهَنِيئُ))

''چار چیزیں سعادتمندی سے ہیں: نیک بیوی، کشادہ گھر، نیک پڑوسی اور آرام دہ سواری۔''[1]

نیک بیوی بہترین خزانہ

رسول اللہ ﷺ نے دیندار اور نیک بیوی کو بہترین خزانہ قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ مَا يُكْنَزُ؟ اَلْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ. إِذَا نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ. وَإِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ. وَإِذَا أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ))

''کیا میں تمھیں بہترین خزانے کے بارے میں نہ بتاؤں؟ وہ ہے نیک بیوی۔ جب اس کا خاوند اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کردے۔ اور جب وہ گھر میں موجود نہ ہو تو وہ اس کی (عزت کی) حفاظت کرے۔ اور جب وہ اسے کوئی حکم دے تو وہ فرمانبرداری کرے۔''[2]

نکاح ایک پختہ عہد!

'نکاح' کے ذریعے مرد وعورت رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوتے ہیں۔ یہ رشتہ ان دونوں کے مابین ایک پختہ عہد ہوتا ہے۔ مرد یہ عہد کرتا ہے کہ وہ اپنی ہونے والی بیوی کے نان ونفقہ کا ذمہ دار ہوگا اور اس کے تمام حقوق کی پاسداری کرے گا۔ عورت یہ عہد کرتی ہے کہ وہ اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے گی، اس کی خدمت کرکے اسے سکون باہم پہنچائے گی اور اس کے گھر اور ان کے ہاں ہونے والی اولاد کی پرورش کرے گی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَّ اَخَذۡنَ مِنۡكُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا﴾

''وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں۔''[3]

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خاوند بیوی کے مابین ازدواجی رشتہ تبھی کامیابی کے ساتھ قائم رہ سکتا ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے کیے ہوئے عہد کا پاس کریں۔

اسی طرح کامیاب وخوشگوار ازدواجی زندگی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ خاوند بیوی دونوں ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کریں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے حقوق کو ادا کرے۔ نہ خاوند بیوی کی حق تلفی کرے اور نہ بیوی خاوند کے حقوق مارے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

[1] صحيح الترغيب والترهيب للألباني: 1914. [2] سنن أبي داود: 1664. [3] النساء 4: 12.

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾

”اور عورتوں کے (شوہروں پر) عرفِ عام کے مطابق حقوق ہیں جس طرح شوہروں کے ان پر ہیں۔ اور مردوں کو عورتوں پر فوقیت حاصل ہے۔“[1]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خاوند اور بیوی دونوں ہی کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں جن کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا:

((أَلَا إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا . وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا))

”خبردار! بے شک تمھاری بیویوں پر تمھارا حق ہے اور تم پر تمھاری بیویوں کا حق ہے۔“[2]

خاوند بیوی اگر ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری کرتے رہیں تو یقینی طور پر ان کی ازدواجی زندگی انتہائی اچھے انداز سے گذر سکتی ہے۔

لیکن ہم اپنے معاشرے میں دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ اس عظیم رشتہ کو باوجود اس کے عظیم فوائد کے اسے قائم رکھنے میں کامیاب نہیں ہوتے۔ اور طلاق کے واقعات ہیں کہ رفتہ رفتہ بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ بسا اوقات معمولی معمولی باتوں پر نوبت طلاق تک جا پہنچتی ہے۔ اور ہنستا بستا گھر برباد ہو جاتا ہے۔

آیئے سب سے پہلے یہ جاننے کی کوشش کریں کہ آخر طلاق کے اسباب کیا ہیں؟ اور کیوں اِس طرح کے واقعات بڑھتے جا رہے ہیں؟ صرف اسباب ہی نہیں بلکہ یہ بھی معلوم کریں کہ شریعت میں ان اسباب کا حل کیا ہے اور وہ کونسے امور ہیں کہ اگر ان کا لحاظ کیا جائے تو طلاق کے بڑھتے ہوئے واقعات رک سکتے ہیں!

طلاق کے اسباب اور ان کا حل

ویسے تو طلاق کے اسباب بہت زیادہ ہیں لیکن ہم یہاں چند اہم اسباب کا تذکرہ کر کے ان کا حل بھی بتائیں گے تاکہ ایسے اسباب پیدا ہی نہ ہوں جن کے نتیجے میں زوجین کے درمیان علیحدگی ہو۔

1 گناہ اور برائیاں

پہلا سبب زوجین کی بے راہ روی اور ان کا گناہوں اور برائیوں میں لت پت ہونا ہے جن کی نحوست سے ان کے مابین محبت اور الفت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ پھر ناچاقی، نفرت اور عداوت شروع ہو جاتی ہے۔ اور آخر کار نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[1] البقرۃ 228:2. [2] صحیح الترغیب والترھیب للألبانی: 1930.

﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ○﴾

’’اور تمھیں جو مصیبت آتی ہے تمھارے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے آتی ہے۔ اور وہ بہت سے گناہوں کو تو ویسے ہی معاف کر دیتا ہے۔‘‘[1]

طلاق یقیناً ایک بہت بڑی مصیبت ہے جس کی وجہ سے پورا خاندان برباد ہو جاتا ہے۔

حل : اس کا حل یہ ہے کہ زوجین اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں، گناہوں اور برائیوں سے پرہیز کریں۔ اور اب تک جو گناہ کیے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ سے سچی معافی مانگیں۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ راضی ہو گا تو زوجین بھی آپس میں ایک دوسرے سے راضی رہیں گے اور ان کی زندگی خوشی خوشی گذرے گی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ○﴾

’’اور یہ کہ تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، پھر اس کی جناب میں توبہ کرو۔ تو وہ تمھیں ایک محدود وقت (موت) تک عمدہ عیش و آرام کا فائدہ نصیب کرے گا۔ اور ہر کارِ خیر کرنے والے کو اس کا اجر وثواب دے گا۔ اور اگر تم منہ پھیر لو گے تو مجھے اندیشہ ہے کہ تمھیں بڑے دن (روزِ قیامت) کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔‘‘[2]

’عمدہ عیش و آرام‘ میں زوجین کے مابین خوشگوار تعلقات بھی شامل ہیں۔

2 شکوک وشبہات اور بدگمانیاں

شکوک وشبہات اور بدگمانیوں کی بناء پر زوجین کے درمیان باہمی تعلقات میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اور نوبت طلاق تک جا پہنچتی ہے۔ اور بعض لوگ تو بے انتہاء شک وشبہ اور بدگمانی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور بے بنیاد اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہی بدگمانی کر لیتے ہیں۔ اور بغیر کسی ثبوت یا دلیل کے محض سنی سنائی باتوں پر ہی یقین کر کے زوجین اپنے تعلقات کو بگاڑ لیتے ہیں۔ پھر اتنی بداعتمادی پیدا ہو جاتی ہے کہ مرد طلاق دینے کا پختہ عزم کر لیتا ہے یا بیوی اپنے خاوند سے بار بار طلاق کا مطالبہ شروع کر دیتی ہے۔

حل : اس کا حل یہ ہے کہ خاوند بیوی ایک دوسرے پر اعتماد کریں۔ بلا وجہ بدگمانی نہ کریں۔ اور دونوں ایسی چیزوں سے پرہیز کریں جن کی بناء پر ان میں شکوک وشبہات پیدا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بہت زیادہ گمان کرنے اور تجسس سے منع کر دیا ہے۔ اس کا فرمان ہے:

[1] الشوریٰ 42:30. [2] ھود 11:3.

﴿ يَاۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا كَثِيۡرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوۡا ﴾

''اے ایمان والو! تم زیادہ گمان کرنے سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہے۔ اور جاسوسی نہ کیا کرو۔''[1]

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ ، وَلاَ تَحَسَّسُوْا وَلاَ تَجَسَّسُوْا۔۔۔))

''تم بدگمانی کرنے سے بچو کیونکہ یہ سب سے جھوٹی بات ہے۔ اور تم چوری چھپے کسی کی بات نہ سنا کرو اور نہ ہی ایک دوسرے کے عیب تلاش کیا کرو............''[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی (جس کا نام ضمضم بن قتادہ رضی اللہ عنہ ذکر کیا گیا ہے) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری بیوی نے ایک کالے رنگ کا بچہ جنم دیا ہے۔ (یعنی اس نے یہ کہہ کر دراصل اپنی بیوی پر شک وشبہ اور بدگمانی کا اظہار کیا) تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا تمھارے اونٹ ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے رنگ کیا ہیں؟ اس نے کہا: سرخ رنگ کے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ان میں کوئی خاکی رنگ کا بھی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: خاکی رنگ کہاں سے آ گیا؟ اس نے کہا: شاید اس کے خاندان میں کوئی اسی رنگ کا ہوگا (جس کے ساتھ اس کی مشابہت ہے)۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: شاید تمھارے اس بچے کے خاندان میں بھی کوئی اسی رنگ کا ہوگا (جس کے ساتھ اس کی مشابہت ہے۔)[3]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خاوند کو اپنی بیوی پر خواہ مخواہ شک وشبہ نہیں کرنا چاہیے کہ جو رفتہ رفتہ بداعتمادی میں تبدیل ہو جائے اور اس کا نتیجہ طلاق نکلے۔

بعض لوگ صرف سنی سنائی باتوں پر ہی اعتماد کر لیتے ہیں اور اپنے بیوی بچوں پر اس قدر بدگمانی کرتے ہیں کہ ان کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔ اس سلسلے میں شرعی ضابطہ یہ ہے کہ سنی سنائی باتوں کے بارے میں تحقیق کرنی چاہیے اور بلاتحقیق کسی کی بات کو درست تسلیم نہیں کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَاۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ جَآءَكُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوۡۤا اَنۡ تُصِيۡبُوۡا قَوۡمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصۡبِحُوۡا عَلٰى مَا فَعَلۡتُمۡ نٰدِمِيۡنَ ○﴾

[1] الحجرات 12:49. [2] صحيح البخاري: 6066، صحيح مسلم: 2563. [3] صحيح البخاري: 5305، صحيح مسلم: 1500.

’’اے ایمان والو! اگر تمھارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو تم اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم نادانستہ کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو۔ پھر تمھیں اپنے کیے پر ندامت ہو۔‘‘ [1]

3 غیرت میں افراط وتفریط

مومن بڑا غیور ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((اَلْمُؤْمِنُ يَغَارُ وَاللّٰهُ أَشَدُّ غَيْرًا))

’’مومن غیرت مند ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ غیرت والا ہے۔‘‘ [2]

تاہم غیرت میں اعتدال ضروری ہے۔ کیونکہ اگر مرد میں غیرت بالکل نہ ہو تو اس سے اس کی بیوی (اگر وہ دیندار نہ ہو تو اس کو) آزادی مل جاتی ہے۔ پھر وہ بے پردہ ہو کر باہر گھومتی پھرتی ہے، غیر محرم مردوں کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی ہے اور مختلف غیر شرعی امور میں منہمک رہتی ہے لیکن اس کے خاوند کو کچھ بھی احساس نہیں ہوتا! اور اگر غیرت حد سے زیادہ ہو تو شکوک وشبہات جنم لیتے ہیں، بے جا طور پر تجسس ہوتا ہے اور ہر ہر بات پر بدگمانیاں ہوتی ہیں۔ اور یوں فرطِ غیرت میں مبتلا ہو کر مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے۔

حل: اگر مرد میں بالکل ہی غیرت نہ ہو تو اسے اپنی بیوی کے لیے غیرت مند ہونا چاہیے۔ وہ اس قدر غیور ہو کہ اس کا غیر مردوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، بے پردہ ہو کر اس کا گھومنا پھرنا اور اجنبی مردوں سے فون پر غیر ضروری بات چیت کرنا اسے ناپسند ہو۔ اور اگر بیوی بعض برائیوں میں مبتلا ہو تو اسے اس پر بھی شرعی حدود میں رہتے ہوئے تنبیہ کرنی چاہیے۔ اور اگر غیرت حد سے زیادہ ہو تو اسے اعتدال کی حد تک لانا چاہیے کیونکہ فرطِ غیرت کے نتائج بہت ہی خطرناک ہوتے ہیں۔

4 مردانگی کا بے جا اظہار اور بدسلوکی کا مظاہرہ

بعض حضرات کو چونکہ یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ ’’مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔‘‘ اور انھیں یہ بھی معلوم ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے عورتوں کو (ناقصات العقل) ’’کم عقل‘‘ قرار دیا ہے، تو وہ بے جا طور پر اپنی مردانگی اور عورت پر اپنی حکمرانی کا اظہار کرتے ہوئے ان سے بدسلوکی کرتے ہیں۔ ان کا طرزِ عمل اس قسم کا ہوتا ہے کہ ﴿مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى﴾ ’’بس رائے وہی ہے جو میں دے رہا ہوں۔‘‘ یعنی اپنی بیویوں سے رائے لینا گوارا ہی نہیں کرتے یا اگر ان کی رائے سامنے آ بھی جائے تو اسے

[1] الحجرات 6:49. [2] صحیح مسلم: 2761.

نہایت حقیر سمجھتے ہیں اور بس اپنی رائے کو ہی واجب العمل تصور کرتے ہیں! اس کے علاوہ ان کا اپنی بیویوں سے انداز گفتگو نہایت توہین آمیز ہوتا ہے حتی کہ اولاد کے سامنے بھی ان کی بے عزتی کرنے سے باز نہیں آتے!

اس اندازِ معاشرت سے آخر کار بیویاں تنگ آ جاتی ہیں کیونکہ گھر میں ان کی شخصیت مسلسل مجروح ہو رہی ہوتی ہے اور آخر کار وہ طلاق کا مطالبہ شروع کر دیتی ہیں۔ اور ان کے اس مطالبے کے بعد مرد یہ سمجھتے ہیں کہ اگر انھوں نے طلاق نہ دی تو ان کی مردانگی پر حرف آئے گا۔ اس لیے وہ سوچے سمجھے بغیر فوراً طلاق دے دیتے ہیں۔

حل: مرد بے شک عورتوں پر حاکم ہیں اور خواتین بے شک کم عقل ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انھیں حقیر سمجھتے ہوئے ان سے بدسلوکی کی جائے اور گھریلو معاملات میں ان کی رائے کو نظر انداز کیا جائے۔ اس کے برعکس ان سے حسن سلوک اور اچھے انداز سے بود و باش رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾

"اور ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔"[1]

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا ، وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ))

"مومنوں میں سب سے کامل ایمان والا شخص وہ ہے جو ان میں سب سے اچھے اخلاق کا حامل ہو۔ اور تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہو۔"[2]

مردوں کو یہ بھی جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بیویوں کے ان پر کچھ حقوق مقرر کیے ہیں جن کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۖ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾

"اور عورتوں کے (شوہروں پر) عرف عام کے مطابق حقوق ہیں جس طرح شوہروں کے ان پر ہیں۔"[3]

اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ نے بھی شوہروں کو ان کی بیویوں کے متعلق خصوصی طور پر یہ تاکید کی ہے کہ وہ نہ ان پر ظلم کریں اور نہ ان کی حق تلفی کریں بلکہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا: ((فَاتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوْهُنَّ بِأَمَانِ اللهِ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللهِ))

"تم عورتوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا کیونکہ تم نے انھیں اللہ کی ذمہ داری پر لیا ہے۔ اور

[1] النساء 19:4. [2] جامع الترمذي: 1162. حسن صحيح، وانظر: السلسلة الصحيحة: 284. [3] البقرة 228:2.

انھیں اللہ کے کلمہ کے ساتھ حلال کیا ہے۔''[1]

5 خاوند کی نافرمانی

بعض بیویاں اپنے شوہروں کی نافرمان ہوتی ہیں۔ وہ ان کی کوئی پروانہیں کرتیں۔ ہر کام میں من مانی کرتی ہیں۔ اور ان کے شوہر انھیں جس بات کا حکم دیں یا کسی کام سے منع کریں تو وہ اس کے الٹ ہی کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے خاوندوں کی شکر گذار بھی نہیں ہوتیں۔ ایسی عورتوں کا یہ طرز عمل ان کے لیے تباہ کن ہوتا ہے اور ان کے شوہر آخر کار انھیں طلاق دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

حل : عورتوں کو یہ بات تسلیم کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو ان پر حاکم بنایا ہے۔ اور جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ ﴿وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾

''اور مردوں کو عورتوں پر فوقیت حاصل ہے۔''

لہٰذا عورتوں کو مردوں کی فوقیت کو ماننا چاہیے۔ اور ان کی فرمانبرداری کرنی چاہیے۔ کیونکہ جب رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ عورتوں میں سے کونسی عورت سب سے افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلَّتِيْ تَسُرُّهُ إِذَا نَظَرَ ، وَتُطِيْعُهُ إِذَا أَمَرَ ، وَلاَ تُخَالِفُهُ فِيْ نَفْسِهَا وَمَالِهَا بِمَا يَكْرَهُ))

''وہ جو کہ اسے (خاوند کو) خوش کردے جب وہ اسے دیکھے۔ اور اس کی فرمانبرداری کرے جب وہ اسے حکم دے۔ اور اپنے نفس اور مال میں شوہر کی خلاف ورزی بایں طور نہ کرے کہ جو شوہر کو ناپسند ہو۔''[2]

اور خاوند کی نافرمانی کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی وجہ سے نافرمان بیوی کی نماز تک قبول نہیں ہوتی۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((اِثْنَانِ لاَ تُجَاوِزُ صَلاَتُهُمَا رُؤُوسَهُمَا : عَبْدٌ أَبَقَ مِنْ مَوَالِيْهِ حَتّٰى يَرْجِعَ ، وَامْرَأَةٌ عَصَتْ زَوْجَهَا حَتّٰى تَرْجِعَ))

''دو آدمیوں کی نماز ان کے سروں سے اوپر نہیں جاتی۔ ایک اپنے آقاؤں سے بھاگا ہوا غلام یہاں تک کہ وہ واپس آجائے۔ اور دوسری وہ عورت جو اپنے خاوند کی نافرمان ہو یہاں تک کہ وہ اس کی فرمانبردار بن جائے۔''[3]

[1] صحيح مسلم: 1218. [2] سنن النسائي، النكاح باب أي النساء خير: 3231، وصححه الألباني في صحيح سنن النسائي والصحيحة: 1838. [3] صحيح الترغيب والترهيب للألباني: 1948.

فرمانبرداری کے ساتھ ساتھ عورتوں کو اپنے خاوندوں کا شکرگذار بھی ہونا چاہیے۔ کیونکہ ناشکر گذار بیوی کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى إِلَى امْرَأَةٍ لَا تَشْكُرُ لِزَوْجِهَا ، وَهِيَ لَا تَسْتَغْنِيْ عَنْهُ))

''اللہ تبارک وتعالی اس عورت کی طرف دیکھتا ہی نہیں جو اپنے خاوند کی ناشکر گذار ہو حالانکہ وہ اس کے بغیر رہ نہیں سکتی۔''[1]

6 بے انتہاء ملامت اور شدید تنقید

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی بیویوں کی ملامت کرتے رہتے ہیں، ہر کام پر انھیں شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور ہر ہر بات پر انھیں ڈانٹتے رہتے ہیں۔ اسی طرح بعض خواتین بھی اپنے خاوندوں سے ہمیشہ ناخوش رہتی ہیں اور ہر معاملے میں انھیں غلط تصور کرتی ہیں اور ان کی برائی بیان کرتی رہتی ہیں۔ زوجین کے مابین جب اس طرح کا طرز عمل ظاہر ہوگا تو بالآخر وہ ایک دوسرے سے تنگ آ جائیں گے اور نوبت طلاق تک جا پہنچے گی!

حل: اس کا حل یہ ہے کہ زوجین ایک دوسرے کی خوبیوں کو سامنے رکھیں۔ اچھائیوں پر ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی کریں۔ غلطیوں پر ایک دوسرے کو درگذر کریں اور اچھے انداز سے سمجھاتے رہیں۔ ایک دوسرے کے بارے میں مثبت سوچ رکھیں اور منفی سوچ رکھنے سے بچیں۔

اور چونکہ اِس طرح کا طرز عمل اکثر وبیشتر مردوں کی طرف سے اختیار کیا جاتا ہے اس لیے اللہ تعالی نے انھیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

﴿فَإِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾

''اگر وہ تمھیں ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز تمھیں تو ناگوار ہو مگر اللہ تعالی نے اس میں بہت بھلائی رکھ دی ہو۔''[2]

اور رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً . إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ))

''کوئی مومن (اپنی) مومنہ (بیوی) سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کی کوئی عادت اسے ناپسند ہوگی تو کوئی عادت اسے پسند بھی تو ہوگی۔''[3]

[1] صحیح الترغیب والترھیب للألبانی: 1944، والصحیحة: 289. [2] النساء 4:19. [3] صحیح مسلم: 1469.

7 خرچ کرنے میں بے اعتدالی

بعض لوگ گھریلو اخراجات میں راہِ اعتدال سے ہٹ جاتے ہیں اور وہ یا تو بخل اور کنجوسی کا مظاہرہ کرتے ہیں یا پھر اسراف اور فضول خرچی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں ان کے اور ان کی بیویوں کے مابین تعلقات متوازن نہیں رہتے۔ کیونکہ وہ اگر بخل اور کنجوسی کا مظاہرہ کریں اور اپنی بیویوں کی جائز ضروریات کے لیے پیسہ خرچ کرنے سے گریز کریں اور اس کی وجہ سے ان کو اپنی ہم جنس عورتوں کے سامنے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے تو یہ صورت حال زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی اور آخر کار بیویاں تنگ آ کر اپنے خاوندوں سے کہہ ہی دیتی ہیں کہ اگر آپ خرچ نہیں کر سکتے تو ہمیں ہمارے والدین کے گھر بھیج دیں۔

اور اگر وہ بے انتہاء خرچ کریں اور دوسروں پر اپنی مالی برتری ثابت کرنے کے لیے جائز وناجائز کاموں میں بے دریغ پیسہ بہا دیں تو گھر سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ پھر بے برکتی کی وجہ سے پیسہ اڑتا ہی چلا جاتا ہے۔ جس کے بعد ((هَلْ مِن مَّزِيْد)) کی طمع اور لالچ اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ انسان کو کچھ سمجھ نہیں آتا کہ وہ اپنے اخراجات کو کیسے کنٹرول کرے۔ اور ناشکری اور عدم قناعت کی وجہ سے گھریلو جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اور زوجین کے درمیان ناچاقی اور منافرت کی ابتداء ہوتی ہے اور بالآخر نوبت ان کے درمیان علیحدگی تک پہنچ جاتی ہے۔

حل: اس کا حل یہ ہے کہ خاوند جو گھریلو اخراجات کا ذمہ دار اور اپنے بیوی بچوں کا کفیل ہوتا ہے اسے تمام تر اخراجات میں راہِ اعتدال کو اختیار کرنا چاہیے۔ نہ وہ کنجوسی اور بخل کا مظاہرہ کرے اور نہ ہی اسراف اور فضول خرچی کرے۔ بلکہ میانہ روی اور توسط سے کام لے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ ﴾

"اور وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں، بلکہ ان دونوں کے درمیان گذر اوقات کرتے ہیں۔"[1]

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَن يُضَيِّعَ مَن يَقُوْتُ))

"کسی انسان کو یہی گناہ کافی ہے کہ وہ اسے ضائع کردے جس کی غذا وغیرہ کا وہ ذمہ دار ہو۔"[2]

[1] الفرقان 25:67. [2] سنن أبي داود: 1694. قال الألباني: حسن.

8 فطری ضرورت کا پورا نہ ہونا

مرد وعورت دونوں کی ایک فطری ضرورت ہے۔ اگر یہ ضرورت صحیح طور پر پوری نہ ہو تو آخر کار اس کا نتیجہ بھی طلاق ہی نکلتا ہے۔

حل: زوجین کو ایک دوسرے کی اس فطری ضرورت کا احساس کرنا چاہیے۔ اور دونوں کو یہ مشترکہ حق ادا کرنے کا ایک دوسرے کو موقع دینا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَيْهَا ، لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّى تُصْبِحَ))

''جب ایک خاوند اپنے بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کردے، پھر وہ اس پر ناراضگی کی حالت میں رات گذار دے تو فرشتے صبح ہونے تک اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔''[1]

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((إِذَا دَعَا الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ لِحَاجَتِهِ ، فَلْتَأْتِهِ وَإِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُّوْرِ))

''جب خاوند اپنی بیوی کو اپنی ضرورت کے لیے بلائے تو وہ ضرور اس کے پاس آئے اگرچہ وہ تنور پر کیوں نہ ہو۔''[2]

اسی طرح حدیث پاک میں ہے کہ ((إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا ، وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا ، وَلِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا ، فَأَعْطِ كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ))

''تم پر تمھارے رب کا حق بھی ہے، تمھاری جان کا حق بھی ہے اور تمھاری بیوی کا حق بھی ہے۔ لہٰذا تم سب کے حقوق ادا کیا کرو۔''[3]

9 عورت کی زبان درازی اور بدکلامی

بعض خواتین نہایت بدزبان ہوتی ہیں۔ حتی کہ اپنے شوہروں کا بھی احترام نہیں کرتیں۔ ان سے بدکلامی کرتی ہیں۔ انھیں برا بھلا کہتی ہیں اور بے عزت تک کرتی ہیں! ان میں سے بعض کو جب ان کے خاوند دھمکی دیتے ہیں کہ تم باز آجاؤ ورنہ طلاق دے دونگا۔ تو وہ جوابا کہتی ہیں: طلاق دینی ہے تو دے دو۔ یا چیلنج کرتی ہیں کہ تم طلاق دے کر دکھاؤ! چنانچہ مرد طیش میں آجاتے ہیں اور طلاق دے دیتے ہیں۔

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق باب ذكر الملائكة: 3237، صحيح مسلم، النكاح: 1736. [2] جامع الترمذي، وسنن النسائي. صحيح الترغيب والترهيب للألباني: 1946. [3] صحيح البخاري- الصوم باب من أقسم على أخيه...: 1968.

حل : کسی خاتونِ اسلام کے لیے جائز نہیں کہ وہ زبان درازی کرتے ہوئے بد کلامی کرے۔ خاص طور پر خاوند کا تو اسے دل کی گہرائیوں سے احترام کرنا چاہیے۔ اس پر لازم ہے کہ وہ ایسا رویہ اختیار کرنے سے پرہیز کرے جس میں اس کے خاوند کی بے عزتی ہو۔

اور جہاں تک بات بات پہ طلاق کے مطالبے کا تعلق ہے تو یہ خواتین کے لیے نہایت خطرناک ہے کیونکہ بغیر شرعی عذر کے طلاق کا مطالبہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا الطَّلَاقَ مِنْ غَيْرِ مَا بَأْسٍ ، فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ»

''جو عورت بغیر کسی معقول عذر کے اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو تک حرام ہو جاتی ہے۔''[1]

10 زوجین کے مابین ناچاقی کو ختم کرنے کے لیے مرحلہ وار اقدامات سے صرف نظر کرنا

اگر زوجین میں ناچاقی ہو جائے تو اسے ختم کرنے کے لیے شریعت میں مرحلہ وار اقدامات تجویز کیے گئے ہیں۔ عموماً ان اقدامات سے تجاوز کیا جاتا ہے اور فوراً طلاق کا ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے جو کہ غلط ہے۔

حل : طلاق آخری حل ہے۔ اس سے پہلے جو مرحلہ وار اقدامات ہیں پہلے ان پر عمل کرنا چاہیے۔ اگر وہ سب ناکام ہو جائیں تو آخری حل کے طور پر طلاق دی جا سکتی ہے۔

وہ مرحلہ وار اقدامات یہ ہیں :

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : ﴿وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا﴾

''اور جن بیویوں سے تمھیں سرکشی کا اندیشہ ہو انھیں سمجھاؤ۔ (اگر نہ سمجھیں) تو خواب گاہوں میں ان سے الگ رہو۔ (پھر بھی نہ سمجھیں) تو انھیں مارو۔ پھر اگر وہ تمھاری بات قبول کر لیں تو خواہ مخواہ ان پر زیادتی کے بہانے تلاش نہ کرو۔''[2]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نافرمان یا سرکش بیوی کے متعلق تین ترتیب وار اقدامات تجویز کیے ہیں۔

- پہلا ہے اسے نصیحت اور خیر خواہی کے انداز میں سمجھانا۔
- دوسرا اقدام ہے اس کا اور اپنا بستر الگ الگ کرنا۔
- تیسرا ہے سزا دینا۔

[1] مسند أحمد، وسنن أبي داود، وجامع الترمذي، وسنن ابن ماجه. صحيح الجامع للألباني: 2706. [2] النساء 4:34.

اس سے ثابت ہوا کہ سزا دینا آخری حربہ ہے نہ کہ پہلا جیسا کہ آج کل بہت سارے لوگ پہلے دونوں اقدامات کو چھوڑ کر آخری حربہ سب سے پہلے استعمال کرتے ہیں۔

یہاں پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سزا کو اس بات سے مشروط کیا ہے کہ اس سے اسے چوٹ نہ آئے اور نہ ہی اس کی ہڈی پسلی ٹوٹے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَجْلِدُ أَحَدُكُمُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِي آخِرِ الْيَوْمِ))

”تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو ایسے نہ مارے جیسے وہ اپنے غلام کو مارتا ہے، پھر وہ دن کے آخر میں اس سے ہم بستری بھی کرے۔“ [1]

اگر سزا دینے کے باوجود مسئلہ حل نہ ہو تو پھر دونوں کی طرف سے ثالث مقرر کیے جائیں جو ان کے مابین مصالحت کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا﴾

”اور اگر تمھیں ان دونوں (میاں بیوی) کے درمیان ان بن کا خوف ہو تو ایک منصف مرد کے گھر والوں کی طرف سے اور ایک عورت کے گھر والوں کی طرف سے مقرر کرو۔ اگر یہ دونوں صلح کرنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں میں ملاپ کرا دے گا۔“ [2]

لہٰذا ان مرحلہ وار اقدامات پر عمل کرنا چاہیے تاکہ طلاق تک نوبت ہی نہ پہنچے۔

محترم حضرات! یہ تھے طلاق کے اسباب جنھیں ہم نے تفصیل سے بیان کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم نے قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بھی بتایا کہ ان اسباب کا حل کیا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ ایسے اسباب نہ اختیار کیے جائیں جن کے نتیجے میں زوجین کے مابین تعلقات ناخوشگوار ہوں اور نوبت طلاق تک جا پہنچے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو حق بات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

محترم حضرات! اگر زوجین کے مابین تعلقات خوشگوار نہ رہ سکیں اور اصلاحِ احوال کی تمام تر کوششیں ناکام ہو جائیں اور مرد کے سامنے سوائے طلاق دینے کے اور کوئی حل نہ رہے تو اسے طلاق کس طرح دینی چاہیے اور کن کن

[1] صحيح البخاري، النكاح باب ما يكره من ضرب النساء: 5204، صحيح مسلم، الجنة باب النار يدخلها الجبارون: 2855. [2] النساء 4:35.

احکامات کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے؟ آیئے قرآن وحدیث کی روشنی میں معلوم کرتے ہیں۔

1 طلاق ایک سنجیدہ معاملہ ہے

جی ہاں، طلاق دینا انتہائی سنجیدہ معاملہ ہے! اس کی وجہ سے دو خاندانوں میں بغض، نفرت، قطع رحمی اور دوری پیدا ہوتی ہے۔ وہ گھرانہ اجڑ جاتا ہے جس میں طلاق دی جاتی ہے۔ لیکن تعجب ہے ان لوگوں پر جو معمولی معمولی باتوں پر طیش میں آکر (طلاق، طلاق، طلاق) کہہ کر دو خاندانوں میں فساد بپا کر دیتے ہیں۔ اور کئی لوگ تو اپنی بیویوں کو کھلونا سمجھ کر نہایت آسانی سے طلاق کا پروانہ ان کے حوالے کر دیتے ہیں حالانکہ طلاق میں اصل چیز منع ہے۔ یعنی جب تک اس کا کوئی معقول سبب نہ ہو جس کا ازالہ کرنا ناممکن ہو اور صلح کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو انتہائی مجبوری کی حالت میں طلاق دے سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

اور بعض لوگ مذاق مذاق میں ہی طلاق دے دیتے ہیں۔ حالانکہ طلاق ایسا معاملہ ہے کہ جس میں مذاق کا حکم بھی سنجیدہ بات کے حکم جیسا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ : اَلنِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ))

”تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور ان میں مذاق بھی ایسے ہی ہے جیسے سنجیدگی ہو اور وہ ہیں: نکاح، طلاق اور رجوع۔“[1]

لہٰذا جو شخص طلاق دینا چاہتا ہو تو اسے اس کے عواقب اور نتائج پر اچھی طرح غور کر لینا چاہیے۔ سوچ وفکر اور اصحاب الرائے سے مشورہ لینے کے بعد ہی وہ اِس طرح کے اقدام پر آمادہ ہو۔ ورنہ بعد میں پچھتاوے اور ندامت کا سامنا بھی کر سکتا ہے۔

2 حالتِ حیض میں طلاق دینا حرام ہے

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کے ہاں اس کا ذکر کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ، ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا))

”اسے حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کر لے۔ پھر اسے طہر یا حمل کی حالت میں طلاق دے۔“[2]

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ حالتِ حیض میں طلاق دینا حرام ہے۔ لہٰذا جو شخص اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہو اور وہ حیض کے ایام میں ہو تو اسے اس کے پاک ہونے کا انتظا کرنا چاہیے۔ پھر جب وہ پاک ہو جائے تو اس سے مباشرت

[1] سنن أبي داود: 2196. قال الألباني: حسن. [2] صحيح مسلم: 1475.

کیے بغیر اس کو طلاق دے۔

3 جس طہر میں خاوند نے صحبت کر لی ہو اور ابھی حمل کا پتہ نہ چلا ہو اس میں بھی طلاق دینا حرام ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيَدَعْهَا حَتَّى تَطْهُرَ ، ثُمَّ تَحِيضَ حَيْضَةً أُخْرَى ، فَإِذَا طَهُرَتْ فَلْيُطَلِّقْهَا قَبْلَ أَن يُجَامِعَهَا أَوْ يُمْسِكْهَا فَإِنَّهَا الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللهُ أَن يُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ))

''اسے حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کر لے۔ پھر اس کے پاک ہونے کا انتظار کرے۔ پھر جب دوبارہ حیض آئے اور وہ اس سے پاک ہو جائے تو وہ اس سے جماع کرنے سے پہلے اسے طلاق دے۔ یا اسے روک لے۔ یہی وہ عدت ہے جس کا عورتوں کو طلاق دیتے وقت لحاظ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔''[1]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورت جب حیض سے پاک ہو اور اس کے خاوند کا اسے طلاق دینے کا ارادہ ہو تو وہ اس سے صحبت کیے بغیر اسے طلاق دے۔ اور اگر وہ اس طہر میں اس سے جماع کر چکا ہو اور ابھی حمل کا پتہ نہ چلا ہو تو اسے طلاق دینا حرام ہے۔

مذکورہ دونوں صورتوں میں طلاق دینا 'طلاق بدعی' کہلاتا ہے۔

4 طلاق رجعی دینے کے بعد بیوی کو گھر سے نکالنا حرام ہے

اگر کوئی شخص مذکورہ دونوں باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کے بعد اسے اپنے گھر سے مت نکالے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ○ ﴾

''اے نبی! (مومنوں کو حکم دیں کہ) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کی عدت (کے آغاز) میں انھیں طلاق دو۔ اور عدت کا حساب رکھو۔ اور اللہ جو کہ تمھارا رب ہے اس سے ڈرتے رہو۔ تم انھیں ان کے گھروں سے مت نکالو۔ اور نہ ہی وہ خود نکلیں۔ ہاں اگر وہ واضح طور پر بے حیائی کا ارتکاب کریں (تو انھیں نکال سکتے ہو۔) یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں۔ جو شخص اللہ کی حدوں سے آگے بڑھ جائے اس نے یقیناً اپنے

[1] صحیح مسلم:147.

اوپر ظلم کیا۔ تم نہیں جانتے شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کردے۔''[1]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو عدت کے آغاز میں یعنی جب وہ حیض سے پاک ہو جائیں تو اُس طہر میں جماع کرنے سے پہلے طلاق دینے اور عدت کا حساب رکھنے کا حکم دیا ہے۔ یعنی تمھیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ عدت کب سے شروع ہوئی اور کب ختم ہوگی۔ تاکہ اگر عورت عقد ثانی کرنا چاہیے تو اسے پتہ ہو کہ کب اسے اس کی اجازت ہوگی اور اگر اس کا خاوند اس سے رجوع کرنا چاہے تو اسے بھی پتہ ہو کہ اسے کب تک رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کو جنھیں طلاق رجعی دی گئی ہو انھیں ان کے گھروں سے نکالنے سے منع فرمایا ہے اور خود انھیں بھی روک دیا ہے کہ وہ بلا وجہ خاوند کے گھر سے باہر نہ جائیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر خاوند بیوی دونوں ایک ہی گھر میں ہوں گے تو شاید ان کے دلوں میں نرمی پیدا ہو جائے اور وہ مصالحت کرنے اور طلاق سے رجوع کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ ورنہ اگر خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے کر عدت گذرنے سے پہلے ہی گھر سے نکال دے تو ان کے درمیان مصالحت کے امکانات ختم ہونے کا اندیشہ ہوگا جو درست نہیں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا﴾ یعنی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خاوند کے دل میں بیوی کی رغبت پیدا کردے اور وہ طلاق سے رجوع کرلے۔

5 اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام!

ایک ہی مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام ہے۔ اسی لیے علماء اسے بھی 'طلاق بدعی' کہتے ہیں۔

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو ایک شخص کے متعلق بتایا گیا کہ اس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں۔ تو آپ ﷺ غصے کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

((أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ ؟))

''کیا میری موجودگی میں ہی کتاب اللہ کو کھلونا بنایا جا رہا ہے؟''[2]

رسول اکرم ﷺ کی جانب سے ناراضگی کا اظہار اور اکٹھی تین طلاقوں کو کتاب اللہ کے ساتھ کھیل قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا حرام ہے۔

6 طلاق دینے کا صحیح طریقہ

طلاق دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ خاوند بیوی کو اُس طہر میں ایک بار طلاق دے جس میں اس نے اس سے جماع نہ کیا ہو۔ اس کے بعد وہ اپنی بیوی کو اپنے گھر سے نکالے بغیر عدت کا انتظار کرے۔ اگر اِس دوران ان کے درمیان صلح

① الطلاق 65:1. ② سنن النسائي: 3401. صححه الألباني في غاية المرام: 261 .

کی کوئی صورت نہیں نکلتی اور خاوند رجوع نہیں کرتا تو عدت گذرنے کے ساتھ ہی ان دونوں کے درمیان علیحدگی ہو جائے گی۔ اس طرح طلاق دینے سے فائدہ یہ ہوگا کہ عدت گذرنے کے بعد بھی اگر وہ دونوں پھر سے ازدواجی رشتہ میں منسلک ہونا چاہیں تو ہو سکتے ہیں۔ ہاں اس کے لیے انھیں ۔نئے حق مہر کے ساتھ نیا نکاح کرانا ہوگا۔

اور اگر کوئی شخص یہ عزم کر چکا ہو کہ بیوی کو تین طلاقیں دے کر اسے بالکل ہی فارغ کرنا ہے اور وہ رجوع نہیں کرنا چاہتا تو دوسرے طہر میں بھی بیوی سے صحبت کیے بغیر دوسری طلاق دے۔ اسکے بعد بھی اسے رجوع کا حق حاصل رہے گا۔ تاہم اگر وہ رجوع نہیں کرنا چاہتا تو تیسرے طہر میں بھی بیوی کے قریب جائے بغیر تیسری طلاق دے دے۔ جس کے بعد اس کی بیوی اس سے علیحدہ ہو جائے گی۔

یہی طریقہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کیا ہے۔ فرمایا:

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۖ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ﴾

''طلاق دو مرتبہ ہے۔ پھر یا تو اچھائی سے روکنا یا عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔''[1]

یعنی وہ طلاق جس کے بعد خاوند کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے وہ دو مرتبہ ہے۔ لہٰذا پہلی مرتبہ اور دوسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد خاوند رجوع کرسکتا ہے۔ یعنی عدت کے اندر وہ قولی یا عملی طور پر رجوع کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اور عدت گذرنے کے بعد بھی وہ نیا نکاح کر کے اسے اپنے عقد میں لا سکتا ہے۔ تاہم اسے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جن تین طلاقوں کا اسے اختیار دیا گیا تھا وہ ان میں سے دو کا استعمال کر چکا۔ اور یہ دونوں طلاقیں واقع ہو چکیں۔ اب اس کے بعد اس کے پاس آخری طلاق کا اختیار رہ جائے گا۔

پھر تیسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد اسے رجوع کا حق حاصل نہیں رہے گا۔

یہ جو رجوع کی گنجائش رکھی گئی ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر خاوند نے بغیر سوچے سمجھے جلد بازی میں طلاق دے دی ہو تو اسے سوچنے اور غور وفکر کرنے کا موقع مل جائے۔ ورنہ اگر پہلی طلاق کے ساتھ ہی ہمیشہ کے لیے جدائی کا حکم ہوتا تو اس سے بہت سارے گھر تباہ ہو سکتے تھے۔ فرمان الٰہی ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ میں اسی حکمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

7 بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کرنا

یہ جو ہم نے ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ کی روشنی میں دو طلاقیں الگ الگ دینے کی حکمت بیان کی ہے یہ حکمت تبھی پوری ہو سکتی ہے جب ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کیا جائے اور اس کے بعد خاوند کو رجوع کرنے

[1] البقرۃ 2:229.

کا حق حاصل ہو۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے پورے عہد میں، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پورے دور خلافت میں اور پھر عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کیا جاتا تھا۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ طلاق کے مسئلے میں انتہائی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کر رہے ہیں تو انھوں نے سزا کے طور پر تین طلاقیں نافذ کر دیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

((كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً. فَقَالَ عُمَرُ: إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوْا فِي أَمْرٍ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ ، فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ))

''رسول اکرم ﷺ کے پورے عہد میں، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پورے دور خلافت میں اور پھر عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں (اکٹھی) تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کیا جاتا تھا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگ ایک ایسے معاملہ میں جلد بازی کرنے لگے ہیں جس میں ان کے لیے مہلت موجود تھی۔ لہٰذا کیوں نہ ہم اسے ان پر نافذ کر دیں! پھر انھوں نے تین طلاقوں کو تین ہی نافذ کر دیا۔''[1]

اس حدیث سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اکٹھی تین طلاقوں کو تین طلاقیں شمار کرنے کا حکم کیوں جاری کیا۔ حالانکہ عہد رسالت، عہد صدیقی اور خود ان کے عہد خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں ایسا نہیں تھا۔ یعنی جب تک لوگ طلاق دینے کے شرعی طریقے کے پابند تھے اس وقت تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی عہد رسالت اور عہد صدیقی میں رائج قانون کے مطابق فیصلہ کرتے ہوئے تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کرتے رہے۔

بلکہ اگر کوئی شخص بیک وقت تین طلاقیں دیتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی پشت پر درے بھی رسید کرتے تھے۔[2]

کیونکہ یہ فعل شریعت میں انتہائی ناپسندیدہ تھا۔ لیکن جب لوگ کثرت سے ایسا کرنے لگے تو انھوں نے سزا کے طور پر تین طلاقوں کو تین شمار کرنے کا حکم جاری کر دیا تاکہ لوگ اس سے باز آ جائیں اور طلاق کے معاملے میں غور و فکر اور صبر و تحمل کا مظاہرہ کریں۔ اس اقدام کی وجوہات چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم تھیں اس لیے انھوں نے بھی اس پر خاموشی اختیار کی۔

سامعین! آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ پر غور فرمائیں ((فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ)) ''کیوں نہ ہم اسے ان

[1] صحیح مسلم:1472. [2] فتح الباری:277/11.

پر نافذ کر دیں۔''

ان الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم جاری کرتے وقت یہ نہیں فرمایا کہ یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے بلکہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی نسبت اپنی طرف کی۔ لہٰذا یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا جو مخصوص حالات کو پیش نظر رکھ کر لوگوں کے ایک مخصوص طرزِ عمل کو روکنے کے لیے کیا گیا۔

بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اِس فیصلے سے رجوع کر لیا تھا۔ [1]

کیا تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرنا اجماعی مسئلہ ہے؟

بعض حضرات بڑے شد ومد سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیک وقت دی ہوئی تین طلاقوں کو تین شمار کرنے کا حکم جاری کیا تب سے اس حکم پر اجماع چلا آ رہا ہے۔ اور اس سے سوائے اہلحدیثوں کے کسی اور نے اختلاف نہیں کیا!!

حالانکہ یہ ایک بہت بڑی علمی خیانت ہے اور جھوٹے پروپیگنڈہ کے سوا کچھ بھی نہیں کیونکہ:

1. عہد صدیقی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں بھی تو اس بات پر اجماع تھا کہ اکٹھی تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کیا جائے۔ تو اس اجماع کی حیثیت کیا ہوگی؟ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جاری کردہ ایک تعزیری حکم سے وہ اجماع باطل قرار پائے گا اور نا قابل عمل ہوگا؟
2. اس میں کوئی شک نہیں کہ تین طلاقوں کو تین شمار کرنے کا حکم ایک خلیفۂ راشد نے جاری کیا (اگرچہ یہ حکم ایک تعزیری حکم تھا) لیکن انھیں ایک طلاق شمار کرنے کا قانون بھی تو ان سے افضل ایک خلیفۂ راشد ہی کے دورِ خلافت کا قانون تھا۔ پھر خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی قانون کو دو سال تک درست قرار دیا۔ اسی طرح خلفائے راشدین میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کرنا تھا۔ تو بتائیے دعوائے اجماع کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟
3. حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ بھی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کرنے کے قائل تھے۔ لہٰذا اجماع کا دعویٰ کرنا کیسے درست مانا جائے گا!
4. تابعین رحمہم اللہ و تبع تابعین رحمہم اللہ میں سے عطاء رحمہ اللہ، طاوس رحمہ اللہ اور عمرو بن دینار رحمہ اللہ وغیرہ بھی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کرتے تھے۔ [2]
5. علمائے امت مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ابن القیم، حافظ ابن حجر، امام قرطبی، امام فخرالدین الرازی، امام شوکانی وغیرہ نے اس مسئلے کو اختلافی مسئلہ قرار دیا ہے۔ تو کیونکر اسے اجماعی مسئلہ تصور کر لیا جائے!

[1] اغاثۃ اللھفان. [2] فتح الباری: 278/11.

6 ہندوستان میں اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ احمد آباد کے زیر اہتمام نومبر 1973ء میں ایک سیمینار منعقد ہوا جس میں چھ دیوبندی اور دو اہلحدیث علماء نے شرکت کی۔ ان میں سے سات نے اس میں ایک مجلس کی تین طلاقوں پر مقالے پیش کیے اور سوائے ایک کے باقی سب نے اس مسئلے کو عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہی اختلافی مسئلہ قرار دیا اور سب نے وہی موقف اختیار کیا جو اہلحدیثوں کا ہے۔اس سیمینار کی پوری کارروائی اور اس میں پیش کیے جانے والے مقالوں کو بعد میں ایک کتاب بعنوان ''ایک مجلس کی تین طلاق، قرآن وسنت کی روشنی میں'' کی شکل میں شائع کر دیا گیا۔

7 مشہور بریلوی عالم پیر کرم شاہ ازہری نے ''دعوت غور وفکر'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں انھوں نے احناف کو تقلید کے بندھن سے آزاد ہو کر قرآن وسنت کی روشنی میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے اور طلاقِ ثلاثہ کے مسئلہ میں موقفِ اہلحدیث کی پُرزور حمایت اور تائید کی ہے۔

حلالہ......ایک ملعون فعل

جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں اپنے اپنے وقت پر دے دے تو اس کے بعد رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ اور دوبارہ ان دونوں کے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کی کوئی شکل باقی نہیں رہتی۔ ہاں اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ عورت اپنی مرضی سے کسی اور آدمی سے شادی کرے۔ پھر وہ اپنی مرضی سے اسے طلاق دے یا وہ فوت ہو جائے تو عدت گذارنے کے بعد یہ عورت اگر چاہے تو دوبارہ اپنے پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴾

''پھر اگر وہ (تیسری بار) اسے طلاق دے دے تو اب وہ اس کے لیے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا کسی دوسرے سے (شرعی) نکاح نہ کرے (حلالہ کے لیے نہیں۔) پھر اگر وہ بھی اسے (اپنی مرضی سے) طلاق دے دے تو ان دونوں کو میل جول کر لینے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ انھیں یقین ہو کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں جنھیں وہ جاننے والوں کے لیے بیان کر رہا ہے۔''[1]

بعض حضرات جو اکٹھی تین طلاقوں کو تین شمار کر کے خاوند کو اپنی بیوی کی طرف رجوع کے حق سے محروم کر دیتے ہیں انھوں نے اس آیت کا سہارا لے کر حلالے جیسی لعنت کا دروازہ کھول لیا ہے! حالانکہ اس میں مطلقہ عورت کے دوسرے آدمی کے ساتھ شرعی نکاح کا ذکر ہے جو کہ اس کی شرائط اور آداب وغیرہ کا لحاظ کرتے ہوئے ہی ہونا چاہیے۔ نہ کہ

[1] البقرۃ 2:230.

حلالہ کی نیت کے ساتھ۔ کیونکہ حلالہ ایک ملعون فعل ہے۔ وہ کام جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مطابق ملعون ہے اوراسے کرنے اور اس کا کروانے والالعنت کا مستحق ہے اسے کس طرح جائز قرار دینے کی جسارت کی جاسکتی ہے!

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَعَنَ اللهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ))

''اللہ کی لعنت ہو حلالہ کرنے والے پر اور اس پر جس کے لیے حلالہ کیا جائے۔'' ①

جبکہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے پوچھا: ((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالتَّيْسِ الْمُسْتَعَارِ؟)) ''کیا میں تمھیں ادھار پر لیے ہوئے سانڈھ کے بارے میں نہ بتاؤں؟''

لوگوں نے کہا: اللہ کے رسول! کیوں نہیں، ضرور بتائیے۔ تو آپ نے فرمایا:

((هُوَ الْمُحَلِّلُ ، لَعَنَ اللهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ))

''وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ لعنت ہو اللہ تعالیٰ کی حلالہ کرنے اور کروانے والے دونوں پر۔'' ②

اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

((لَا أُوْتَى بِمُحَلِّلٍ وَلَا بِمُحَلَّلٍ لَهُ إِلَّا رَجَمْتُهُمَا))

''اگر میرے پاس حلالہ کرنے اور کروانے والے کو لایا جائے تو میں ان دونوں کو رجم کرونگا۔'' ③

جو لوگ اس ملعون فعل کو جائز قرار دیتے ہیں ان سے پوچھنا چاہیے کہ کیا یہ بے غیرتی نہیں کہ آپ اپنی بیٹی یا بہن کو ایک دو راتوں کے لیے کسی آدمی کے پاس بھیج دیں تاکہ وہ اس کا حلالہ کردے! اور یہ بھی بتایا جائے کہ جو خاتون خاوند کے غصے کی بھینٹ چڑھ گئی اس کا قصور کیا ہے کہ اس کو اس طرح ذلیل کیا جائے؟ طلاق دے خاوند اور حلالہ کروائے بیوی! یہ بڑی عجیب منطق ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں پاکیزہ زندگی نصیب کرے اور خوشگوار ازدواجی زندگی گذارنے کی توفیق بخشے۔ اور ہم سب کو دنیا وآخرت کی ہر بھلائی عطا کرے۔

① سنن أبي داود: 2078. صححه الألباني. ② سنن ابن ماجه: 1936. صححه الألباني. ③ الاستذكار لابن عبدالبر: 450/5.

سنگدلی اور نرم دلی: اسباب وعلاج

اہم عناصرِ خطبہ

1. دل اعضاء کا بادشاہ
2. دل ایمان کا محل اور اللہ تعالیٰ کی نظر کا مرکز
3. سب سے افضل دل کونسا؟
4. سنگدلی کے اسباب
5. رقتِ قلب کے اسباب

پہلا خطبہ

محترم حضرات!

کہا جاتا ہے کہ دل اعضاء کا بادشاہ ہے اور باقی اعضاء اس کی فوج ہیں جو اس کی اطاعت کرتے، اس کے احکام پر عمل درآمد کرتے ہیں اور اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اگر بادشاہ صالح ہو تو اس کی فوج بھی صالح ہوتی ہے۔ اور اگر بادشاہ فاسد ہو تو اس کی فوج بھی اُسی کی طرح فاسد ہوتی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف اطاعت گزار دل ہی کام آئے گا۔ باری تعالی کا فرمان ہے: ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ○ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ○﴾

''اُس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے۔ سوائے اس شخص کے جو اللہ کے پاس اطاعت گزار دل لے کر آئے گا۔''[1]

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ لَهَا سَائِرُ الْجَسَدِ ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ»

[1] الشعراء26:88-89.

"خبردار! جسم میں خون کا ایک لوتھڑا ایسا ہے کہ اگر وہ ٹھیک ہو جائے تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ اور وہ ہے دل۔"[1]

اس حدیث کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے کہ یقینی طور پر حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان کچھ امور مشتبہ قسم کے ہیں جن سے بہت سارے لوگ ناواقف ہوتے ہیں۔ پھر یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جو شخص ان مشتبہ امور سے بچ جاتا ہے وہ اپنے دین کو بچا لیتا ہے۔ اور جو ان میں واقع ہوتا ہے وہ حرام میں واقع ہو جاتا ہے۔ پھر دل کے بارے میں آپ ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندے کے اعضاء سے ہونے والی حرکات کی درستگی اور اس کا حرام اور مشتبہ امور سے بچنا اس کے دل کی درستگی کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر اس کا دل صحیح سالم ہو، اس میں اللہ کی محبت ہو اور جس چیز سے وہ محبت کرتا ہے اس کی محبت کے سوا کچھ نہ ہو، اس میں اللہ کی خشیت ہو اور اس کے دل میں اس چیز میں واقع ہونے کا خدشہ ہر وقت رہتا ہو جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے تو اس کے تمام اعضاء کی حرکات درست رہتی ہیں اور اس کی وجہ سے وہ تمام حرام کاموں سے بچا رہتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ شبہات سے بھی بچنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ محرمات میں واقع نہ ہو جائے۔

اور اگر اس کا دل ہی فاسد ہو چکا ہو، اس پر نفسانی خواہشات کا اور من پسند چیزوں کی محبت کا غلبہ ہو خواہ انھیں اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہو تو اس کے تمام اعضاء کی حرکات بھی فاسد ہو جاتی ہیں اور وہ گناہوں کے ارتکاب اور مشتبہ امور اور دلی خواہشات کی اتباع پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَسْتَقِيمُ إِيمَانُ عَبْدٍ حَتَّى يَسْتَقِيمَ قَلْبُهُ ، وَلَا يَسْتَقِيمُ قَلْبُهُ حَتَّى يَسْتَقِيمَ لِسَانُهُ))

"کسی بندے کا ایمان مستقیم نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل مستقیم نہ ہو۔ اور اس کا دل مستقیم نہیں ہو سکتا جب تک اس کی زبان مستقیم نہ ہو۔"[2]

دل ایمان کا محل ہے

جی ہاں، دل جسمانی اعضاء میں اتنا اہم عضو ہے کہ یہ ایمان کی جائے قرار اور اس کا محل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ ﴾

"لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمھارے لیے محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمھارے دلوں میں مزین کر دیا ہے۔"[3]

[1] صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه: 52 و صحيح مسلم، كتاب المساقاة باب أخذ الحلال وترك الشبهات: 1599. [2] رواه أحمد في المسند 198/3 بإسناد حسن من حديث أنس بن مالك. [3] الحجرات 7:49.

اسی طرح باری تعالی کا فرمان ہے:

﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾

''دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، آپ کہئے کہ (حقیقت میں) تم ابھی ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے اور ابھی تمھارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا۔''[1]

اسی طرح منافقوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ﴾

''اے رسول! آپ کو وہ لوگ غمزدہ نہ کریں جو کفر میں سبقت لے جا رہے ہیں، ان (منافقوں) میں سے جو زبانی طور پر یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے جبکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے۔''[2]

ان تمام آیات سے ثابت ہوا کہ 'دل' ایمان کی اصل جائے قرار ہے، اگر دل میں ایمان داخل نہ ہو تو زبانی کلامی ایمان کا دعوی ہرگز کافی نہیں ہے۔ اگر یہ دعوی کافی ہوتا تو یقینا منافقوں کو بھی کافی ہوتا، لیکن اللہ تعالی نے منافقوں کو جہنم کے سب سے نچلے گڑھے کا مستحق قرار دیا۔ والعیاذ باللہ

دل اللہ تعالی کی نظر کا مرکز ہے

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ ، وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ))

''بے شک اللہ تعالی تمھاری شکلوں اور تمھارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمھارے دلوں اور تمھارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔''[3]

لہذا میرے بھائیو اور میری بہنو! آپ سب بھی اُسی چیز کی طرف دیکھیں جس کی طرف اللہ تعالی دیکھتا ہے۔ اور اُس چیز کی اصلاح کی کوشش کریں جو اللہ تعالی کی نظر کا مرکز ہے۔

اعمال کا تفاضل دلوں کے تفاضل کے لحاظ سے ہے

جی ہاں، کئی لوگ ایک جیسا عمل کرتے ہیں، لیکن ان میں سے بعض کا عمل دوسروں کے عمل سے افضل ہوتا ہے۔ اِس کی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ مثلا 'نماز' ہے جو کئی لوگ پڑھتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض کی نماز دوسروں کی نماز سے افضل ہوتی ہے۔ حتی کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

[1] الحجرات 14:49. [2] المائدة 41:5. [3] صحیح مسلم: 2564.

((إِنَّ الرَّجُلَ لَيَنْصَرِفُ وَمَا كُتِبَ لَهُ إِلَّا عُشْرُ صَلَاتِهِ ، تُسْعُهَا ، ثُمُنُهَا ، سُبُعُهَا ، سُدُسُهَا ، خُمُسُهَا ، رُبُعُهَا ، ثُلُثُهَا ، نِصْفُهَا))

''ایک آدمی نماز سے سلام پھیرتا ہے اور اس کے لیے اس کی نماز کا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے، نواں حصہ، آٹھواں حصہ، ساتواں حصہ، چھٹا حصہ، پانچواں حصہ، چوتھا حصہ، تیسرا حصہ، آدھا حصہ۔'' [1]

بھلے لوگو! ذرا سوچو اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی کئی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ نماز کا اجر وثواب نمازی کے دل میں پائے جانے والے خشوع وخضوع کے مطابق ہوتا ہے۔ کسی کے دل میں خشوع وخضوع کم تو کسی کے دل میں زیادہ ہوتا ہے۔ تو اسی لحاظ سے اجر وثواب میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے۔

اسی طرح اس کی ایک اور مثال تلاوتِ قرآن مجید ہے جو کئی لوگ کرتے ہیں، مگر سب کا ثواب ایک جیسا نہیں ہوتا۔ اس کی بھی کئی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص صرف قرآنی الفاظ کو اپنی زبان سے دہراتا ہے اور کوئی اس کے ساتھ ساتھ دل میں اس کے معانی پر غور وفکر اور اس کے مطالب میں تدبر بھی کرتا ہے۔ لہٰذا دونوں کے اجر وثواب میں جو تفاضل ہے وہ دل کی حالت پر مبنی ہے کہ اس میں کتنا تدبر پایا جاتا ہے! پھر نتیجے کے لحاظ سے بھی تفاضل پایا جاتا ہے۔ یعنی تدبر اور غور وفکر کے ساتھ تلاوت کرنے والے شخص کا دل بھی متاثر ہوتا ہے جبکہ صرف الفاظ کی تلاوت کرنے والے شخص کا دل اس کی تاثیر سے عاری رہتا ہے۔

اسی طرح تمام نیک اعمال کی قبولیت اور عدم قبولیت میں اور ان کے اجر وثواب کی کمی بیشی میں اخلاص نیت کا اہم کردار ہے جو کہ دل کا عمل ہے۔ اگر دل میں نیت خالص ہو اور محض اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا مقصود ہو تو عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول ہوتا ہے اور اس کا اجر وثواب کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ لیکن اگر دل میں ریاکاری اور تعریف سننے کی خواہش ہو تو اللہ تعالیٰ اس عمل کو رد کردیتا ہے۔ اور اگر اللہ کی رضا بھی مقصود ہو اور دنیاوی مقاصد میں سے کوئی ایک مقصد بھی دل میں ہو تو اس عمل کے اجر وثواب میں یقینی طور پر کمی واقع ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اعمال کا تفاضل دلوں میں پائے جانے والے قصد وارادہ کی بناء پر ہوتا ہے۔ اِس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دلوں کی اصلاح کس قدر ضروری ہے۔

لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟

کسی شخص کو سب سے بہتر قرار دینے کے لیے آج کل لوگوں کے ہاں جو معیار ہے وہ خالصتاً دنیاوی ہے۔ چنانچہ جس کے پاس مال ودولت کے انبار ہوں، جس کی جائیداد پھیلی ہوئی ہو، جس کا بنک بیلنس بہت زیادہ ہو، جس کے

[1] سنن أبي داود:796. وحسنه الألباني.

پاس اچھی گاڑی اور اچھا بنگلہ ہو۔۔۔ اس کو سب سے بہتر گردانا جاتا ہے۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ نے جس شخص کو سب سے بہتر قرار دیا وہ وہ ہے جس میں دو صفات ہوں۔ پہلی یہ کہ اس کا دل صاف ہو، اس کے دل میں اللہ کا خوف ہو، اس کا دل گناہوں کی آلودگی سے، ظلم، خیانت اور حسد کے جذبات سے پاک ہو۔ اور دوسری صفت یہ ہے کہ اس کی زبان سچی ہو۔

عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ ((أيُّ النَّاسِ أفْضَلُ؟)) ''لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: ((كُلُّ مَخْمُومِ الْقَلْبِ ، صَدُوقِ اللِّسَانِ)) ''ہر وہ شخص جو 'مخموم القلب' ہو اور زبان سے سچ بولنے والا ہو۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: زبان سے سچ بولنے والا تو ہم پہچانتے ہیں، لیکن یہ 'مخموم القلب' کیا ہوتا ہے؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((هُوَ التَّقِيُّ النَّقِيُّ ، لَا إِثْمَ فِيهِ ، وَلَا بَغْيَ ، وَلَا غِلَّ وَلَا حَسَدَ))

''یہ وہ ہے جس کے دل میں اللہ کا خوف ہو، جس کا دل صاف ہو، اس میں نہ گناہ ہو اور نہ ظلم۔ اور نہ خیانت ہو اور نہ حسد۔''[1]

دلوں میں سب سے افضل دل کونسا ہے؟

عزیز القدر بھائیو اور بہنو! یہ تو آپ نے جان لیا کہ رسول اکرم ﷺ کے نزدیک لوگوں میں سب سے بہتر اور سب سے افضل کون ہے؟ اور اس کی افضلیت کا معیار کیا ہے؟ یقیناً اُس کی افضلیت کا معیار زبان کی سچائی اور دل کی صفائی وپاکیزگی ہے۔ اب یہ بھی جان لیجئے کہ دلوں میں سب سے افضل دل کونسا ہے؟

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((إِنَّ لِلّٰهِ آنِيَةً فِي الْأَرْضِ ، وَآنِيَةُ رَبِّكُمْ قُلُوبُ عِبَادِهِ الصَّالِحِينَ ، وَأَحَبُّهَا إِلَيْهِ أَلْيَنُهَا وَأَرَقُّهَا))

''بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے زمین میں برتن ہیں۔ اور تمھارے رب کے برتن اس کے نیک بندوں کے دل ہیں۔ اور ان میں سے اسے سب سے زیادہ محبوب وہ دل ہیں جو سب سے زیادہ نرم اور سب سے زیادہ رقیق ہوں۔''[2]

لہٰذا ہم سب کو اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ ہمارے دل نرم ہوں اور ان میں رقت پیدا ہو۔ تا کہ ہمارے دل بھی اللہ کے محبوب دلوں میں شامل ہوسکیں۔ لیکن ہم دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں کہ اکثر وبیشتر لوگوں کے دل نرم نہیں

[1] سنن ابن ماجه: 4216. وصححه الألباني. [2] الطبراني في المعجم الكبير. وصححه الألباني في الصحيحة: 1691.

بلکہ سخت ہیں۔ اکثر لوگوں کے دلوں میں نیک اعمال کی رغبت کم اور برے اعمال کی محبت زیادہ ہے۔ چنانچہ سنگدلی کی وجہ سے کئی لوگ بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور تسلسل کے ساتھ بار بار کرتے ہیں، لیکن انھیں ذرا برابر احساس نہیں ہوتا کہ انھیں اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے اور ان اعمال کا حساب بھی دینا ہے۔

- لوگ دیدہ دلیری کے ساتھ اللہ رب العزت کی غیرت کو چیلنج کرتے ہوئے شرک و بدعت کا ارتکاب کرتے ہیں! قبروں، درگاہوں اور مزاروں پر سجدے کرتے ہیں، غیر اللہ کے نام پر نذرانے پیش کرتے ہیں اور فوت شدہ حضرات کو حاجت روا اور مشکل کشا تصور کرتے ہوئے انھیں پکارتے، ان سے امیدیں وابستہ کرتے اور ان سے خوف کھاتے ہیں!
- نماز جو کہ دین کا ستون ہے، اس کی ادائیگی میں مجرمانہ غفلت کرتے ہیں اور سوائے جمعہ کی نماز کے ہفتہ بھر کسی اور نماز کے قریب تک نہیں جاتے!
- بے حیائی کے کام تو اتنے عام ہو چکے ہیں کہ لگتا ہے کہ لوگوں میں ضمیر اور غیرت نام کی کوئی چیز باقی ہی نہیں رہی!
- موسیقی ہے تو ہر جگہ گونج رہی ہے!
- بے ہودہ فلمی گانے اور حیا باختہ مناظر ہیں تو اکثر لوگوں کی جیبوں میں ہر وقت موجود رہتے ہیں کہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں دیکھ لیں اور سن لیں!
- شراب نوشی اور نشہ آور چیزوں کا استعمال بھی بری طرح پھیل چکا ہے!
- انٹر ٹینمنٹ (تفریح) کے نام پر رقص وسرور کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں اور نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مخلوط ماحول میں ایک دوسرے سے کھلے عام اظہار محبت کرتے ہیں!
- خیانت اور دھوکہ بازی اِس قدر عام ہے کہ اسے برائی ہی نہیں سمجھا جاتا!
- رشوت خوری کو اب اپنا حق سمجھا جاتا ہے! اور کوئی بھی معاملہ اس کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔
- جھوٹ بولنا، مالی معاملات میں فریب کرنا اور اپنے مسلمان بھائیوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا............ یہ ایسی برائیاں ہیں کہ جو اسلامی معاشرے کی بنیادوں کو کھوکھلا کر چکی ہیں!

اِن تمام خطرناک گناہوں کے باوجود مسلمانوں میں ایسی اجتماعی سنگدلی ہے کہ ان برائیوں کو اب اکثر وبیشتر لوگ قبول کر چکے اور ان کے عادی بن چکے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ بنو اسرائیل کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾

”پھر تمھارے دل سخت ہو گئے اتنے سخت جیسے پتھر ہوں یا ان سے بھی سخت تر۔ کیونکہ پتھروں میں سے تو کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں۔ اور کچھ ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی نکلنے لگتا ہے۔ اور کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے ڈر سے (لرز کر) گر پڑتے ہیں۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اس سے بے خبر نہیں۔“ [1]

یعنی بنو اسرائیل نے اتنے زیادہ معجزات دیکھے، لیکن پھر بھی ان کے دل حق کی طرف مائل نہ ہوئے، بلکہ ہٹ دھرمی اور ضد میں اور اضافہ ہوگیا! اس کا سبب ان کے دلوں کا سخت ہونا تھا۔ اسی طرح آج کے مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات کے باوجود اس کی نافرمانی پر تلے ہوئے ہیں۔ اس کا سبب یقیناً ان کے دلوں کا سخت ہونا ہے۔ تو آیئے یہ جاننے کی کوشش کریں کہ ہماری اس سنگدلی کے اسباب کیا ہیں؟ اور کیوں ہم اس قدر پتھر دل بن گئے ہیں؟

سنگدلی کے اسباب

اس سنگدلی کے اہم اسباب یہ ہیں:

1 اللہ کے ذکر سے اعراض

ذکر اللہ سے اعراض اور اس سے غفلت کے نتیجے میں دل سخت ہو جاتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((لَا تُكْثِرُوا الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللهِ ، فَإِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللهِ قَسْوَةٌ لِّلْقَلْبِ))

”تم اللہ کے ذکر کے علاوہ دوسرا کلام کثرت سے نہ کیا کرو۔ کیونکہ اللہ کے ذکر کے علاوہ دوسرا کلام بکثرت کرنے سے دل سخت ہو جاتا ہے۔“ [2]

اور حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَثَلُ الَّذِيْ يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِيْ لَا يَذْكُرُهُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ))

”اس شخص کی مثال جو اپنے رب کا ذکر کرتا رہتا ہے ایسے ہے جیسے ایک زندہ شخص ہو۔ اور اُس شخص کی مثال جو اس کی یاد سے غافل رہتا ہے ایسے ہے جیسے ایک مردہ شخص ہو۔“ [3]

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے اس کا دل زندہ رہتا ہے اور اس میں حق بات کو قبول کرنے کی صلاحیت باقی رہتی

[1] البقرة2:74. [2] جامع الترمذي:2411. [3] صحيح البخاري:6407.

ہے۔ اور جو شخص اللہ کے ذکر سے غافل رہے تو اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے اور وہ حق بات کو قبول کرنے کی صلاحیت سے عاری ہوتا ہے۔

2 موت کی یاد سے غفلت

جو شخص موت سے بالکل غافل رہے اور اس کے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہ ہو کہ اس نے مرنا بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے تو اس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔

3 اللہ کے فرائض میں کوتاہی کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قٰسِيَةً﴾

''پھر چونکہ انھوں نے اپنے عہد کو توڑ ڈالا لہٰذا ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دل سخت کر دیے۔''[1]

اِس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ اس نے بنو اسرائیل سے چار باتوں کا عہد لیا تھا: پہلی نماز قائم کرنا، دوسری زکاۃ ادا کرتے رہنا، تیسری اللہ کے رسولوں پر ایمان لانا اور چوتھی قرض حسنہ دینا۔ لیکن بنو اسرائیل نے معاہدے کی ان چاروں شقوں کی دھجیاں اڑا دیں۔ نماز ادا کرنے میں مجرمانہ غفلت برتی۔ زکاۃ ادا کرنے کی بجائے بخل اور کنجوسی کرنے لگے۔ رسولوں پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کی بجائے انھیں قتل تک کرنے سے باز نہ آئے۔ قرض حسنہ دینے کی بجائے سود خوری شروع کر دی۔ اس طرح جب انھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پاش پاش کیا تو اس نے ان پر لعنت بھیجی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا، جس سے ان کے دل حق بات کو قبول کرنے کی صلاحیت سے عاری ہو گئے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض، یعنی نماز، زکاۃ، روزہ اور حج وغیرہ میں مجرمانہ کوتاہی سنگدلی کا ایک اہم سبب ہے۔

4 گناہوں اور برائیوں میں مگن رہنا اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب نہ کرنا

جو شخص گناہوں اور برائیوں میں مگن رہے اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب نہ کرے تو اس کا دل سیاہ پڑ جاتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں سخت ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوبِهِمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾

''ہرگز یہ بات نہیں، بلکہ ان لوگوں کے دلوں پر ان کے (برے) اعمال کا زنگ لگ گیا ہے۔''[2]

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانیوں اور گناہوں کی وجہ سے دل پر تاریکی چھا جاتی ہے۔ اور جب کوئی شخص

[1] المآئدۃ 13:5۔ [2] المطففین 14:83۔

بکثرت گناہوں کا ارتکاب کرتا ہو اور اللہ سے معافی بھی نہ مانگتا ہو تو اس کے دل پر چھائی ہوئی تاریکی اور سیاہی نہایت گہری ہو جاتی ہے اور بڑھتے بڑھتے اس کے چہرے پر بھی نمایاں ہونے لگتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

((إِنَّ لِلسَّيِّئَةِ سَوَادًا فِي الْوَجْهِ ، وَظُلْمَةً فِي الْقَلْبِ ، وَوَهْنًا فِي الْبَدَنِ ، وَنَقْصًا فِي الرِّزْقِ، وَبُغْضًا فِي قُلُوبِ الْخَلْقِ))

''برائی کی وجہ سے چہرے پر سیاہی آ جاتی ہے، دل پر تاریکی چھا جاتی ہے، جسم کمزور پڑ جاتا ہے، رزق میں کمی آ جاتی ہے اور لوگوں کے دلوں میں اس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔''

اور ابن المبارک رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:

رَأَيْتُ الذُّنُوبَ تُمِيتُ الْقُلُوبَ ۔۔۔ وَيُورِثُ الذُّلَّ إِدْمَانُهَا

وَتَرْكُ الذُّنُوبِ حَيَاةُ الْقُلُوبِ ۔۔۔ وَخَيْرٌ لِنَفْسِكَ عِصْيَانُهَا

''میں نے دیکھا ہے کہ گناہ دلوں کو مردہ کر دیتے ہیں۔ اور ان میں مگن رہنا ذلت ورسوائی کا باعث بنتا ہے۔ اور گناہوں کو چھوڑنے سے دلوں کو زندگانی نصیب ہوتی ہے۔ اور تمھارے لیے بہتر یہ ہے کہ تم اپنے نفس کی نافرمانی کرو۔''

5 خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنا اور حق کو قبول کرنے سے انکار کرنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾

''پھر جب انھوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔''[1]

اسی طرح منافقوں کے متعلق ارشاد فرمایا: ﴿وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ انصَرَفُوا ۚ صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ﴾

''اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو آنکھوں میں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کر کے پوچھتے ہیں کیا تمھیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا؟ پھر وہاں سے واپس چلے جاتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے کیونکہ یہ لوگ ہیں ہی ایسے کہ جو کچھ بھی نہیں سمجھتے۔''[2]

6 دنیا کی لذتوں اور آسائشوں کے حصول کے لیے اس طرح مارے مارے پھرنا کہ آخرت بالکل یاد نہ رہے۔

[1] الصف 5:61. [2] التوبة 127:9.

7 زیادہ ہنسنا اورلہو ولعب میں مشغول رہنا۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشادگرامی ہے: ((لَا تُكْثِرُوا الضَّحِكَ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ))

''تم زیادہ نہ ہنسا کرو کیونکہ زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔''[1]

8 دنیاوی محفلوں میں بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی باتیں اور فضول گفتگو کرنا۔

9 فضول اور بے ہودہ چیزوں کو دیکھنا۔

10 دین کو سمجھنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہ کرنا اور دین کے بنیادی مسائل سے جہالت اور ناواقفیت پر راضی اور خوش رہنا۔

یہ تمام امور سنگدلی کا سبب بنتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں ان سب سے بچنا اور پرہیز کرنا چاہیے۔ ورنہ یہ بات رہے کہ جس شخص کا دل ان جیسے اسباب کو اختیار کرنے کی بناء پر سخت ہوجائے تو اس کے لیے سوائے بربادی اور ہلاکت کے اور کچھ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَوَيْلٌ لِّلْقَسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ أُولَٰٓئِكَ فِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ۝﴾

''لہٰذا ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ کے ذکر سے سخت ہیں۔ یہی لوگ واضح گمراہی میں ہیں۔''[2]

یعنی جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر بھی خوفزدہ نہیں ہوتے اور ان میں رقت پیدا نہیں ہوتی تو ایسے لوگوں کے لیے یقینی طور پر ہلاکت وبربادی ہے۔

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشادگرامی ہے کہ ((إِنَّ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللهِ الْقَلْبُ الْقَاسِي))

''بے شک لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور وہ ہے جس کا دل سخت ہو۔''[3]

یعنی جو آدمی سخت دل ہو وہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا قرب مطلوب ہو تو اپنے دل کو نرم کرنا ہوگا۔

دلوں کو نرم کرنے کے اسباب

عزیز القدر بھائیو اور لائق احترام ماؤں اور بہنو! سنگدلی کے اسباب معلوم کرنے کے بعد آیئے اب دلوں کو نرم کرنے والے اسباب معلوم کرتے ہیں۔

1 موت کو یاد کرنا

اگر موت سے غفلت اختیار کرنا سنگدلی کا سبب ہے تو موت کو یاد کرنا دل کو نرم کرنے کا بہت بڑا سبب ہے۔

[1] سنن ابن ماجه:4193.وصححه الألباني. [2] الزمر22:39. [3] جامع الترمذي:2411.

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور ارشاد فرمایا: ((كُنْ فِيْ الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ)) ”دنیا میں ایک اجنبی یا ایک مسافر کی طرح رہو۔“

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: ((إِذَا أَمْسَيْتَ فَلاَ تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ ، وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلاَ تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ، وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ ، وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ))

”جب شام ہو جائے تو صبح کا انتظار مت کرو اور جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار مت کرو۔ اور تندرستی کی حالت میں اتنا عمل کرلو کہ جو بیماری کی حالت میں بھی کافی ہو جائے۔ اور اپنی زندگی میں اس قدر نیکیاں کمالو کہ جو موت کے بعد بھی تمھارے لیے نفع بخش ہوں۔“[1]

مسند احمد وغیرہ میں اس حدیث کے الفاظ یوں ہیں: ((كُنْ فِيْ الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ، وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ أَهْلِ الْقُبُوْرِ)) ”دنیا میں ایک اجنبی یا ایک مسافر کی طرح رہو اور اپنے آپ کو قبر والوں میں شمار کرو۔“[2]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتَ))

”لذتوں کو ختم کر دینے والی چیز یعنی موت کو زیادہ سے زیادہ یاد کیا کرو۔“[3]

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا کہ اچانک ایک انصاری آیا، اس نے نبی کریم ﷺ کو سلام کہا، پھر کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! مومنوں میں سب سے افضل کون ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ((أَحْسَنُهُمْ أَخْلَاقًا)) ”ان میں جو سب سے اچھے اخلاق والا ہو۔“

اس نے پھر پوچھا: مومنوں میں سب سے زیادہ عقلمند کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَكْثَرُهُمْ لِلْمَوْتِ ذِكْرًا وَأَحْسَنُهُمْ لِمَا بَعْدَهُ اسْتِعْدَادًا، أُولٰئِكَ الْأَكْيَاسُ))

”ان میں جو سب سے زیادہ موت کو یاد کرنے والا ہو اور جو موت کے بعد آنے والے مراحل کے لیے سب سے زیادہ تیاری کرنے والا ہو وہی زیادہ عقلمند ہے۔“[4]

2 قبرستان کی زیارت کرنا

قبرستان کی زیارت کرنے سے بھی دلوں میں رقت اور نیک اعمال کی رغبت اور برے اعمال سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

[1] صحيح البخاري: 6416. [2] الصحيحة للألباني: 1157. [3] صحيح الجامع للألباني: 1211. [4] سنن ابن ماجه: 4259. وصححه الألباني.

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ ، أَلاَ فَزُورُوهَا ، فَإِنَّهَا تُرِقُّ الْقَلْبَ ، وَتُدْمِعُ الْعَيْنَ، وَتُذَكِّرُ الْآخِرَةَ))

''میں نے تمھیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا۔ خبردار! اب تم ان کی زیارت کیا کرو۔ کیونکہ یہ زیارت دل کو نرم کرتی ہے، آنکھ سے آنسو بہاتی ہے اور آخرت کی یاد دلاتی ہے۔''[1]

3 قرآن مجید میں تدبر کرنا

قرآن مجید دل کی اعتقادی بیماریوں مثلاً کفر، شرک اور نفاق کا علاج ہے۔ اسی طرح دل کی اخلاقی بیماریوں مثلاً حسد، بغض، کینہ اور حرص ولالچ کے لیے بھی شفا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۝ ﴾

''اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے نصیحت آ چکی، یہ دلوں کے امراض کی شفا اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔''[2]

عزیز بھائیو اور بہنو! قرآن مجید دلوں کو نرم کرنے اور ان میں رقت پیدا کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کی تاثیر کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ۝ ﴾

''اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل کیا جو ایسی کتاب ہے کہ اس کے مضامین ملتے جلتے اور بار بار دہرائے جاتے ہیں۔ اس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کی جلد اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ یہی اللہ کی ہدایت ہے، اس کے ذریعے اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔''[3]

قرآن مجید تو اس قدر مؤثر ہے کہ اللہ تعالیٰ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ﴾

''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا

[1] أخرجه الحاكم بسند حسن: أحكام الجنائز للألباني: 180. [2] يونس 10:57. [3] الزمر 39:23.

پڑتا ہے۔''[1]

اگر پہاڑ قرآن کے نزول کے بعد اللہ کی خشیت کی بناء پر دب سکتا ہے تو کیا انسان کے دل میں رقت پیدا نہیں ہو سکتی؟ اور اگر پہاڑ قرآن کی وجہ سے پھٹ سکتا ہے تو کیا انسان کا دل نرم نہیں پڑ سکتا؟ یقینا ایسا ہو سکتا ہے۔ بس اس کی شرط یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت اس کے معانی میں تدبر اور غور وفکر کرتے ہوئے کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝ ﴾

''کیا وہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟''[2]

4 اللہ کا ذکر غور وفکر کے ساتھ کرنا

ذکر اللہ دلِ مومن کو زندگی بخشتا ہے۔ اور ذکر اللہ سے دلوں کو حقیقی سکون ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝ ﴾

''جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوجاتے ہیں۔ یاد رکھو! دل اللہ کے ذکر سے ہی مطمئن ہوتے ہیں۔''[3]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ ﴾

''سچے مومن تو وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ اور جب انھیں اللہ کی آیات سنائی جائیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ (اور) وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو مال ودولت انھیں دے رکھا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ یہی سچے مومن ہیں جن کے لیے ان کے رب کے ہاں درجات ہیں، بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے۔''[4]

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کہ جن کے دل اللہ کے ذکر کے بعد بھی نرم نہیں پڑتے اور ان میں رقت پیدا نہیں ہوتی، انھیں تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: ﴿ أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ۝ ﴾

''جو لوگ ایمان لائے ہیں کیا ان کے لیے وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر سے اور جو حق نازل ہوا ہے اس سے ان کے دل پسیج جائیں؟ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوجائیں جنھیں اس سے پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ان پر

[1] الحشر 21:59. [2] محمد 24:47. [3] الرعد 28:13. [4] الأنفال 2:8-4.

ایک طویل مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔“[1]

5 گناہ کے بعد توبہ اور استغفار کرنا

گناہوں اور نافرمانیوں کے بعد اگر توبہ اور استغفار نہ کیا جائے تو ان کی وجہ سے نافرمانی کرنے والے انسان کا دل زنگ آلود ہو جاتا ہے، حتی کہ گناہ کرتے کرتے اس کا دل مکمل طور پر کالا سیاہ پڑ جاتا ہے۔ جس کے بعد وہ سخت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اسے اپنے دل کے کالا سیاہ پڑنے اور اس کے سخت ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنی چاہیے، اور مسلسل ایسے کرتے رہنا چاہیے تاکہ اس کا دل گناہوں کی سیاہی سے دھل جائے اور اس میں رقت پیدا ہو۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِيْ قَلْبِهِ ، فَإِنْ تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ ، وَإِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰى يَعْلُوَ قَلْبَهُ ، فَذٰلِكَ الرَّيْنُ الَّذِيْ ذَكَرَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيْ الْقُرْآنِ : ﴿ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ ﴾

”مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے اور اس گناہ کو چھوڑ کر معافی مانگ لیتا ہے تو اس کا دل دھو دیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے تو سیاہی بھی بڑھتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جاتی ہے۔ یہی وہ (رَین) ”زنگ“ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تذکرہ کیا ہے: ﴿ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ ﴾[2]

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

((إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ ، وَإِنِّيْ لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِيْ الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ))

”بے شک میرے دل کو ڈھانپ دیا جاتا ہے اور میں ایک دن میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔“[3]

میرے بھائیو اور بہنو! جب رسول اکرم ﷺ اپنے پاک دل کی حفاظت کے لیے ایک دن میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے تھے، حالانکہ آپ گناہوں سے پاک تھے تو ہم جیسے لوگ جو کہ سر تا پا گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، ہمیں تو اِس سے بھی زیادہ استغفار کرنا چاہیے۔ تاکہ ہمارے دل گناہوں کے زنگ سے پاک رہیں اور سخت ہونے سے بچے رہیں۔

6 اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان رکھنا

اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان ہو، اس طرح کہ اس کی وحدانیت پر یقین کامل ہو، اکیلے اللہ رب العزت کو پوری کائنات

① الحديد 16:57. ② جامع الترمذي: 3334: حسن صحيح، ابن ماجة: 4244 وحسنه الألباني. ③ صحيح مسلم: 2702.

کا خالق و مالک، رازق اور مدبر الامور مانا جائے، اسی کو الٰہ (معبود برحق) تسلیم کیا جائے، تمام عبادات اسی کے لیے مختص کی جائیں اور کسی عبادت میں غیر اللہ کو اس کا شریک نہ بنایا جائے تو جس دل میں یہ پختہ ایمان ہوگا وہ نرم ہوگا، اس میں رقت اور نیک اعمال سے محبت پیدا ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ﴾

''اور جو اللہ پر ایمان لائے تو وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔''[1]

7 مسکین کو کھانا کھلانا اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی سنگدلی کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: « إِنْ أَرَدْتَّ تَلْيِينَ قَلْبِكَ فَأَطْعِمِ الْمِسْكِينَ وَامْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيمِ »

''اگر تم اپنے دل کو نرم کرنا چاہتے ہو تو مسکین کو کھانا کھلایا کرو اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو۔''[2]

اسی طرح ہر کمزور اور مسکین پر ترس کھانے، جود وسخا کا مظاہرہ کرنے اور رشتہ داروں، پڑوسیوں اور عام مسلمانوں سے اچھا سلوک کرنے سے بھی دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور سنگدلی کا خاتمہ ہوتا ہے۔

8 مریضوں کی عیادت کرنا

مریضوں کی عیادت کرنا بہت بڑا عمل ہے اور اس کا اجر وثواب بہت زیادہ ہے۔ اور جو شخص اکثر مریضوں کی عیادت کرتا رہے اور ان کی حالت کو دیکھ کر اپنی صحت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور آئندہ کے لیے بھی اس سے عافیت وتندرستی کا سوال کرے تو یقیناً اس سے دل نرم ہوتا ہے اور نیکی کی طرف راغب ہوتا ہے۔

9 فرائض کو پابندی سے ادا کرنا اور نفلی عبادات میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اللہ کے فرائض کو پابندی سے ادا کرتا رہے اور ان میں کوئی کوتاہی یا غفلت نہ کرے۔ مثلاً دن اور رات کی پانچ نمازیں ہیں، زکاۃ ہے، رمضان المبارک کے روزے ہیں اور اگر استطاعت ہو تو حج بیت اللہ ہے۔ اِن فرائض کے ساتھ ساتھ نفلی عبادات میں بھی وہ اگر دیگر مسلمانوں سے سبقت لے جانے کی کوشش کرے تو اِس سے یقینی طور پر اس کا دل نرم ہوگا۔ اور اس میں نیک اعمال کی محبت اور برے اعمال کی کراہت پیدا ہوگی۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

« إِنَّ لِلْحَسَنَةِ ضِيَاءً فِي الْوَجْهِ وَنُورًا فِي الْقَلْبِ ، وَسَعَةً فِي الرِّزْقِ ، وَقُوَّةً فِي الْبَدَنِ،

[1] التغابن 64:11. [2] حسنه الألباني في الصحيحة: 854.

وَمَحَبَّةً فِي قُلُوبِ الْخَلْقِ »

”نیکی کی وجہ سے چہرے پر روشنی آ جاتی ہے، دل منور ہو جاتا ہے، رزق فراوانی سے ملتا ہے، جسمانی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔“

10 حلال کھانا اور حرام اور شبہات سے بچنا

اللہ تعالیٰ نے تمام اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ پاکیزہ اور حلال چیزیں کھائیں۔ اور اس نے اپنی کتاب میں حرام چیزوں کا تفصیل سے تذکرہ کر کے مومنوں کو ان سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اپنی امت کو حرام چیزوں کو کھانے سے سختی سے منع کیا ہے۔ اور آپ ﷺ نے آگاہ کیا ہے کہ قیامت کے روز ہر بندے سے جو سوالات سب سے پہلے کیے جائیں گے ان میں سے ایک یہ ہوگا کہ مال کہاں سے کمایا تھا اور اسے کہاں خرچ کیا تھا۔ لہٰذا ہر مسلمان پر یہ لازم ہے کہ وہ حلال اور پاکیزہ چیزیں ہی کھائے۔ اور حرام سے اجتناب کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ اُس پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ مشتبہ امور سے بھی بچے۔ کیونکہ اگر وہ مشتبہ امور میں احتیاط نہیں کرے گا تو رسول اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق حرام میں واقع ہو جائے گا۔ صرف حلال اور پاکیزہ چیزوں کو کھانے اور حرام اور مشتبہ چیزوں سے اجتناب کے نتیجے میں اس کا دل نرم ہوگا اور اس میں عمل صالح کی محبت ورغبت پیدا ہوگی اور گناہوں سے نفرت پیدا ہوگی۔

11 فضول مجلسوں میں شریک ہونے، زیادہ گفتگو کرنے اور زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرنا

ہم پہلے یہ ذکر چکے ہیں کہ فضول مجلسوں میں بیٹھ کر زیادہ گفتگو کرنے اور زیادہ ہنسنے ہنسانے سے دل مردہ اور سخت ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسی مجلسوں میں شریک ہونے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اور صرف ان مجلسوں میں بیٹھنا چاہیے جہاں فضول گفتگو کی بجائے سنجیدہ گفتگو ہو اور غیبت، جھوٹ، چغل خوری اور گالی گلوچ وغیرہ سے پرہیز کی جاتی ہو۔ اور ان میں کوئی کام خلافِ شریعت نہ ہو۔ اگر ہم اپنی مجلسوں میں ان چیزوں کی پابندی کر لیں اور شرعی حدود وقیود کا لحاظ رکھیں تو یقینی طور پر ہمارے دل مردہ یا سخت ہونے سے بچ سکتے ہیں۔

12 خواہشاتِ نفس کی اتباع نہ کرنا

نفس کو خواہشات کا پیروکار بنانے کی بجائے اگر اسے شریعت کا پابند بنایا جائے تو اِس سے بھی دلوں میں نرمی اور رقت پیدا ہو سکتی ہے اور دل تقرب الٰہی کا ذریعہ بننے والے اعمال کی طرف راغب ہو سکتے ہیں اور اس کی ناراضگی کا سبب بننے والے امور سے نفرت کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝﴾

"اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہے اور اپنے آپ کو خواہش نفس سے روکے رکھے تو جنت ہی اس کا ٹھکانا ہوگا۔"[1]

اسی طرح فرمایا: ﴿وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝﴾

"اور نفس کی قسم اور جس نے اسے ٹھیک بنایا۔ پھر اسے اس کی بدی اور اس کے تقوی کا الہام کیا۔ یقیناً وہ شخص کامیاب ہوا جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور وہ شخص نامراد ہوا جس نے اسے گھٹیا بنایا۔"[2]

13 دنیا کی بے ثباتی پر یقین رکھنا اور اس سے دل نہ لگانا

مسلمان کو اِس بات پر یقین کامل ہونا چاہیے کہ دنیا فانی ہے۔ اور دنیا کی زندگی سوائے دھوکے کے سامان کے اور کچھ نہیں۔ کوئی اِس دنیا کو جنت سمجھتا ہے تو سمجھتا رہے، لیکن مومن کو اس کے دھوکے میں نہیں آنا چاہیے بلکہ اسے دنیا کو اپنے لیے جیل خانہ سمجھنا چاہیے۔ جنت تو وہ ہے جو قیامت کے روز اہلِ ایمان کو ملے گی۔ اور وہ ایسی جنت ہے کہ جس کی نعمتوں کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے ان کے بارے میں کچھ سنا ہے اور نہ ہی کسی بشر کے دل میں اس کا تصور پیدا ہو سکا ہے۔ ہر مسلمان کو اُس جنت کے حصول کے لیے رغبت پیدا کرنی اور اس کے لیے جد وجہد کرنی چاہیے۔ اور اِس فنا ہونے والی دنیا سے نہ محبت کرنی چاہیے اور نہ ہی دل میں اسے جگہ دینی چاہیے۔ اس سے اس کا دل نرم ہوگا اور اس میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے اعمال کی رغبت ومحبت پیدا ہوگی اور اللہ کو ناراض کرنے والے اعمال سے نفرت پیدا ہوگی۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «مَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ فَرَّقَ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَمْرَهُ ، وَجَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ ، وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا كُتِبَ لَهُ ، وَمَنْ كَانَتِ الْآخِرَةُ هَمَّهُ جَمَعَ اللّٰهُ لَهُ أَمْرَهُ، وَجَعَلَ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ ، وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ»

"جس شخص کی سوچ وفکر کا محور دنیا ہی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو بکھیر دیتا ہے اور اس کے فقر کو اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے۔ اور اسے دنیا سے اتنا ہی ملتا ہے جو اس کے لیے لکھا جا چکا ہے۔ اور جس آدمی کی سوچ وفکر کا محور آخرت ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو سمیٹ دیتا ہے اور اس کے غنیٰ کو اس کے دل میں رکھ دیتا ہے۔ اور دنیا نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے پاس چلی آتی ہے۔"

[1] النازعات 79:40-41. [2] الشمس 91:7-10.

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں آخرت کی فکر کرنے کی توفیق دے۔ اور ہمارے دلوں کو نرم کرکے ان میں اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی محبت اور اپنے دین کی رغبت پیدا کردے۔

دوسرا خطبہ

عزیز القدر بھائیو اور بہنو! دل کے لیے عربی زبان میں (قلب) کا لفظ بولا جاتا ہے، جس کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

مَا سُمِّيَ الْقَلْبُ إِلَّا مِنْ تَقَلُّبِهِ فَاحْذَرْ عَلَى الْقَلْبِ مِنْ قَلْبٍ وَّتَحْوِيلِ

"قلب کو 'قلب' اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا تم قلب کی فکر کیا کرو کہ کہیں اس میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہو جائے۔"

اور اس کی تصدیق رسول اکرم ﷺ کے اِس فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ

((مَثَلُ الْقَلْبِ كَرِيشَةٍ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ ، تُقَلِّبُهَا الرِّيَاحُ ظَهْرًا لِبَطْنٍ))

"قلب کی مثال اُس پر کی سی ہے جو چٹیل زمین پر پڑا ہو اور ہوائیں اسے ایسا الٹ پلٹ کریں کہ کبھی وہ پیٹھ کے بل ہوتا تو کبھی پیٹ کے بل ہوتا ہے۔"[1]

یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دلوں کی کیفیت کے ایک جیسا نہ رہنے پر بہت فکر مند رہتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے کہا: یا رسول اللہ! ہمیں کیا ہوگیا ہے کہ ہم جب تک آپ کے پاس رہتے ہیں تو ہمارے دل نرم ہوتے ہیں، دنیا سے بے رغبت ہو جاتے ہیں اور آخرت کو یاد کرنے والوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب آپ کے پاس سے اٹھ کر جاتے ہیں اور اپنے اہل وعیال سے مانوس ہوتے ہیں تو ہمیں اپنی حالت عجیب سے محسوس ہوتی ہے! تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَوْ أَنَّكُمْ تَكُونُونَ إِذَا خَرَجْتُمْ مِنْ عِنْدِي كُنْتُمْ عَلَى حَالِكُمْ ذٰلِكَ ، لَزَارَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ فِي بُيُوتِكُمْ ، وَلَوْ لَمْ تُذْنِبُوا لَجَاءَ اللّٰهُ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ كَيْ يُذْنِبُوا ، فَيَغْفِرَ لَهُمْ))

"میرے پاس سے نکلتے وقت جو تمھاری حالت ہوتی ہے اگر تم ہر وقت اسی میں رہو تو فرشتے تمھارے گھروں میں آکر تمھاری زیارت کرتے۔ اور اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایک نئی مخلوق کو لے آتا جو گناہ کرتی، پھر وہ انھیں معاف کرتا۔"[2]

دل کی اِس بدلتی کیفیت کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ اس کی ثابت قدمی کے لیے اکثر وبیشتر دعا کیا کرتے تھے۔

[1] صححه الألباني في المشكاة:103. [2] جامع الترمذي:2526. وصححه الألباني.

جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا فرماتے تھے: ((يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ)) ''اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھنا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا: اے اللہ کے نبی! ہم آپ پر اور آپ کے دین پر ایمان لا چکے ہیں، تو کیا آپ کو کوئی خدشہ ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ہاں۔ اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((إِنَّ الْقُلُوْبَ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ ، يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ))

''بندوں کے دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ انھیں جیسے چاہے پھیر دے۔''[1]

ان تمام دلائل سے یہ ثابت ہوا کہ دل کی کیفیت تبدیل ہوتی رہتی ہے اور ہر وقت ایک جیسی نہیں رہتی۔ یہ دل کبھی خیر کی طرف راغب ہوتا ہے تو کبھی شر کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اس میں کبھی اخلاص ہوتا ہے تو کبھی تعریف سننے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ اس میں کبھی اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ ہوتا ہے تو کبھی اسباب ووسائل یا بعض افراد پر بھروسہ ہوتا ہے۔ لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مسنون دعا بھی کثرت سے پڑھنی چاہیے۔ اس کے علاوہ وہ دعا بھی بار بار پڑھتے رہنا چاہیے جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے یوں دی ہے:

﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○ ﴾

''اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد تو ہمارے دلوں کو کج رو نہ بنا۔ اور ہمیں اپنے ہاں سے رحمت عطا فرما۔ بے شک تو ہی سب کچھ عطا کرنے والا ہے۔''[2]

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

[1] جامع الترمذي: 2140، وصححه الألباني. [2] آل عمرٰن 3:8.

نماز میں نمازیوں کی اخطاء

اہم عناصرِ خطبہ

1. نمازیوں کے لباس میں اخطاء
2. نمازیوں کی جائے نماز میں اخطاء
3. نمازیوں کی نماز میں اخطاء
4. نمازیوں کی نماز با جماعت میں اخطاء

پہلا خطبہ

محترم حضرات !

نماز دینِ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ اور عبادات میں سب سے اہم عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باقی تمام عبادات کی فرضیت ومشروعیت زمین پر نازل کی اور جب نماز کی باری آئی تو اس نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو اپنے پاس بلایا اور وہاں آپ ﷺ اور آپ کی امت پر نمازوں کو فرض کیا۔ اور نماز کی اہمیت اور قدر ومنزلت کے پیش نظر قیامت کے روز سب سے پہلے اسی نماز کا حساب لیا جائے گا۔ اور اسی کی بناء پر انسان کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ کیا جائے گا۔

حریب بن قبیصہ رحمہ اللہ (جو ایک تابعی ہیں وہ) بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ آیا تو میں نے دعا کی کہ ((اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي جَلِيسًا صَالِحًا)) ''اے اللہ ! مجھے کسی اچھے ساتھی کے ساتھ بیٹھنے کا موقع دے۔'' چنانچہ مجھے جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھنے کا موقع ملا۔ میں نے ان سے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ مجھے کسی اچھے ساتھی کے ساتھ بیٹھنے کا موقع دے۔ تو آپ سے گزارش ہے کہ مجھے کوئی ایسی حدیث بیان کریں جو آپ نے رسول اکرم ﷺ سے سنی ہو، شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مجھے فائدہ پہنچائے۔ تو انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے آپ کا یہ ارشاد سنا تھا کہ

« إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهِ : صَلَاتُهُ ، فَإِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ وَأَنْجَحَ ، وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ ۔۔۔»

''بے شک قیامت کے روز سب سے پہلے بندے کے جس عمل کا حساب لیا جائے گا وہ ہے اس کی نماز ، اگر وہ ٹھیک طرح سے ادا کی گئی ہوگی تو وہ کامیاب وکامران ہو جائے گا۔ اور اگر وہ ٹھیک طرح سے ادا نہیں کی گئی ہوگی تو وہ ذلیل وخوار اور خسارہ اٹھانے والا ہوگا۔''①

بلکہ ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ باقی اعمال کی قبولیت کا دار ومدار بھی اسی نماز کی قبولیت پر ہوگا۔ اس روایت کے الفاظ یوں ہیں:

« أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ عَلَيْهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ : الصَّلَاةُ ، فَإِنْ صَلُحَتْ صَلُحَ سَائِرُ عَمَلِهِ ، وَإِنْ فَسَدَتْ فَسَدَ سَائِرُ عَمَلِهِ »

''قیامت کے روز بندے سے سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا ، اگر نماز ٹھیک طرح سے ادا کی گئی ہوگی تو باقی تمام اعمال بھی درست تسلیم کر لیے جائیں گے۔ اور اگر نماز فاسد نکلی تو باقی تمام اعمال بھی فاسد ہی تصور کیے جائیں گے۔''②

اس لیے مسلمان بھائیو! ہمیں اپنی نمازوں کی فکر کرنی چاہیے اور یہ سوچنا چاہیے کہ کیا ہم نماز رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کی سنت کے مطابق ادا کرتے ہیں؟ یا ہم باقی اعمال کی طرح نماز میں بھی من مانی کرتے ہیں اور اپنی منشاء یا اپنے مخصوص مسلک کے مطابق اسے ادا کرتے ہیں؟

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم چند ہم عمر نوجوان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے بیس راتیں آپ کے پاس قیام کیا۔ پھر آپ کو یہ گمان ہوا کہ جیسے ہم اپنے گھر والوں سے ملنے کا شوق رکھتے ہیں ، چنانچہ آپ نے ہم سے ہمارے گھر والوں کے بارے میں معلومات لیں۔ ہم نے آپ کو سب کچھ بتا دیا۔ اور چونکہ آپ بڑے نرم مزاج اور رحمدل تھے اس لیے آپ نے فرمایا:

« اِرْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ فَعَلِّمُوهُمْ وَمُرُوهُمْ ، وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّيْ ، وَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ »

''تم اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جاؤ ، پھر انھیں بھی تعلیم دو اور میرے احکامات ان تک پہنچاؤ۔ اور تم نماز

① جامع الترمذي:413، سنن النسائي:465. وصححه الألباني. ② رواه الطبراني في الأوسط. وصححه الألباني في الصحيحة:1358.

اسی طرح پڑھنا جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی شخص اذان کہے، پھر تم میں جو بڑا ہو وہ امامت کرائے۔''[1]

رسول اکرم ﷺ نے ان نوجوانوں کو جو تعلیم دی، یہ دراصل آپ ﷺ کی پوری امت کے لیے ہے۔ لہذا پوری امت پر یہ لازم ہے کہ وہ نماز اسی طرح پڑھے جیسا کہ رسول اکرم ﷺ پڑھا کرتے تھے۔

ویسے بھی اللہ تعالی نے ہم سب اہل ایمان کے لیے حضرت محمد ﷺ کو ہر عمل میں بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔ اس کا فرمان ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾

''یقینا تمھارے لیے رسول اللہ (ﷺ) میں عمدہ نمونہ موجود ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالی کی اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو اور بکثرت اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہو۔''[2]

اگر ہم واقعتا اللہ تعالی سے ملاقات اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں تو پھر ہمیں جناب رسول اکرم ﷺ کے بہترین نمونہ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی نمازوں کی اصلاح کرنی چاہیے۔

آج کے خطبۂ جمعہ میں ہم نمازیوں کی بعض اخطاء کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں جو کہ عموما ان کی نمازوں میں ہمیں نظر آتی ہیں۔ ان اخطاء کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم ایسی غلطیاں کرنے سے بچیں اور رسول اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ کے مطابق نماز ادا کریں۔

1 نمازیوں کے لباس میں اخطاء

1 تنگ لباس میں نماز پڑھنا

بعض لوگ نہایت ہی تنگ لباس پہنے ہوئے نماز پڑھتے ہیں، حتی کہ ان میں سے کچھ لوگوں پر تو تنگ لباس کی وجہ سے سجدہ کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اور حتی کہ بعض لوگ اس کی وجہ سے نماز ہی نہیں پڑھتے۔

یہ تنگ لباس 'پینٹ' کی شکل میں ہوتا ہے جس میں دو برائیاں پائی جاتی ہیں: پہلی یہ کہ اس میں کفار کے ساتھ مشابہت ہے، کیونکہ یہ لباس پہلے مسلمانوں میں نہیں پایا جاتا تھا، اِس سے پہلے مسلمان کھلا لباس پہننے کے عادی تھے، پھر جب استعماری طاقتوں کو کئی ملکوں کو چھوڑ کر جانا پڑا تو جاتے جاتے وہ اپنے پیچھے اپنی ثقافت کا گند بھی چھوڑ گئیں، جسے بصد افسوس مسلمانوں نے قبول کر لیا۔ اُسی کا ایک حصہ وہ ہے جو لباس سے متعلق ہے۔ اور دوسری یہ کہ 'پینٹ' انسان کے ستر کو نمایاں کرتی ہے، خاص طور پر سجدہ کی حالت میں۔ جبکہ اسلام میں اِس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ ستر ڈھانپنے کی چیز ہے، لہٰذا اس کا مکمل پردہ کیا جائے اور اسے نمایاں ہونے سے بچایا جائے۔ صرف نماز ہی میں نہیں بلکہ

[1] صحيح البخاري:628، 631، مسلم:674. [2] الأحزاب:33:21.

عام حالات میں بھی اس کی تاکید کی گئی ہے۔

'پینٹ' پہننے والے لوگوں میں سے بعض لوگ اُن خواتین کو برا بھلا کہتے ہیں جو تنگ لباس پہنتی ہیں اور جس میں ان کے اعضائے زینت نمایاں ہوتے ہیں۔ جبکہ یہی لوگ خود جب 'پینٹ' پہنتے ہیں تو ان کے بھی بعض اعضاء نمایاں ہو جاتے ہیں ! اور ان کا نمایاں ہونا شرعی طور پر معیوب ہے۔ تو وہ چیز جو عورتوں کے لیے ناجائز ہے وہ مردوں کے لیے کیسے جائز ہوگئی ؟ جبکہ نتیجہ دونوں کے لیے ایک ہی ہے ، یعنی بعض مخصوص اعضاء کا نمایاں ہونا۔

بعض لوگ ' پینٹ ' سے اوپر جو شرٹ پہنتے ہیں وہ بھی چھوٹی سی ہوتی ہے ، اگر ایسے لوگ نماز پڑھیں تو عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جب وہ رکوع وسجود میں جاتے ہیں تو شرٹ اوپر کو چلی جاتی ہے اور ستر کا کچھ حصہ ننگا ہو جاتا ہے ! اس سے یقینی طور پر نماز باطل ہوجاتی ہے کیونکہ پوری نماز میں پورے ستر کا ڈھانپنا نماز کی درستگی کی شرطوں میں سے ایک اہم شرط ہے۔

ہاں اگر پینٹ کھلی ہو، تنگ نہ ہو اور اس سے اوپر شرٹ یا قمیص بھی لمبی ہو جو ناف اور گھٹنوں کے درمیانے حصے کو ڈھانپے رکھے اور رکوع وسجود میں بعض اعضاء نمایاں نہ ہوں تو اس میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

2 باریک اور پتلے کپڑوں میں نماز پڑھنا

بعض لوگ نہایت ہی باریک اور پتلے کپڑوں میں نماز پڑھتے ہیں ، خاص طور پر گرمیوں کے موسم میں ، اس طرح کے کپڑے اپنے پتلے پن اور باریکی کی وجہ سے پہننے والے شخص کے اعضاء کی شکل وصورت کا پتہ دیتے ہیں۔ جبکہ فقہاء نے صحتِ نماز کی شرطوں کے ضمن میں لکھا ہے کہ

« يُشْتَرَطُ فِي السَّاتِرِ أَن يَكُونَ كَثِيفًا ، فَلَا يُجْزِئُ السَّاتِرُ الرَّقِيقُ الَّذِي يَصِفُ لَوْنَ الْبَشَرَةِ »

''ستر کو ڈھانپنے والے کپڑے میں شرط یہ ہے کہ وہ موٹا ہو، لہٰذا باریک و پتلا کپڑا جس کے اندر سے جلد کا رنگ معلوم ہو جائے وہ کافی نہیں ہوتا۔''[1]

عرب ملکوں میں کئی لوگ باریک ، لمبا جُبّہ پہنتے ہیں اور نیچے شلوار یا پاجامہ نہیں پہنتے ، اس سے رکوع وسجود کی حالت میں بعض مخصوص اعضاء نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

اسی طرح کے لوگوں کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں :

« وَإِنْ صَلَّى فِي قَمِيصٍ يَشِفُّ عَنْهُ ، لَمْ تُجْزِهِ الصَّلَاةُ »

''اور اگر وہ ایسی قمیص میں نماز میں پڑھے کہ جو اس کے اندرونی اعضاء کا پتہ دے تو اس کی نماز اسے کفایت

[1] الدين الخالص ج2، ص:101، المجموع ج3، ص:170 وغيره.

نہیں کرے گی۔''[1]

اِس سلسلے میں عورتوں کا معاملہ اور زیادہ سنگین ہے۔ کیونکہ اُن کے لیےتو عام حالات میں بھی یہ جائز نہیں کہ وہ باریک اور پتلے کپڑے پہنیں، جن میں ان کے اعضائے زینت واضح طور پر نظر آئیں۔تو نماز کی حالت میں یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے!

3 گندے، میلے کپڑوں اور نیند کے لباس میں نماز پڑھنا

بعض لوگ بہت ہی گندے اور میلے کپڑوں میں نماز پڑھتے ہیں، حتی کہ کئی لوگوں کے کپڑوں سے پسینے وغیرہ کی بدبو بھی آرہی ہوتی ہے! اور بعض لوگ جس لباس میں سوتے ہیں اسی لباس میں نماز پڑھنے لگتے ہیں! حتی کہ یہ لوگ اگر مسجد میں نماز پڑھنے آئیں تو بھی اسی لباس میں چلے آتے ہیں!

اور یہ یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے آداب کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾

''اے آدم کی اولاد! تم ہر مسجد (میں نماز پڑھتے) وقت اپنی زینت لے لیا کرو۔''[2]

'مسجد' سے مراد ہر وہ جگہ ہے جہاں نماز پڑھی جائے۔ اور 'زینت' سے مراد وہ لباس ہے جو آرائش کے لیے پہنا جاتا ہے۔ لہٰذا ہر نماز کے وقت اچھا اور صاف ستھرا لباس پہننا ضروری ہے۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد 'نافع' کو دیکھا کہ وہ ایک ہی کپڑا پہنے خلوت میں نماز پڑھ رہے ہیں۔تو انھوں نے کہا: میں نے تمھیں دو کپڑے نہ پہنائے تھے؟ نافع نے کہا: کیوں نہیں! ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم ایک ہی کپڑا پہنے بازار میں جا سکتے ہو؟ انھوں نے کہا: نہیں! تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((فَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ يُتَجَمَّلَ لَهُ)) ''تو اللہ تعالیٰ زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کے لیے خوبصورتی اختیار کی جائے۔''[3]

اور وہ لوگ جو گندا لباس پہنے یا [sleeping dress] پہنے نماز پڑھتے ہیں، انھیں سوچنا چاہیے کہ کیا وہ اِس لباس میں کسی بڑے آدمی کے سامنے جانا گوارا کریں گے؟ یقیناً نہیں، تو وہ اس لباس میں اللہ کے سامنے جو کہ بادشاہوں کا بادشاہ اور پوری دنیا کا خالق ومالک ہے، کھڑا ہونا کیسے گوارا کرتے ہیں؟

4 ننگے کندھوں کے ساتھ نماز پڑھنا

بعض لوگ اپنے اوپر والے حصے پر صرف بنیان پہنے ہوئے نماز پڑھتے ہیں اور وہ بھی بغیر بازووں کے، جس کے نتیجے میں ان کے کندھے زیادہ تر ننگے رہتے ہیں۔ اور ایسا کرنا غلط ہے۔

[1] الأم ج 1، ص: 78. [2] الأعراف 7:31. [3] شرح معانی الآثار للطحاوی ج 1، ص: 377.

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ ، لَيْسَ عَلَى عَاتِقَيْهِ مِنْهُ شَيْئٌ))

"تم میں سے کوئی شخص ایک ہی کپڑا پہنے نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھوں پر کچھ بھی نہ ہو۔"[1]

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے کندھوں پر کچھ پہنے بغیر ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس حالت میں نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہاء کے نزدیک نماز کی حالت میں کندھوں کو کسی نہ کسی چیز کے ساتھ ڈھانپنا واجب ہے۔ اور اگر کسی شخص کے کندھے بالکل ہی ننگے ہوں تو حنابلہ اور بعض سلف صالحین رحمہم اللہ کے نزدیک اس کی نماز نہیں ہوتی۔ جبکہ جمہور اہل علم کے نزدیک اس کی نماز ہو جاتی ہے لیکن اس کا یہ عمل (نماز کی حالت میں کندھوں کو ننگا رکھنا) مکروہ ہے اور رسول اکرم ﷺ کے فرمان کے خلاف ہے۔

5 کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکائے ہوئے نماز پڑھنا

کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا کبیرہ گناہ ہے۔ چاہے چادر ہو یا شلوار، پینٹ ہو یا پاجامہ، یا لمبا جبہ ہو جو ٹخنوں سے نیچے تک لٹک رہا ہو۔ اور نماز میں اسے لٹکانا تو اور بھی بڑا گناہ ہے۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَى صَلَاةِ رَجُلٍ يَجُرُّ إِزَارَهُ بَطَرًا))

"اللہ تعالیٰ اُس آدمی کی نماز کی طرف نہیں دیکھتا جو اپنے تہہ بند کو تکبر سے گھسیٹ رہا ہو۔"[2]

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ أَسْبَلَ إِزَارَهُ فِي صَلَاتِهِ خُيَلَاءَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي حِلٍّ وَّلَا حَرَامٍ))

"جو شخص اپنی نماز میں تکبر کی بناء پر اپنے تہہ بند کو نیچے لٹکائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے لاتعلق ہو گیا۔"[3]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی اپنے تہہ بند کو لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا، تو رسول اکرم ﷺ نے اسے فرمایا: ((إِذْهَبْ فَتَوَضَّأْ)) "جاؤ، وضو دوبارہ کرو۔" وہ گیا، وضو کیا، پھر واپس آیا تو آپ ﷺ نے پھر بھی اسے یہی حکم دیا کہ جاؤ، وضو کرو۔ تب ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! کیا وجہ ہے کہ آپ نے اسے وضو دوبارہ کرنے کا حکم دیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[1] صحيح البخاري: 359،، وصحيح مسلم: 516 واللفظ له . [2] صحيح ابن خزيمه ج 1، ص: 382. [3] سنن أبي داود: 637. وصححه الألباني.

((إِنَّهُ كَانَ يُصَلِّي وَهُوَ مُسْبِلٌ إِزَارَهُ ، وَإِنَّ اللهَ لَا يَقْبَلُ صَلَاةَ رَجُلٍ مُسْبِلٍ إِزَارَهُ))

''وہ اپنا تہہ بند لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا اور اللہ تعالیٰ اس آدمی کی نماز قبول نہیں کرتا جس نے اپنے تہہ بند کو لٹکایا ہوا ہو۔'' ①

6 نماز میں خواتین کا لباس!

بعض خواتین اسلام اس طرح نماز پڑھتی ہیں کہ ان کے پورے بال کھلے ہوتے ہیں ، یا کچھ بال ظاہر ہوتے ہیں۔ اور یہ بالکل غلط ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((لَا يَقْبَلُ اللهُ صَلَاةَ حَائِضٍ إِلَّا بِخِمَارٍ))

''اللہ تعالیٰ کسی بالغ عورت کی نماز قبول نہیں کرتا، سوائے اس کے کہ اس نے دوپٹہ اوڑھ کر پردہ کر رکھا ہو۔''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو خاتون سر پر دوپٹہ اوڑھے بغیر نماز پڑھے تو اس کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا۔

یہ وہ اہم اخطاء تھیں جن کا تعلق نمازیوں کے لباس سے ہے۔

2 نمازیوں کی جائے نماز میں اخطاء

وہ اخطاء جن کا تعلق جائے نماز ، یعنی اس جگہ کے ساتھ ہے جہاں نمازی نماز ادا کرتا ہے، تو اب ہم ان کا تذکرہ کرتے ہیں:

1 ایسی جگہ پر نماز پڑھنا جہاں تصویریں ہوں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک اُونی ، رنگین پردہ تھا جس کے ساتھ انھوں نے اپنے گھر کی ایک جانب کو ڈھانپا ہوا تھا۔ تو رسول اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا:

((أَمِيطِي عَنِّي ، فَإِنَّهُ لَا يَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ لِي فِي صَلَاتِي))

''اسے مجھ سے ہٹا دو، کیونکہ اس کی تصویریں میری نماز میں میرے سامنے آرہی تھیں۔'' ②

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسی جگہ جہاں تصویریں ہوں اور وہ نمازی کی توجہ اپنی طرف مبذول کرتی ہوں تو اس جگہ پر نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے تصویروں والے پردے کو ہٹانے کا حکم دیا۔

اس کے علاوہ وہ حدیث بھی مدنظر رہنی چاہیے جس میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ))

① سنن أبي داود: 638. قال النووي في رياض الصالحين (795): صحيح على شرط مسلم۔ وصححه الذهبي في الكبائر، ص: 172. ② صحيح البخاري: 5959، 374.

"فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو۔" [1]

2 قبر پر یا قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا

بعض لوگ قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے ہیں۔ اور قبروں کے سامنے کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے ہیں۔ اور جس مسجد میں قبر بھی ہو اس میں نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے افضل سمجھتے ہیں۔ اور یہ بالکل غلط ہے۔

جندب بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پانچ دن قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ ارشاد سنا: ((أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ ، فَإِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ))

"خبردار! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا لیتے تھے، خبردار! تم لوگ قبروں کو مساجد نہ بنانا، کیونکہ میں تمھیں اس سے منع کرتا ہوں۔" [2]

اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((وَلَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ ، وَلَا تُصَلُّوا إِلَيْهَا))

"اور تم قبروں پر مت بیٹھنا اور ان کی طرف رخ کر کے نماز بھی نہ پڑھنا۔" [3]

3 مسجد میں اپنے لیے کسی جگہ کو خاص کرنا

بعض لوگ مسجد میں اپنے لیے کسی ایک جگہ کو خاص کر لیتے ہیں، پھر وہ ہمیشہ اسی میں نماز پڑھتے ہیں۔ اور یہ غلط ہے۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

عبد الرحمن بن شبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

((نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ نُقْرَةِ الْغُرَابِ ، وَافْتِرَاشِ السَّبُعِ ، وَأَنْ يُوَطِّنَ الرَّجُلُ الْمَكَانَ فِي الْمَسْجِدِ كَمَا يُوَطِّنُ الْبَعِيرُ))

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوے کے چونچ مارنے کی طرح جلدی جلدی سجدہ کرنے سے، درندوں کی طرح اپنے بازو زمین پر بچھانے سے اور مسجد میں کسی جگہ کو خاص کرنے سے منع فرمایا جیسا کہ اونٹ ایک جگہ کو اپنے لیے خاص کر لیتا ہے۔" [4]

4 بغیر سترہ کے نماز پڑھنا

بعض لوگ بغیر سترہ کے نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، حتی کہ ان میں سے کئی لوگ تو بالکل مسجد کے بیچ کھڑے ہو

[1] صحیح مسلم: 2106. [2] صحیح مسلم: 532. [3] صحیح مسلم: 972. [4] سنن أبي داود: 862، سنن ابن ماجه: 1429. وحسنه الألباني في الصحيحة: 1168.

کر سترہ کے بغیر نماز شروع کر دیتے ہیں۔ جس سے آنے جانے والوں کو کافی مشکل پیش آتی ہے۔ اور یہ بالکل غلط ہے۔ نمازی کو مسجد میں دیوار، ستون یا رَحل یا کرسی وغیرہ کا سترہ ضرور رکھنا چاہیے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَا تُصَلِّ إِلَّا إِلَى سُتْرَةٍ ، وَلَا تَدَعْ أَحَدًا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْكَ ، فَإِنْ أَبَى فَلْتُقَاتِلْهُ فَإِنَّ مَعَهُ الْقَرِينَ»

"تم سترہ کی طرف ہی نماز پڑھا کرو۔ اور کسی کو اپنے سامنے سے گزرنے نہ دیا کرو۔ اگر وہ (گزرنے والا) انکار کرے (اور ضرور گزرنا چاہے) تو اس سے لڑائی کرو، کیونکہ اس کے ساتھ شیطان ہے۔"①

اسی طرح ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيُصَلِّ إِلَى سُتْرَةٍ وَلْيَدْنُ مِنْهَا ، وَلَا يَدَعْ أَحَدًا يَمُرُّ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا ، فَإِنْ جَاءَ أَحَدٌ يَمُرُّ فَلْيُقَاتِلْهُ فَإِنَّهُ شَيْطَانٌ »

"جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنا چاہے تو سترہ کی طرف پڑھے اور اس سے قریب ہو جائے۔ اور اپنے اور سترہ کے درمیان کسی کو گزرنے نہ دے۔ پھر اگر کوئی شخص آئے تو وہ اس سے لڑائی کرے کیونکہ وہ شیطان ہے۔"②

یہ دونوں احادیث اِس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ بغیر سترہ کے نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ اور ان احادیث کے الفاظ « لَا تُصَلِّ إِلَّا إِلَى سُتْرَةٍ » اور «فَلْيُصَلِّ إِلَى سُتْرَةٍ» کو سامنے رکھتے ہوئے بعض اہل علم نے نماز میں سترہ رکھنا واجب قرار دیا ہے۔③

بہر حال اِس سلسلے میں غفلت نہیں کرنی چاہیے اور جہاں تک ممکن ہو نمازی کی کوشش یہی ہونی چاہیے کہ وہ سترہ کی طرف ہی نماز پڑھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اِس معاملے میں بہت سختی کرتے تھے، جیسا کہ قرۃ بن ایاس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ میں دو ستونوں کے درمیان کھڑا ہو کر نماز پڑھ رہا ہوں۔ تو انھوں نے مجھے میری گدی سے پکڑا اور سترہ کے قریب کھڑا کر دیا اور فرمایا: « صَلِّ إِلَيْهَا » "اس کی طرف نماز پڑھو۔"④

سترہ کے مسائل میں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ سترہ کی لمبائی کم از کم ایک ہاتھ ہونی چاہیے۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: « إِذَا وَضَعَ أَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلَ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ فَلْيُصَلِّ ، وَلَا يُبَالِ مَنْ مَرَّ وَرَاءَ ذَٰلِكَ»

①صحيح مسلم: 260. ②سنن أبي داود: 697، ابن ماجه: 954. وصححه الألباني. ③السيل الجرار للشوكاني: ج 1، ص: 167. ④صحيح البخاري تعليقا: كتاب الصلاة باب الصلاة إلى الأسطوانة.

''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے سامنے پالان کی پچھلی لکڑی کے برابر کوئی چیز رکھ لے تو وہ نماز پڑھ لے اور اس کے پیچھے سے جو بھی گزرے اس کی پروانہ کرے۔'' [1]

'پالان کی پچھلی لکڑی' تقریباً ایک ہاتھ کے برابر ہوتی ہے۔

سترہ کے مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ امام کا سترہ تمام نمازیوں کا سترہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص دوران جماعت صفوں کے درمیان سے گزرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا اور اس وقت میں جوان ہونے کو تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، چنانچہ میں صف کے سامنے سے گزرا، پھر میں نیچے اترا اور گدھی کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ پھر میں صف میں شامل ہو گیا۔ تو کسی نے مجھے کچھ بھی نہ کہا۔ [2]

3 نماز میں نمازیوں کی اخطاء

اب ہم ان خطاء کا تذکرہ کرتے ہیں جن کا تعلق نماز کی کیفیت کے ساتھ ہے۔

1 نیت زبان کے ساتھ کرنا

بعض لوگ نماز کی نیت زبان کے ساتھ کرتے ہیں اور اس کے وہ الفاظ جو بعض لوگوں کی طرف سے ایجاد کیے گئے ہیں انھیں وہ اپنی زبان کے ساتھ دہراتے اور پھر نماز شروع کرتے ہیں۔ اور یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ 'نیت' دل کے ارادے کا نام ہے۔ لہٰذا جو بھی نماز پڑھنی ہو اس کا تعین کرتے ہوئے دل میں اس کا ارادہ کر لیا جائے تو یہی کافی ہے۔ اگر نیت زبان کے ساتھ کرنی لازم ہوتی تو اُس کے الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھلاتے اور وہ اپنی نمازوں کو انھی الفاظ کے ساتھ شروع کرتے۔ لیکن کسی بھی حدیث میں، حتیٰ کہ ضعیف حدیث میں بھی ایسے الفاظ ذکر نہیں کیے گئے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان الفاظ کا دین میں کوئی وجود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سارے اہل علم نے زبان کے ساتھ نیت کرنا بدعت قرار دیا ہے۔ چاہے وہ شافعی ہوں یا مالکی، حنبلی ہوں یا حنفی، حتیٰ کہ امام ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

«لَمْ يَقُلْ أَحَدٌ مِنَ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ ، لَا الشَّافِعِيُّ وَلَا غَيْرُهُ بِاشْتِرَاطِ التَّلَفُّظِ بِالنِّيَّةِ ، وَإِنَّمَا النِّيَّةُ مَحَلُّهَا الْقَلْبُ بِاتِّفَاقِهِمْ»

''چاروں اماموں میں سے کسی نے بھی، نہ شافعی نے اور نہ کسی اور نے زبان کے ساتھ نیت کرنا شرط نہیں کہا۔ بلکہ ان سب کا اتفاق ہے کہ نیت کی جگہ دل ہے۔'' [3]

[1] صحیح مسلم: 499. [2] صحیح البخاري: 76، مسلم: 405. [3] الاتباع، ص: 62.

اور امام ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ جب نماز کو کھڑے ہوتے تو (اللہ أكبر) کہتے۔ اس سے پہلے کچھ بھی نہیں کہتے تھے۔ اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے نیت زبان کے ساتھ کی ہو۔ اور نہ ہی آپ نے یوں کہا کہ

میں نماز پڑھتا ہوں اللہ کے لیے، فلاں نماز، منہ طرف قبلہ شریف، چار یا دو رکعات، امام یا مقتدی، اداء یا قضاء، فرض یا نفل .... یہ دس بدعات ہیں جن کا ایک لفظ بھی رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں ہے، نہ صحیح سند کے ساتھ، نہ ضعیف سند کے ساتھ، نہ کسی مسند یا مرسل روایت کے ساتھ، نہ کسی صحابی سے مروی ہے اور نہ ہی تابعین یا ائمہ اربعہ میں سے کسی نے اسے مستحسن عمل قرار دیا ہے۔''[1]

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

((كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَسْتَفْتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ))

''رسول اللہ ﷺ نماز کا افتتاح تکبیر کے ساتھ کرتے تھے۔''[2]

اور جب ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ کے سامنے تین مرتبہ نماز پڑھی اور ہر مرتبہ آپ ﷺ نے اسے یہ فرمایا کہ ((اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ)) ''لوٹ جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔'' تو اس نے کہا: یا رسول اللہ! آپ ہی مجھے سکھلا دیں کہ میں نماز کیسے پڑھوں۔ تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا:

((إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ ، ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ ، فَكَبِّرْ ، ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ---))

''جب تم نماز کی طرف کھڑے ہونے کا ارادہ کرلو تو مکمل وضو کرو، پھر قبلہ رخ ہو کر تکبیر کہو، پھر قرآن مجید میں سے جو بآسانی پڑھ سکو پڑھ لو۔''[3]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیت زبان کے ساتھ کرنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ ضروری ہوتا تو رسول اکرم ﷺ اس شخص کو ضرور اس کی تعلیم دیتے۔ یہ موقع تعلیم کا تھا اور ایسے موقع پر نبی ﷺ کے شایان شان نہیں کہ وہ ایک جاہل انسان کو مکمل تعلیم نہ دیں۔

2 نماز میں ہاتھ سینے پر نہ باندھنا

بعض لوگ نماز میں اپنے ہاتھ سینے پر نہیں باندھتے، بلکہ اپنے پیٹ پر باندھتے ہیں، یا ناف کے اوپر یا اس سے نیچے باندھتے ہیں۔ اور یہ بالکل غلط ہے۔

[1] زاد المعاد: ج 1، ص: 201. [2] صحيح مسلم: 498. [3] صحيح البخاري: 757، صحيح مسلم: 397.

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

((صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهِ))

"میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور ان دونوں کو اپنے سینے پر باندھ لیا۔"[1]

اسی طرح طاؤس رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ

((كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى ثُمَّ يَشُدُّ بَيْنَهُمَا عَلٰى صَدْرِهِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ))

"رسول اللہ ﷺ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے، پھر ان دونوں کو اپنے سینے پر کس کے باندھ لیتے تھے۔"[2]

یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے، تاہم اس کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ اسی لیے اس کو محدثین نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور 'مرسل' روایت کسی اور کے نزدیک قابل حجت ہو یا نہ ہو احناف کے نزدیک بہر حال قابل حجت ہے۔[3]

3 نماز کے دوران آسمان کی طرف نظر اٹھانا

نماز کے دوران آسمان کی طرف نظریں اٹھانا درست نہیں ہے۔ اور اس کے بارے میں حدیث شریف میں بہت سخت وعید آئی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي صَلَاتِهِمْ !)) فَاشْتَدَّ قَوْلُهُ فِي ذٰلِكَ حَتّٰى قَالَ: ((لَيَنْتَهُنَّ عَنْ ذٰلِكَ أَوْ لَتُخْطَفَنَّ أَبْصَارُهُمْ))

"لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنی نماز میں آسمان کی طرف اپنی نظروں کو اٹھاتے ہیں!" پھر آپ ﷺ نے اس سلسلے میں بہت سخت گفتگو فرمائی، حتی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "لوگ اس سے باز آجائیں ورنہ ان کی نظریں اُچک لی جائیں گی۔"[4]

4 نماز میں غیر ضروری حرکت!

بعض لوگ نماز کے دوران غیر ضروری حرکت کرتے رہتے ہیں۔ کبھی خارش کرتے ہیں تو کبھی داڑھی میں ہاتھ

[1] صحیح ابن خزیمه: ج1، ص: 244، 479، السنن الكبرى للبيهقي: ج2، ص: 30. [2] سنن أبي داود: 759. و صححه الألباني. [3] ظفر الأماني. عبدالحی لکھنوی، ص: 351. [4] صحيح البخاري: 750.

پھیرنے لگتے ہیں، کبھی انگلیاں چٹخاتے ہیں تو کبھی ناخن صاف کرنا شروع کر دیتے ہیں، کبھی اپنے کپڑے سنوارتے ہیں تو کبھی گھڑی کو دیکھنے لگتے ہیں .... اس طرح کی کئی اور بے ہودہ حرکات بھی کثرت سے کرتے ہیں۔ تو یہ سب حرکتیں نماز میں خشوع وخضوع کے بالکل برخلاف ہیں۔ جو شخص اس طرح کی حرکتیں کر رہا ہو اس کے بارے میں یقین کر لینا چاہیے کہ اس کے دل میں خشوع نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو وہ ہرگز ایسی حرکتیں اللہ رب العزت کے سامنے کھڑا ہو کر نہ کرتا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○﴾

"وہ مومن یقیناً کامیاب ہو گئے جو اپنی نمازوں میں (قلب وجوارح کی) یکسوئی اور انہماک اختیار کرتے ہیں۔"[1]

اور رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((مَا لِي أَرَاكُمْ رَافِعِي أَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ ، اُسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ))

"مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں تمھیں یوں ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھتا ہوں کہ جیسے سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہوں! تم نماز میں سکون اختیار کرو۔"[2]

اِس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے دائیں بائیں سلام پھیرتے وقت ہاتھ اٹھانے والوں کو سرکش گھوڑوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو کہ آرام وسکون سے ٹھہرتا نہیں، بلکہ اپنی ٹانگوں اور دُم کو بہت زیادہ حرکت دیتا رہتا ہے۔ 'سکون' کا مطلب یہ ہے کہ گھوڑے کی دُم کی طرف بار بار حرکت نہ کیا کرو۔ بلکہ نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ نماز پڑھا کرو۔

5 امام کے پیچھے تکبیراتِ انتقال نہ کہنا

بعض لوگ امام کے پیچھے بالکل ہی خاموش رہتے ہیں۔ حتی کہ اس کے ساتھ تکبیراتِ انتقال بھی نہیں کہتے۔ اور یہ غلط ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا ، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَإِنْ صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا))

"بے شک امام اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ لہٰذا جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔ اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو۔ اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔ اور اگر وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھائے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔"[3]

[1] المؤمنون:23:1,2. [2] صحیح مسلم:430. [3] صحیح البخاري:378.

6 ارکان نماز میں عدم اعتدال

بعض حضرات ارکان نماز اعتدال واطمینان سے مکمل نہیں کرتے ، بلکہ جلد بازی کا ارتکاب کرتے ہیں جو نماز کی روح کے سراسر خلاف ہے۔ رکوع میں جاتے ہیں تو پیٹھ اور سر کو برابر کیے بغیر ہی جلدی سے کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر قومہ میں ابھی کمر سیدھی نہیں ہوتی کہ سجدے میں چلے جاتے ہیں، پھر دونوں سجدے بھی جلدی جلدی کرتے ہیں اور ان کے درمیان سیدھے ہو کر اطمینان سے نہیں بیٹھتے۔ ارکان نماز میں اس بے اعتدالی اور عدم اطمینان کی وجہ سے نماز نہیں ہوتی۔ بلکہ نماز پڑھنے کے باوجود بھی ایسے ہوتا ہے جیسے اس نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تُجْزِئُ صَلَاةُ الرَّجُلِ حَتَّى يُقِيمَ ظَهْرَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ))

''کسی آدمی کی نماز کفایت نہیں کرتی، یہاں تک کہ وہ رکوع وسجود میں اپنی پیٹھ کو سیدھا کرے۔'' [1]

اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ مسجد کے کونے میں تشریف فرما تھے۔اس شخص نے (جلدی جلدی) نماز پڑھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو سلام کیا۔آپ نے اسے جواب دیا اور فرمایا:

((اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ)) ''لوٹ جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔''

وہ پھر گیا اور نماز پڑھی (جس طرح پہلے جلدی جلدی پڑھی تھی) پھر آیا اور سلام کیا۔ رسول اکرم ﷺ نے جواب دیا، پھر فرمایا: ((اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ)) ''واپس جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔'' لہٰذا اس شخص نے تیسری بار (بھی جلدی جلدی) نماز پڑھنے کے بعد کہا: یارسول اللہ! مجھے (نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ) سکھلا دیجئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلٰوةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ، ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ، ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا) وَفِيْ رِوَايَةٍ : (ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ، ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِيْ صَلٰوتِكَ كُلِّهَا))

''جب تم نماز کے ارادے سے اٹھو تو (پہلے) خوب اچھی طرح وضو کرو۔ پھر قبلہ رخ کھڑے ہو کر تکبیر

[1] سنن أبي داؤد:855، جامع الترمذي:265، سنن النسائي:1028، سنن ابن ماجه:870. وصححه الألباني.

(تحریمہ) کہو۔ پھر قرآن سے جو تجھے میسر ہو پڑھو۔ پھر رکوع کرو، یہاں تک کہ تم رکوع کی حالت میں مطمئن ہو جاؤ۔ پھر (سر رکوع سے) اٹھاؤ، یہاں تک کہ (قومہ میں) سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر سجدہ کرو، یہاں تک کہ سجدے کی حالت میں اطمینان کرلو۔ پھر (اپنا سر) اٹھاؤ، یہاں تک کہ اطمینانِ خاطر سے (جلسہ میں) بیٹھ جاؤ۔ پھر (دوسرا) سجدہ کرو، یہاں تک کہ اطمینانِ خاطر سے سجدہ کرلو، پھر (اپنا سر) اٹھاؤ، یہاں تک کہ اطمینانِ خاطر سے (جلسہ ٔاستراحت میں) بیٹھ جاؤ۔'' اور ایک روایت میں ہے کہ (سر کو سجدے سے) اٹھاؤ، یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ (یعنی اس روایت میں جلسہ ٔاستراحت مذکور نہیں۔) پھر اسی طرح اپنی نماز پوری کرو۔''[1]

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا افتتاح تکبیر سے اور قراءت کا آغاز ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ سے کرتے تھے۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کرتے تھے تو اپنا سر نہ اوپر اٹھاتے اور نہ ہی نیچے کو جھکاتے تھے بلکہ دونوں کے درمیان رکھتے تھے۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو سجدے میں نہیں جاتے تھے یہاں تک کہ بالکل سیدھے کھڑے ہو جاتے۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے سے سر اٹھاتے تو دوسرے سجدے کے لیے نہیں جاتے تھے یہاں تک کہ بالکل سیدھے بیٹھ جاتے۔ اور ہر دو رکعات کے بعد (التحیات ....) پڑھتے تھے۔ اور اپنا بایاں پاؤں بچھاتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم شیطان کے بیٹھنے کی طرح بیٹھنے سے منع فرماتے تھے۔ (اپنی پنڈلیوں کو کھڑا کیے اور ہاتھوں کو زمین پر رکھے ہوئے سرین کے بل بیٹھنا) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم اِس سے منع کرتے تھے کہ کوئی آدمی (سجدے کی حالت میں) درندوں کی طرح اپنے دونوں بازووں کو زمین پر بچھائے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا اختتام سلام کے ساتھ کرتے تھے۔''[2]

لہٰذا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ نماز کی طرح ارکان نماز کو نہایت اطمینان اور اعتدال کے ساتھ پورا کرنا چاہیے۔ ورنہ یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ جو شخص اعتدال واطمینان کے بغیر نماز پڑھتا ہے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق بدترین چور ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے: ((أَسْوَأُ النَّاسِ سَرِقَةً الَّذِي يَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ))

''لوگوں میں بدترین چور وہ ہے جو نماز میں سے چوری کرے۔''

توصحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: کوئی شخص اپنی نماز میں سے کیسے چوری کرسکتا ہے؟

[1] صحيح البخاري:757، صحيح مسلم:397. [2] صحيح مسلم:498.

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا يُتِمُّ رُكُوعَهَا وَلَا سُجُودَهَا)) أوقَالَ : ((لَا يُقِيمُ صُلْبَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ))

''وہ رکوع وسجود کو مکمل نہیں کرتا۔'' یا آپ نے فرمایا: ''وہ رکوع وسجود میں اپنی پیٹھ کو سیدھا نہیں کرتا۔''[1]

7 سات اعضاء پر مکمل سجدہ نہ کرنا

بعض نمازی سجدہ اُن سات اعضاء پر مکمل نہیں کرتے جن پر سجدہ کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو دیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ : عَلَى الْجَبْهَةِ ۔ وَأَشَارَ بِيَدِهِ عَلَى أَنْفِهِ ۔ وَالْيَدَيْنِ، وَالرُّكْبَتَيْنِ ، وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ))

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں۔ پیشانی پر اور آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ اپنی ناک کی طرف بھی اشارہ کیا۔ (یعنی پیشانی اور ناک ایک ہی عضو ہوا۔) اور دو ہاتھوں پر، دو گھٹنوں پر اور پیروں کی انگلیوں پر۔''[2]

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیشانی کے ساتھ ناک کا بھی زمین پر لگنا ضروری ہے۔ اسی طرح دونوں پیروں کی انگلیوں کا بھی۔ جبکہ کئی لوگ صرف پیشانی زمین پر لگاتے ہیں اور ان کی ناک اس سے اٹھی ہوئی ہوتی ہے۔ اور یہ غلط ہے۔ اسی طرح پیروں کی انگلیوں کا زمین پر نہ لگانا بھی غلط ہے۔ اِس طرح سجدہ نہیں ہوتا اور جب سجدہ نہ ہو تو نماز نہیں ہوتی۔

8 سجدے میں اپنے بازووں کو زمین پر بچھانا

بعض لوگ سجدے کی حالت میں اپنے بازووں کو زمین پر بچھا دیتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ صرف ہتھیلیوں کو زمین پر رکھنا چاہیے اور اپنے بازووں کو زمین سے اٹھا کر رکھنا چاہیے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ ، وَلَا يَبْسُطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ))

''تم سجدے میں اعتدال اختیار کیا کرو۔ اور تم میں سے کوئی شخص اپنے بازووں کو اس طرح نہ بچھائے جیسے کتا بچھاتا ہے۔''[3]

[1] مسند أحمد: 22695 وصححه الأرناؤط في تحقيق المسند. والألباني في صحيح الترغيب: 524. [2] صحيح البخاري: 812، وصحيح مسلم: 490. [3] صحيح البخاري: 822، ومسلم: 493.

9 تشہد میں کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے انگشتِ شہادت کو اٹھانا

بعض لوگ تشہد کی حالت میں (التحیات ....) پڑھتے ہوئے جب کلمۂ شہادت پر پہنچتے ہیں تو اسی میں بس ایک بار انگشتِ شہادت کو اٹھاتے اور پھر نیچے کو کر لیتے ہیں۔ اور یہ غلط ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ پورے تشہد میں، شروع سے لے کر آخر تک اپنی انگلیٔ شہادت کو حرکت دیتے رہتے تھے۔ جیسا کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کی نماز کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

((..... ثُمَّ رَفَعَ إِصْبَعَهُ ، فَرَأَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا ، يَدْعُو بِهَا))

"پھر آپ ﷺ نے اپنی انگلی کو اٹھایا۔ اور میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اسے حرکت دے رہے ہیں اور اس کے ساتھ دعا بھی کر رہے ہیں۔"[1]

اِس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ پورے تشہد میں اپنی انگشتِ شہادت کو اٹھا کر اسے حرکت دیتے رہتے تھے۔ لہٰذا اسی طرح کرنا چاہیے۔

4 با جماعت نماز میں نمازیوں کی اخطاء

1 جماعت کے ساتھ ملنے کے لیے دوڑتے ہوئے آنا

بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ امام کے ساتھ رکوع کی حالت میں ملنے کے لیے جلد بازی کرتے ہیں اور دوڑتے ہوئے آکر صف میں مل جاتے ہیں۔ اور یہ غلط ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((إِذَا سَمِعْتُمُ الْإِقَامَةَ فَامْشُوا إِلَى الصَّلَاةِ،وَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ وَالْوَقَارِ ، وَلَاتُسْرِعُوا، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا ، وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا))

"جب تم اقامت کی آواز سن لو تو نماز کی طرف چل کر آؤ۔ اور تم پر لازم ہے کہ تم پُرسکون اور باوقار انداز سے چلو۔ اور جلدی نہ کرو۔ پھر تم جو نماز (امام کے ساتھ) پا لو وہ پڑھ لو۔ اور جو نماز تم سے فوت ہو جائے تو اسے مکمل کر لو۔"[2]

2 اقامت ہونے کے بعد سنتیں شروع کرنا، یا سنتیں جاری رکھنا

بعض لوگ اقامت ہونے کے بعد فرض نماز کی جماعت میں شامل ہونے کی بجائے سنتیں پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ یا اگر وہ سنتیں پڑھ رہے ہوں اور اُدھر اقامت ہو جائے تو وہ پھر بھی سنتیں جاری رکھتے ہیں۔ اور یہ غلط ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

[1] سنن النسائي:889، 1268، وصححه الألباني . [2] صحيح البخاري:236.

((إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ ، فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ))

''جب نماز کی اقامت کہہ دی جائے تو پھر کوئی نماز نہیں ہوتی سوائے فرض نماز کے۔''[1]

اور جہاں تک فجر کی سنتوں کا تعلق ہے تو وہ اگر فرض نماز سے پہلے نہ پڑھی جاسکیں تو نماز کے بعد بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ جیسا کہ قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو نماز کی اقامت کہی گئی۔ چنانچہ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی۔ پھر نبی ﷺ جانے لگے تو مجھے دیکھا کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((مَهْلًا يَا قَيْسُ ! أَصَلَاتَانِ مَعًا؟)) ''ٹھہر جاؤ قیس ! کیا دو نمازیں ایک ساتھ؟'' تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے فجر کی دوسنتیں نہیں پڑھی تھیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((فَلَا إِذَنْ)) ''تب کوئی حرج نہیں ہے۔''[2]

3 صفوں کو سیدھا نہ کرنا یا مل کر کھڑا نہ ہونا

بعض نمازی صفوں کو سیدھا کرنے اور مل کر کھڑے ہونے کا اہتمام نہیں کرتے۔ چنانچہ وہ صفوں میں آگے پیچھے ہوتے ہیں یا ان کے درمیان خالی جگہ ہوتی ہے۔ اور یہ غلط ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ))

''تم صفیں برابر کرو، کیونکہ صفیں برابر کرنا نماز کو قائم کرنے سے ہے۔''[3]

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ((سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ))

''تم صفیں برابر کرو، کیونکہ صف کو برابر کرنا نماز کو مکمل کرنے سے ہے۔''[4]

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نماز اُس وقت قائم نہیں ہوتی یا اُس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک اس میں صفیں سیدھی نہ کی جائیں۔ اور رسول اکرم ﷺ صفیں سیدھی کرنے کا اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ((كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُسَوِّي صُفُوفَنَا حَتَّى كَأَنَّمَا يُسَوِّي بِهَا الْقِدَاحَ))

''رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو سیدھا کرتے تھے، حتی ایسے لگتا تھا کہ جیسے آپ ان کے ساتھ تیر کی لکڑی کو سیدھا کر رہے ہوں۔''[5]

اور ابو مسعود کہتے ہیں کہ ((كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَمْسَحُ مَنَاكِبَنَا فِي الصَّلَاةِ وَيَقُولُ : اِسْتَوُوا وَلَا تَخْتَلِفُوا فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ))

''رسول اللہ ﷺ نماز میں ہمارے کندھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرماتے تھے: تم برابر ہو جاؤ اور آگے پیچھے نہ ہٹو ورنہ تمھارے دلوں میں پھوٹ پڑ جائے گی۔''[6]

---

[1] صحيح مسلم: 710. [2] جامع الترمذي: 422، وصححه الألباني. [3] صحيح البخاري: 723. [4] صحيح مسلم: 433. [5] صحيح مسلم: 436. [6] صحيح مسلم: 432.

اور جہاں تک مل کر کھڑے ہونے کا تعلق ہے تو رسول اکرم ﷺ فرماتے تھے:

((أَقِيمُوا الصُّفُوفَ وَحَاذُوا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ وَسُدُّوا الْخَلَلَ ، وَلِينُوا بِأَيْدِي إِخْوَانِكُمْ ، وَلَا تَذَرُوا فُرُجَاتٍ لِلشَّيْطَانِ ، وَمَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللهُ وَمَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَهُ اللهُ))

''تم صفیں سیدھی کرو۔ اور کندھوں کو برابر کرو۔ اور خالی جگہ کو پُر کرو۔ اور اپنے بھائیوں کو صف میں ملنے کا موقع فراہم کرو۔ اور شیطان کے لیے خالی جگہیں نہ چھوڑو۔ اور جو شخص صف کو ملائے گا اسے اللہ تعالیٰ (اپنی رحمت سے) ملائے گا۔ اور جو صف کو کاٹے گا اسے اللہ تعالیٰ (اپنی رحمت سے) کاٹ دے گا۔''[1]

اسی طرح جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أَلَا تَصُفُّونَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا ؟))

''کیا تم اُس طرح صفیں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے ہاں صفیں بناتے ہیں؟''

تو ہم نے کہا: یا رسول اللہ! فرشتے اپنے رب کے ہاں کیسے صفیں بناتے ہیں؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((يُتِمُّونَ الصُّفُوفَ الْأُوَلَ فَالْأُوَلَ ، وَيَتَرَاصُّونَ فِي الصُّفُوفِ))

''وہ صفیں مکمل کرتے ہیں، پہلے آگے والی صف اور پھر اس کے بعد والی۔ اور وہ صفوں میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔''[2]

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس کی کیفیت بیان کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کس طرح صفوں میں مل کر کھڑے ہوتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں: ((كَانَ أَحَدُنَا يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَقَدَمَهُ بِقَدَمِهِ))

''ہم میں سے ہر ایک اپنے کندھے کو اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنے قدموں کو اس کے قدموں سے ملاتا تھا۔''[3]

اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ((فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَرُكْبَتَهُ بِرُكْبَةِ صَاحِبِهِ وَكَعْبَهُ بِكَعْبِهِ))

''چنانچہ میں نے دیکھا کہ ہر آدمی اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنا گھٹنا اس کے گھٹنے سے اور اپنا ٹخنہ اس کے ٹخنے سے ملائے ہوئے ہے۔''[4]

[1] سنن أبي داؤد: 666، وصححه الألباني. [2] صحيح مسلم: 430. [3] صحيح البخاري: 725. [4] صحيح ذكر بعضه البخاري تعليقا، ورواه أبي داود: 662، واللفظ له، وصححه الألباني.

عزیز القدر بھائیو! صف میں خالی جگہ کو پُر کرنے کی اتنی زیادہ فضیلت ہے کہ رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

((مَنْ سَدَّ فُرْجَةً رَفَعَهُ اللهُ بِهَا دَرَجَةً ، وَبَنٰى لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ))

"جو شخص خالی جگہ کو پُر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دیتا ہے۔"[1]

لہٰذا ہمیں یہ فضیلت حاصل کرنے کے لیے صفوں میں موجود خلاء کو پُر کرنا چاہیے۔ تاہم یہ بات یاد رہے کہ اپنے پیروں کو اپنے جسم کی ضخامت کے مطابق ہی کھولنا چاہیے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ کیونکہ اگر اپنے جسم کی ضخامت سے زیادہ اپنے پیروں کو دائیں بائیں پھیلائیں گے تو اس کے نتیجے میں کندھوں کے ساتھ کندھے نہیں ملیں گے۔ لہٰذا حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے اور غلو سے اجتناب کرتے ہوئے اعتدال کی راہ اپنانی چاہیے۔

4 نماز کے اعمال میں امام سے سبقت لے جانا

بعض لوگ نماز میں جلد بازی کرتے ہیں اور امام سے سبقت لے جاتے ہیں۔ مثلا امام سے پہلے رکوع یا سجدے میں چلے جاتے ہیں، یا اس سے پہلے رکوع سے سر اٹھا لیتے ہیں، یا اس سے پہلے سجدے سے سر اٹھا لیتے ہیں ...... اور یہ بالکل غلط ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اکرم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف منہ کر کے ارشاد فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ ! إِنِّي إِمَامُكُمْ فَلَا تَسْبِقُونِي بِالرُّكُوعِ وَلَا بِالسُّجُودِ وَلَا بِالْقِيَامِ وَلَا بِالِانْصِرَافِ---))

"اے لوگو! میں تمھارا امام ہوں، لہٰذا تم مجھ سے سبقت نہ لے جاؤ رکوع میں اور نہ سجدے میں۔ اور نہ قیام میں اور نہ سلام پھیرنے میں۔"[2]

اور امام سے سبقت لے جانا اتنا سنگین جرم ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أَمَا يَخْشَى الَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ أَن يُحَوِّلَ اللهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ))

"وہ شخص جو امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا ہے تو کیا وہ اِس سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اُس کے سر کو گدھے کے سر میں تبدیل کر دے؟"[3]

[1] رواه الطبراني. وصححه الألباني في صحيح الترغيب:505. [2] صحيح مسلم:426. [3] صحيح البخاري:691، صحيح مسلم:427 واللفظ له.

اور حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ : لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتّٰى يَقَعَ النَّبِيُّ ﷺ سَاجِدًا ، ثُمَّ نَقَعُ سُجُودًا بَعْدَهُ))

"رسول اللہ ﷺ جب سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہتے تو ہم میں سے کوئی شخص اپنی پیٹھ کو نہیں جھکاتا تھا، یہاں تک کہ آپ ﷺ سجدے میں چلے جاتے۔ پھر ہم بھی سجدے میں گر جاتے۔"[1]

5 پیاز یا لہسن وغیرہ کھا کر با جماعت نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آنا

بعض لوگ کچا پیاز یا کچا لہسن کھانے کے بعد سیدھے مسجد میں چلے آتے ہیں، جبکہ ان کے منہ سے بد بو آرہی ہوتی ہے۔ پھر اسی حالت میں وہ نماز بھی پڑھتے ہیں جو کہ بہت بڑی غلطی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا ، أَوْ لِيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا ، وَلْيَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ))

"جو شخص لہسن یا پیاز کھائے تو وہ ہم سے دور رہے (یا آپ نے فرمایا) وہ ہماری مسجد سے دور رہے اور اپنے گھر میں ہی بیٹھا رہے۔"[2]

دوسری روایت میں ہے ((مَنْ أَكَلَ الْبَصَلَ وَالثُّومَ وَالْكُرَّاثَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَأَذّٰى مِمَّا يَتَأَذّٰى مِنْهُ بَنُو آدَمَ))

"جو شخص پیاز، لہسن اور گندنا کھائے تو وہ ہماری مسجد کے قریب تک نہ آئے کیونکہ فرشتوں کو بھی ہر اُس چیز سے اذیت پہنچتی ہے جس سے انسانوں کو اذیت پہنچتی ہے۔"[3]

محترم حضرات! ہم نے نمازیوں کی بہت ساری اخطاء کی نشاندہی کر دی ہے۔ لہٰذا تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان اخطاء سے بچیں اور نمازیں سنتِ رسول ﷺ کے مطابق پڑھیں۔ تاکہ ان کی نمازیں اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس کی توفیق دے۔

[1] صحیح البخاری:690. [2] صحیح البخاري:855، صحیح مسلم:564. [3] صحیح مسلم:564.

دوسرا خطبہ

محترم حضرات! آخر میں نمازیوں کی کچھ مزید اخطاء کی نشاندہی بھی کرتے چلیں۔

ان اخطاء میں سے ایک یہ ہے کہ بعض لوگ با جماعت نماز کے دوران اونچی آواز سے اذکار اور دعائیں وغیرہ پڑھتے ہیں۔ جس سے ان کے دائیں بائیں نمازیوں کو تشویش ہوتی ہے۔ اور ایسا کرنا غلط ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((أَلَا إِنَّ كُلَّكُمْ مُنَاجٍ رَبَّهُ ،فَلَا يُؤْذِيَنَّ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ، وَلَا يَرْفَعَنَّ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ بِالْقِرَاءَةِ))

"خبردار! تم میں سے ہر ایک اپنے رب سے سرگوشی کرنے والا ہے۔ لہٰذا تم میں سے کوئی بھی کسی کو ایذاء نہ پہنچائے اور تم میں سے کوئی کسی پر قراءت کے ساتھ آواز بلند نہ کرے۔"[1]

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((أَمَا إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ ، فَلْيَعْلَمْ أَحَدُكُمْ مَّا يُنَاجِي رَبَّهُ ، وَلَا يَجْهَرْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ بِالْقِرَاءَةِ فِي الصَّلَاةِ))

"خبردار! تم میں سے کوئی شخص جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔ لہٰذا اسے جان لینا چاہیے کہ وہ اپنے رب سے کیا سرگوشی کرتا ہے۔ اور تم میں سے کوئی بھی کسی پر نماز میں قراءت کے ساتھ آواز بلند نہ کرے۔"[2]

2 موبائل ٹیلیفون کو کھلا چھوڑ دینا

بعض لوگ نماز کی حالت میں اپنے موبائل فون کھلے چھوڑ دیتے ہیں، چنانچہ جب انھیں کوئی فون کرتا ہے تو ان کے موبائل سے عجیب وغریب آوازیں آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ حتی کہ بعض لوگوں کے موبائلوں سے موسیقی اور گانوں کی آوازیں آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ اور یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ اس سے پوری مسجد میں تشویش ہوتی ہے اور تمام نمازیوں کی نماز میں خلل پڑتا ہے۔ اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اگر کسی کا فون بجنا شروع ہو تو صاحبِ فون اسے بند کرنا بھی گوارا نہیں کرتا، بلکہ بجتے بجتے جب تک وہ خود خاموش نہ ہو وہ اسے خاموش نہیں کراتا۔

ہونا یہ چاہیے کہ نماز سے پہلے ہی تمام لوگ اپنے اپنے فون سیٹ بند کر دیں، یا کم از کم سائلینٹ پہ کر دیں، تاکہ اگر کسی کا فون آئے بھی تو اس کی آواز نہ نکلے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسا کرنا بھول جائے، پھر نماز کے دوران اس کے فون

[1] صحيح أبي داود:1334، وصححه الألباني. [2] مسند أحمد:4928، وصححه الأرناؤط.

کی گھنٹی بجے یا اس سے کسی قسم کی آواز آنا شروع ہو جائے تو وہ اسے فوراً اپنی جیب سے نکالے اور نماز کے دوران ہی اسے بند کردے۔ اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ قراءتِ قرآن کے ساتھ اگر اپنی آواز کو بلند نہیں کیا جا سکتا تو اِس شیطانی آواز کو چلتا رہنے دینا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

حیرت ہے ان لوگوں پر جو نماز کے اندر بھی شیطانی آوازوں کو بند نہیں کرتے۔ ایک طرف قرآن پڑھا جا رہا ہوتا ہے تو دوسری طرف شیطان کی آواز بجنا شروع ہو جاتی ہے! ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اپنے موبائلوں کی شیطانی آوازوں سے اللہ کے گھروں کو پاک رکھنا چاہیے۔

3 سلام پھیرتے ہی اپنی جگہ کو چھوڑ دینا

بہت سارے لوگ جماعت ختم ہوتے ہی اپنی جگہ چھوڑ کر یا تو چلے جاتے ہیں یا دائیں بائیں یا آگے پیچھے ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی جگہ پر بیٹھے رہنے اور وہیں اذکار مکمل کرنے کی جو فضیلت ہے وہ اس سے محروم ہو جاتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((....وَالْمَلَائِكَةُ يُصَلُّوْنَ عَلٰى أَحَدِكُمْ مَادَامَ فِيْ مَجْلِسِهِ الَّذِيْ صَلّٰى فِيْهِ ، يَقُوْلُوْنَ : اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ ، اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ ، مَا لَمْ يُؤْذِ فِيْهِ ، مَا لَمْ يُحْدِثْ فِيْهِ))

’’اور تم میں سے کوئی جب تک اپنی جائے نماز پر بیٹھا رہتا ہے فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: اے اللہ! اس پر رحم فرما۔ اے اللہ! اس کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما۔ وہ بدستور اسی طرح دعا کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ کسی کو اذیت نہ دے یا اس کا وضو نہ ٹوٹ جائے۔‘‘[1]

لہٰذا فرض نماز کے بعد نمازی کو اپنی جگہ پر ہی بیٹھے رہنا چاہیے۔ اور اسی دوران اسے مسنون اذکار مکمل کرنے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی نمازیں قبول فرمائے۔ اور ہمیں اپنی منشاء اور رسول اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق نمازیں پڑھنے کی توفیق دے۔

[1] صحيح البخاري: 2119، وصحيح مسلم: 649.

اہم عناصرِ خطبہ

1. حدیث ((لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ)) کا معنی
2. کچھ بنیادی باتیں
3. ضرر پہنچانا حرام ہے
4. ضرر رسانی کی مختلف صورتیں
5. سگریٹ نوشی کرنا حرام ہے

پہلا خطبہ

محترم حضرات ! رسول اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جامع کلمات کہنے کی صلاحیت سے نوازا۔ یعنی ایسے کلمات کہ جو بظاہر مختصر اور چھوٹے نظر آتے ہیں لیکن اپنے معانی ومطالب کے لحاظ سے بہت وسعت رکھتے ہیں۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: ((فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ :أُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُوْرًا وَّمَسْجِدًا ، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً ، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ))

”مجھے چھ چیزوں کے ساتھ دوسرے انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے: ایک یہ کہ مجھے جامع کلمات دیے گئے ہیں، دوسری یہ کہ رعب ودبدبہ کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے، تیسری یہ کہ میرے لیے مالِ غنیمت حلال کیا گیا ہے، چوتھی یہ کہ زمین کو میرے لیے پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ اور مسجد بنایا گیا ہے، پانچویں یہ کہ مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور چھٹی یہ کہ میرے ذریعے سلسلۂ نبوت کو ختم کیا گیا ہے۔“[1]

[1] صحیح مسلم:523.

رسول اکرم ﷺ کے انھی جامع کلمات میں سے ایک حدیث آج ہمارے خطبۂ جمعہ کا موضوع ہے۔ اور وہ حدیث یہ ہے:

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ

((لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ))[1]

اِس حدیث کا معنی تین طرح سے کیا گیا ہے:

1 (لا ضرر): بغیر قصد کے کسی کو نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے۔ اور (لا ضرار): قصداً کسی کو نقصان پہنچانا درست نہیں ہے۔

اِس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی اپنے اُن درختوں کو پانی پلائے جو اس کے گھر میں موجود ہوں۔ بظاہر اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اِس سے اس کے پڑوسی کا کوئی نقصان نہ ہو۔ اگر وہ درختوں کو پانی پلا کر پڑوسی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے تو بھی ناجائز۔ اور اگر وہ قصد نہ کرے لیکن پڑوسی کا نقصان ازخود ہو جائے تو بھی ناجائز۔

2 (لا ضرر): کوئی شخص اپنے آپ کو نقصان نہ پہنچائے۔ اور (لا ضرار): کسی اور کو بھی نقصان نہ پہنچائے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: ﴿لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ﴾

''نہ تو والدہ کو اس کے بچہ کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے اور نہ ہی باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے۔''[2]

ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے نقصان پہنچانے کی کئی صورتیں ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ اس سے بچے کو دودھ تو پلوایا جائے لیکن اس کے اخراجات نہ اٹھائے جائیں۔ دوسری یہ ہے کہ ممتا کی ماری ماں سے اس کا بچہ چھین کر کسی اور کو دودھ پلانے کو دے دیا جائے۔ اور تیسری یہ ہے کہ ماں کو زبردستی دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے۔

اور باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے نقصان پہنچانے کی ایک صورت یہ ہے کہ اس سے اس کی استطاعت وقدرت سے زیادہ اخراجات کا مطالبہ کیا جائے۔ یا ماں صرف تنگ کرنے کے لیے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کردے۔

3 (لا ضرر): کوئی شخص پہل کرتے ہوئے کسی کو نقصان نہ پہنچائے۔ اور (لا ضرار): اگر کوئی اسے نقصان پہنچائے تو وہ نقصان پہنچانے والے کو بدلے میں اپنے نقصان سے زیادہ نقصان نہ پہنچائے۔ یعنی اگر وہ بدلہ لینا چاہتا ہو تو اتنا ہی نقصان پہنچائے جتنا اس کا ہوا ہو۔ اس سے زیادہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ۝﴾

[1] سنن ابن ماجہ: 2340. وصححہ الألباني. [2] البقرۃ 2:233.

”اور اگر تمھیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی ہو۔ اور اگر برداشت کر جاؤ تو صبر کرنے والوں کے لیے یہی بات بہتر ہے۔“[1]

محترم حضرات! اِس حدیث کے جو تین مفہوم ہم نے ابھی بیان کیے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اِس حدیث کی رو سے نہ اپنے آپ کو نقصان پہنچانا جائز ہے اور نہ کسی اور کو نقصان پہنچانا درست ہے۔ نہ قصداً اور نہ ہی بغیر قصد کے۔ نہ پہل کرتے ہوئے اور نہ ہی بدلہ لیتے ہوئے۔ ہر حال میں نقصان پہنچانا حرام ہے۔

اِس حدیث کی بنیاد تین چار باتوں پر ہے۔

1 پہلی بات یہ ہے کہ ہر شخص اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہو۔ اور اس چیز کو ناپسند کرے جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہو۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((لَا یُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِأَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ))

”تم میں سے کوئی شخص ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“[2]

یہ حدیث مسند احمد میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

((لَا یَبْلُغُ عَبْدٌ حَقِیْقَةَ الْإِیْمَانِ حَتّٰی یُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا یُحِبُّهُ لِنَفْسِهٖ مِنَ الْخَیْرِ))

”بندہ ایمان کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ لوگوں کے لیے بھی اُسی خیر کو پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہو۔“[3]

اور یہ ایمان کی واجب خصلتوں میں سے ایک بہت بڑی خصلت ہے۔ اگر اس میں یہ خصلت نہ ہو تو اس کی وجہ سے اس کے ایمان میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

((أَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا)) ”تم لوگوں کے لیے بھی وہی چیز پسند کیا کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو، اِس طرح تم سچے مومن بن جاؤ گے۔“[4]

جبکہ ایک روایت میں ((تَكُنْ مُسْلِمًا)) کے الفاظ ہیں۔ یعنی اگر تمھارے اندر یہ صفت ہو گی تو ”تم سچے مسلمان بن جاؤ گے۔“[5]

مسلمان بھائیو اور بہنو! یہ خصلت اتنی عظیم ہے کہ اس کے دو بہت ہی اہم ثمرات ہیں:

[1] النحل 16:126. [2] صحیح البخاري:13 وصحیح مسلم:45. [3] مسند أحمد: 206/3 بلفظ مقارب، وابن حبان في صحیحه: 471/1 حدیث:235. [4] سنن ابن ماجه: 4217. وحسنه الألباني. [5] جامع الترمذي: 2305. وحسنه الألباني.

1 جنت کا داخلہ

نبی کریم ﷺ نے ایک صحابی کو اسی خصلت کے نتیجے میں جنت کی خوشخبری دی۔ جیسا کہ مسند احمد میں یزید بن اسد القسری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا: ''کیا تم جنت کو پسند کرتے ہو؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((فَأَحِبَّ لِأَخِيكَ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ)) ''تب تم اپنے بھائی کے لیے اسی چیز کو پسند کیا کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔''[1]

2 جہنم سے دوری

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ أَحَبَّ أَن يُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَيَدْخُلَ الْجَنَّةَ فَلْتُدْرِكْهُ مَنِيَّتُهُ وَهُوَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَيَأْتِي إِلَى النَّاسِ الَّذِي يُحِبُّ أَن يُؤْتَى إِلَيْهِ))

''جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ اسے جہنم کی آگ سے دور رکھا جائے اور اسے جنت میں داخل کر دیا جائے تو اس کی موت اس حالت میں آنی چاہیے کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور وہ لوگوں سے ایسا سلوک کرتا ہو جو ان کی طرف سے اپنے لیے پسند کرتا ہو۔''[2]

یعنی وہ لوگوں کی طرف سے یہ پسند کرتا ہے کہ اس سے اچھا سلوک کیا جائے اور اسے کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ اسی طرح اسے خود بھی لوگوں کے لیے بھی یہ بات پسند کرنی چاہیے کہ وہ ان سے اچھا سلوک کرے اور انھیں کسی طرح سے نقصان نہ پہنچائے۔

2 دوسری بات یہ ہے کہ ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا خیر خواہ ہونا چاہیے۔ اور جب وہ ہر مسلمان کا خیر خواہ ہوگا تو وہ یقیناً کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

((بَايَعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ))

''میں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی کہ نماز ہمیشہ پڑھتا رہونگا، زکاۃ دیتا رہونگا اور ہر مسلمان کے لیے خیر خواہی کرونگا۔''[3]

3 تیسری بات یہ ہے کہ سچا مسلمان تو ہوتا ہی وہ ہے جس کے ہاتھوں اور اس کی زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ

[1] مسند أحمد: 70/4. [2] صحيح مسلم: 1844. [3] صحيح البخاري: 1401، صحيح مسلم: 56.

رہیں۔ یعنی وہ نہ اپنی زبان سے کسی کو تکلیف پہنچائے اور نہ اپنے ہاتھوں سے کسی کو نقصان پہنچائے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ»

''سچا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں۔''[1]

بلکہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ مسلمانوں میں سب سے افضل کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنَ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ»

''جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے دیگر مسلمان محفوظ رہیں۔''[2]

4 چوتھی بات یہ ہے کہ نقصان پہنچانا حرام ہے، چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی ہو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾

''بلا شبہ ہم نے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔''[3]

'میزان' سے مراد ماپ تول کے پیمانے ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ نے اس لیے نازل کیا کہ لین دین کے معاملات میں لوگوں کے باہمی حقوق کا تحفظ ہو اور کوئی کسی پر نہ زیادتی کر سکے اور نہ نقصان پہنچا سکے۔

اسی طرح 'میزان' سے مراد اللہ رب العزت کا وہ نظامِ عدل وانصاف بھی ہے جو تمام لوگوں کے تمام حقوق کی حفاظت کرتا ہے اور معاشرے میں ظلم وزیادتی اور نقصان سے بچنے کی ضمانت دیتا ہے۔ اور یہ نظام ایسا عادلانہ نظام ہے کہ نہ صرف مسلمانوں کو ان کے حقوق کے تحفظ کی گارنٹی دیتا ہے بلکہ انھیں یہ بھی حکم دیتا ہے کہ وہ معاشرے میں مقیم کافروں کو بھی ظلم وزیادتی سے بچائیں اور ان کے حقوق کی حفاظت کریں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا﴾

''اور اگر کسی قوم نے تمھیں مسجد حرام سے روک دیا ہو تو اس کی دشمنی تمھیں ناروا زیادتی پر مشتعل نہ کرے۔''[4]

اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

''اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر مشتعل نہ کرے کہ تم عدل کو چھوڑ دو۔ عدل کیا کرو، یہی بات تقویٰ کے قریب تر ہے۔''[5]

[1] صحيح البخاري:10، صحيح مسلم:41. [2] صحيح مسلم: 40. [3] الحديد57:25. [4] المائدة5:2. [5] المائدة5:8.

اور جہاں تک اہل ایمان کو ایذاء یا ضرر پہنچانے کا تعلق ہے تو یہ بہت بڑا گناہ ہے اور اس کا انجام بھی بہت ہی خطرناک ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾

''اور جو لوگ مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کو ان کے کسی قصور کے بغیر تکلیف پہنچاتے ہیں تو انھوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بار اٹھالیا۔''[1]

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللّٰهُ بِهِ ، وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰهُ بِهِ))

''جو آدمی کسی کو نقصان پہنچاتا ہے تو اللہ اس کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اور جو کسی کے لیے مشقت پیدا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے مشقت پیدا کرتا ہے۔''[2]

ضرر تو شرعی احکام میں بھی ممنوع ہے

معزز سامعین! یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ رب العزت اپنے بندوں کے لیے شرعی احکام میں ضرر کو پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ جس مسئلہ میں کسی کے لیے کوئی ضرر ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ آسانیاں پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس کی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

1. اللہ تعالیٰ نے نماز کے لیے وضو کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

((لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةَ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ))

''جب تم میں سے کسی شخص کا وضو ٹوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرتا، یہاں تک کہ وہ وضو کر لے۔''[3]

لیکن اگر کوئی شخص مریض ہو اور پانی کا استعمال اس کے لیے مضر ہو، یا وہ صحتمند ہو لیکن پانی تک پہنچنے میں کوئی نقصان دہ چیز حائل ہو تو اسے تیمم کرنے کی اجازت ہے۔

2. اللہ تعالیٰ نے نماز کھڑے ہو کر پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا فرمان ہے:

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾

''اپنی سب نمازوں کی حفاظت کیا کرو، خاص طور پر درمیانی نماز کی۔ اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے ہوا کرو۔''[4]

[1] الأحزاب 58:33. [2] سنن ابن ماجه: 2342. وحسنه الألباني. [3] صحيح البخاري: 6954، وصحيح مسلم: 225. [4] البقرة 238:2.

لیکن اگر کوئی شخص کھڑے ہوکر نماز نہ پڑھ سکتا ہوتو اسے بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے۔ اور اگر وہ بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکتا ہوتو اسے لیٹ کر پڑھنے کی اجازت ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((صَلِّ قَائِمًا ، فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا ، فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ))

"تم کھڑے ہوکر نماز پڑھو، اگر استطاعت نہ ہوتو بیٹھ کر پڑھ لو۔ اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہوتو اپنے پہلو پر لیٹ کر پڑھ لو۔" ①

3 امام کے لیے جائز ہے کہ وہ نماز میں لمبی قراءت کرے۔ لیکن اگر اس کی طوالت سے مقتدیوں میں سے کسی کا نقصان ہوتو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کا لحاظ کرتے ہوئے نماز مختصر پڑھائے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ ! إِنَّ مِنكُمْ مُنَفِّرِينَ ، فَمَنْ أَمَّ النَّاسَ فَلْيَتَجَوَّزْ ، فَإِنَّ خَلْفَهُ الضَّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ))

"اے لوگو! بے شک تم میں سے کچھ لوگ نفرت پیدا کرنے والے ہیں۔ لہٰذا جو شخص لوگوں کا امام بنے تو وہ مختصر نماز پڑھائے۔ کیونکہ اس کے پیچھے کمزور، عمر رسیدہ اور حاجتمند ہوتا ہے۔" ②

ان تینوں مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو شرعی احکام میں اپنے بندوں کا ضرر پسند نہیں ہے۔ اور جہاں ضرر کا اندیشہ ہوتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ سہولت دے دیتا ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ دوسروں کو ضرر پہنچانے سے پرہیز کرے۔

ضرر رسانی کی مختلف صورتیں اور ان کی مثالیں

عزیزان محترم! ضرر کا شرعی حکم بیان کرنے کے بعد اب ہم ضرر رسانی کی مختلف صورتیں بیان کرتے ہیں جو کہ آج کل ہمارے معاشرے میں بری طرح سے منتشر ہیں۔

لین دین کے معاملات میں ضرر پہنچانا

1 لین دین کے معاملات میں دھوکہ دہی کے ذریعے ضرر پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے، اشیائے خورد ونوش وغیرہ میں ملاوٹ کرکے خریداروں کو دھوکہ دیا جاتا ہے، جبکہ ایسا کرنا حرام ہے۔

ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کا گزر غلہ کے ایک ڈھیر سے ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کے اندر ہاتھ ڈالا تو آپ کی

① صحيح البخاري:1117. ② صحيح البخاري:704، صحيح مسلم:466.

انگلیوں کو نمی سی محسوس ہوئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا! غلہ بیچنے والے! یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: اللہ کے رسول! اسے بارش نے تر کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ ! مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي))

"اسے تم نے اوپر کیوں نہ رکھا تا کہ لوگ اسے دیکھ لیتے! جو شخص دھوکہ کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔" ①

2 بائع جس چیز کو بیچنا چاہتا ہو اگر اس میں کوئی عیب ہو تو وہ اسے چھپا کر خریدار کو ضرر پہنچاتا ہے۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ((اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ ، وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ بَاعَ مِنْ أَخِيهِ بَيْعًا فِيهِ عَيْبٌ إِلَّا بَيَّنَهُ لَهُ))

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اور کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو عیب والی چیز فروخت کرے، سوائے اس کے کہ وہ اس عیب کو اس کے لیے بیان کر دے۔" ②

3 ماپ تول میں کمی بیشی کر کے خریداروں کو ضرر پہنچایا جاتا ہے، جبکہ ایسا کرنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ○ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ○ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ○ ﴾

"ہلاکت و بربادی ہے ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۔ جو جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب انھیں ماپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔" ③

4 ضروری ساز وسامان کی قیمت بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر مقرر کر کے صارفین کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ بیچنے والے لوگ خود اپنے لیے یہ پسند نہیں کرتے کہ انھیں ان کی ضرورت کا ساز وسامان مہنگے داموں ملے۔ لہٰذا وہ اپنے بھائیوں کے لیے اِس چیز کو کیسے پسند کرتے ہیں؟ جبکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی جو ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں، یہاں آپ کو دوبارہ اس کی یاد دہانی کراتے چلیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ))

"تم میں سے کوئی شخص ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔" ④

5 بعض اوقات بائع کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے ساز وسامان کی قیمت کم سے کم لگا کر اسے نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ اخوت و بھائی چارہ کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس کے تقاضوں میں سے

① صحیح مسلم: 102. ② سنن ابن ماجه: 2246 وصححه الألباني. ③ المطففين 83: 1-3. ④ صحیح البخاري: 13 وصحیح مسلم: 45.

ایک تقاضا یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا خیر خواہ ہو۔ جبکہ مجبور آدمی کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا اس کی خیر خواہی نہیں بلکہ بدخواہی ہے۔ اور یہ کسی بھی مسلمان کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے۔

6 خوردنی اشیاء کو ضرورت کے وقت سٹور کر کے صارفین کو شدید نقصان سے دوچار کیا جاتا ہے۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ)) ''ایک گناہ گار ہی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے۔''[1]

7 بولی کی بیع میں خریدار کو دھوکہ دینے کے لیے بائع کے کچھ ایجنٹ وغیرہ اس کے ساز وسامان کی قیمت خواہ مخواہ بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ جس سے ان کا مقصد خریدار کو زیادہ سے زیادہ قیمت پر پھانسنا ہوتا ہے۔ اِس بیع کے ذریعے یقینی طور پر خریداروں کو نقصان ہوتا ہے۔ جس سے رسول اکرم ﷺ نے منع کیا ہے۔

8 بعض لوگ اپنے کسی کام کے لیے کچھ مزدور لاتے ہیں اور انھیں ایک مقررہ مقدار میں مزدوری دینے کا وعدہ کر کے ان سے کام لے لیتے ہیں، پھر جب مزدوری دینے کا وقت آتا ہے تو وہ انھیں مزدوری نہیں دیتے اور کل پرسوں آنے کا کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ اس کے بعد انھیں خوب ذلیل وخوار کرتے ہیں۔ اِس سے یقینی طور پر مزدوروں کا نقصان ہوتا ہے۔ اور ایسا کرنا حرام ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ))

''مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خوشک ہونے سے پہلے دے دیا کرو۔''[2]

9 بعض لوگ قرض لے کر اسے اس کے مقرر شدہ وقت پر ادا نہیں کرتے۔ بلکہ خواہ مخواہ ٹال مٹول کرتے اور اپنے ان محسنوں کو ذلیل کرتے ہیں جو انھیں قرضہ دے کر ان پر احسان کرتے ہیں۔ اور اِس سے یقینی طور پر قرضہ دینے والوں کو ضرر پہنچایا جاتا ہے جو کہ حرام ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ ---))

''مالدار آدمی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔''[3]

10 بعض لوگ لین دین کے معاملات میں کاتب یا گواہ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کاتب کو جھوٹ لکھنے اور گواہ کو جھوٹی گواہی دینے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ پھر کاتب کو اس کا معاوضہ ادا نہیں کیا جاتا یا پورا نہیں دیا جاتا۔ اِس سے یقینا ان دونوں کو ضرر پہنچتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِن تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ﴾

[1] صحيح مسلم: 1605. [2] سنن ابن ماجه: 2443، وصححه الألباني. [3] صحيح البخاري: 2400، وصحيح مسلم: 1564.

’’اور نہ کاتب کو ضرر پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو۔ اور اگر تم ایسا کرو گے تو گناہ کرو گے۔‘‘[1]

خاوند بیوی کا ایک دوسرے کو ضرر پہنچانا

شریعت میں خاوند بیوی کے حقوق وفرائض متعین کر دیے گئے ہیں۔ اگر دونوں فریق اپنے اپنے فرائض پوری دیانتداری کے ساتھ ادا کرتے رہیں تو ازدواجی زندگی بہت خوب گزرتی ہے۔ لیکن اگر دونوں میں سے کسی ایک کی طرف سے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی ہو تو ازدواجی زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔ اور جس فریق کی طرف سے کوتاہی ہوتی ہے وہ اپنی کوتاہی کے ساتھ دوسرے فریق کو ضرر پہنچاتا ہے۔ اور چونکہ ایسی کوتاہی عموما خاوند کی جانب سے ہوتی ہے، اس لیے ہم پہلے بیوی کو ضرر پہنچانے کی چند صورتیں عرض کرتے ہیں۔

1. خاوند پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھے اور بھلے طریقے سے بود و باش اور رہنا سہنا رکھے تاکہ دونوں کی زندگی خوشگوار انداز سے گزرتی رہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾

’’اور ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمھیں ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز تمھیں تو ناگوار ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت بھلائی رکھ دی ہو۔‘‘[2]

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((اِسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا))

’’تم عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو۔‘‘[3]

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اِس واضح حکم کے باوجود کئی لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے، بلکہ بدسلوکی کرتے ہیں اور بغیر کسی سبب کے انھیں نقصان پہنچاتے ہیں۔ ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا یقینا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے واضح احکامات کے خلاف ہے۔

2. ایک آدمی اپنی بیوی کو نہ گھر میں بسانے پر آمادہ ہو اور نہ اسے طلاق دینے پر تیار ہو۔ اِس سے اس کی بیوی کو یقینا ضرر پہنچتا ہے کیونکہ وہ درمیان میں لٹکی رہتی ہے، نہ اپنے خاوند کے پیار و محبت کو حاصل کر پاتی ہے اور نہ ہی وہ اِس سے آزاد ہو کر دوسرے خاوند سے شادی کر سکتی ہے۔ اور اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے:

﴿وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ﴾

جو شخص ایسا کرے گا تو وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا۔‘‘[4]

[1] البقرۃ 2:282. [2] النساء 4:19. [3] صحیح مسلم: 1468. [4] البقرۃ 2:231.

3 ایک شخص اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لیتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ چار ماہ تک اُس سے دور رہ سکتا ہے۔لیکن اگر وہ اس سے زیادہ عرصے تک اس کے قریب نہ جانے کی قسم کھالے یا وہ قسم تو چار ماہ کی ہی کھائے لیکن چار ماہ گزرنے کے باوجود بھی اس کے پاس نہ جائے تو یقینا اس سے اس کی بیوی کو ضرر پہنچتا ہے۔

4 ایک آدمی اپنے گھر سے دور کسی دوسرے شہر یا کسی دوسرے ملک میں کام کرتا ہو۔ اور استطاعت کے باوجود لمبے عرصے تک اپنی بیوی کے پاس نہ جاتا ہو تو اِس میں بھی بیوی کو یقینا ضرر پہنچتا ہے۔

5 بیوی کا نان ونفقہ خاوند کے ذمہ ہے۔ اگر خاوند اس کا جائز نان ونفقہ اسے نہ دے تو اس میں یقینا اس کے لیے ضرر ہے۔

بیوی کو نقصان پہنچانے کی اِن تمام صورتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ کیونکہ نقصان پہنچانا حرام ہے۔

اسی طرح بعض بیویاں بھی اپنے خاوندوں کو ضرر پہنچاتی ہیں۔ مثلا ان کی خدمت نہیں کرتیں ، یا ان سے بدکلامی کرتی ہیں اور ان کا ادب واحترام نہیں کرتیں ، یا انھیں استمتاع کا موقع نہیں دیتیں ، یا نا جائز خرچوں کا مطالبہ کر کے انھیں پریشان کرتی ہیں ، یا ان کا مال ان کی اجازت کے بغیر برباد کردیتی ہیں .... یہ اور اِس طرح کی دیگر تمام صورتیں جن میں خاوند کو ضرر پہنچایا جاتا ہے ، ممنوع ہیں۔ لہٰذا ان سے بچنا ضروری ہے۔

وصیت میں ضرر پہنچانا

بعض لوگ مرنے سے پہلے وصیت میں ظلم کر جاتے ہیں۔

مثلا کسی وارث کے حق میں وصیت کر جاتے ہیں۔ جس سے دیگر ورثاء کو ضرر پہنچتا ہے۔

جبکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ((إِنَّ اللهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ))
''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کا حق مقرر کر دیا ہے۔ لہٰذا وارث کے لیے وصیت نہیں ہے۔''[1]

یا وصیت ایک تہائی سے زیادہ کی کر جاتے ہیں۔ اس سے بھی ورثاء کو ضرر پہنچتا ہے۔

جبکہ رسول اکرم ﷺ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو زیادہ سے زیادہ ایک تہائی حصے کی وصیت کرنے کی اجازت دی تھی بلکہ اسے بھی آپ ﷺ نے 'کثیر' قرار دیا۔[2]

وصیت میں بعض ورثاء پر ظلم کرنا اور انھیں ضرر پہنچانا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اِس طرح کی ظالمانہ وصیت کی وجہ سے وصیت کرنے والا زندگی بھر کے اعمال برباد کر بیٹھتا ہے۔

اور اللہ رب العزت نے وصیت میں ضرر پہنچانے سے منع کیا ہے۔ اس کا فرمان ہے:

[1] سنن أبي داود: 2872، و سنن النسائي: 3641. وصححه الألباني. [2] صحيح البخاري: 2742، و صحيح مسلم: 1628.

﴿مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُوصَىٰ بِهَآ أَوۡ دَيۡنٍ غَيۡرَ مُضَآرّٖ﴾

''یہ تقسیم وصیت کی تعمیل اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد ہوگی۔ اس میں کسی کو نقصان نہ پہنچے۔'' ①

پڑوسیوں کو ضرر پہنچانا

بعض لوگ اپنے پڑوسیوں کے حقوق کا خیال نہیں کرتے اور انھیں کسی نہ کسی طرح سے نقصان اور اذیت پہنچاتے رہتے ہیں۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ۔۔۔))

''جو شخص اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ خیر ہی کی بات کرے، ورنہ خاموش رہے۔ اور جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے............'' ②

اِس حدیث کو بخاری ومسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مختلف طرق کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس کے بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں: ((فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ)) ''تو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔'' ③

پڑوسی کو اذیت پہنچانا حرام ہے کیونکہ کسی عام آدمی کو نا جائز طور پر تکلیف پہنچانا تو حرام ہے ہی لیکن پڑوسی کے حق میں اس کی حرمت اور زیادہ سخت ہے۔

اور صحیح بخاری میں ابو شریح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ ، وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ ، وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ))

''اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا۔''

پوچھا گیا: یا رسول اللہ! کون؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَلَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ))

''جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔'' ④

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو بتایا گیا کہ فلاں عورت رات کو قیام کرتی اور دن کو روزہ رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کئی نیک کام اور صدقہ وغیرہ بھی کرتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنی زبان کے ساتھ اپنے پڑوسیوں کو ایذاء بھی پہنچاتی ہے۔ تو آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔ وہ جہنم والوں میں سے ہے۔'' پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو بتایا کہ فلاں عورت صرف فرض نمازیں پڑھتی ہے، رمضان کے

① النساء4:12. ② صحيح البخاري:6018، 6019، وصحيح مسلم:47. ③ صحيح البخاري:6474. ④ صحيح البخاري:6016.

روزے رکھتی ہے، پنیر کے ٹکڑوں ساتھ صدقہ کرتی ہے، اس کے علاوہ کوئی اور عبادت نہیں کرتی۔ لیکن وہ کسی پڑوسی وغیرہ کو ایذاء نہیں پہنچاتی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ جنت والوں میں سے ہے۔''[1]

اور صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدُكُمْ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً عَلَى جِدَارِهِ))

''تم میں سے کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اس سے منع نہ کرے کہ وہ اس کی دیوار میں لکڑی گاڑے۔''[2]

خلاصہ یہ ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو ضرر پہنچانے سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔

عام مسلمانوں کو ضرر پہنچانا

بعض لوگ اپنے مسلمان بھائیوں کو ضرر پہنچاتے ہیں۔ اور اس کی متعدد صورتیں ہیں۔ مثلاً

1. مسلمانوں کی عام گزرگاہوں اور ان کے عام راستوں پر گندی اور تکلیف دہ چیزیں پھینک دیتے ہیں جس سے گزرنے والے ہر انسان کو ضرر پہنچتا ہے۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ فِي الطُّرُقَاتِ))

''تم راستوں پر بیٹھنے سے بچو۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے لیے مجلسیں ضروری ہیں جن میں بیٹھ کر ہم ایک دوسرے سے تبادلۂ خیال کرتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((إِذَا أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ))

''اگر تم ضرور بیٹھنا چاہتے ہو تو راستے کا حق ادا کیا کرو۔''

انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! راستے کا حق کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((غَضُّ الْبَصَرِ ، وَكَفُّ الْأَذَى ، وَرَدُّ السَّلَامِ ، وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ))

''نظروں کو جھکانا، کسی کو تکلیف نہ پہنچانا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔''[3]

لہٰذا راستے کے ان حقوق کا خیال رکھنا چاہیے۔

2. بعض لوگ عمومی گزرگاہوں اور راستوں پر قضائے حاجت کرتے ہیں جس سے گزرنے والوں کو یقیناً ضرر پہنچتا ہے۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((اِتَّقُوا اللَّعَّانَيْنِ)) ''تم لعنت کا سبب بننے والے دو امور سے بچتے رہنا۔''

[1] مسند أحمد: 440/2، المستدرك للحاكم: 166/4. [2] صحيح البخاري: 2463، وصحيح مسلم: 1609- واللفظ له.
[3] صحيح البخاري: 6229، صحيح مسلم: 2121.

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: یا رسول اللہ! وہ دو کام کیا ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلَّذِي يَتَخَلّٰى فِي طَرِيقِ النَّاسِ أَوْ فِي ظِلِّهِمْ))

''لوگوں کے راستوں پر پیشاب پاخانہ کرنا یا ان کی وہ سایہ دار جگہ جہاں وہ آرام کرتے ہیں اس پر قضائے حاجت کرنا۔''[1]

3 سرکاری محکموں میں کام کرنے والے حضرات عام لوگوں کے مختلف کاموں کو آسان سے آسان تر کرنے کی بجائے ان میں رکاوٹ بنتے ہیں یا انھیں خواہ مخواہ لیٹ کرتے ہیں اور انھیں اِدھر اُدھر رسوا کرتے ہیں۔ جو کام چند منٹوں میں ہوسکتا ہے اس پر کئی کئی گھنٹے لگا دیتے ہیں۔ اور جو کام چند گھنٹوں میں ہوسکتا ہے اسے وہ کئی کئی دن تک گھسیٹتے ہیں۔ اور جو کام دو چار دنوں میں مکمل ہوسکتا ہے اسے وہ مہینوں میں مکمل کرتے ہیں۔ اِس سے یقینا عام لوگوں کو بے جا طور پر ضرر پہنچتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عام مسلمانوں کو ضرر پہنچانے سے مکمل طور پر بچنا چاہیے۔ کیونکہ سچا مسلمان تو ہوتا ہی وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے دیگر مسلمان محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

محترم حضرات! آخر میں ہم ایک ایسے کام کا ذکر کرتے ہیں کہ جس سے اپنے آپ کو اور دوسروں کو بیک وقت ضرر پہنچتا ہے۔ اور وہ ہے سگریٹ نوشی۔

سگریٹ نوشی ایسا مرض ہے کہ ہمارے معاشرے میں بری طرح سے پھیلا ہوا ہے۔ اور باوجود اِس کے کہ خود سگریٹ نوشی کرنے والے بھی مانتے ہیں کہ اس سے انھیں اور جن کو ان کی سگریٹ کا دھواں جاتا ہے، سب کو ضرر پہنچتا ہے، پھر بھی وہ سگریٹ نوشی کو پوری ڈھٹائی سے جاری رکھنے پر بضد ہیں۔ جبکہ سگریٹ نوشی قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح طور پر حرام ہے۔

سب سے پہلے یہی حدیث جو آج ہمارے خطبۂ جمعہ کا موضوع ہے یعنی ((لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ))، اِس سے پتہ چلتا ہے کہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو ضرر پہنچانا حرام ہے۔

اِس کے علاوہ قرآن وحدیث کے دیگر دلائل بھی ہم اختصار کے ساتھ پیش خدمت کرتے ہیں۔

1 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾

''اور وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں۔''[2]

[1] صحیح مسلم:269. [2] الأعراف7:157.

جبکہ سگریٹ گندی' بدبودار اور نقصان دہ چیزوں میں سے ایک ہے۔

2 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ﴾
''اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔''[1]
جبکہ سگریٹ کینسر وغیرہ جیسی مہلک بیماریوں کا سبب بنتی ہے۔

3 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ﴾ ''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔''[2]
جبکہ سگریٹ نوشی جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔

4 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
﴿ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ﴾
''اور فضول اور بے جا خرچ نہ کرو۔ بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہوتے ہیں۔''[3]
جبکہ سگریٹ نوشی کرنے میں مال برباد ہوتا ہے۔

5 رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:
((إنَّ اللّٰهَ كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا : قِيلَ وَقَالَ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ))
''بے شک اللہ تعالیٰ کو تمھاری تین چیزیں ناپسند ہیں: فضول گفتگو، مال ضائع کرنا اور زیادہ سوالات کرنا۔''[4]
جبکہ سگریٹ نوشی سے مال ضائع ہوتا ہے۔
رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((كُلُّ أُمَّتِي مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ))
''میری امت کے سارے لوگوں کو معاف کر دیا جائے گا سوائے ان کے جو کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں۔''[5]
یعنی تمام صحیح مسلمانوں کو جب اللہ چاہے گا معاف کر دے گا، لیکن کھلم کھلا گناہ کرنے والوں کو جیسا کہ سگریٹ نوشی کرنے والے ہیں انھیں معاف نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ سب کے سامنے سگریٹ نوشی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اور دوسروں کو بھی اس برے کام پر حوصلہ دلاتے ہیں۔

6 رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:
((مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا وَلْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا وَلْيَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ))
''جو شخص (کچا) لہسن یا پیاز کھالے تو وہ ہمارے قریب نہ آئے اور ہماری مسجد سے دور رہے۔ اور اپنے گھر

[1] البقرة 2:195. [2] النساء 4:29. [3] الإسراء 17:26,27. [4] صحيح البخاري، وصحيح مسلم. [5] صحيح البخاري، وصحيح مسلم.

میں بیٹھا رہے۔'' [1]

جبکہ سگریٹ کی بدبو لہسن اور پیاز سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے!!

7 رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((مَا أَسْكَرَ كَثِيْرُهُ فَقَلِيْلُهُ حَرَامٌ))

''جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔'' [2]

جبکہ سگریٹ کی زیادہ مقدار نشہ آور ہوتی ہے۔ خاص طور پر ایسے شخص کے لیے جو اس کا عادی نہ ہو۔

قرآن وحدیث کے دلائل کے بعد دو عقلی دلائل

8 اگر آپ کے منہ پر کوئی شخص پھونک مار دے تو آپ اس سے لڑنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ یا اسے پاگل سمجھ کر نظر انداز کر دیں گے۔ تو اس شخص کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے جو آپ کے منہ میں بدبودار اور زہر آلود دھواں چھوڑتا رہتا ہے؟ فیصلہ آپ خود کر لیں۔

9 کوئی شخص اگر ایک روپے کو آگ لگا کر جلا ڈالے تو آپ اسے پاگل کہنے میں دیر نہیں لگائیں گے۔ تو اس شخص کے متعلق آپ کیا کہیں گے جو ہزاروں روپے سے سگریٹ خریدتا ہے۔ پھر انھیں سلگا کر پھونک دیتا ہے۔ اور گویا اپنے ہاتھوں انھیں آگ لگا دیتا ہے؟ اس کا بھی فیصلہ آپ خود کر لیں۔

محترم حضرات! جو دس دلائل ہم نے ذکر کیے ہیں ان سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ سگریٹ نوشی حرام ہے اور یہ نہ صرف سگریٹ نوشی کرنے والوں کے لیے مضر ہے بلکہ ان کے لیے بھی شدید ضرر کا باعث بنتی ہے جن کو اس کا زہر آلود دھواں پہنچتا ہے۔ اس کے علاوہ سگریٹ نوشی کرنے والے لوگ ان فرشتوں کے لیے بھی اذیت کا سبب بنتے ہیں جو ان کے اعمال کو نوٹ کرنے پر مامور ہیں۔ کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ فرشتوں کو بھی ہر اس چیز سے اذیت پہنچتی ہے جس سے بنو آدم کو اذیت پہنچتی ہے۔ لہٰذا جو لوگ اس خطرناک مرض میں مبتلا ہیں انھیں فوری طور پر توبہ کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق دے۔

محترم حضرات! آج جس حدیث کو ہم نے موضوعِ خطبہ بنایا اس کی رو سے ضرر پہنچانے کی تمام صورتیں حرام ہیں۔ اپنے آپ کو بھی اور دوسروں کو بھی۔ قصداً بھی اور بغیر قصد کے بھی۔ لہٰذا ایسی تمام صورتوں سے پرہیز کرنا چاہیے جن میں اپنا ضرر ہو یا دوسروں کا ہو۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس کی توفیق دے۔

[1] صحيح البخاري، وصحيح مسلم. [2] مسند أحمد بإسناد صحيح.

آلاتِ موسیقی اور گانا بجانا .... ایک بہت بڑی لعنت!

اہم عناصرِ خطبہ

1. حرمتِ آلاتِ موسیقی وگانا بجانا
2. قرآن وحدیث میں حرمتِ موسیقی کے دلائل
3. موسیقی کے بارے میں ائمہٗ اربعہ کا موقف
4. موسیقی کے نقصانات
5. کیا موسیقی روح کی غذا ہے!
6. موسیقی کے جواز کا فتوی دینے والے لوگوں کے بعض شبہات اور ان کا جواب
7. 'دف' کے استعمال کی شرعی حدود و قیود
8. موسیقی کے متعلق اہلِ ایمان کا موقف کیا ہونا چاہیے؟

پہلا خطبہ

محترم حضرات! جیسے جیسے ہم عہدِ نبوت سے دور ہوتے جا رہے ہیں ویسے ویسے دین کی اجنبیت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور لوگ دین اسلام سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اس کا اہم سبب یہ ہے کہ لوگ دینی علم کی طرف متوجہ نہیں ہو رہے، ان کی پوری توجہ دنیاوی علم اور اعلی سے اعلی ڈگریوں کے حصول پر مرکوز ہے۔ ان کا مطمع نظر زیادہ سے زیادہ دنیاوی آسائشوں کو حاصل کرنا اور اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے مستقبل کو زیادہ سے زیادہ 'محفوظ' بنانا ہے۔ ان کی تمنا ہے کہ 'بنک بیلنس' اتنا ہو جائے کہ آنے والی نسل کی ضرورتوں کے لیے پورا ہو جائے! وہ اپنی ان بڑی بڑی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے جو جد وجہد اور تگ ودو کر رہے ہیں اور جس طرح دن رات محنت کر رہے ہیں اس کی وجہ سے وہ دین سے مکمل طور پر یا کافی حد تک غافل ہو چکے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ وہ اور ان کے اہل وعیال دین کے بنیادی مسائل اور حلال وحرام کے بارے میں بالکل جاہل ہیں۔

اِس پر مستزاد یہ کہ منبر ومحراب کے متولی حضرات میں سے بہت سارے لوگوں نے اپنے خطبات وغیرہ میں سامعین کرام کو قصوں، کہانیوں کا عادی بنا دیا ہے اور دین کے بنیادی اور اہم ترین مسائل پر بہت کم گفتگو فرماتے ہیں۔ اور ان میں سے کئی لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو حق گوئی سے کام نہیں لیتے اور لوگوں کی خواہشات کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے مزاج اور شوق کے مطابق ہی بات کرتے ہیں۔ اور چونکہ پیٹ بھی ساتھ لگا ہوا ہے اور بیوی بچوں کی ضرورتوں کو بھی پورا کرنا ہوتا ہے اس لیے وہ سامعین کے مزاج کے خلاف بات کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے !! انھی حضرات کے 'کتمانِ حق' کی وجہ سے گمراہی ہے کہ بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ طوفان بدتمیزی ہے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہا! اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ انھی میں سے کئی لوگ حرام کو حرام کہنے کی بجائے حرام کو حلال کہنے کی بھی جسارت کر جاتے ہیں! یوں وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کی بھی گمراہی کا سبب بنتے ہیں۔

اِس کے علاوہ 'میڈیا' آج کل اتنی ترقی کر چکا ہے کہ ایک ہی ملک میں بیسیوں چینل مختلف ناموں کے ساتھ زہر افشانی کر رہے ہیں۔ اور ملکی چینلز کے علاوہ غیر ملکی چینلز بھی بہت زیادہ ہیں جن کے ذریعے مغربی ثقافت کی تباہ کن یلغار ہے اور اخلاق وکردار کا جنازہ نکل رہا ہے! اور نہایت دکھ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ان ملکی وغیر ملکی ٹی وی چینلز تک رسائی بھی بہت آسان کر دی گئی ہے۔ چنانچہ دور دراز کے علاقوں میں بھی 'کیبل' اور 'سیٹلائٹ' کے ذریعے ان کی نشریات نہایت آسانی کے ساتھ پہنچ رہی ہیں۔ چوبیس گھنٹے 'نیوز چینلز' 'انٹرٹینمنٹ چینلز' 'سپورٹس چینلز' وغیرہ کے ذریعے بے حیائی کا وہ سیلِ رواں ہے کہ اللہ کی پناہ! نیوز ہوں، ٹاک شوز ہوں، میچز ہوں، انٹرٹینمنٹ کے مختلف پروگرامز ہوں .... ہر ایک میں یہ چینلز کسی نہ کسی طرح بے حیائی اور بے غیرتی کو خوب ہوا دے رہے ہیں۔ جس کے نتیجے میں لوگ بڑی تیزی کے ساتھ دین سے برگشتہ ہو رہے ہیں، فرائضِ اسلام نَسْیًا مَّنْسِیًّا ہو رہے ہیں اور حرام کام رفتہ رفتہ حلال اور ناجائز امور آہستہ آہستہ جائز ہوتے جا رہے ہیں!

اسی طرح جدید وسائل مثلاً موبائل فون، ایم پی تھری (mp3)، ایم پی فور (mp4) اور سی ڈی پلیر وغیرہ جو آج کل تقریباً ہر شخص کے پاس موجود ہیں، ان کے ذریعے مزید آسانیاں ہوگئی ہیں اور 'انٹرٹینمنٹ' کے نام پر بہت ساری چیزیں جنھیں کچھ عرصہ قبل ہمارے بزرگوں کے دور میں بہت بڑا گناہ تصور کیا جاتا تھا، وہ آج کل جائز ہی نہیں بلکہ اِس دور کی اہم ترین ضرورت تصور کی جانے لگی ہیں!

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« لَتُنْقَضَنَّ عُرَى الْإِسْلَامِ عُرْوَةً عُرْوَةً ، فَكُلَّمَا نُقِضَتْ عُرْوَةٌ تَشَبَّثَ النَّاسُ بِالَّتِي تَلِيهَا ، فَأَوَّلُهَا نَقْضًا الْحُكْمُ وَآخِرُهَا الصَّلَاةُ »

''اسلام کے کڑوں کو ایک ایک کرکے توڑ دیا جائے گا۔ جب ایک کڑا ٹوٹے گا تو لوگ دوسرے کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ جو کڑا سب سے پہلے ٹوٹے گا وہ ہے: فیصلہ۔ اور سب سے آخری کڑا ہے: نماز'' [1]

اسلام کے جن کڑوں کو توڑ دیا گیا ہے انھی میں سے ایک حلال وحرام کا کڑا بھی ہے جس کو لوگوں نے چور چور کردیا ہے۔ حالانکہ تحلیل وتحریم کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ وہ جس چیز کو چاہے حلال قرار دے اور جس کو چاہے حرام قرار دے۔ اور کسی بھی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی منشاء کے مطابق کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دے۔ جو شخص ایسے کرے گا وہ یقینا اللہ تعالیٰ کی حدود کو پھلانگنے والا ہوگا۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

''اور جو شخص اللہ کی حدود کو پھلانگے گا تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔'' [2]

حلال وحرام کا ایک مسئلہ جس کو اس دور میں کھلونا بنا لیا گیا ہے اور جو آج ہمارے خطبۂ جمعہ کا موضوع ہے وہ ہے آلاتِ موسیقی اور گانے بجانے کا مسئلہ! چنانچہ بہت سارے لوگ نہ صرف ان چیزوں کو سرے سے حرام ہی نہیں سمجھتے بلکہ ستم ظریفی یہ ہے کہ کئی نام نہاد ''روشن خیال'' لوگوں نے ان کے جواز کے فتوے بھی جاری کر دیے ہیں! ان سے پوچھا جائے کہ کیا انھوں نے کسی دلیل کی بناء پر ان چیزوں کو حلال قرار دیا ہے؟ تو اگرچہ ان کی طرف سے جواب یہ ملے گا کہ ہاں فلاں فلاں دلیل کی بناء پر یہ فتوی جاری کیا گیا ہے، لیکن حقیقت میں ان کے یہ دلائل خود ساختہ ہیں اور وہ قطعا اس چیز پر دلالت نہیں کرتے کہ موسیقی حلال ہے۔ تو انھوں نے یہ فتوی کیوں جاری کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں نے ایسا عام لوگوں کا رجحان دیکھ کر اور اپنی خواہشِ نفس کی تسکین کی خاطر کیا ہے۔ جبکہ قرآن وحدیث میں آلاتِ موسیقی اور گانے بجانے کے حرام ہونے کے دلائل بالکل واضح ہیں اور ان میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے۔ ان دلائل کو ذکر کرنے سے پہلے ہم آپ کو یہ بتاتے چلیں کہ قرآن مجید کی جو آیات موسیقی کی تحریم پر دلالت کرتی ہیں وہ سب مکی آیات ہیں۔ جبکہ شراب کو مدینہ منورہ میں حرام کیا گیا۔ یعنی موسیقی کی تحریم شراب کی تحریم سے قبل نازل ہوئی، جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جس دل میں گانوں کی محبت ہو وہ اللہ رب العزت کی وحی کو سننے اور اس کے احکامات پر عمل کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے دین کے متعدد احکامات کو نازل کرنے سے قبل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کو موسیقی وغیرہ کی محبت سے پاک کرنا چاہا تاکہ جب اس کے احکامات نازل ہوں تو ان کے دل انھیں قبول کرنے کے لیے بالکل تیار ہوں۔

آیئے اب ان دلائل کا تذکرہ کرتے ہیں۔

[1] مسند أحمد بسند حسن. [2] البقرة 229:2.

قرآن مجید میں موسیقی کے حرام ہونے کے دلائل

پہلی آیت:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○﴾

''اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ سے غافل کرنے والی بات خرید لیتا ہے تاکہ بغیر علم کے اللہ کے بندوں کو اس کی راہ سے بھٹکائے اور اس راہ کا مذاق اڑائے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔ اور جب اس کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو مارے تکبر کے اس طرح منہ پھیر لیتا ہے کہ گویا اس نے انھیں سنا ہی نہیں، گویا کہ اس کے دونوں کان بہرے ہیں۔ لہٰذا آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجیے۔''[1]

ان آیات میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو 'اللہ سے غافل کرنے والی بات' کو اس لیے خرید لیتے ہیں کہ وہ لوگوں کو اللہ کے دین سے دور رکھیں اور دینِ الٰہی کا مذاق اڑائیں، تو ان جیسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے توہین آمیز عذاب کی وعید سنائی ہے۔

آیت کریمہ میں ﴿لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ ''اللہ سے غافل کرنے والی بات'' سے مراد گانا بجانا اور موسیقی ہے۔ متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی یہی تفسیر کی ہے۔

1. حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو کہ اولیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، علماء صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور فتوی دینے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک جلیل القدر صحابی تھے، ان سے جب اِس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ((اَلْغِنَاءُ وَاللهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ)) يُرَدِّدُهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ

''اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! اس سے مراد گانا ہے۔'' انھوں نے تین مرتبہ اسی طرح کہا۔[2]

2. ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جن کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی تھی کہ ((اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ التَّأْوِيلَ وَفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ)) ''اے اللہ! اسے قرآن کی تفسیر کا علم دے اور اسے دین کی سمجھ نصیب فرما۔'' وہ بھی اس آیت کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ ﴿لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ سے مراد گانے گانا اور ان کا سننا ہے۔[3]

3. حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما نے بھی ﴿لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ کی تفسیر یہی کی ہے کہ اس سے مراد گانے گانا اور ان

---

① لقمان 31:6,7. ② تفسیر ابن جریر: 72/21، ابن ابی شیبہ: 309/6 وسندہ حسن. ③ تفسیر ابن جریر- ج 21، ص: 72، ابن ابی شیبہ- ج 6، ص: 310.

کا سننا ہے۔ [1]

اسی طرح تابعین عظام رحمہم اللہ بھی اس کی تفسیر یہی کرتے تھے۔ چنانچہ امام مجاہد بن جبر المکی ، جو علم تفسیر کے مشہور عالم تھے اور ان کے بارے میں امام سفیان رحمہ اللہ نے کہا تھا کہ ((إِذَا جَاءَكَ التَّفْسِيرُ عَنْ مُجَاهِدٍ فَحَسْبُكَ بِهِ))

''جب تمھارے پاس مجاہد رحمہ اللہ کی تفسیر آئے تو بس وہی تمھارے لیے کافی ہے۔''

کیونکہ مجاہد رحمہ اللہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد تھے اور انھوں نے قرآن مجید کی تفسیر انھی سے سیکھی تھی ، وہ کہتے تھے کہ ﴿لَهْوَ الْحَدِيثِ﴾ سے مراد گانے اور ہر بے ہودہ کلام کو سننا ہے۔

ایک روایت میں ان کے الفاظ یہ ہیں :

((إِشْتِرَاءُ الْمُغَنِّي وَالْمُغَنِّيَةِ بِالْمَالِ الْكَثِيرِ . أَوِ اسْتِمَاعٌ إِلَيْهِ أَوْ إِلَى مِثْلِهِ مِنَ الْبَاطِلِ))

'' ﴿لَهْوَ الْحَدِيثِ﴾ کو خریدنے سے مراد گانا گانے والے مرد یا گانا گانے والی عورت کو مالِ کثیر کے بدلے خریدنا، یا گانے سننا یا اس جیسے کسی اور باطل امر کی طرف متوجہ ہونا ہے۔'' [2]

اس کے علاوہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک اور قابل قدر شاگرد جناب عکرمہ رحمہ اللہ بھی یہی کہتے تھے کہ اس سے مراد گانا ہے۔ [3]

امام ابن جریر الطبری اپنی تفسیر میں یہ سارے اقوال ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہر وہ بات ہے جو اللہ کے دین سے غافل کرنے والی ہو، جس کو سننے سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا ہے .... اور گانا اور شرک بھی اسی میں سے ہے۔ [4]

لہٰذا جو شخص بھی گانے سنتا اور سناتا ہو یا رقص وسرور کی محفلوں میں شرکت کرتا ہو یا گھر میں بیٹھ کر ایسی محفلوں کا نظارہ کرتا ہو تو اس کے لیے اس آیت کے مطابق رسوا کن عذاب ہے۔ والعیاذ باللہ

دوسری آیت :

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو جنت سے نکالتے ہوئے فرمایا تھا :

﴿وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ أَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَ الْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُورًا۝﴾

''اور ان میں سے جس پر تیرا زور چلے اپنی آواز کے ساتھ اسے بہکا لے۔ اور ان پر اپنے سوار و پیادہ لشکر کو

[1] تفسیر ابن جریر۔ ج 21، ص: 73 وإسنادہ حسن. [2] تفسیر ابن جریر۔ ج 21، ص: 73 بإسناد صحیح. [3] تفسیر ابن جریر، ج 21، ص: 74. [4] تفسیر ابن جریر۔ ج 21، ص: 74.

دوڑا لے۔ اور ان کے مالوں اور اولاد میں شریک ہو لے اور ان سے وعدے کر لے۔ اور شیطان ان سے جو وعدے کرتا ہے وہ سراسر دھوکہ ہے۔''[1]

اس آیت کریمہ میں ﴿بِصَوْتِكَ﴾ ''اپنی آواز'' سے مراد موسیقی کی آواز ہے جس کے ساتھ شیطان انسانوں کو بہکاتا ہے۔ اور وہ انھیں اللہ تعالیٰ کے دین سے دور رکھنے اور انھیں اس کے ذکر سے غافل کرنے کے لیے انھیں اپنی سریلی آوازوں میں مگن کر دیتا اور راگ گانوں کا دلدادہ بنا دیتا ہے۔

امام مجاہد بن جبر المکی رحمہ اللہ ((بِصَوْتِكَ)) کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں: ((بِاللَّهْوِ وَالْغِنَاءِ))''بے ہودہ کلام اور موسیقی کے ساتھ'' یعنی اے ابلیس! تو انسانوں میں سے جس پر قدرت حاصل کر لے اسے ہر قسم کے بے ہودہ کلام اور موسیقی وغیرہ کے ساتھ بہکا لے۔[2]

تیسری آیت:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ○ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ○ وَأَنتُمْ سَامِدُونَ ○﴾

''کیا تم لوگ اِس بات (قرآن مجید) کو سن کر تعجب کرتے ہو؟ اور ہنستے اور روتے نہیں ہو؟ اور غفلت میں مبتلا ہنس کھیل رہے ہو؟''[3]

اِس آیت کریمہ میں کفار کو توبیخ ہو رہی ہے کہ تم قرآن مجید کو سن کر تعجب کا اظہار کرتے ہو اور اس کا مذاق اڑاتے ہوئے ہنستے رہتے ہو؟ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ تم اسے سن کر اس سے متاثر ہوتے اور رو دیتے۔ لیکن تم اس کے برعکس ہنس کھیل رہے ہو اور تمھارے اوپر اس کا ذرا سا بھی اثر نہیں ہوتا؟

﴿وَأَنتُمْ سَامِدُونَ ○﴾ کا معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ کرتے ہیں کہ ''تم گانے سنتے رہتے ہو'' کیونکہ کفار مکہ جب قرآن سنتے تھے تو گانا بجانا شروع کر دیتے تھے اور کھیل تماشے میں مگن ہو جاتے تھے۔ اہلِ یمن کی زبان میں سَمَد گانے کو کہتے ہیں۔[4]

تو اللہ تعالیٰ نے اِس پر انھیں سختی سے ڈانٹا۔ اور اس کے بعد اہل ایمان کو حکم دیا کہ ﴿فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ○﴾ ''پس تم اللہ ہی کے لیے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔'' یعنی تم اُن کافروں کی طرح نہ بنو جو قرآن کو سن کر اس کا مذاق اڑاتے ہیں، بلکہ تم قرآن مجید کو سن کر اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو جایا کرو اور اس کی عبادت میں مشغول رہا کرو۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو قرآن مجید کو چھوڑ کر گانے سننے پر سختی سے ڈانٹا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ گانے سننا اللہ کے نزدیک حرام ہے۔ اگر یہ حرام نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ انھیں اِس فعل پر نہ ڈانٹتا۔

[1] الإسراء 64:17. [2] تفسیر ابن جریر، ج 15، ص: 136 وإسناده صحيح. [3] النجم 53:59-61. [4] تفسیر ابن جریر الطبری، ج 27، ص: 96 بإسناد صحيح.

سامعین کرام! یہ تو تھے قرآنی دلائل جن سے ثابت ہوتا ہے کہ گانے گانا اور سننا حرام ہے۔

اب آیئے نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ سے یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے موسیقی اور اس کے آلات کے متعلق کیا ارشاد فرمایا۔ اور احادیث ذکر کرنے سے پہلے آپ کی معلومات کے لیے آپ کو بتاتے چلیں کہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ گانوں کی حرمت کے متعلق جو احادیث مروی ہیں وہ متواتر درجہ کی ہیں اور انھیں روایت کرنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد تیرہ ہے۔

حدیث نبوی میں موسیقی کے حرام ہونے کے دلائل

پہلی حدیث:

حضرت ابو عامر۔ یا ابو مالک۔ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَيَكُوْنَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ ، وَالْحَرِيْرَ ، وَالْخَمْرَ ، وَالْمَعَازِفَ»

''میری امت میں ایسے لوگ یقینا آئیں گے جو زنا، ریشم کا لباس، شراب اور آلاتِ موسیقی کو حلال تصور کر لیں گے۔''[1]

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ کئی لوگ ان چار چیزوں کو حلال تصور کر لیں گے حالانکہ یہ چاروں چیزیں دین اسلام میں حرام ہیں۔ چنانچہ اس دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ کئی ایسے لوگ موجود ہیں جو ان چیزوں کو حلال تصور کرتے ہیں۔ اور اس کے لیے انھوں نے بعض اہل علم کے کمزور اقوال کا سہارا لینے کی کوشش اور ابن حزم کی تقلید کرتے ہوئے صحیح بخاری کی اس حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کی سعی نا مشکور کی ہے۔ حالانکہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے جیسا کہ ہم بعد میں اس پر بات کریں گے۔ ان شاء اللہ

اِس حدیث میں ایک بات نہایت ہی قابل توجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے آلاتِ موسیقی کا ذکر زنا، ریشم کا لباس اور شراب نوشی جیسے کبیرہ گناہوں کے ساتھ کیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ جس طرح زنا کاری، مردوں کے لیے ریشم کا لباس پہننا اور شراب نوشی کرنا حرام ہے اسی طرح آلات موسیقی بھی حرام ہیں۔ اور جس طرح زنا کاری اور شراب نوشی کرنے سے اور مردوں کو ریشم کا لباس پہننے سے بہت بڑا گناہ ہوتا ہے اسی طرح گانا گانے اور سننے سے بھی بہت بڑا گناہ ہوتا ہے۔

دوسری حدیث:

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[1] صحيح البخاري:5590.

((لَيَشْرَبَنَّ أُنَاسٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ وَيُسَمُّونَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا ، يُعْزَفُ عَلَى رُؤُوسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْمُغَنِّيَاتِ، يَخْسِفُ اللهُ بِهِمُ الْأَرْضَ وَيَجْعَلُ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ))

''میری امت کے کچھ لوگ ضرور بالضرور شراب نوشی کریں گے اور شراب کا نام کوئی اور رکھ لیں گے۔ ان کے سروں کے پاس آلاتِ موسیقی بجائے جائیں گے اور گانے والیاں گائیں گی۔ اللہ تعالیٰ انھیں زمین میں دھنسا دے گا اور انھی میں سے کئی لوگوں کو بندر اور سور بنا دے گا۔'' ①

اِس حدیث میں نہایت سخت وعید ہے ان لوگوں کے لیے جو رقص وسرور کی محفلوں میں شریک ہوتے یا ایسی محفلوں کو ٹی وی یا کمپیوٹر کی سکرین پر دیکھتے ہیں۔ اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اِس طرح کی محفلیں بپا کرنا کہ جن میں گانے والیاں گانے گائیں اور شرکائے محفل شراب نوشی کریں، بہت بڑا گناہ ہے۔ اور ایسا کرنا یقینی طور پر حرام ہے۔ اگر یہ حرام نہ ہوتا تو اتنی بڑی وعید نہ ہوتی کہ ایسا کرنے والوں اور اس عمل کو حلال تصور کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ زمین میں دھنسا دے گا اور ان کی شکلوں کو بندروں اور سوروں کی شکل میں تبدیل کر دے گا۔

تیسری حدیث :

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْخَمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْكُوبَةَ وَقَالَ : كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ))

''بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر شراب، جوا اور ڈھول کو حرام کر دیا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔'' ②

اس حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ ڈھول وغیرہ کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

چوتھی حدیث :

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((سَيَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ خَسْفٌ وَقَذْفٌ وَمَسْخٌ . قِيلَ : وَمَتَى ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللهِ ؟ قَالَ: إِذَا ظَهَرَتِ الْمَعَازِفُ وَالْقَيْنَاتُ وَاسْتُحِلَّتِ الْخَمْرُ))

''آخری زمانے میں لوگوں کو زمین میں دھنسایا جائے گا، ان پر پتھروں کی بارش کی جائے گی اور ان کی شکلیں مسخ کی جائیں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایسا کب ہوگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آلاتِ موسیقی پھیل جائیں گے، گانے والیاں عام ہو جائیں گی اور شراب کو حلال سمجھا جائے گا۔'' ③

① سنن ابن ماجه: 4020، وصححه الألباني. ② سنن أبي داود: 3696، وصححه الألباني. ③ صحيح الجامع للألباني: 3665.

اِس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے پیشین گوئی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب آلاتِ موسیقی پھیل جائیں گے، گانے عام ہو جائیں گے اور شراب نوشی کو حلال تصور کر لیا جائے گا تو اُس وقت تین صورتوں میں اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب نازل ہوگا۔

پہلی صورت: لوگوں کو زمین میں دھنسایا جائے گا۔ یعنی زلزلوں کے ساتھ لوگ اپنے گھروں اور بڑی بڑی عمارتوں کے ساتھ زمیں بوس ہو جائیں گے۔

دوسری صورت: ان پر پتھروں کی بارش کی جائے گی۔

تیسری صورت: ان کی شکلوں کو مسخ کیا جائے گا۔

پانچویں حدیث:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((صَوْتَانِ مَلْعُونَانِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ : مِزْمَارٌ عِنْدَ نِعْمَةٍ وَرَنَّةٌ عِنْدَ مُصِيبَةٍ))

''دو آوازیں دنیا وآخرت میں ملعون ہیں: خوشی کے وقت گانے بجانے کی آواز اور مصیبت کے وقت رونے کی آواز۔''[1]

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے گانے بجانے کی آواز کو ملعون قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ آواز حرام ہے تو تبھی ملعون ہے! اگر یہ حرام نہ ہوتی تو ملعون بھی نہ ہوتی۔ لہٰذا اِس ملعون آواز سے بچنا اور اس سے اپنے کانوں کو دور رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

معزز سامعین! ان واضح ترین دلائل کے بعد اب کسی کے ذہن میں شک نہیں رہنا چاہیے اور اِس بات پر یقین کر لینا چاہیے کہ گانے گانا اور ان کا سننا حرام ہے۔

موسیقی کے بارے میں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا موقف

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اس بات پر متفق ہیں کہ گانے گانا اور موسیقی سننا حرام ہے۔ اور جو شخص گانے گاتا یا سنتا ہو وہ فاسق وفاجر ہے۔

1 امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: امام صاحب کے مقلدین (احناف علماء) نے اپنی کتب میں ثابت کیا ہے کہ گانے سننا فسق ہے اور گانوں کے ذریعے لذت حاصل کرنا کفر ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے سب سے بڑے شاگرد امام ابو یوسف رحمہ اللہ جو ہارون الرشید کے زمانے میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے وہ کہتے ہیں کہ اگر میں کسی گھر کے پاس سے گزرتے

[1] صحيح الجامع للألباني:3695.

ہوئے گانوں کی آواز سن لوں تو میں اس گھر میں بغیر اجازت کے داخل ہو جاتا ہوں اور گھر والوں کو اس سے منع کرتا ہوں کیونکہ برائی سے روکنا واجب ہے۔ اور گانے سننا بھی ایک برائی ہے۔

اور یہی وہ قاضی ابو یوسف ہیں جنھوں نے یہ حکم دیا تھا کہ ملک میں موجود ذمی لوگوں کو ساز و سوز، آلاتِ موسیقی اور ڈھول وغیرہ سے منع کیا جائے۔

میرے بھائیو! جب ذمی لوگوں کے لیے ان کا یہ حکم تھا تو اس سلسلے میں مسلمانوں کے لیے ان کا حکم کتنا سخت ہو گا!

2 امام مالک رحمہ اللہ : امام صاحب سے گانوں کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا:

((إِنَّمَا يَفْعَلُهُ الْفُسَّاقُ عِنْدَنَا))

''ہمارے ہاں (مدینہ منورہ میں) یہ کام صرف فاسق لوگ ہی کرتے ہیں۔''

اور ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے موسیقی کے متعلق سوال کیا تو آپ نے کہا: تمھارا کیا خیال ہے کہ یہ گانے قیامت کے روز باطل کے ساتھ ہوں گے یا حق کے ساتھ؟ تو اس نے کہا: باطل کے ساتھ ہوں گے۔ تب امام صاحب نے کہا: باطل کہاں جائے گا؟ جنت میں یا جہنم میں؟ اس نے کہا: جہنم میں۔ تو امام صاحب نے کہا: ((اِذْهَبْ فَقَدْ أَفْتَيْتَ نَفْسَكَ)) ''جاؤ، تم نے اپنے سوال کا جواب خود ہی دے دیا۔''

اور القاسم بن محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: ((اَلْغِنَاءُ بَاطِلٌ وَالْبَاطِلُ فِي النَّارِ)) ''گانا باطل ہے اور باطل جہنم میں ہے۔''

3 امام شافعی رحمہ اللہ : موصوف جب بغداد سے مصر کی طرف گئے تو انھوں نے کہا: میں بغداد سے نکل آیا ہوں اور میں اپنے پیچھے ایک چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں جسے چند زندیقوں نے اس لیے ایجاد کر لیا ہے کہ وہ اس کے ذریعے لوگوں کو قرآن سے دور کرنا چاہتے ہیں، وہ اس کا نام 'تغبیر' رکھتے ہیں۔ اور 'تغبیر' موسیقی کا ایک آلہ تھا۔

4 امام احمد رحمہ اللہ : امام صاحب کے صاحبزادے 'عبد اللہ' بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی سے گانے کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا: مجھے اچھا نہیں لگتا۔ اور گانا دل میں نفاق کو اُگاتا ہے جیسا کہ پانی سبزی کو اُگاتا ہے۔

اِس سے ثابت ہوا کہ چاروں ائمۂ کرام رحمہم اللہ کے نزدیک گانا بجانا اور گانے سننا حرام ہے۔

موسیقی اور گانوں کے نقصانات

ویسے تو موسیقی اور گانوں کے نقصانات بہت سارے ہیں، لیکن ہم یہاں ان میں سے چند ایک کا تذکرہ کرتے ہیں:

1 موسیقی نفاق پیدا کرتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ((اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ))

''گانا دل میں یوں نفاق پیدا کرتا ہے جیسے پانی کھیتی کو پیدا کرتا ہے۔''[1]

اور آج ہم خود اِس بات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ گانوں کے دلدادہ مسلمانوں میں سے بہت سارے لوگ ایسے ہیں جن میں منافقت پائی جاتی ہے۔ ان کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور ہوتا ہے۔

2 موسیقی اللہ کے دین سے دور کرتی ہے۔ کیونکہ موسیقی کی آواز شیطانی آواز ہے اور جس شخص کے کان موسیقی کے گرویدہ ہوتے ہیں وہ شیطان کا قیدی بن جاتا ہے۔ اور جو شخص شیطان کا قیدی ہوتا ہے وہ یقینی طور پر دین الٰہی سے غافل ہوتا ہے۔ اسی لیے آج ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ جو گانے اور موسیقی وغیرہ سننے کے اِس قدر شوقین ہوتے ہیں کہ انھیں گانے سنے بغیر نیند ہی نہیں آتی ، ان میں سے اکثر لوگ فجر کی نماز سے خصوصا اور باقی نمازوں سے عموما غافل رہتے ہیں اور دین کے اس بہت بڑے فریضے کی بالکل پروا ہی نہیں کرتے۔ اسی طرح دین کے باقی فرائض کے متعلق بھی وہ مجرمانہ غفلت برتتے ہیں۔ یہ غفلت کس بات کا نتیجہ ہے؟ یقینی طور پر یہ اِس بات کا نتیجہ ہے کہ شیطانی آوازیں سن سن کر شیطان ان پر غالب آچکا ہے اور اس نے انھیں رب العزت کے دین سے بالکل غافل کردیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ﴾

''شیطان ان پر مسلط ہوگیا ہے اور اس نے انھیں اللہ کی یاد سے غافل کردیا ہے۔ یہی لوگ شیطان کی پارٹی ہیں۔ خبردار! شیطان کی پارٹی کے لوگ ہی خسارہ پانے والے ہیں۔''[2]

3 موسیقی انسان کے شہوانی جذبات کو بھڑکا کر اسے بدکاری کی طرف لے جاتی ہے۔ کیونکہ موسیقی آج کل کے دور میں صرف گانوں کی آواز تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ اس سے کہیں آگے چلی گئی ہے۔ چنانچہ گانے والے اور گانے والیاں سب ایک ساتھ گاتے بھی ہیں اور ننگا ناچ بھی کرتے ہیں۔ فحش اور بے ہودہ حرکات کا ارتکاب بھی کرتے ہیں اور کھلے عام بے حیائی و بے غیرتی کی دعوت بھی دیتے ہیں۔ نیم برہنہ مغنّیات (گانے والیاں) گانے کے ساتھ ساتھ رقص بھی کرتی ہیں اور اس کے ذریعے دیکھنے والوں کو بہکانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی ہیں۔ اسی لیے الفضیل رحمہ اللہ کہا کرتے تھے: ((اَلْغِنَاءُ رُقْيَةُ الزِّنَا)) ''گانا بدکاری کا زینہ ہے۔''

یعنی بدکاری کی ابتداء گانوں سے ہوتی ہے۔ کیونکہ عام طور پر موسیقی کے ساتھ جو کچھ گایا اور کہا جاتا ہے وہ عشق ومحبت کے میٹھے میٹھے بولوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ معشوق یا معشوقہ کی وفا یا بے وفائی کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اگر سننے والا آدمی عشق میں ناکامی کا منہ دیکھ چکا ہو تو گانے اس کے زخموں کو تازہ کر دیتے ہیں۔ اگر موسیقی اور گانوں کو سننے والا شخص بے حیائی

[1] قال الألباني في تحريم آلات الطرب، ص:13 إسناده جيد. [2] المجادلة 19:58.

پر مشتمل مناظر کو بھی دیکھ رہا ہو تو وہ اور زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ اور اگر وہ ان چیزوں کو سننے اور دیکھنے کا عادی بن جائے تو ساز و سوز کا نشہ اس کی عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے اور اسے انتہائی اقدام پر آمادہ کرتا ہے۔ جب گانے سن کر اور حیا باختہ مناظر دیکھ کر اس کی شہوت بیدار ہوتی ہے تو وہ اسے پورا کرنے کے لیے اِدھر اُدھر کوشش کرتا ہے اور آخر کار بے حیائی کے ارتکاب سے بھی گریز نہیں کرتا۔

4 جس محفل میں گانے والے اور گانے والیاں اکٹھے ہوتے ہیں وہاں بے دریغ پیسہ برباد کیا جاتا ہے۔ چونکہ گانے والوں اور گانے والیوں کی طرف سے زرکثیر کا مطالبہ کیا جاتا ہے اس لیے ان کی محفلوں میں شرکت کے خواہشمند لوگوں کے لیے باقاعدہ ٹکٹ رکھا جاتا ہے اور بے بہا مال جمع کر کے منتظمین بھی اپنی جیبیں بھرتے ہیں اور فنکاروں کو بھی راضی کیا جاتا ہے۔ صرف گانے سننے اور فنکاروں کے رقص کا مشاہدہ کرنے کی خاطر لوگ اپنا سرمایہ ضائع کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ آڈیو اور ویڈیو کیسٹس اور سی ڈیز وغیرہ خرید کر بھی پیسہ برباد کیا جاتا ہے۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا إِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾

”بے شک تبذیر (ناجائز کاموں میں پیسہ ضائع) کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔“[1]

5 موسیقی فارغ اوقات کی بربادی کا بہت بڑا سبب ہے۔ جبکہ فارغ اوقات انسان کی زندگی کا ایک قیمتی حصہ ہیں اور ان کے بارے میں قیامت کے روز انسان سے پوچھ گچھ کی جائے گی کہ انھیں اللہ کی اطاعت میں لگایا تھا یا اس کی نافرمانی میں ضائع کر دیا تھا؟ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((لاَ تَزَالُ قَدَمَا عَبْدٍ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ أَرْبَعٍ : عَنْ عُمُرِهِ فِيْمَ أَفْنَاهُ ؟ وَعَنْ عِلْمِهِ مَا فَعَلَ فِيْهِ؟ وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيْمَ أَنْفَقَهُ ؟ وَعَنْ جِسْمِهِ فِيْمَ أَبْلَاهُ))

”کسی بندے کے قدم اس وقت تک نہیں ہل سکیں گے جب تک اس سے چار سوالات نہیں کر لیے جائیں گے: اس نے اپنی عمر کو کس چیز میں ختم کیا؟ اپنے علم پر کہاں تک عمل کیا؟ اور اس نے اپنا مال کہاں سے کمایا اور کس چیز میں خرچ کیا؟ اور اس نے اپنے جسم کو کس چیز میں بوسیدہ کیا؟“[2]

لہٰذا جو شخص موسیقی سنتے ہوئے اور موسیقی پر مشتمل متعدد پروگرام دیکھتے ہوئے روزانہ کئی کئی گھنٹے برباد کر دیتا ہو وہ یہ سوچ لے کہ قیامت کے روز اس سوال کا جواب کیا دے گا کہ تم نے اپنی عمر کو کس چیز میں ختم کیا؟

’فارغ وقت‘ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جس کی قدر و قیمت صرف وہ شخص جانتا ہے جو اِس نعمت سے محروم ہوتا

[1] الإسراء 27:17. [2] جامع الترمذي. بحواله صحيح الجامع للألباني: 7300.

ہے۔ لیکن بہت سارے لوگ اِس عظیم الشان نعمت کی قدر نہیں کرتے اور وہ اسے فضول و بے ہودہ کاموں میں ضائع کر دیتے ہیں۔ اور اِس لحاظ سے وہ یہ نعمت پا کر بھی خسارے میں رہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ : اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ))

''دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت سارے لوگ گھاٹے میں رہتے ہیں: تندرستی اور فارغ وقت۔''[1]

لہٰذا فارغ اوقات کو موسیقی وغیرہ میں برباد کرنے کی بجائے انھیں دینی لحاظ سے نفع بخش اور فائدہ مند کاموں میں مشغول کرنا چاہیے۔

دل کو بہلانے اور فارغ اوقات کو مشغول کرنے کا ذریعہ!

نام نہاد ''روشن خیال'' لوگوں کے فتوے کی بناء پر آج کل بہت سارے لوگ موسیقی کو دل کے بہلانے اور فارغ اوقات کو مشغول کرنے کا بہترین ذریعہ تصور کرتے ہیں! حالانکہ موسیقی دلوں کو مردہ کرتی اور فارغ اوقات کو برباد کرتی ہے۔ اسلام میں دلوں کو سکون پہنچانے اور فارغ اوقات کو مشغول کرنے کا بہترین ذریعہ قرآن مجید کی تلاوت اور اس میں غور و فکر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝﴾

''جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھو! دل اللہ کے ذکر سے ہی مطمئن ہوتے ہیں۔''[2]

اللہ کے ذکر سے مراد صرف تسبیحات پڑھنا ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک جامع لفظ ہے جس میں بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا اور اس کے قریب کرنے والا ہر لفظ شامل ہے، چاہے علم کا حصول ہو، تعلیم ہو، امر بالمعروف ہو یا نہی عن المنکر ہو۔

اور شیخ عبدالرحمن السعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب 'ذکر اللہ' کہا جائے تو اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اللہ کے قریب کر دے، چاہے اس کا تعلق عقیدے سے ہو یا سوچ و فکر سے ہو۔ چاہے وہ دل کا عمل ہو یا بدن کا۔ خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہو یا حصولِ علمِ نافع ہو۔ اور اس جیسی باقی ساری عبادات اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی ہیں۔

لہٰذا یہ تصور کرنا غلط ہے کہ ذکر صرف تسبیحات میں ہی منحصر ہے، ذکر ہر وہ عمل ہے جو قرآن وحدیث کے مطابق ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دیا جائے۔

[1] صحيح البخاري، الرقاق باب الصحة والفراغ: 6412. [2] الرعد 13:28.

کیا موسیقی روح کی غذا ہے؟

معزز سامعین ! موسیقی کے دلدادہ لوگ موسیقی کو روح کی غذا تصور کرتے ہیں ! حالانکہ موسیقی روح کی غذا نہیں بلکہ اس کو بیمار کرنے والی چیز ہے۔ آپ ذرا غور کریں کہ

- اگر موسیقی دل میں نفاق پیدا کرتی ہے تو یہ روح کی بیماری ہوئی یا اس کی غذا ؟
- اور اگر موسیقی شیطانی آواز ہے اور سننے والے شخص کو شیطان کا قیدی بناتی ہے تو یہ روح کی بیماری ہے یا اس کی غذا؟
- اور اگر موسیقی اللہ کے دین سے دوری کا سبب بنتی ہے تو یہ روح کی بیماری ہوئی یا اس کی غذا ؟
- اور اگر موسیقی بے حیاء اور بے غیرت بناتی ہے تو یہ روح کی بیماری ہوئی یا اس کی غذا ؟
- اور اگر موسیقی انسان کو بدکاری پر اکساتی اور اس کی عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے تو یہ روح کی بیماری ہوئی یا اس کی غذا؟

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو اس بیماری سے دور رکھے اور اِس بہت بڑی لعنت سے بچائے۔

دوسرا خطبہ

معزز سامعین ! موسیقی اور گانوں کی حرمت کے دلائل اور ان کے متعلق ائمۂ اربعہ ﷭ کے موقف کا تذکرہ کرنے اور گانوں کے نقصانات کا جائزہ لینے کے بعد اب ہم ان لوگوں کے 'شبہات' کا جائزہ لیتے ہیں جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ گانے گانا اور سننا جائز ہے۔

پہلا شبہہ :

یہ لوگ گانوں کے متعلق ابن حزم ؒ کے موقف کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ جنھوں نے صحیح بخاری کی اُس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے جس کو ہم نے تھوڑی دیر پہلے ذکر کیا ہے اور اس میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''میری امت میں ایسے لوگ یقینا آئیں گے جو بدکاری ، ریشم کا لباس ، شراب اور آلاتِ موسیقی کو حلال تصور کر لیں گے۔''[1]

ابن حزم ؒ کا کہنا ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے ، کیونکہ امام بخاری ؒ اور ان کے شیخ (ہشام بن عمار) کے درمیان انقطاع پایا جاتا ہے۔ اسی لیے امام بخاری ؒ نے اسے (قال هشام بن عمار) کے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے!

اِس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری ؒ کی اپنے شیخ (ہشام بن عمار) سے ملاقات اور ان سے ان کا سماعِ حدیث

[1] صحيح البخاري:5590.

ثابت ہے۔لہٰذا اس میں انقطاع نہیں پایا جاتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر امام بخاری رحمہ اللہ مدلس راوی ہوتے تو ابن حزم رحمہ اللہ کا موقف درست مانا جاتا، لیکن کسی نے بھی امام بخاری رحمہ اللہ کو مدلس نہیں کہا۔اس لیے ابن حزم رحمہ اللہ کا موقف غلط ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر ابن حزم رحمہ اللہ کی بات کو درست بھی مان لیا جائے تو اسی حدیث کو امام ابو داود رحمہ اللہ نے متصل سند کے ساتھ روایت ہے۔لہٰذا یہ حدیث یقینی طور پر صحیح ہے۔

دوسرا شبہہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اُس وقت تشریف لائے جب میرے پاس انصار کی نوخیز لڑکیوں میں سے دو لڑکیاں ان اشعار کے ساتھ گا رہی تھیں جو 'بعاث' کے دن انصار نے پڑھے تھے۔اور حقیقت میں وہ گانے والی نہ تھیں۔یہ عید کا دن تھا۔چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

((أَمَزَامِيْرُ الشَّيْطَانِ فِي بَيْتِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ؟))

''کیا رسول اکرم ﷺ کے گھر میں شیطان کی آواز گونج رہی ہے؟''

تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((يَا أَبَا بَكْر ، إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا))

''ابو بکر! ہر قوم کا ایک تہوار ہوتا ہے اور یہ ہمارا تہوار ہے۔''[1]

صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جن دنوں رسول اکرم ﷺ منیٰ میں ٹھہرے ہوئے تھے اُسی دوران حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور اُس وقت دو نوخیز لڑکیاں دف بجاتے ہوئے گا رہی تھیں اور رسول اکرم ﷺ چادر لپیٹ کر لیٹے ہوئے تھے۔چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انھیں ڈانٹ ڈپٹ کی۔تو رسول اکرم ﷺ نے اپنے چہرۂ انور سے چادر کو ہٹایا اور فرمایا:

((دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّهَا أَيَّامُ عِيْدٍ))

''ابو بکر! انھیں چھوڑ دو (اور مت روکو) کیونکہ یہ عید کے ایام ہیں۔''

اِس حدیث کو بھی موسیقی کو جائز قرار دینے والے لوگ بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔حالانکہ اِس میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔کیونکہ اِس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ دو نوخیز لڑکیاں جو اصلاً گانے والی نہیں تھیں، جنگی اشعار دف بجاتے ہوئے گا رہی تھیں۔تو بتلایئے اِس میں مروجہ گانے اور موسیقی کا جواز کہاں سے ملتا ہے؟

[1] صحيح البخاري:454، صحيح مسلم:892.

1. جنگی اشعار جن میں شجاعت وبہادری کا اظہار اور فتح ونصرت کا تذکرہ کیا جاتا ہے، وہ کہاں اور عشق ومحبت کے متعلق اور شہوت کو بھڑکانے والے اشعار کہاں!

2. دو نو خیز لڑکیاں جو پیشہ ورانہ طور پر گانے والی نہیں تھیں، وہ کہاں اور اِس دور میں بے پردہ نوجوان لڑکیاں اور پیشہ ور گانے والی اداکارائیں کہاں!

3. وہ بچیاں دف بجا رہی تھیں، آلاتِ موسیقی نہیں بجا رہی تھیں! دف اور آلاتِ موسیقی میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

4. وہ عید کا موقعہ تھا جس میں رسول اکرم ﷺ نے اظہارِ فرحت ومسرت سے منع نہیں کیا۔ لہٰذا ایک خاص موقعہ پر گائے جانے والے جنگی اشعار کو عام طور پر موسیقی اور گانوں کے جواز کی دلیل کیسے بنایا جا سکتا ہے؟

5. وہ دونوں بچیاں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گا رہی تھیں اور رسول اکرم ﷺ چادر لپیٹ کر سو رہے تھے۔ وہاں پر مرد وزن کا اختلاط قطعا نہیں تھا۔ لہٰذا اسے رقص وسرور کی اُن محفلوں کے جواز کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا جن میں مرد وزن کا اختلاط ہوتا ہے اور حسن کی نمائش کے ذریعے بے حیائی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

سامعین کرام! یہاں ہم آپ حضرات کی معلومات کے لیے عرض کرتے چلیں کہ 'دف' بجاتے ہوئے اشعار پڑھنے یا گانے کی اسلام میں کچھ شروط وقیود ہیں جن کا خیال رکھنا لازم ہے:

1. 'دف' بجانا اور اس کے ساتھ اشعار پڑھنا صرف دو مواقع پر ثابت ہے: عیدین اور شادی بیاہ۔ جبکہ بعض اہل علم کے نزدیک ایک تیسرا موقعہ بھی ہے جس میں دف بجائی جا سکتی ہے اور وہ ہے: سفر کے بعد واپس لوٹنے والے شخص کے استقبال کے وقت۔ ان تین مواقع کے علاوہ کسی اور موقعہ پر ایسا ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم

عیدین کے حوالے سے ہم حدیث ذکر کر چکے ہیں۔ شادی بیاہ کے متعلق حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میری شادی کے موقعہ پر رسول اکرم ﷺ تشریف لائے اور میرے بستر پر بیٹھ گئے۔ چنانچہ چھوٹی چھوٹی بچیاں دف بجانے لگیں اور بدر کے دن میرے آباء میں سے جو شہید ہوئے تھے ان کے متعلق اشعار پڑھنے لگیں۔ اسی دوران ان میں سے ایک نے کہا: وَفِينَا نَبِيٌّ يَّعْلَمُ مَا فِي غَدٍ

''ہم میں وہ نبی ہے جو (آنے والی) کل کی بات کو بھی جانتا ہے۔''

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اِس کو چھوڑ دو اور پہلے والے شعر پڑھو۔''[1]

اور جہاں تک استقبال کے موقعہ پر دف بجانے کا تعلق ہے تو بعض اہل علم نے اس کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی جنگ کے لیے نکلے، پھر جب واپس لوٹے تو ایک کالے رنگ

[1] صحيح البخاري:4852.

کی بچی آئے اور کہنے لگی: یا رسول اللہ! میں نے نذر مانی تھی کہ اگر آپ کو اللہ تعالیٰ صحیح سالم واپس لوٹا دے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی اور گاؤں گی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم نے نذر مانی تھی تو دف بجا سکتی ہو ورنہ نہیں۔'' چنانچہ وہ دف بجانے لگی۔ اسی دوران ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے تو وہ دف بجاتی رہی۔ پھر علی رضی اللہ عنہ آئے، اس کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو وہ بدستور دف بجاتی رہی۔ بعد ازاں عمر رضی اللہ عنہ آئے تو اس نے فوراً دف کو اپنے پیچھے چھپایا اور اس پر بیٹھ گئی۔ تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''عمر! تم سے تو شیطان بھی ڈرتا ہے۔ یہ بچی میرے سامنے دف بجا رہی تھی، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے تو یہ بجاتی رہی، پھر علی رضی اللہ عنہ آئے تو یہ بجاتی رہی، پھر عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو یہ بجاتی رہی، پھر جب تم آئے تو اس نے اسے پھینک دیا۔''[1]

بعض اہلِ علم کا کہنا ہے کہ اِس حدیث میں مطلقاً اِس بات کا جواز نہیں ہے کہ جو بھی سفر کے بعد واپس لوٹے تو اس کا استقبال کرتے ہوئے دف بجائی جا سکتی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اُس بچی کو صرف نذر کی وجہ سے اجازت دی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر نذر نہیں مانی تو پھر دف مت بجاؤ۔ یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ استقبال کے موقعہ پر دف بجانا مشروع نہیں ہے۔ واللہ اعلم

یہاں ہم آپ کو یہ بھی بتاتے چلیں کہ بعض لوگ اِس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے تو اُس وقت مدینے کی بچیوں نے 'دف' بجاتے ہوئے یہ اشعار پڑھے تھے:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

تو اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ اگرچہ سیرت کی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے، لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں تین یا اس سے زیادہ راوی ساقط ہیں اور اِس طرح کی روایت کو محدثین کی اصطلاح میں 'معضل' کہا جاتا ہے جو ضعیف کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس کو سند کے اعتبار سے درست بھی مان لیا جائے تو اس کا تعلق ہجرت کے واقعہ سے نہیں ہے کیونکہ ایک تو اس میں ہجرت کا ذکر ہی نہیں ہے، دوسرا اس میں یہ جو کہا گیا ہے کہ «طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ» تو 'ثنیات الوداع' مکہ سے مدینہ کی طرف آتے ہوئے نہیں بلکہ شام سے مدینہ کی طرف آتے ہوئے نظر آتی ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ جب غزوۂ تبوک کے بعد مدینہ منورہ کو واپس لوٹے تو شاید اُس وقت ان کے استقبال میں یہ اشعار پڑھے گئے۔ لیکن ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ اِس کی سند ضعیف ہے۔ لہٰذا یہ ناقابل حجت ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں 'دف' کا تو سرے سے ذکر ہی

[1] جامع الترمذي: 3690، وصححه الألباني.

نہیں ہے! تو یہ واقعہ آج کل 'دف' کے ساتھ پڑھی جانے والی نعتوں کے جواز کی دلیل کیسے بن سکتا ہے!!![1]

2 'دف' ڈھول کو نہیں کہتے بلکہ اس کو کہتے ہیں جس میں جلد لگی ہوتی ہے اور وہ ایک طرف سے بند اور دوسری طرف سے کھلی ہوتی ہے۔ اور اسے ایک ہی جانب سے بجایا جاتا ہے۔

3 جو اشعار پڑھے جائیں وہ بے حیائی اور جھوٹ پر مبنی نہ ہوں۔

4 پڑھنے یا گانے والی نو خیز لڑکیاں ہوں اور ان کے پاس صرف عورتیں ہوں۔ مردوں کے لیے دف بجانا جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے عورتوں کے ساتھ ان کی مشابہت ہوتی ہے جو کہ ممنوع ہے۔

5 مرد و زن کا اختلاط نہ ہو۔

معزز سامعین! 'دف' کے متعلق جو شرعی شروط وقیود ہم نے ذکر کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے استعمال کی اجازت نہایت ہی محدود ہے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اِس دور میں اس کا استعمال اِس قدر وسیع ہو گیا ہے کہ کوئی نعت یا کوئی نظم اس کے بغیر نہیں پڑھی جاتی۔ بلکہ اب تو بعض ٹی وی چینلز کے ذریعے اس رجحان کو خوب ہوا دی جا رہی ہے اور بہت سارے لوگوں کو قرآن مجید سے دور کر کے انھی نعتوں کا ہی گرویدہ بنا دیا گیا ہے۔ ولا حول ولا قوة إلا بالله

نہایت افسوس کی بات یہ ہے کہ آج کل 'دف' کے ساتھ جس طرح نعتیں پڑھی جا رہی ہیں اور اِس میں نوجوان وبے پردہ لڑکیاں بھی شامل ہوتی ہیں، یہ اِس دور کا بہت بڑا فتنہ ہے کیونکہ ایک طرف نوجوان نسل کی بہت بڑی تعداد اگر گانوں اور موسیقی کی دلدادہ ہے تو دوسری طرف بہت سارے لوگ، جن میں ہر عمر کے مرد وخواتین شامل ہیں' ان میں اب انھی نعتوں کا رجحان بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے۔ یوں قرآن مجید ایک سائیڈ پر رکھ دیا گیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے اتارا کہ اس کے ماننے والے اس کی تلاوت کریں، اس میں غور وفکر کریں اور اسے اپنا دستورِ حیات بنائیں۔ مسلمانوں کی کثیر تعداد اسے صرف رمضان المبارک میں ہاتھ لگاتی ہے۔ پھر سارا سال اسے غلافوں میں لپیٹ کر رکھا جاتا ہے اور اسے پڑھنے کی زحمت بھی نہیں کی جاتی، چہ جائیکہ اس میں تدبر کیا جاتا اور اس کے احکامات کو سمجھ کر ان پر عمل کیا جاتا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ گانوں اور موسیقی کے ذریعے قرآن مجید سے دور رکھنے کی کوششیں تو پہلے بھی ہوتی تھیں، اب بھی ہو رہی ہیں، لیکن اِس کے ساتھ ساتھ اب ایک نیا انداز ایجاد کر لیا گیا ہے اور وہ ہے 'دف' کے ساتھ نعتیں پڑھنا اور انھیں 'اسلامی موسیقی' کا نام دے کر گھر گھر تک پہنچانا۔ حالانکہ 'موسیقی' اور اسلام دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ ہم اِن لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی طرح 'دف' کے ساتھ نعتیں پڑھا کرتے تھے؟ اور

[1] سلسلة الأحاديث الضعيفة: 598، زاد المعاد: ج3، ص: 13.

کیا وہ بھی 'محفل نعت' منعقد کیا کرتے تھے؟ اور کیا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بیٹیاں بھی اسی طرح نعتیں پڑھا کرتی تھیں؟ اگر یہ سب کچھ اُس دور میں نہیں ہوتا تھا تو آج کیوں ہو رہا ہے؟ اگر یہ سب کچھ قرونِ اولیٰ میں دین کا حصہ نہیں تھا تو آج کیوں اسے دین کا حصہ بنایا جا رہا ہے؟

موسیقی کے متعلق اہلِ ایمان کا موقف کیا ہونا چاہیے؟

موسیقی اور گانوں کے متعلق اہلِ ایمان کا موقف وہی ہونا چاہیے جو ہم نے کتاب وسنت اور اقوالِ ائمہ کی روشنی میں ذکر کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ گانے گانا اور سننا حرام ہے اور ہر قسم کی موسیقی سے اپنے کانوں کو دور رکھنا ضروری ہے۔ اور اسی لیے ہم آپ اور دیگر تمام اہلِ ایمان کو دعوت دیتے ہیں کہ

1. گانوں اور موسیقی وغیرہ سے فوراً توبہ کریں اور ان چیزوں کو قطعی طور پر ترک کر دیں۔ اگر آپ نے اپنے گھروں میں آلاتِ موسیقی رکھے ہوئے ہیں تو انھیں نکال باہر پھینکیں۔ اور اگر آپ نے اپنے گھر میں یا اپنی گاڑی میں گانوں اور موسیقی پر مشتمل آڈیو یا وڈیو کیسٹس یا سی ڈیز رکھی ہوئی ہیں تو انھیں ضائع کر دیں۔ اور آئندہ کے لیے ان چیزوں کے قریب نہ جانے کا پختہ عزم کریں۔
2. گانے والوں اور گانے والیوں سے سخت نفرت کریں کیونکہ یہ لوگ کھلم کھلا حرام کام کا ارتکاب کرتے ہیں، خود بھی بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور سننے اور دیکھنے والوں کو بھی اس پر آمادہ کرتے ہیں۔ معاشرے میں بے راہ روی اور بے غیرتی کو پھیلانے میں ان لوگوں کا بہت بڑا کردار ہے۔ اس کے علاوہ یہ حرام کماتے بھی ہیں اور حرام کھاتے بھی ہیں۔ اور ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے کہ

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

''وہ لوگ جو یہ پسند کرتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیل جائے تو ان کے لیے یقیناً دنیا وآخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔'' [1]

لہٰذا ان جیسے لوگوں سے اللہ کی رضا کے لیے بغض رکھیں، نہ یہ کہ انھیں آئیڈیل تصور کرتے ہوئے ان کے بول بولیں، ان کے ڈائیلاگ یاد کریں اور ان کے گن گائیں۔ ان جیسے لوگوں کے ساتھ عقیدت ومحبت رکھنا بہت بڑا گناہ ہے۔ لہٰذا انھیں اور وہ جو کچھ گاتے ہیں اسے ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھیں اور اپنے کانوں کو ان کے حرام گانوں سے پاک رکھیں۔

[1] النور 19:24.

ہم خاص طور پر نوجوان نسل کو تنبیہ کرتے ہیں کہ وہ اِن سنگرز کو آئیڈیل سمجھنے کی بجائے نوجوان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو آئیڈیل سمجھیں جو اِس طرح کی تمام چیزوں سے اپنے آپ کو دور رکھتے تھے۔

نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا رہا تھا کہ انھوں نے ایک چرواہے کی آواز کو سنا جو کسی آلۂ موسیقی کے ساتھ گا رہا تھا۔ انھوں نے فوراً اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں۔ آگے جا کر پوچھا: نافع! کیا تم ابھی وہ آواز سن رہے ہو؟ تو میں جب تک یہ کہتا رہا کہ ہاں ابھی آواز آ رہی ہے تب تک وہ چلتے رہے اور اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں سے نہ ہٹایا۔ جب میں نے کہا کہ اب آواز نہیں آ رہی، تب انھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں سے الگ کر لیں اور فرمایا: اسی طرح میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا کہ آپ نے ایک چرواہے کی آواز کو سنا جو اپنے آلۂ موسیقی کے ساتھ گا رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح کیا جس طرح میں نے کیا ہے۔ [1]

3 اگر آپ کے گھر والوں میں سے کوئی شخص موسیقی اور گانے وغیرہ سنتا ہو تو اسے سختی سے منع کریں۔ اسی طرح آپ جہاں کہیں ہوں اور وہاں موسیقی چل رہی ہو یا گانے سنے جا رہے ہوں یا حیا باختہ مناظر دیکھے جا رہے ہوں تو آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس حدیث پر ضرور عمل کریں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

((مَنْ رَأٰى مِنكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ ، فَإِن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ ، فَإِن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ))

”تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو وہ اسے اپنے ہاتھ سے روکے۔ اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے منع کرے۔ اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل میں اسے برا جانے۔ اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔“ [2]

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو موسیقی اور گانوں کی لعنت سے بچنے کی توفیق دے اور ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

[1] مسند أحمد: 4535، وحسنه الأرناؤط، سنن أبي داود: 4924، وصححه الألباني. [2] صحيح مسلم: 49.

خرید وفروخت کے آداب واحکام

اہم عناصرِ خطبہ

1. بیع (خرید وفروخت) حلال ہے
2. خرید وفروخت کے آداب
3. خرید وفروخت کے احکام

پہلا خطبہ

محترم حضرات!

روئے زمین پر سب سے زیادہ پسندیدہ جگہ مسجد ہے اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہ بازار ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشادگرامی ہے:

« أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللهِ مَسَاجِدُهَا ، وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللهِ أَسْوَاقُهَا »

''شہروں میں اللہ تعالیٰ کوسب سے زیادہ محبوب ان میں پائی جانے والی مساجد ہیں۔ اور شہروں میں اللہ تعالیٰ کوسب سے زیادہ ناپسندیدہ ان میں پائے جانے والے بازار ہیں۔''[1]

'بازار' جہاں خرید وفروخت کے معاملات طے ہوتے ہیں، اگرچہ سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہ ہے، لیکن اس بازار میں جانا اور خرید وفروخت کرنا انسان کی ایک اہم ضرورت ہے اور اُس کے لیے اِس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے 'بیع' (یعنی خرید وفروخت) کو حلال قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾

''اور اللہ نے خرید وفروخت کو حلال اور سود کو حرام کر دیا ہے۔''[2]

جاہلیت کے دور میں بھی عربوں کے مشہور بازار لگتے تھے اور ان میں لوگ تجارت وکاروبار کرتے تھے اور ضرورتمند

[1] صحیح مسلم: 671. [2] البقرۃ 2:275.

لوگ اپنی ضرورتوں کے مطابق لین دین کیا کرتے تھے۔ پھر جب رسول اکرم ﷺ تشریف لائے تو آپ بھی بازار میں جایا کرتے تھے اور ضروری اشیاء کی خرید وفروخت کیا کرتے تھے۔ کفارِ مکہ نے آپ ﷺ پر جو اعتراضات کیے تھے ان میں سے ایک اعتراض یہ تھا کہ

﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ﴾

''یہ کیسا رسول ہے کہ جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔'' [1]

اسی طرح آپ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی بازاروں میں جاکر مختلف چیزوں کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعض شرعی احکام سے ناواقفیت کا عذر یہ پیش کرتے تھے کہ وہ بازاروں میں لین دین کے معاملات میں مشغول رہتے تھے۔ اسی طرح حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی مشہور تاجروں میں سے تھے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ بازار اگرچہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے، اس کے باوجود اپنی ضرورتوں کے لیے اس میں جانا اور وہاں خرید وفروخت کرنا شرعی طور پر جائز ہے۔ تاہم اس کے کچھ آداب واحکام ہیں جن کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ آج کے خطبۂ جمعہ میں ہم۔ ان شاء اللہ۔ انھی آداب واحکام کا تذکرہ قرآن وحدیث کی روشنی میں کریں گے۔

خرید وفروخت کے آداب

1 بازار میں داخل ہونے کی دعا

بازار میں داخل ہونے سے پہلے مسنون دعا پڑھ لینی چاہیے جس کی بہت زیادہ فضیلت ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''جو شخص بازار میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھے:

((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ، يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ))

تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتا ہے، دس لاکھ گناہ مٹا دیتا ہے اور دس لاکھ درجے بلند کر دیتا ہے۔'' [2]

اِس حدیث کی ایک اور روایت میں ''دس لاکھ درجات کی بجائے'' یہ الفاظ ہیں:

[1] الفرقان 25:7. [2] الترمذي:3428. وحسنه الألباني.

((وَبَنٰی لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ)) ''اور اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دیتا ہے۔''[1]

2 شور شرابہ اور ہنگامہ برپا کرنے سے بچنا

کئی لوگ بازاروں اور مارکیٹوں میں شور شرابہ کرکے ہنگامہ سا برپا کردیتے ہیں۔ حالانکہ ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے اوصاف حمیدہ میں سے یہ بھی تھا کہ ((لَيْسَ بِفَظٍّ وَلاَ غَلِيْظٍ وَلَا سَخَّابٍ بِالْأَسْوَاقِ، وَلاَ يَدْفَعُ السَّيِّئَةَ بِالسَّيِّئَةِ وَلٰكِنْ يَعْفُو وَيَصْفَحُ--))

''آپ نہ بداخلاق ہیں اور نہ سخت مزاج ہیں۔ اور نہ ہی بازاروں میں اونچی آواز سے بات کرتے ہیں۔ اور برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف اور درگذر کردیتے ہیں۔''[2]

3 لین دین میں اخوت و بھائی چارے کے تقاضوں کو پورا کرنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾

''مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''[3]

اور رسول اکرم ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا))

''مومن دوسرے مومن کے لیے ایک مضبوط عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔''[4]

اِس اخوت و بھائی چارے کے کئی تقاضے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر شخص خرید وفروخت کے معاملات میں سخت رویہ اختیار کرنے کی بجائے نرم رویہ اختیار کرے۔ ہر مسلمان اپنے بھائی کے لیے آسانیاں پیدا کرے۔ خرید کر رہا ہو تب بھی، فروخت کر رہا ہو جب بھی۔ کوئی چیز لے رہا ہو یا کسی چیز کی قیمت ادا کر رہا ہو دونوں صورتوں میں سہل پسندی سے کام لے اور اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرے۔

رسول اکرم ﷺ نے دعا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا سَمْحًا إِذَا بَاعَ وَإِذَا اشْتَرٰى وَإِذَا اقْتَضٰى))

''اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو اُس آدمی پر جو بیچتے وقت، خریدتے وقت اور تقاضا کرتے وقت نہایت آسان

[1] الترمذي: 3429_ سنن ابن ماجه: 2235_ وحسنه الألباني. [2] صحيح البخاري: 4838. [3] الحجرات 10:49. [4] صحيح البخاري: 481، 2446، صحيح مسلم: 2585.

اور (اپنے حق کو) معاف کرنے والا ہو۔"[1]

بلکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ((إِنَّ اللهَ يُحِبُّ سَمْحَ الْبَيْعِ ، سَمْحَ الشِّرَاءِ ، سَمْحَ الْقَضَاءِ))

"بے شک اللہ تعالیٰ اُس آدمی سے محبت کرتا ہے جو خرید وفروخت اور ادائیگی میں آسان ہو اور اپنے حق سے کم پر راضی ہو جانے والا ہو۔"[2]

نیز فرمایا: ((أَدْخَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ رَجُلًا كَانَ سَهْلًا مُشْتَرِيًا وَّبَائِعًا وَّقَاضِيًا وَّمُقْتَضِيًا الْجَنَّةَ))

"اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کو جنت میں داخل کر دیا جو خرید وفرخت میں اور کسی کو اس کا حق ادا کرنے میں اور کسی سے اپنے حق کا تقاضا کرنے میں بہت آسان تھا۔"[3]

اسی طرح اخوت کے تقاضوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لین دین اور خرید وفروخت کے معاملات میں مومن اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہو اور وہ چیز نا پسند کرے جو اپنے لیے نا پسند کرتا ہو۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ))

"تم میں سے کوئی شخص کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔"[4]

لہٰذا خریدار اور بائع دونوں پر یہ بات لازم ہے کہ وہ ایک دوسرے کا فائدہ سوچیں اور ان میں سے کوئی بھی دوسرے کو نقصان پہنچانے کے درپے نہ ہو۔ صرف اپنا فائدہ سوچنا، خواہ دوسرے فریق کا نقصان کیوں نہ ہو، یہ مومن کے شایان شان نہیں ہے اور اخوت وبھائی چارے کے سراسر خلاف ہے۔

صحیحین میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص نے زمین کا ایک ٹکڑا خریدا۔ اسے اس میں ایک ٹھلیا (گھڑا) ملا جس میں سونا رکھا ہوا تھا۔ تو خریدار نے [یہ نہیں سوچا کہ بس اب تو وارے نیارے ہو گئے، اتنا سرمایہ ہاتھ لگ گیا، پتہ نہیں میں زندگی بھر اتنا کما سکتا یا نہیں، بلکہ اس نے] بائع سے کہا: اپنا سونا واپس لے لو، کیونکہ میں نے تم سے صرف زمین خریدی ہے، یہ سونا نہیں خریدا۔ بائع نے کہا: میں نے تو زمین اور اس میں جو کچھ ہے سب تیرے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔ [یعنی نہ خریدار سونا ساتھ لے جانے کے لیے تیار ہے اور نہ ہی بائع اسے واپس لینے پر تیار ہے، بلکہ دونوں کی

[1] صحيح البخاري : 2076. [2] الترمذي : 1319. وصححه الألباني. [3] سنن النسائي : 4696. وحسنه الألباني. [4] صحيح البخاري: 13، 1239.

خواہش ہے کہ اس کا بھائی اسے لے جائے] اب وہ اپنا یہ معاملہ ایک اور شخص کے پاس لے گئے۔ تو اس نے دونوں سے پوچھا: کیا تمھاری کوئی اولاد ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا: میرا ایک لڑکا ہے اور دوسرے نے کہا: میری ایک لڑکی ہے۔ تو ثالث نے کہا: اِس سونے کے ساتھ لڑکے اور لڑکی کی شادی کردو، اس میں سے کچھ اپنے اوپر بھی خرچ کرو اور اس میں سے کچھ صدقہ بھی کردو۔" [1]

4 نظروں کو جھکانا

بازار میں چونکہ خواتین بھی ہوتی ہیں اور آج کل بے پردگی بھی عام ہے، اس لیے اپنی نظروں کو جھکا کر رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۚ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۝﴾

"مومنوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے یقینا باخبر ہے۔" [2]

اور رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا:

((يَا عَلِيُّ ! لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ ، فَإِنَّ لَكَ الْأُولٰى وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ))

"علی! ایک مرتبہ (اچانک) نظر پڑ جائے تو اس کے بعد دوسری نظر نہ اٹھایا کرو، کیونکہ تمھارے لیے پہلی نظر تو معاف ہے، لیکن دوسری نظر معاف نہیں ہے۔" [3]

یہ اس لیے ضروری ہے کہ غیر محرم عورت کو دیکھنا شریعت کی نظر میں آنکھ کا زنا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَظَّهُ مِنَ الزِّنَا ، أَدْرَكَ ذٰلِكَ لَا مَحَالَةَ ، فَزِنَى الْعَيْنَيْنِ النَّظَرُ ، وَزِنَى اللِّسَانِ النُّطْقُ ---))

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر انسان پر زنا سے اس کا حصہ لکھ دیا ہے جس کو وہ ہر حال میں پا کر رہے گا۔ لہٰذا آنکھوں کا زنا (غیر محرم عورت پر) نظر ڈالنا ہے اور زبان کا زنا بولنا ہے۔" [4]

5 سچ بولنا اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرنا

جس طرح عام گفتگو میں سچ بولنا اور جھوٹ سے بچنا لازم ہے اسی طرح خرید وفروخت کے معاملات طے کرتے

[1] صحيح البخاري: 3472، صحيح مسلم: 1721. [2] النور 24:30. [3] سنن أبي داود: 2149. جامع ترمذي: 2777۔ وحسنه الألباني. [4] صحيح مسلم: 2657.

ہوئے بھی یہی وتیرہ اختیار کرنا چاہیے۔

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کچھ لوگوں کو کاروبار میں مشغول دیکھا تو آپ نے فرمایا: ((يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ!)) ''اے تاجروں کی جماعت!''

تو وہ لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ کا ارشاد بغور سننے کے لیے تیار ہو گئے۔

تب آپ نے فرمایا: ((إِنَّ التُّجَّارَ يُبْعَثُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فُجَّارًا إِلَّا مَنِ اتَّقَى اللهَ وَبَرَّ وَصَدَقَ))

''بے شک تاجروں کو قیامت کے روز اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ وہ گناہگار ہوں گے سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا، نیکی کرتا رہا اور سچ بولتا رہا۔''[1]

لین دین میں سچ بولنے کی بناء پر اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے دیتا ہے اور جھوٹ بولنے کی بناء پر اس کی برکت کو مٹا دیا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا ، فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِيْ بَيْعِهِمَا ، وَإِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا))

''خریدار اور بیچنے والے کو جدا ہونے تک اختیار ہے کہ وہ چاہیں تو سودا طے کر لیں اور اگر چاہیں تو اسے منسوخ کر دیں۔ اگر وہ دونوں سچ بولیں اور ہر چیز کو کھول کر بیان کر دیں تو ان کے سودے میں برکت آئے گی۔ اور اگر وہ جھوٹ بولیں اور کسی بات کو چھپائیں تو ان کے سودے میں برکت ختم ہو جائے گی۔''[2]

جبکہ آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ خرید وفروخت میں بہت زیادہ جھوٹ بولا جاتا ہے۔ مثلاً آپ کوئی چیز خریدنے گئے، ابھی آپ اپنی منشاء کے مطابق اُس چیز کو دیکھ ہی رہے ہوں گے کہ دوکاندار خود ہی اس کی تعریف کرنا شروع کر دے گا۔ اور اس کے بارے میں وہ باتیں بتائے گا جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ مثلاً وہ آپ کو بتائے گا کہ یہ چیز فلاں ملک کی بنی ہوئی ہے اور وہ اُس ملک کا نام لے گا جس کی پروڈکٹ لوگوں میں زیادہ پسندیدہ ہوگی، حالانکہ وہ اُس ملک کی بنی ہوئی نہیں ہوگی۔ پھر جب قیمت کی بات ہوگی تو وہ دانستہ طور پر بہت زیادہ قیمت بتائے گا، تاکہ وہ گاہک کے ساتھ مک مکا کرتے ہوئے اسے اس قیمت پر لے آئے جس میں اس کے لیے اتنا نفع ہوگا کہ جو اس نے اپنے ذہن کے مطابق پہلے ہی طے کر رکھا تھا۔ اگر گاہک کہے کہ یہ چیز مجھے اتنے میں دے دو تو وہ فوراً کہے گا، نہیں، یہ تو میری خرید ہی نہیں ہے!!! حالانکہ اس کی قیمتِ خرید اس سے بہت کم ہوگی۔ پھر جب سودا طے ہو جائے گا تو گاہک مطالبہ کرے گا کہ میں دوں گا تو اتنے پیسے جتنے طے ہوئے ہیں لیکن آپ رسید زیادہ پیسوں کی بنا کر دیں! کیونکہ ہوسکتا

[1] جامع الترمذي: 1210. حسن صحيح، سنن ابن ماجه: 2146. [2] صحيح البخاري: 1973، صحيح مسلم: 1532.

ہے کہ وہ اپنی کمپنی یا اپنے محکمے یا کسی شخص یا کسی ادارے کی طرف سے اُس چیز کو خریدنے گیا ہوتو وہ اپنا کمیشن بھی اس کی قیمتِ خرید میں شامل کرنا چاہتا ہے۔ اِس طرح وہ خود بھی جھوٹ میں ملوث ہوتا ہے اور دوکاندار کو بھی اس میں ملوث کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ خرید وفروخت اور لین دین کے معاملات میں ہمیشہ سچ بولنا اور سچ ہی لکھنا چاہیے۔ اور جھوٹ سے قطعی طور پر پرہیز کرنا چاہیے۔

6 عیب کو بیان کرنا اور صاف گوئی سے کام لینا

بائع (فروخت کنندہ) پر لازم ہے کہ وہ جس چیز کو بیچ رہا ہو اس میں اگر کوئی عیب ہو تو اسے خریدار کے سامنے پوری امانت داری کے ساتھ بیان کردے اور کسی عیب کو مت چھپائے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَّبِيعَ شَيْئًا إِلَّا بَيَّنَ مَا فِيهِ ، وَلَا يَحِلُّ لِمَنْ عَلِمَ ذٰلِكَ إِلَّا بَيَّنَهُ))

''کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کوئی چیز فروخت کرے جب تک کہ اس کے عیبوں کو بیان نہ کردے۔ اور جو بھی اس کے عیبوں کو جانتا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ انھیں خریداروں کے سامنے بیان کرے۔''[1]

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: ((اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ ، وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ بَاعَ مِنْ أَخِيهِ بَيْعًا فِيهِ عَيْبٌ إِلَّا بَيَّنَهُ لَهُ))

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اور کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو عیب والی چیز فروخت کرے، سوائے اس کے کہ وہ اس عیب کو اس کے لیے بیان کردے۔''[2]

7 دھوکہ دہی سے بچنا

خرید وفروخت کے معاملات میں دھوکہ دہی سے بچنا بھی ضروری ہے۔

ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کا گزر غلہ کے ایک ڈھیر سے ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کے اندر ہاتھ ڈالا تو آپ کی انگلیوں کو نمی سی محسوس ہوئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا! غلہ بیچنے والے! یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: اللہ کے رسول! اسے بارش نے تر کردیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ ! مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي))

[1] المستدرك: 2175. صححه الحاكم ووافقه الذهبي. [2] سنن ابن ماجه: 2246. وصححه الألباني.

"اسے تم نے اوپر کیوں نہ رکھا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیتے! جو شخص دھوکہ کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔"①

جبکہ آج کل لوگ مختلف طریقوں سے خریداروں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ مثلاً اشیائے خورد ونوش میں ملاوٹ کرتے ہیں۔ اور یہ ملاوٹ اِس قدر زیادہ ہے کہ شاید ہی کوئی چیز اس سے محفوظ ہو۔ بازار میں زیادہ تر چیزیں ملاوٹ شدہ ہی ہوتی ہیں۔ خالص چیزیں تو تلاشِ بسیار کے بعد کہیں جا کر ملتی ہیں۔ ورنہ حالت یہ ہے کہ نہ پانی خالص اور نہ دودھ خالص، نہ آٹا خالص اور نہ مسالہ جات خالص، حتی کہ گوشت کو بھی پانی لگایا جاتا ہے جس سے اس کا وزن کئی گنا بڑھ جاتا ہے، پھر اسی حالت میں اسے بیچ دیا جاتا ہے۔

اسی طرح جن ڈبوں میں مختلف چیزوں کو پیک کیا جاتا ہے ان پر بھی دھوکہ کیا جاتا ہے اور ان پر لگے ہوئے لیبل تبدیل کر دیے جاتے ہیں، کمپنی یا ملک کا نام تبدیل کر دیا جاتا ہے۔اور تاریخوں میں بھی ردوبدل کر دیا جاتا ہے۔ اِس طرح دھوکہ دے کر گاہکوں سے مال بٹورا جاتا ہے!

8 جھوٹی قسم کھانے سے پرہیز کرنا

بعض لوگ اپنا تجارتی ساز وسامان جلد از جلد بیچنے کے لیے گاہکوں کے سامنے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ اور یہ اِس قدر سنگین گناہ ہے کہ قیامت کے روز ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ نہ بات کرنا پسند کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا۔ بلکہ انھیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔ والعیاذ باللہ

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ . وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ))

"تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ بات چیت کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔"

آپ ﷺ نے یہ الفاظ تین بار کہے۔تو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ یقیناً ذلیل وخوار ہوں گے اور خسارہ پائیں گے۔ یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْمُسْبِلُ إِزَارَهُ ، وَالْمَنَّانُ ، وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ))

"اپنے تہ بند کو نیچے لٹکانے والا، احسان جتلانے والا اور اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا۔"②

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((مَنْ حَلَفَ عَلَىٰ يَمِيْنٍ فَاجِرَةٍ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَان))

① صحیح مسلم:102. ② صحیح مسلم:106.

”جو آدمی جھوٹی قسم اٹھائے تا کہ اس کے ذریعے کسی مسلمان کے مال پر قبضہ کر لے تو وہ اللہ تعالیٰ کو اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر ناراض ہوگا۔“ [1]

قسم کھانے سے مال تو فروخت ہو جاتا ہے لیکن اس کی برکت ختم ہو جاتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَلْحِلْفُ مُنَفِّقَةٌ لِلسِّلْعَةِ وَمُمْحِقَةٌ لِلْكَسْبِ))

”قسم سے سودا بک جاتا ہے اور کمائی (کی برکت) مٹ جاتی ہے۔“ [2]

لہٰذا خرید وفروخت میں جھوٹی قسم کھانے سے بچنا چاہیے۔

9 ماپ تول میں کمی کرنے سے بچنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ ﴾

”اور جب تم ماپ کرو تو پورا پورا ماپو اور تولو تو سیدھی ترازو سے تولو۔ یہ اچھا طریقہ ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی بہتر ہے۔“ [3]

اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا: ﴿ وَ يٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ ﴾

”اے میری قوم! ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی اشیاء کم نہ دیا کرو۔ اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔“ [4]

اِس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ماپ اور تول میں کمی کرنا اور لوگوں کو ان کی چیزیں پوری پوری نہ دینا فساد فی الارض ہے، جو کہ حرام ہے۔ اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ ﴾

”ہلاکت وبربادی ہے ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۔ جو جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب انھیں ماپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔“ [5]

یعنی جن لوگوں نے دوہرا معیار اپنا رکھا ہے کہ جب لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب کوئی چیز دیتے ہیں تو ماپ تول میں ڈنڈی مارتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے تباہی وبربادی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

[1] متفق عليه. [2] صحيح البخاري: 2087، صحيح مسلم: 1606. [3] الإسراء 17:35. [4] هود 11:85.
[5] المطففين 83:1-3.

قومِ شعیب علیہ السلام کو ان کے اسی جرم کی پاداش میں اور حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے دنیا میں ہی بدترین عذاب چکھا دیا۔

اور رسول اکرم ﷺ نے اِس جرم کی سنگینی کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِلَّا أُخِذُوا بِالسِّنِيْنَ وَشِدَّةِ الْمَئُونَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ))

''جو قوم ماپ تول میں کمی کرتی ہے اسے قحط سالی، مہنگائی اور بادشاہ کے ظلم میں جکڑ لیا جاتا ہے۔''[1]

اور آج ہم انھی چیزوں کا سامنا کر رہے ہیں، چنانچہ مہنگائی کا طوفان ہے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لیتا، ہر دس پندرہ دن میں ہر چیز کی قیمت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ اور اس پر ستم یہ ہے کہ حکمران ہر آئے دن نئے نئے ٹیکس لگا کر ظلم کی انتہاء کر رہے ہیں۔ یوں بیچاری عوام مہنگائی اور ظلم کی چکی میں بری طرح پس رہی ہے.......... لیکن یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اِس ظلم وستم کا سبب کیا ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ اس کا سبب دراصل خود عوام کے اپنے کرتوت ہیں، انھی کرتوتوں میں سے ایک کرتوت ماپ تول میں کمی کرنا بھی ہے، جس کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے پیشین گوئی کی کہ جب لوگ اِس طرح کریں گے تو ان پر ظالم حکمرانوں کو مسلط کر دیا جائے گا۔ لہٰذا ہمیں اپنی اصلاح کرتے ہوئے اِس جرم سے اور لین دین کے معاملات میں دیگر جرائم سے سچی توبہ کرنی چاہیے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے اور وہ ہمیں ظالم حکمرانوں سے نجات دلائے۔

ماپ تول میں کمی کرنے کی بجائے کچھ زیادہ ہی دینا چاہیے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ بازار میں تشریف لے گئے۔ تو آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو مزدوری لے کر وزن کیا کرتا تھا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: ((زِنْ وَأَرْجِحْ)) ''وزن کرتے وقت قدرے جھکتا تول۔'' یعنی کچھ زیادہ ہی دیا کر۔[2]

اِس معاملے کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ جہاں رسول اکرم ﷺ نے بائع کو یہ ترغیب دی کہ وہ کچھ زیادہ ہی دے، وہاں آپ ﷺ نے ادائیگی کرنے والے کو بھی ترغیب دی کہ وہ بہتر انداز سے ادا کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ سے اپنے قرض کا (جو ایک اونٹ تھا) تقاضا کرنے آیا تو اس نے آپ سے سخت کلامی کی۔ آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اس کی طرف بڑھے لیکن آپ نے فرمایا:

((دَعُوْهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا)) ''اسے چھوڑ دو کیونکہ حق والا (سختی سے) بات کر سکتا ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا ((أَعْطُوْهُ سِنًّا مِثْلَ سِنِّهِ)) ''اسے اس کے اونٹ جیسا اونٹ دے دو۔''

[1] سنن ابن ماجه: 4019، وصححه الألباني. [2] سنن أبي داود: 3336، جامع الترمذي: 1305، سنن النسائي: 4592. وصححه الألباني.

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمیں اس سے بہتر اونٹ ہی ملا ہے، اُس جیسا نہیں ملا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَعْطُوهُ فَإِنَّ مِنْ خَيْرِكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً»

''اسے وہی دے دو کیونکہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو ادائیگی میں بہتر ہو۔'' [1]

10 خرید وفروخت کے دوران نماز اور اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہوں

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۠ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝﴾

''ان گھروں میں جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ انھیں بلند کیا جائے اور ان میں اس کا نام ذکر کیا جائے، ان میں وہ لوگ صبح وشام اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جنھیں اللہ کے ذکر، اقامتِ صلاۃ اور ادائے زکاۃ سے نہ تجارت غافل کرتی ہے اور نہ خرید وفروخت۔ وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔ تاکہ وہ جو عمل کرتے ہیں اللہ انھیں اس کا بہترین بدلہ دے اور اپنے فضل سے اور زیادہ بھی دے۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق عطا کرتا ہے۔'' [2]

محترم حضرات! ان آیات میں ذرا غور فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو تجارت اور خرید وفروخت میں مشغول رہتے ہوئے اللہ کے گھروں (یعنی مساجد) میں بھی جاتے ہیں، جہاں وہ صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، پانچ وقتی نماز پابندی سے اور با جماعت ادا کرتے رہتے ہیں اور اپنے مال کی زکاۃ بھی دیتے رہتے ہیں۔ وہ قیامت کے روز اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس کے احکامات سے غافل نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا بہترین بدلہ بھی دے گا اور اپنے فضل وکرم سے مزید بھی عطا کرے گا۔ اور ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ بے حساب رزق عطا کرتا ہے۔

خرید وفروخت کے احکام

محترم حضرات! خرید وفروخت کے آداب بیان کرنے کے بعد اب ہم خرید وفروخت کے چند اہم احکام قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔

1 فریقین کی باہمی رضامندی

خرید وفروخت اور لین دین میں بائع اور خریدار کی باہمی رضامندی از حد ضروری ہے۔ لہٰذا دونوں فریق جبر واکراہ

[1] صحيح البخاري: 2306، صحيح مسلم: 1601. [2] النور 24:36-38.

اور دھونس ودھاندلی کی بجائے خوشی خوشی معاملہ طے کریں۔ بائع اپنے مال کا بھاؤ بتائے، پھر خریدار کو سوچنے کا موقع دے، اگر اسے وہ بھاؤ پسند ہو تو خرید لے، اگر پسند نہ ہو تو نہ خریدے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ﴾

”اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ، ہاں تمھاری آپس کی رضامندی سے خرید وفروخت ہو (تو ٹھیک ہے۔)“[1]

اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

((لَا يَتَفَرَّقَنَّ عَنْ بَيْعٍ إِلَّا عَنْ تَرَاضٍ))

”بائع اور خریدار رضامندی کی حالت میں ہی کسی چیز کی بیع سے جدا ہوں۔“[2]

2 شرح منافع کیا ہونی چاہیے؟

اسلام میں شرح منافع کی تحدید نہیں کی گئی اور اسے محنت ومزدوری، اخراجات، بار برداری اور لاگت وغیرہ پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ کیونکہ ہر کاروبار میں یہ چیزیں ایک جیسی نہیں بلکہ کم وبیش ہوتی ہیں۔ تاہم ایسا بھی نہیں کہ اس معاملے میں شریعت نے کاروباری حضرات کو بالکل ہی آزاد چھوڑ دیا ہو۔ بلکہ اس نے کچھ اصول متعین کر دیے ہیں جن کی روشنی میں منافع کی شرح کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سب سے اہم اصول یہ ہے کہ کاروباری حضرات ہر مسلمان کی خیرخواہی کریں اور اپنی مصلحت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی مصلحت کا بھی خیال رکھیں۔ اور اپنے فائدے کے ساتھ ساتھ عامۃ الناس کا بھی فائدہ سوچیں۔ نہ وہ اپنا نقصان کریں اور نہ ہی گاہکوں کا نقصان برداشت کریں۔ کسی بھی چیز کی لاگت کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا جائز نفع کمائیں۔ اور کوشش کریں کہ عام ضروریات تک پبلک کی رسائی آسان سے آسان تر ہو۔

اسی طرح دوسرا اصول یہ ہے کہ ہر شخص اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے اور ہر وہ چیز اس کے لیے ناپسند کرے جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ایک تاجر جب خود خریدار ہو گا تو وہ یہ چاہے گا کہ ہر چیز اسے سستے داموں مل جائے۔ اور وہ قطعاً یہ نہیں چاہے گا کہ کوئی چیز اسے مہنگے داموں فروخت کی جائے۔ لہٰذا جس طرح وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے کہ اس سے جائز نفع ہی لیا جائے اسی طرح اسے یہ بھی پسند ہونا چاہیے کہ وہ اپنے بھائی سے بھی جائز نفع ہی کمائے۔ اور جس طرح وہ اپنے لیے ناپسند کرتا ہے کہ اس سے ناجائز نفع نہ کمایا جائے اسی طرح اسے یہ بھی ناپسند ہونا چاہیے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے ناجائز نفع کمائے۔

[1] النساء4:29. [2] جامع الترمذي:1284. وصححه الألباني.

اِس سلسلے میں ایک اثر بطور شاہد پیش کیا جا سکتا ہے، جسے امام بخاری نے ذکر کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ایک شخص اگر کوئی چیز دس میں خرید کرے تو وہ اسے گیارہ میں بیچ سکتا ہے۔ نیز اس پر جو خرچہ ہوا ہو وہ اس پر بھی منافع کما سکتا ہے۔[1]

اِس کا مطلب یہ ہے کہ ایک تاجر عام حالات میں کسی بھی چیز کی اصل قیمت پر اور اس کے اخراجات اور بار برداری پر دس فیصد تک نفع لے سکتا ہے۔ واللہ اعلم

جبکہ آج کل صورت حال بالکل مختلف ہے۔ چنانچہ وہ چیز جو 'مثال کے طور پر' تاجر کو پانچ سو کی پڑتی ہے، وہ اس کی قیمت ایک ہزار یعنی سو گنا زیادہ بتاتا ہے۔ پھر وہ کسی کو نو سو میں، کسی کو آٹھ سو میں اور کسی کو سات سو میں پھانس لیتا ہے۔ الغرض یہ کہ جیسے کسی کا داؤ لگتا ہے وہ اسی طرح لگا لیتا ہے۔ کیونکہ اس کا اصل مقصد جائز منافع کمانا نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ مال بٹورنا ہے۔ صارفین کے لیے سہولتیں پیدا کرنا نہیں، بلکہ ان کی مشکلات میں اور اضافہ کرنا ہے۔ ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ

3 سودا منسوخ کرنے کا اختیار

سودا طے ہوجانے کے بعد جب تک بائع اور خریدار ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں، ان میں سے کوئی بھی اس سودے کو منسوخ کر سکتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا---))

''خریدار اور بائع کو جدا ہونے تک اختیار ہے کہ وہ چاہیں تو سودے کو حتمی شکل دے دیں اور اگر چاہیں تو اسے منسوخ کر دیں..........''[2]

جبکہ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ ایک دفعہ خریدار کے منہ سے ایک بات نکل جائے، پھر فورا ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور وہ اُس قیمت پر اسے نہ خریدنا چاہے تو بائع اسے دبا لیتا ہے اور آس پاس کے لوگوں سے بھی دباؤ ڈلواتا ہے کہ وہ اپنے منہ سے نکلی ہوئی بات کو پورا کرے اور ہر حال میں اسے اُس قیمت پر خرید لے جو اس کے منہ سے نکل گئی تھی۔ یہ طرزِ عمل بالکل غلط ہے اور جو حدیث ہم نے ابھی ذکر کی ہے اس کے سراسر خلاف ہے۔

4 جو چیز اپنے پاس موجود نہ ہو اس کا سودا نہ کیا جائے

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ((نَهَانِي رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ أَبِيعَ مَا لَيْسَ عِنْدِي))

''مجھے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ میں اس چیز کا سودا کروں جو میرے پاس موجود نہیں۔''

[1] صحيح البخاري. كتاب البيوع باب من أجرى أمر الأمصار على ما يتعارفون........ [2] صحيح البخاري: 1973، صحيح مسلم: 1532.

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: ((لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ)) ”تم وہ چیز نہ بیچو جو تمھارے پاس موجود نہ ہو۔“[1]

اس کی وجہ یہ ہے کہ جس غیر موجود چیز کا وہ سودا کرے گا، ہو سکتا ہے کہ وہ اسے نہ ملے، یا ویسی نہ ملے جیسی کا اس نے سودا طے کیا! اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس قیمت پر نہ ملے جس کو سامنے رکھتے ہوئے اس نے اس کا سودا کیا۔ چونکہ یہ امکانات موجود ہیں اس لیے وہ کسی بھی ایسی چیز کا سودا نہ کرے جو اس کے پاس موجود نہ ہو۔

5 منڈی یا بازار میں پہنچنے سے پہلے ہی کسی مال کا سودا طے نہ کیا جائے

شہر میں رہنے والے تاجر حضرات منڈی یا بازار کے اتار چڑھاؤ سے واقف ہوتے ہیں اور باہر سے تجارتی سازوسامان لانے والا بائع اُس سے واقف نہیں ہوتا، چنانچہ اس کی لاعلمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ اسے راستہ میں ہی روک کر کم قیمت پر اس کے ساتھ سودا طے کر لیتے ہیں۔ اس سے انھیں تو فائدہ ہو جاتا ہے لیکن بائع کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اس لیے یہ معاملہ درست نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ((أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى أَنْ تُتَلَقَّى السِّلَعُ حَتَّى تَبْلُغَ الْأَسْوَاقَ))

”رسول اکرم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ بازاروں میں پہنچنے سے پہلے ہی تجارتی مال کا آگے جا کر سودا کیا جائے۔“[2]

جس بائع کے ساتھ اس طرح ہاتھ ہو جائے، پھر وہ بازار آئے اور اسے پتہ چلے کہ اُس کے ساتھ تو ہاتھ ہو چکا ہے تو اسے اس سودے کو منسوخ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((لَا تَلَقَّوُا الْجَلَبَ ، فَمَنْ تَلَقَّى فَاشْتَرَى مِنْهُ ، فَإِذَا أَتَى سَيِّدُهُ السُّوقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ))

”غلہ وغیرہ کے قافلوں کو آگے جا کر مت ملو۔ لہٰذا جو شخص آگے جا کر ملے اور بائع سے خرید لے، پھر اس کا مالک بازار میں آئے تو اسے سودا منسوخ کرنے کا اختیار ہے۔“[3]

6 ماپ تول کے بغیر کسی ڈھیر کا سودا کرنا درست نہیں ہے

غلے وغیرہ کا وہ ڈھیر جس کا وزن معلوم نہ ہو اس کا وزن کیے بغیر سودا کرنا ممنوع ہے۔

[1] جامع الترمذي: 1233، سنن أبي داود: 3505، سنن النسائي: 4613، سنن ابن ماجه: 2187_ وصححه الألباني.
[2] صحيح البخاري: 2165، وصحيح مسلم: 1517 واللفظ له. [3] صحيح مسلم: 1519.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ «نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الصُّبْرَةِ مِنَ التَّمْرِ لَا يُعْلَمُ مَكِيلُهَا بِالْكَيْلِ الْمُسَمّٰى مِنَ التَّمْرِ»

"رسول اکرم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ ایسے ڈھیر کا سودا کیا جائے جس کا ماپ کھجور کے ماپنے کے معروف پیمانے سے معلوم نہ ہو۔" [1]

لہٰذا غلے وغیرہ کے ڈھیر میں اگر ماپنے کی چیز ہے تو اسے ماپ کر اور اگر تولنے کی چیز ہے تو اسے تول کر اس کا سودا طے کیا جائے۔ ورنہ جو شخص مجہول الوزن ڈھیر کا سودا کرے تو اس کا جرم قابل سزا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو دیکھا جو رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں اناج کے ڈھیر بغیر ماپ تول کے خرید لیتے تھے، ان کو مار پڑتی تھی۔ [2]

7 خرید کردہ مال کو اپنے سٹور وغیرہ میں منتقل کیے بغیر اس کا آگے سودا کر دینا ممنوع ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بازار میں زیتون کا سودا کیا۔ اس کے بعد مجھے ایک آدمی ملا جو مجھ سے اسی زیتون کو معقول منافع پر خریدنے کے لیے تیار تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اسے اس کے ہاتھوں بیچ دوں، لیکن اچانک ایک شخص نے پیچھے سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے کہا: اِس زیتون کو اسی مقام پر مت بیچو جہاں تم نے خریدا ہے، جب تک کہ اسے اپنے ٹھکانے پر منتقل نہ کر لو۔ پھر انھوں نے کہا:

«إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهٰى أَنْ تُبَاعَ السِّلَعُ حَيْثُ تُبْتَاعُ ، حَتّٰى يَحُوزَهَا التُّجَّارُ إِلٰى رِحَالِهِمْ»

"رسول اکرم ﷺ نے سامان کو اسی جگہ پر فروخت کرنے سے منع فرمایا جہاں اسے خرید کیا گیا ہو۔ جب تک کہ تاجر لوگ اسے اپنے ٹھکانے (سٹور وغیرہ) پر نہ لے جائیں۔" [3]

8 جب سودا ہو رہا ہو تو اسی چیز کی بیع کی غرض سے بائع اور مشتری کے درمیان کسی تیسرے آدمی کا گھس آنا ممنوع ہے۔

بعض اوقات بائع اور مشتری کے درمیان بات چیت چل رہی ہوتی ہے کہ بیچ میں کوئی تیسرا آدمی گھس آتا ہے اور وہ بائع کو زیادہ قیمت کی پیش کش کر کے ان دونوں کے سودے کو خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يَبِيعُ الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ أَخِيهِ ، وَلَا يَخْطُبُ عَلٰى خِطْبَةِ أَخِيهِ ، إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ»

[1] صحيح مسلم: 1530. [2] صحيح البخاري: 2131. [3] سنن أبي داود: 3499، وحسنه الألباني.

”کوئی آدمی اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے۔ اور نہ ہی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی کا پیغام بھیجے۔ ہاں اگر وہ اجازت دے دے تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“ [1]

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

«لَا يَسُمِ الْمُسْلِمُ عَلَى سَوْمِ أَخِيهِ ---»

”کوئی مسلمان اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے۔“ [2]

9 کسی کی مجبوری سے نا جائز فائدہ اٹھانا درست نہیں ہے

عام طور پر جب کوئی آدمی اپنی کسی مجبوری کے تحت کسی چیز کو فروخت کرنا چاہتا ہے تو اس سے نا جائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی قیمت کم سے کم لگائی جاتی ہے، کیونکہ اس کے بارے میں پتہ ہوتا ہے کہ اس نے یہ چیز بیچنی تو ہے ہی، اس لیے صرف اپنا ہی فائدہ مدنظر رکھا جاتا ہے، چاہے بائع کو نقصان کیوں نہ ہو۔ اور یہ اخوت و بھائی چارے کے سراسر خلاف ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کو اِس طرح نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اسے یہ سوچنا چاہیے کہ اگر وہ اُس کی جگہ پر مجبور ہوتا تو کیا وہ اِس بات کو پسند کرتا کہ کوئی اسے نقصان پہنچائے یا اس کی مجبوری سے نا جائز فائدہ اٹھائے؟ یقیناً وہ اسے پسند نہ کرتا۔ تو وہ اس بات کو اپنے بھائی کے لیے کیوں پسند کرتا ہے؟

اس کے برعکس ہر مسلمان کو اپنے بھائی کا خیر خواہ ہونا چاہیے۔ جیسا کہ جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی بیعت کی کہ میں ہمیشہ نماز قائم کروں گا، زکاۃ ادا کرتا رہوں گا اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا۔ [3]

ایک مرتبہ جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے ایک غلام نے ان کے لیے ایک گھوڑا تین سو میں خریدا۔ چنانچہ انھوں نے جب اس گھوڑے کو دیکھا تو اس کے مالک کے پاس آئے اور کہا: تمھارے اس گھوڑے کی قیمت تین سو سے زیادہ ہے۔ پھر اسے زیادہ قیمت کی پیش کش کی، حتی کہ اسے آٹھ سو دے دیے۔ [4]

10 سودا واپس موڑ لینا کارِ ثواب ہے

سودا طے ہونے اور خرید وفروخت مکمل ہو جانے کے بعد بعض اوقات مشتری اپنی رائے تبدیل کر لیتا ہے کہ مجھے یہ چیز خریدنی نہیں چاہیے تھی، یا اُس چیز میں کوئی عیب نکل آتا ہے اور وہ اسے واپس کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اگر بائع کو کوئی نقصان نہ ہو تو اسے اس چیز کو واپس لے کر اس کی قیمت خریدار کو لوٹا دینی چاہیے۔ خصوصاً اگر 'خیارِ عیب' کی شرط

[1] صحیح مسلم: 1412. [2] صحیح مسلم: 1413. [3] صحیح البخاري: 57، صحیح مسلم: 56. [4] فتح الباري- الإیمان باب قول النبي ﷺ: الدین النصیحة.............

رکھ لی گئی ہو اور خرید کردہ چیز میں واقعتا کوئی عیب ظاہر ہو جائے تو بائع کو اس چیز کے واپس لینے میں کسی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لینا چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا أَقَالَهُ اللهُ عَثْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''جو بائع کسی مسلمان کا سودا واپس کرلے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے گناہ معاف فرما دے گا۔''[1]

11 اشیائے محرمہ کا کاروبار کرنا حرام ہے

جو چیزیں حرام ہیں ان کا کاروبار کرنا بھی حرام ہے۔ اور جو شخص ان چیزوں کی تجارت کرے جو شرعی لحاظ سے حرام ہوں تو اُس تجارت کے ذریعے ہونے والے اس کی آمدنی بھی یقینا حرام ہوگی۔

مثلاً سگریٹ، تمباکو، شراب اور تمام نشہ آور اشیاء کا کاروبار حرام ہے۔ اسی طرح موسیقی اور گانوں پر مشتمل کیسٹوں یا فحش افلام والی سی ڈیز کا کاروبار بھی حرام ہے۔ اسی طرح حرام جانوروں کی خرید وفروخت بھی حرام ہے اور ان کے ذریعے ہونے والی آمدنی بھی۔ اس کے علاوہ کسی حرام کام کے ذریعے پیسہ کمانا بھی حرام ہے۔ مثلاً بدکاری، کہانت اور داڑھی مونڈ کر کمائی کرنا وغیرہ۔

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، زانیہ کی آمدنی اور نجومی کی کمائی سے منع فرمایا۔[2]

اور جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا کتے اور بلّے کی قیمت وصول کرنا جائز ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔[3]

ہاں البتہ شکاری کتا اس سے مستثنیٰ ہے۔[4]

12 مسروقہ مال کی خرید وفروخت حرام ہے

جو شخص مسروقہ مال کو فروخت کر کے پیسہ کمائے، وہ یقینا حرام ہے۔ اور اسے خریدنے والا شخص اگر یہ جانتا ہو کہ یہ مسروقہ مال ہے، پھر بھی وہ اسے اونے پونے خرید لے تو وہ بھی اس کے گناہ میں شریک تصور کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

[1] سنن أبي داود: 3462، سنن ابن ماجه: 2199- وصححه الألباني. [2] صحيح البخاري: 2237، صحيح مسلم: 1567. [3] صحيح مسلم: 1569. [4] جامع الترمذي: 1281. قال الألباني: حسن.

''اور تم گناہ اور زیادتی کی بنیاد پر ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔''①

اگر مسروقہ مال کے مالک کو یہ پتہ چل جائے کہ اس کا مال فلاں شخص نے لاعلمی میں خرید لیا ہے تو اس کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو اس سے وہی مال پیسوں سے خرید لے۔ اور اگر چاہے تو اس سے اس کے چور کے بارے میں معلومات لے کر اس کے خلاف عدالت سے رجوع کرے۔

اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ ((إِذَا كَانَ الَّذِي ابْتَاعَهَا ((يَعْنِي السَّرِقَةَ)) مِنَ الَّذِي سَرَقَهَا غَيْرَ مُتَّهَمٍ ، يُخَيَّرُ سَيِّدُهَا ، فَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الَّذِي سُرِقَ مِنْهُ بِثَمَنِهَا ، وَإِنْ شَاءَ اتَّبَعَ سَارِقَهَا))

''وہ شخص جس نے مسروقہ مال چور سے خرید کیا ہو، اگر وہ اس جرم میں شریک نہ ہو اور لاعلمی میں اس نے وہ مال خریدا ہو تو اس کے مالک کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہئے تو چوری شدہ مال کی قیمت ادا کر کے لے لے۔ اور اگر چاہے تو اس کے چور کا پیچھا کرے۔''②

اس حدیث میں اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تینوں خلفائے راشدین، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم نے بھی اس کے متعلق یہی فیصلہ فرمایا تھا۔

شیخ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''اس حدیث میں دو اہم فائدے ہیں: پہلا یہ کہ جو شخص اپنا مسروقہ مال کسی ایسے شخص کے پاس پڑا ہوا دیکھے کہ جو اس کی چوری میں ملوث نہیں ہوا بلکہ اس نے غاصب یا سارق سے اسے خرید کیا تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اسے اس سے لے لے، الا یہ کہ وہ اس کی قیمت ادا کرے۔ اور اگر وہ چاہے تو حاکم کے ہاں غاصب یا سارق کے خلاف اپیل کرسکتا ہے............''③

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اگر صاحب مال کو معلوم ہو جائے کہ اس کا مال فلاں شخص کے پاس موجود ہے تو وہ بے روک ٹوک اسے لے جا سکتا ہے۔ رہی مشتری کی رقم جو وہ چور کو ادا کر چکا تو اس کی یہی صورت ہے کہ وہ چور کو تلاش کر کے اس سے اپنی رقم واپس لے۔ ورنہ اس کی رقم ضائع ہو جائے گی۔ ان حضرات نے اس کی دلیل سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ وَجَدَ عَيْنَ مَالِهِ عِنْدَ رَجُلٍ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ ، وَيَتَّبِعُ الْبَيِّعُ مَنْ بَاعَهُ))

''جو شخص اپنا مال بعینہ کسی دوسرے آدمی کے پاس پڑا ہوا پالے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ اور مسروقہ مال کو

① المائدة 5:2. ② سنن النسائي:4680.وصححه الألباني. ③ الصحیحة للألبانی:609 .

خریدنے والا اُس شخص کو ڈھونڈے جس نے اس کے پاس یہ مال بیچا تھا۔“[1]

تو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور جو حدیث ہم نے ابھی ذکر کی ہے اُس کے خلاف ہے۔

13 مسجد میں خرید وفروخت ممنوع ہے

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

« إِذَا رَأَيْتُمْ مَّنْ يَّبِيعُ أَوْ يَبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ فَقُولُوا : لَا أَرْبَحَ اللهُ تِجَارَتَكَ »

”جب تم مسجد میں کسی کو کوئی چیز فروخت کرتے ہوئے یا خرید کرتے ہوئے دیکھو تو کہو: اللہ تمھاری تجارت میں کوئی برکت نہ ڈالے۔“[2]

14 حیلہ سازی کے ذریعے سودی لین دین کرنا

سودی لین دین بلا شبہ حرام ہے۔ قرآن وحدیث کے واضح دلائل اس کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے سودی لین دین کی حرمت معلوم ہونے کے بعد اسے جاری رکھنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ کے مترادف قرار دیا ہے۔ لیکن صد افسوس ہے ان لوگوں پر جو حیلہ سازی کے ذریعے سودی لین دین جاری رکھتے ہیں۔ ویسے تو اس کی متعدد صورتیں ہمارے معاشرے میں موجود ہیں، لیکن ہم اس کی ایک ہی صورت کی طرف اشارہ کیے دیتے ہیں۔ اور وہ ہے بیع عینہ۔

’بیع عینہ‘ یہ ہے کہ ایک شخص کو نقد پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو وہ کسی سے کوئی چیز مثلاً گاڑی ایک لاکھ روپے میں ایک سال کے وعدے پر خرید لیتا ہے۔ پھر ایک آدھ دن کے بعد وہ وہی گاڑی اسی آدمی کو نوے ہزار روپے میں نقد قیمت پر فروخت کر دیتا ہے۔ اور نوے ہزار وصول کر لیتا ہے۔ پھر سال گزرنے پر وہ اسے ایک لاکھ روپے دے دیتا ہے۔ اِس طرح اسے فوری طور پر نوے ہزار روپے مل گئے۔ اور گاڑی کے مالک کو ایک سال بعد دس ہزار روپے منافع مل گئے جو دراصل نوے ہزار روپے کا ایک سال کا سود ہے۔ گاڑی کی بیع کو درمیان میں لا کر اس سود کو حلال بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ بیع عین سود پر مشتمل ہے۔ اس لیے یہ حرام ہے۔

15 خوردنی اشیاء کی ذخیرہ اندوزی حرام ہے

بعض تاجر حضرات خوردنی اشیاء کو ذخیرہ کر لیتے ہیں، جبکہ مارکیٹ میں ان کی اشد ضرورت ہوتی ہے، وہ اِس انتظار میں رہتے ہیں کہ جب ان اشیاء کی قلت ہوگی تو یقینی طور پر ان کا ریٹ بڑھ جائے گا، چنانچہ جب واقعتا ریٹ بڑھ جاتا

[1] سنن أبي داود: 3531، سنن النسائي: 4681. [2] جامع الترمذي: 1321_ وصححه الألباني.

ہے تو وہ اپنا 'سٹاک' مارکیٹ میں لے آتے ہیں۔ اس کا ملکی معیشت پر بہت برا اثر پڑتا ہے اور خوردنی اشیاء بہت مہنگی ہو جاتی ہیں۔ بیچارے غریب عوام ان خوردنی اشیاء کو ترستے رہ جاتے ہیں جبکہ تاجر حضرات صرف ہوسِ زر پوری کرنے کے لیے اس طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے اور زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ)) ''ایک گناہ گار ہی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے۔''[1]

اس کے برعکس ہونا یہ چاہیے کہ تاجر حضرات خوردنی اشیاء وافر مقدار میں مارکیٹ میں بھیجیں، تاکہ عام لوگوں کو یہ چیزیں سستے داموں مل جائیں۔ ظاہر ہے کہ جب یہ چیزیں سستے داموں ملیں گی تو جلدی نکل جائیں گی، اس طرح تاجروں کے ہاتھوں میں سرمایہ جلد از جلد آئے گا اور وہ اس سے مزید اشیاء خرید کر مارکیٹ میں بھیج سکیں گے۔ اور انھیں مزید منافع حاصل کرنے کے مواقع میسر آئیں گے۔

لیکن اگر تاجر حضرات ایسا نہ کریں اور خوردنی اشیاء کو سٹاک کر کے مارکیٹ میں ان اشیاء کی مصنوعی قلت پیدا کریں تو حکومت وقت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ جبراً ان سے خوردنی اجناس وغیرہ باہر نکلوائے اور مصنوعی قلت کا خاتمہ کرے۔ یا وہ خود مناسب وقت پر ان اجناس کو خرید لے اور حسب ضرورت انھیں مارکیٹ میں بھیجتی رہے۔

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دین حق کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

محترم حضرات! آخری گزارش یہ ہے کہ خرید وفروخت کی ہر وہ صورت جس میں جہالت (لاعلمی) ہو یا دھوکہ پایا جاتا ہو وہ ممنوع ہے۔ 'جہالت' سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کو خریدنا ہو وہ نامعلوم ہو یا اس کی قیمت نامعلوم ہو۔ اس اصول کے تحت خرید وفروخت کی بعض ممنوع صورتیں نہایت اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہیں:

1. باغ کا پھل پکنے سے پہلے ہی اس کا سودا کرنا ممنوع ہے۔ کیونکہ طوفانِ باد وباراں یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے اس کے تباہ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے پھل کے پکنے سے پہلے اس کا سودا کرنے سے منع کیا اور ارشاد فرمایا:

((أَرَأَيْتَ إِذَا مَنَعَ اللهُ الثَّمَرَةَ بِمَ يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مَالَ أَخِيهِ؟))

''تمھارا کیا خیال ہے، جب اللہ تعالیٰ پھل روک دے تو تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا مال کس چیز کے بدلے میں لے گا؟''[2]

[1] صحيح مسلم: 1605. [2] صحيح البخاري: 2198.

2 کھیتی کے تیار ہونے سے پہلے ہی اس کا سودا کرنا بھی ممنوع ہے۔

3 کسی باغ کی پیداوار کا کئی سالوں کے لیے پیشگی سودا کرنا بھی ممنوع ہے۔

4 حاملہ جانور کے پیٹ میں جو کچھ ہو اس کی ولادت سے پہلے ہی اس کا سودا کرنا ممنوع ہے۔

5 شیر دار جانور کو فروخت کرنے سے تین چار دن پہلے اس کے تھنوں میں دودھ روک دینا۔ تاکہ گاہک کے سامنے جب اس کا دودھ نکالا جائے تو وہ بہت زیادہ ہو اور دھوکہ دے کر اس سے جانور کی قیمت زیادہ وصول کی جائے۔ یہ بھی حرام ہے۔

6 ماہی گیر سے سودا کرنا کہ اس مرتبہ جتنی مچھلیاں تمھاری جال میں آئیں گی وہ میں اتنی رقم میں تم سے خرید لوں گا۔ اس میں ماہی گیر اور مشتری دونوں کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جال میں کتنی مچھلیاں آئیں گی۔ جہالت کی بناء پر یہ بیع ممنوع ہے۔

7 بیع نجش بھی حرام ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایک بائع کسی چیز کو فروخت کرنے سے پہلے اپنے دوستوں کے ذمے لگا دے کہ جب اس چیز کی قیمت لگنا شروع ہو تو وہ اس کی قیمت بڑھاتے جائیں۔ تاکہ خریدار کو زیادہ سے زیادہ قیمت پر پھانسنا ممکن ہو۔ یقینا یہ بھی دھوکہ دہی ہے جو کہ حرام ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ نے صراحتا اس سے منع فرمایا ہے۔[1]

محترم حضرات! خرید وفروخت کے جو آداب واحکام ہم نے قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیے ہیں، اگر تمام مسلمان پابندی سے ان پر عمل کریں تو یقینی طور پر ان کے بہت سارے مالی مسائل حل ہو سکتے ہیں، معاشی پریشانیوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور ان کے رزق میں برکت آسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان آداب واحکام پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

[1] صحيح البخاري:2142، صحيح مسلم:1413، 1515.

زادالخطیب کے بارے میں علماء کرام کے تاثرات

شیخ الحدیث حافظ عبدالستار حماد حفظہ اللہ

''ہمیں دورانِ مطالعہ ان خطبات میں درج ذیل خصوصیات دیکھنے کو ملی ہیں: ① ہر خطبے کے آغاز میں معین موضوع کے متعلق تمہیدی کلمات اور اس کے اہم عناصر کا ذکر ہے، پھر ہر عنصر کے لیے کتاب وسنت سے مواد فراہم کیا گیا ہے۔ ② صرف صحیح احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے ③ ان خطبات میں دوسرے خطبے میں بھی اختصار اور جامعیت سے کام لیتے ہوئے وعظ ونصیحت کا اہتمام کیا گیا ہے جو کہ مسنون ہے۔ ④ ان خطبات میں علمی ثقاہت اور جلالتِ بیان کی جھلک نمایاں ہے، کیونکہ ہر بات حوالے سے مزین اور ہر دعویٰ دلیل سے مبرہن ہے۔ ⑤ شعر گوئی اور قافیہ بندی سے گریز کرتے ہوئے اندازِ بیان سادہ مگر انتہائی پرمغز، اسلوب تحریر میں پانی کی سی روانی، آسان محاورات اور سہل عبارات سے اپنا مدعا بیان کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے تاکہ دل سے نکلنے والی بات دل میں جاگزیں ہو جائے۔ الغرض یہ ''خطبات جمعہ'' نہ صرف خطباء اور واعظین کے لیے مفید ہیں بلکہ ہمارے نزدیک ہر لائبریری اور ہر گھر کی بھی ضرورت ہیں، ان سے ہر ممکن استفادہ کرنا چاہیے۔''

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

''عرصۂ دراز سے اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ: ① ایک تو خطباء حضرات کے لیے خطبات کا ایک ایسا مجموعہ مرتب ہو جس میں خالص اسلام کی صحیح تعبیر وتشریح ہو۔ ② دوسرے نمبر پر ایسے بدعی اعمال پر تنبیہ ہو جنھوں نے دین اسلام کو مسخ کر دیا ہے۔ ③ تیسرے، ہر موضوع کی تفصیلات صرف صحیح روایات پر مشتمل ہوں، ضعیف اور بے سروپا روایات کا سہارا نہ لیا گیا ہو۔ یہ مجموعۂ خطبات، علماء وخطباء کے لیے بلاشبہ ایک نعمت غیر مترقبہ، ایک ارمغانِ علمی، علوم ومعارف کا ایک گنجینہ اور آیاتِ قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کا ایک خزینہ ہے۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر رحمہ اللہ

''مجھے ان خطبات کو پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ میرے نزدیک یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ ائمہ کرام اور خطبانِ عظام کو کتاب وسنت کی روشنی میں موضوعاتی خطبے ملیں۔ ان خطبات کی زبان سادہ وسلیس ہے، اندازِ نگارش شگفتہ اور متین ہے، حوالے مستند اور کامل ہیں۔ اپنے موضوع پر جو موازنہ اور معلومات فراہم کی گئی ہیں وہ لائق داد ہیں۔ اللہ تعالیٰ مصنفِ مذکور کی اس کاوش کو قبول ومنظور فرمائے اور اس سے خطباء کو استفادے کی توفیق بخشے۔'' آمین یارب العالمین۔

ناشر مرکز الفلاح الخیری۔ لاہور

Designed & produced by: DARUSSALAM Ph: 042-37240024-37232400